نواب صدیق حسن خان کا تفسیری منہج اور تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تفسیری ادب میں مقام

مقالہ برائے پی ایچ ڈی علومِ اسلامیہ

سنہ ۱۴۳۰ھ / سنہ ۲۰۰۹ء

مقالہ نگار

عبدالرازق گوندل

نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر حافظ محمود اختر

پروفیسر

شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور
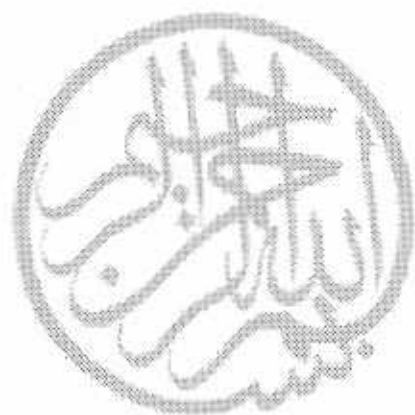
وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا
جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ
تَفْسِيْرًا

BIO - DATA

Name	:	Abdul Raziq
Father's Name	:	Abdul Samad
Nationality	:	Pakistani
N.I.C No.	:	250-92-002052
Date of Birth	:	24-11-1967
Domicile	:	Faisalabad (Punjab)
Marital Status	:	Married
Religion	:	Islam
Address	:	Chak No. 273 G.B. Teh. Jaranwala, Distt. Faisalabad.

Lecturer
Govt. College Tandlianwala

Qualification:

Examination	Subject	Year	Marks	Division
Matriculation	Science	1983	475/850	IInd
F.A.	Islamiat Arabic History	1985	594/1100	IInd
B.A.	Islamiat Arabic Opt. Persion	1987	502/800	1st
M.A.	Islamiat	1990	605/1000	1st
B.Ed.	Islamiat Arabic	1992	676/1100	1st
M.Ed.	Guidance	1994	71%	1st
Certificate in Arabic Language	Arabic	1989	Jayyed	1st
Certificate in Arabic Language	Arabic	1990	98%	1st

RE SERCH WORK

1. Imam Bokhary as a Faqueh. Thesis M. A.
2. Quranic Psychological concept for personality development of the people.
   Thesis M. Ed.

Telephone: 042-9231232

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES
UNIVERSITY OF THE PUNJAB
Quaid-i-Azam Campus, Lahore
E-mail: chairman@is.pu.edu.pk

Ref. No. D/898/IS

Dated 25-5-2009
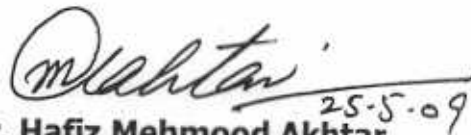
TO WHOM IT MAY CONCERN

It is certified that Mr. Abdul Raziq is a private student in Department of Islamic Studies and he has completed his Thesis titled:

نواب صدیق حسن کا تفسیری منہج اور تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تفسیری ادب میں مقام

under my supervision for the award of Ph.D. Degree Mr. Abdul Raziq is eligible for submission of Thesis under the Rules & Regulation of the Department as well as of the University regarding Ph.D. The material used by his is original and he has shown creativeness in his work. The thesis represents work done by the candidate.

Supervisor

25-5-09

Dr. Hafiz Mehmood Akhtar

Professor

DECLARATION CERTIFICATE

This thesis which is being submitted for the degree of Ph.D. in the University of the Punjab does not contain any material which has been submitted for the award of Ph.D. degree in any University and, to the best of my knowledge and belief, neither does this thesis contain any material published or written previously by another person, except when due reference is made to the source in the text of the thesis.

Mr. Abdul Raziq

Ph.D Scholar

Department of Islamic Studies.

انتساب

میں اپنی اس علمی کاوش کو ان مشفق ہستیوں کے نام منسوب کرتا ہوں جن کے حق میں دعا، عمر اور رزق میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

اظہارِ تشکر

شکریہ کے تمام کلمات اللہ علیم وخبیر کے لیے جس نے راقم کو تفسیر قرآن کے مقدس موضوع پر پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھنے کی توفیق بخشی اساتذہ کرام میں سب سے زیادہ اپنے مشفق استاذ نگرانِ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر ڈین فیکلٹی اسلامک اسٹڈیز کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے مجھے اس کام کے لیے تحریک دلائی اور دورانِ تحقیق قدم قدم پر میری ہر طرح سے فکری اور عملی رہنمائی فرمائی۔

مزید برآں شیخ زاید اسلامک سنٹر و شعبہ علومِ اسلامیہ کے تمام اساتذہ کرام خصوصاً صدر شعبہ پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری، ڈاکٹر ممتاز احمد سالک، ڈاکٹر حمید اللہ، ڈاکٹر محمد عبداللہ، ڈاکٹر محمد حماد لکھوی، ڈاکٹر اشتیاق احمد گوندل نیز دیگر اساتذہ کرام بھی ہیں جنہوں نے اس حوالے سے میرے لیے سہولت اور آسانی فراہم کی۔

محسنین کی فہرست نامکمل ہوگی اگر پروفیسر ڈاکٹر ظفر اللہ رندھاوا، پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، پروفیسر ڈاکٹر مدثر احمد، پروفیسر میاں مختار احمد (پرنسپل گورنمنٹ کالج تاندلیانوالہ) ساجد اسد اللہ لیکچرر، حافظ امجد حسین لیکچرر اور ڈاکٹر محمد اسلم طاہر کا تذکرہ نہ کیا جائے جن کی مدد و معاونت کے بغیر میرا یہ تحقیقی سفر شاید نامکمل رہتا۔

خصوصی معاونت کی بنا پر برخوردار امان اللہ گوندل پی ایچ ڈی سکالر، شاگرد رشید گلزار احمد غوری لیکچرر علوم اسلامیہ (گورنمنٹ کالج گوگیرہ) کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں۔

مواد کی دستیابی کے لیے جامعہ پنجاب کی مین لائبریری اور شعبہ علوم اسلامیہ کی لائبریری، ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری اسلام آباد، جامع تعلیم الاسلام ماموں کانجن، مکتبہ سلفیہ لاہور، مکتبہ دار احیاء التراث السنہ وزیر آباد، مکتبہ مرکز المؤدۃ ڈی جی خان، مکتبہ جھوک دادو اور خلافت لائبریری ربوہ کے عملے کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور یقیناً برادرم چوہدری علی ارشد مرحوم کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں کہ جنہوں نے اپنی حیات میں نایاب ذخیرہ کتب تک رسائی کے لیے 'بیت الکتب' کے دروازے ہمہ وقت میرے لیے کھولے رکھے۔

اسی طرح میرے مواد کو زینت قرطاس بنانے والے کمپوزر عبدالقدوس سلفی اور انتظار احمد کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مقالہ ہذا کو کتابت کے ظاہری حسن سے نوازا اور محترم ملک کامران طاہر جنہوں نے پروف ریڈنگ کی ذمہ داری بہ طریق احسن نبھائی۔

اپنے برادران گرامی عبدالماجد، عبدالوارث سلفی، مستنصر مشتاق واڑنچ، مدثر مشتاق، ماسٹر محمد ادریس گوندل اور ماسٹر محمد یوسف گوندل کا ممنون ہوں اور ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر اہل خانہ ام سعد، اور بچوں سعد، حماد، فواد، ماجدہ، امامہ، ثمرہ، نمرہ کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ جنہوں نے پدری شفقت کے حق معاف کرتے ہوئے۔ اس فرقت کے طویل عرصہ میں اس مقالہ کی تیاری کا سامان بہم پہنچایا۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کا حامی و ناصر ہو۔

دعا گو

عبدالرازق گوندل

مقدمہ

الحمد للّٰہ الذی جعل فی اختلاف اللیل والنہار ایات لاولی الالباب ونشہد ان لآ الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ شہادۃً واقیۃ من سوءِ العذاب. اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے انسانی رہنمائی وہدایت کے لیے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔جس میں زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اصولی ہدایات دیں ﴿لارَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْن﴾ اوراس کتاب مبین کو خدائے واحد نے روئے زمین کی بہترین زبان یعنی عربی میں نازل فرمایا۔ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا﴾

صحابہ کرامؓ عربی دان ہونے کے باوجود قرآن فہمی کے لیے آقا علیہ السلام سے استفسارات کرتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پاک باز ہستیوں نے قرآنی تفسیر کے علم کی تشنگی بلاواسطہ اللہ کے رسولؐ کے فرمودات سے پوری کی۔اس چشمۂ صافی سے فیض یاب ہونے والے اللہ کے یہ برگزیدہ بندے قرآنی تفسیر کے لیے نبی کریمؐ کو مصدرو ماخذ تصور کرتے تھے انہی صحابہ کرامؓ میں سے عبداللہ بن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ جیسے جلیل القدر صحابہ تفسیرِ قرآن میں ممتاز ہوئے جن کی تفسیر کا سلسلہ ان کے شاگردوں کے ذریعے دنیا کے تمام خطوں بشمول برصغیر میں پھیلتا چلا گیا۔ برصغیر میں چونکہ ہندی فارسی اور آریائی زبانیں رائج تھیں۔ضروری تھا کہ اب تک لکھی جانے والی عربی زبانوں میں تمام تفسیروں کے علاوہ علاقائی زبانوں میں تفسیر کا سلسلہ شروع کیا جاتا۔ اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے برصغیر نے ضروری سمجھا کہ یہاں کے مسلمانوں کو قرآن فہمی کے لیے انہی کی زبان میں قرآن کے ترجمہ سے روشناس کرایا جائے اور پھر اس ادراک کے بعد برصغیر میں قرآن کا علاقائی زبانوں میں ترجمہ کا رواج پڑ گیا۔

اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کی اولاد (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ) کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔تراجمِ قرآنی کے آغاز کے بعد قرآن کے حواشی کا سلسلہ شروع ہوا اور شاہ رؤف احمد رافت (م۱۸۳۳) نے مختصر تفسیر لکھی اسی طرح ان کے بعد نواب قطب الدین خان دہلویؒ کی دوجلدوں میں اردو تفسیر سامنے آئی۔

اٹھارہویں صدی کہ جس میں قرآن کے اردو ترجمہ وتفسیر کا رواج شروع ہوا۔ اس دور میں لکھی گئیں تفاسیر حواشی کی طرز پر تھیں یا بہت مختصر لکھی گئیں تھیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ قرآن کی مفصل تفسیر اردو زبان میں لکھی جائے تاکہ عامۃ الناس قرآن کے فہم کو کماحقہ حاصل کرسکیں۔لہٰذا نواب صدیق حسن خانؒ نے اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ایک جامع اردو تفسیر لکھنے کا فیصلہ کیا اور 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' کے نام سے ایک مفصل اور جامع تفسیر لکھی اس کا مقصد یوں بیان فرماتے ہیں:

"عوام الناس قرآن کے مدعا کو براہ راست سمجھ سکیں۔"

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں باقاعدہ مفصل اردو تفسیر کا آغاز نواب صدیق حسن خانؒ کی 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' سے ہوا۔ یہ کتاب خال خال لائبریریوں میں موجود تھی۔ اس کی عدم دستیابی کی وجہ سے اس سے بہت کم استفادہ کیا جارہا تھا ضروری تھا کہ نواب صاحبؒ کی اس کاوش کو چند لائبریریوں کے طاقوں سے نکال کر ان علمی جواہر کو

تشنگانِ علم کے لیے منظر عام پر لایا جائے تاکہ اس تفسیر میں آراستہ کیے گئے علمی لعل و گہر متلاشیانِ علم کی آنکھوں کو خیرہ کر سکیں۔

لہٰذا اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نواب صاحبؒ کی اس تفسیر کے منہج و اسلوب کو واضح کرنے اور علمی و عوامی حلقوں میں اس تفسیر کو مفیدِ عام بنانے کے لیے اس پر کام شروع کیا گیا۔ اس مقالہ میں تفسیر 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' کے منہج و اسلوب اور اس کے مختلف علمی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

موضوع تحقیق کی اہمیت اور سابقہ کام کی روشنی میں افادیت

تفسیر ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' چونکہ ماثوری تفسیر ہے جو کہ عام قاری کے لیے قرآن وحدیث کی اور اقوال صحابہؓ وتابعینؒ کی روشنی میں اردو زبان میں سمجھنے کے لیے بہت بڑا ذریعہ ہے۔ تفسیر کے ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اور اسکی اہمیت کے پیشِ نظر اس کے حسن وقبح کو بیان کرنا اور اس تفسیر کا مختلف پہلوؤں (قرآن فہمی، کلامی، روایتی ودرایتی، اور زبان واسلوب) سے تفصیلی ناقدانہ جائزہ لینا اور اسی زمانے کی چند دیگر تفاسیر سے تقابل کر کے نواب صاحبؒ کے 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' میں اختیار کردہ منہج واسلوب کی وضاحت کرنا بہت اہم تھا۔

نواب صاحبؒ نے اپنی انسٹھ (۵۹) سالہ زندگی دین اور علم وادب کی خدمت میں گزاری انکی خدمات جلیلہ کا اعتراف ان پر ہونے والے مختلف تحقیقی مقالات سے واضح ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض قابل ذکر تحقیقی مقالات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ''لائف اینڈ ورکس آف نواب صدیق حسن خانؒ'' کے عنوان پر سعید اللہ خان نے کیمرج یونیورسٹی سے Ph.d کی ڈگری حاصل کی۔

۲۔ ''نواب صدیق حسن خانؒ'' کے عنوان پر رضیہ حامد نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (انڈیا) سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۳۔ ''السید صدیق حسن القنوجی آراؤہ الاعتقادیہ وموقفه من عقیدۃ السلف'' کے عنوان پر ڈاکٹر اختر جمال لقمان (سعودی عرب) نے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

درج بالا تینوں مقالات زیورطبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

مزید برآں

۴۔ اجتباء ندوی نے بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے نواب صدیق حسن خانؒ پر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۵۔ ''نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ اور لغت نویسی'' کے عنوان پر ''عدیل الرحمٰن'' نے شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے تحقیقی مقالہ لکھ کر ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔

۶۔ ''منهج الشيخ نواب صديق حسن خانؒ تفسير فتح البيان فى مقاصد القرآن'' کے عنوان پر عمر خان بن نور شاہ خان نے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم۔اے کا مقالہ لکھا۔

۷۔ پنجاب یونیورسٹی سے ''نواب صدیق حسنؒ کی خدماتِ حدیث'' کے عنوان پر ایک طالب علم نے ایم اے کا مقالہ لکھا ہے۔

۲۰۰۵ء میں جامعہ سلفیہ بنارس (انڈیا) میں نواب صدیق حسنؒ کی علمی و دینی خدمات پر تین روزہ سیمنار منعقد کیا گیا۔ جس میں نواب صاحبؒ کی علمی، تصنیفی اور دینی خدمات کا جائزہ لیا گیا۔

راقم نے پی ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالہ کے لیے نواب صاحبؒ کی تفسیر 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' کا انتخاب کیا، کیونکہ راقم کی معلومات کے مطابق اس سے پہلے اس پر تحقیقی کام نہیں کیا گیا تھا اگرچہ اس تفسیر کے منہج واسلوب پر پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کے لیے پروفیسر حافظ محمد ایوب (U.E.T) لاہور نے تقریباً پندرہ سال پہلے رجسٹریشن کروائی تھی، لیکن اس پر وہ کوئی کام نہ کر سکے جس کا اظہار انہوں نے راقم الحروف سے ملاقات میں بھی کیا۔

اس تفسیر پر تعارفی تبصرہ پروفیسر ڈاکٹر محمد یحییٰ (U.E.T) لاہور نے ہفت روزہ الاعتصام ۱۷فروری ۱۹۹۵ء کے شمارے میں لکھا، لیکن تبصرہ تفسیر کے تمام پہلوؤں پر بہت کم روشنی ڈالتا تھا اسکے علاوہ محمد یحییٰ قریشی (اسلام آباد) کے ادارہ احیاء التراث السنہ کی فرمائش پر 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' کو مکمل اپنے ہاتھ سے لکھا۔ جس میں انہوں نے صرف عبارت کے کچھ متروک الفاظ کو مستعمل الفاظ میں ڈھالا ہے۔ اور یہ کام بھی شائع نہ ہوسکا۔ عبداللطیف ربانی (مدیر اصحاب الحدیث) نے اس کی تصحیح وتسہیل کا بیڑا اٹھایا، لیکن صرف سورۂ بقرہ اور آل عمران کی آیت نمبر ۹۰ تک کام کیا جو'' مکتبہ اصحاب الحدیث'' نے ایک جلد میں ۲۰۰۳ء کو شائع کر دیا ہے۔ اور اس طرح یہ کام بھی اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔

المختصر یہ کہ اتنی اہم اردو ماثورہ تفسیر جو برصغیر میں ابتدائی اردو تفاسیر میں سے تھی۔ چاہیے تھا کہ اس کو بنظرِ غائر پڑھا جائے اور اس کے تمام پہلوؤں پر ناقدانہ اور تجزیانہ روشنی ڈالی جائے تاکہ اس تفسیر کا منہج واسلوب اور اہمیت واضح ہوسکے۔ اس لیے اسی موضوع کو ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے لیے منتخب کیا گیا۔

خاکہ تحقیق

مقالہ ہذا چار ابواب، خلاصہ ونتائج اور سفارشات میں منقسم ہے۔

باب اول کی فصل اول میں مفسر کے عہد کا فکری پس منظر، جس میں مسلمانوں پر عیسائی مشنریوں کی یلغار ہندوٴ تہذیب اور عجمی تصوف کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اسی دور کے معاشی ومعاشرتی اور سیاسی مغلوبیت کے مسلمانوں پر اثرات کو بھی مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فصل دوم اور سوم میں نواب صاحبؒ کے حالات زندگی اور ان کے علمی مقام ومرتبہ اور ان کی دینی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' کے عمومی تعارف وجائزہ پر مبنی ہے۔ جس میں اس دور کے عہد کا تفسیری ادب، برصغیر میں تفسیر، بالخصوص تفسیر بالماثور کے ارتقاء اور یہاں کے غالب تفسیری رجحانات کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ اس باب کی دوسری فصل میں 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' کا سبب تالیف اور ان کے تفسیری منہج کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے۔

باب سوم کی پہلی فصل میں تفسیر ہذا کے مختلف تفسیری مآخذ سے استفادہ کا منہج، جبکہ دوسری فصل میں تفسیری روایات

سے اخذ و استفادہ کا طریقہ کار، جس میں اصول روایت ودرایت کا التزام، اسرائیلیات کو بیان کرنے کا طریقہ کار اور فقہی منہج واسلوب کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نواب صاحبؒ کی اجتہادی بصیرت، سلفی مسلک کی ترجمانی، اور آئمہ اربعہ کے اقوال وفتاویٰ واجتہادات سے اخذ و استفادہ کا طریقہ کار رقم کیا گیا ہے۔ اس باب کی چوتھی فصل میں مختلف اعتقادی مسائل کو اس تفسیر کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب چہارم کی فصل اول میں ایمان، عبادات اور معاملات کے بعض پہلوؤں پر درج ذیل چند اردو تفاسیر سے تقابل کر کے نواب صاحبؒ کی ترجمان القرآن بلطائف البیان کے علمی مقام ومرتبہ کو متعین کردیا گیا ہے۔ وہ تفاسیر درج ذیل ہیں:

۱۔ فتح المنان المعروف تفسیر حقانی از مولانا عبدالحق حقانی

۲۔ مواہب الرحمٰن از سید امیر علی

۳۔ تفسیر عثمانی از علامہ شبیر احمد عثمانی

۴۔ ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد

۵۔ بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی

فصل دوم میں ترجمان القرآن بلطائف البیان کے ممیزات وتفردات کی روشنی میں اس کے اردو تفسیری ادب میں مقام ومرتبہ کو واضح کیا گیا ہے۔

آخر میں خلاصۂ تحقیق اور اس کی روشنی میں نتائج تحقیق کو نمبر وار درج کیا گیا ہے۔ نیز چند سفارشات بھی دی گئی ہیں۔

مقالہ کے آخر میں اشاریہ، مصادر ومراجع اور عنوانات کی تفصیلی فہرست دی گئی ہے۔

مشکلات

دورانِ تحقیق بہت سی مشکلات کا سامنا رہا، بربنائے تدریسی فرائض، وقت کی قلت ہمیشہ آڑے رہی۔ انتخاب عنوان کے بعد سب سے اہم مسئلہ تفسیر 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' کی دستیابی کا سامنے آیا۔ تفسیر کی تلاش میں مختلف مکتبات اور اہلِ علم سے رجوع کرنے کے باوجود کسی ایک جگہ سے یکساں طبع شدہ دستیاب نہ ہوسکی۔ اس سلسلہ میں لاہور کے بہت سے علمی مراکز کے علاوہ وزیر آباد، کھڈیاں (قصور) راجووال، جھوک داود، اسلام آباد، ڈیرہ غازی خان، ماموں کانجن، چناب نگر (ربوہ) سے تفسیر کے متعلق معلومات اور مختلف اجزاء کو بڑی جانفشانی سے جمع کیا گیا۔ اس تفسیر کے متروک اردو الفاظ اور قدیم طرزِ تحریر کے سلسلہ میں اردو اساتذہ سے خصوصی راہنمائی حاصل کی گئی۔

علاوہ ازیں دورانِ تحقیق پیش آمدہ دیگر مشکلات کو اللہ تعالیٰ کے فضل، اساتذہ کی راہنمائی، والدہ کی دعائیں برادرانِ گرامی، خواہران اور دوست واحباب کی معاونت، اور ہمارے عزم مصمم نے آسان کردیا۔

(جزاھم اللہ خیرا)

اسلوبِ تحقیق:

۱۔ مقالہ میں تاریخی، تقابلی اور تجزیاتی طریقہ تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔ معلومات ودلائل بنیادی مصادر سے لیے گیے ہیں۔ تاہم تشریح وتعبیر کے لیے ثانوی مصادر کو بھی استعمال میں لایا گیا ہے۔

۳۔ مقالہ کی عبارت آسان، بامحاورہ اور رموزواوقاف کے مطابق لکھنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔

۴۔ ہر صفحہ کے حوالہ جات فٹ نوٹ کی صورت میں دیئے گئے ہیں۔

۵۔ ابتداء سے انتہاء تک مقالہ ادارہ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب کے مرتب کردہ فارمیٹ برائے تحقیقی مقالات کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔

۶۔ مقالہ کے آخر میں نتائج مقالہ کونمبر وار بعنوان ''خلاصہ ونتائج'' لکھا گیا ہے۔

راقم نے تفسیر 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' کا تحقیقی مطالعہ کرکے اس کے منہج واسلوب کو تفصیلی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تفسیری اصولوں کا استخراج بھی کیا ہے۔ اس میں بہت سی علمی خطاؤں اور تکنیکی کمزوریوں کا در آنا بعید از قیاس نہیں جو کہ میری کم علمی پر دال ہیں۔ مقالہ میں مفید اور مثبت علمی مباحث اللہ تعالیٰ کے فضل اور اساتذۂ کرام کی راہنمائی کا نتیجہ ہیں جبکہ علمی خطائیں اور تکنیکی کمزوریاں میری کم علمی اور ناتجربہ کاری پر محمول سمجھی جائیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو مفید عام بنائے، میرے اور میرے اہل وعیال کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

عبدالرازق گوندل

فہرست مضامین

باب اول

نواب صدیق حسن خان کے عہد کا فکری پس منظر
احوال وآثار، علمی ودینی خدمات

فصل اول

نواب صدیق حسن خان کے عہد کا فکری پس منظر

فصل دوم

نواب صدیق حسن خان کے احوال و آثار

فصل سوم

نواب صدیق حسن خان کا علمی مقام و مرتبہ

باب اول

نواب صدیق حسن خان کے عہد کا فکری پس منظر
احوال و آثار، علمی و دینی خدمات

فصل اول

نواب صدیق حسن خان کے عہد کا فکری پس منظر

فصل دوم

نواب صدیق حسن خان کے احوال وآثار

فصل سوم

نواب صدیق حسن خان کا علمی مقام ومرتبہ

فصل اول

نواب صدیق حسن خانؒ کے عہد کا فکری پس منظر

جب بھی کسی شخصیت کے علمی کام کا تعارفی وناقدانہ جائزہ لینا مقصود ہو تو اس دور کے فکری حالات کو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، نواب صدیق حسن خانؒ نے جس دور میں آنکھ کھولی اس وقت استعماری قوتیں برصغیر میں اپنے قدم جمارہی تھیں اور مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف آزادی کی لہر بیدار ہورہی تھی، لہذا ان اضطرابی حالات میں استعماری قوتوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کی سی کیفیت تھی، اور اس قسم کے حالات کا انسانی فکر پر اثر انداز ہونا ایک لازمی امر تھا، لہذا ہم نواب صاحب کے علمی کام کے تعارف سے پہلے اس عہد کے فکری پس منظر کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ اس عہد کی پوری تصویر ذہن نشین ہوجائے۔ اوراق ذیل میں اسی عہد کے فکری حالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مبحث اول

(الف) مسلمانوں پر عیسائی مشنریوں کی یلغار اور اس کے اثرات

مغلیہ دور میں عیسائی اپنے مذہب کی تبلیغ ہندوستان میں بڑی جانفشانی اور تندہی سے کرتے رہے تھے، لیکن ان کی تمام تر کوششیں ناکام ثابت ہورہی تھیں۔ کیونکہ یہ وہ دور تھا جب مسلمان اقتصادی، اخلاقی، مذہبی اور تنظیمی حالت میں مستحکم تھے اور اپنی ایمانی قوت کا لوہا دشمن سے منوا چکے تھے۔ جبکہ عہد عالمگیر کے زوال کے بعد مسلمانوں کی ایمانی، اخلاقی اور معاشی حالت وہ نہ رہی، اور نہ ہی مذہب سے وہ لگاؤ رہا۔ بے حسی اور بے بسی نے سائبان کی طرح انہیں ڈھانپ رکھا تھا جس کی وجہ سے ان حالات میں عیسائیوں کو اپنے مشن میں پیش قدمی کا موقع مل گیا۔[1]

ان کا طریقہ یہ تھا کہ جس مقام پر قبضہ کرتے وہاں امریکی اور جرمنی عیسائی مشنریوں کی فوج، شہروں، قصبوں، دیہاتوں، بازاروں اور محلوں میں پھیل جاتی اور عیسائیت کی تبلیغ وترویج میں زور وشور سے مصروف ہوجاتے۔ سکول کھولے جاتے، ہسپتال قائم ہوتے، طالب علموں اور مریضوں میں مسیحیت کا پرچار کیا جاتا۔ اور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے اسلام کی تکذیب وتحقیر کی جاتی۔ اور ان کاموں میں نہ صرف عام عیسائی پیش پیش ہوتے بلکہ حکمران بھی حصہ لینے میں پیچھے نہ تھے۔[2]

مذکورہ بالا صورت حال کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کلکتہ میں ایک جرمن سکول قائم تھا۔ جس کا تمام تر انتظام علاقہ کے گورنر کے سپرد تھا۔ سکول میں داخلے کے لیے شرط رکھی گئی تھی کہ بچہ کی عمر پانچ سال ہو۔ سکول کے لازمی نصاب میں شامل تھا کہ بلاتفریق مذہب کہ بچہ کہ وہ عیسوی دعاؤں اور بائبل کی تعلیم ضرور حاصل کرے اسی طرح بشپ کالج کلکتہ قائم کیا گیا جس میں ہر طالب علم کو یہ حلف اٹھانا پڑتا کہ وہ تعلیم سے فارغ ہوکر مشنری کاموں میں حصہ لے گا۔[3]

ہندوؤں میں یہ دستور تھا کہ جو بچہ مذہب کو تبدیل کرتا وہ انہیں جائیداد سے محروم کردیتے تھے۔ چنانچہ لارڈ ریڈنگ نے

---

[1] آثار رحمت، ۳۴ [2] ایضا [3] ایضا، ۳۵

اس پریشانی کا سدباب کرنے کے لیے ۱۸۵۰ء میں ایک ایکٹ نافذ کیا کہ اگر کوئی ہندو عیسائی ہو جائے تو وہ اپنے حقوق اور وراثت سے محروم نہ ہوگا۔[۱]

سرسید لکھتے ہیں:

''پادری صاحبوں نے وعظ کی نئی صورت نکالی تھی۔ تکرار مذہب کی کتابیں بطور سوال جواب چھپنی اور تقسیم ہونی شروع ہوئیں۔ ان کتابوں میں دوسرے لوگوں کی نسبت الفاظ اور مضامین رنج دہ درج ہوتے۔ ہندوستان میں وعظ اور کتھا کا دستور یہ ہے کہ اپنے اپنے معبد یا مکان پر بیٹھ کر کہتے، جس کا دل چاہے اور جس کو رغبت ہو وہاں جا کر سنے۔ پادری صاحبوں کا طریقہ اس کے برخلاف تھا وہ خود غیر مذہب کے مجمع اور تیرتھ اور میلے میں جا کر وعظ کہتے تھے اور کوئی شخص صرف حکام کے ڈر سے مانع نہ ہوتا تھا۔ بعض ضلعوں میں یہ رواج نکلا کہ پادری صاحب کے ساتھ تھانہ کا چپڑاسی جانے لگا، پادری صاحب وعظ میں صرف انجیل مقدس ہی کے بیان پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ غیر مذہب کے مقدس لوگوں کو اور مقدس مقامات کو بہت برائی اور ہتک سے یاد کرتے تھے۔ جس سے سننے والوں کو نہایت رنج اور دلی تکلیف پہنچتی تھی۔[۲]

ملازمین کو تبلیغ

انگریز صاحب اپنے ماتحتوں اور ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آ کر پادری صاحب کا وعظ سنو۔ غرض اس بات نے ایسی ترقی پکڑی کہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عمل داری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا۔!

سرسید مزید لکھتے ہیں:

''۱۸۵۵ء میں پادری اے ایڈمنڈ نے دارالامارات کلکتہ سے سرکاری ملازمین کے نام سرکلر بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ''اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی ہے' تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی، ریلوے، سڑک سے سب کچھ کی آمد و رفت ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک چاہیے اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ۔''[۳]

مشنری تعلیمی ادارے

مشنریوں نے تعلیمی سرگرمیوں کو ہندوستان میں اپنے کام کا جزو لاینفک کیوں قرار دیا؟، دراصل ان مشنریوں کا پہلا اور خاص مقصد لوگوں کو عیسائی بنانا تھا۔ اور کوئی ان سے یہ توقع نہیں رکھ سکتا تھا کہ وہ تعلیمی ادارے قائم کریں گے اور ایک استاد کی

---

۱ آثار رحمت، ۴۷ — ۲ اسباب بغاوت ہند، ۱۲۲، ۱۲۳

۳ ایضاً ۱۲۹

حیثیت سے کام کریں گے۔ انگریز ذمہ دار افسروں نے یہ کہہ کر کہ ''مشنریوں کا تعلیمی اداروں سے کیا مطلب ہے'' امداد دینے سے انکار کیا تو مشنریوں کے عملی تجربات نے انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ تبدیلی مذہب کے کام کی تکمیل کے ایک ذریعہ کی حیثیت سے انہیں سکول قائم کرنے ہی پڑیں گے۔

دراصل عیسائی مشنری، سرکاری اداروں کو عوام کے رابطہ کے طور پر استعمال کرتے تھے ان عمارتوں کا استعمال تعلیمی کاموں کے مقابلے میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے زیادہ ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ مشنریوں نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ سکول عیسائی تبلیغ کا ایک موثر ذریعہ ہیں اور یہ کہ انہیں تعلیم اور مشنری کام دونوں کو ساتھ ساتھ کرنا ہوگا۔ یہی احساس تھا جس نے آگے جا کر ہندوستان کے مشنری سکولوں کو جنم دیا۔[1]

سر سید احمد خانؒ اسباب بغاوت ہند میں لکھتے ہیں:

> ''مشنری سکول بہت جاری ہوئے اور ان میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے ہیں بہت بڑے حکام ان کی جاتے تھے اور لوگوں کو ان میں داخل اور شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ امتحان مذہبی کتابوں سے لیا جاتا تھا اور طالب علموں سے جو کم عمر ہوتے تھے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون؟ تمہارا نجات دینے والا کون؟ اور وہ عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تھے، اس پر ان کو انعام ملتا تھا۔''[2]
>
> دیہاتی مکتبوں کے مقرر ہونے سے سب لوگ جان چکے تھے کہ صرف عیسائی بنانے کے لیے یہ وجود میں آئے ہیں۔ ڈپٹی انسپکٹر جو ہر گاؤں اور قصبہ میں لوگوں کو نصیحت کرتے تھے کہ اپنے لڑکوں کو مکتبوں میں داخل کرو، ہر ہر گاؤں میں کالا پادری ان کا نام تھا۔ ڈپٹی انسپکٹر زیادہ تر مشنری ہوتے تھے اور ان کی بڑی اہمیت تھی چھوٹی نوکریوں کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا تھا کہ سٹرٹیفکیٹ پر ڈپٹی انسپکٹروں کے دستخط ہونے ضروری ہیں۔ یہ ڈپٹی انسپکٹر جو مشنری ہوتے تھے ان کے دستخط اگر سرٹیفکیٹ پر نہ ہوتے تو نوکری نہیں ملتی تھی۔[3]

اس کے علاوہ عیسائی مشنری کتابوں، پمفلٹوں اور اخبارات کے ذریعے تبلیغی مشن جاری رکھے ہوئے تھے، اس لٹریچر میں مسلمانوں کی دل آزاری اور ان کو اپنے مذہب اور اسکی تعلیمات سے متنفر کرنے کیلئے جناب رسول اکرمؐ اور قرآن مجید کے بارے میں عجیب و غریب جھوٹے الزامات پر مبنی اقتباسات پڑھائے جاتے جنکی ہلکی سی تصویر پیش خدمت ہے۔

قرآن مجید اصلی نہیں ہے، قرآن مجید تورات اور زبور سرقہ ہے۔ اور یہ یہودیوں کی

---

[1] تاریخ تعلیم ہند (اردو)، ۶۳، ۶۴ [2] اسباب بغاوت ہند، ۱۲۳، ۱۲۵

[3] آثار رحمت، ۳۹

خرافات ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا لہذا آپؐ نبی برحق نہیں ہیں۔ کتاب مقدس کے مطالب قرآن وحدیث کے خلاف ہیں اس لیے قرآن کتاب الٰہی نہیں۔ اسلام جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ آپؐ کو وحی نہیں آئی تھی بلکہ صرع کی بیماری تھی۔ آپ کی ذات اقدس کے بارے میں شرمناک اور نازیبا الزامات اور حملے۔ ازواج مطہرات پر ناپاک حملے۔ عیسائی مشنریوں کا انداز انتہائی بھونڈا اور غیر شریفانہ ہوتا تھا۔ اور یہی انداز کتابوں اور پمفلٹوں میں اور رسالوں میں وہ اختیار کرتے تھے[1]

تبلیغ عیسائیت کے مختلف انداز

ا۔ اعلانیہ تبلیغ: اس طریقہ میں مناظرہ ومباحثہ کے علاوہ زبردستی عیسائی بنانا بھی شامل تھا۔

٢۔ بذریعہ تعلیم: مدارس، کالجز اور اسکالرشپ اسکیم اور خط وکتابت وغیرہ کے ذرائع سے۔

٣۔ بذریعہ خدمت خلق: شفاخانے، یتیم خانے، دارالامان کا قیام، نقد رقم دے کر اور مختلف احسانات کے ذریعے سے ممنون کر کے عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی تھی۔

٤۔ بذریعہ خواتین: عیسائیت کی تبلیغ کے لیے عورتوں کو استعمال کرنے سے دریغ نہیں کیا جاتا تھا اور مجبور انسانوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عیسائیت کی طرف راغب کرتے تھے[2]

ڈاکٹر محمد نادر صدیقی نے برصغیر پاک وہند ١٨٤٨ء سے ١٩٤٧ء تک مشن سوسائٹیوں اور ایجنسیوں کی آمد کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اور باقاعدہ ان مشنریز اور ایجنسیوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ آخر میں آپ لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔۔۔۔۔٩٧ سال تقریباً ایک صدی کے عرصہ میں پاکستان کے موجودہ علاقہ میں کل سترہ مشنز، ٣٤٧ مشنریوں کے ساتھ سرگرم عمل تھے۔ ان اعداد میں رومن کیتھولک وغیرہ شامل نہیں ہیں۔''[3]

(ب) ہندوؤں کے عزائم اور ان کا میدان عمل میں آنا

انیسویں صدی میں برصغیر میں مغلیہ سلطنت کے زوال نے صرف مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کو مایوسی اور جمود نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اہل ہند پر ذہنی وفکری پستی طاری تھی۔ ہندو چونکہ گزشتہ آٹھ سو سال سے مسلمان حکمرانوں کی اطاعت میں تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی طور پر متاثر تھے۔ لہذا مسلمانوں کے زوال کے اس دور میں ہندوؤں نے اپنی مذہبی بقاء کے لیے سماج کو ویدوں اور اپنشدوں کے احکام کے مطابق ڈھالنے کا آغاز کیا۔ وہ انگریزوں کی سیاسی یلغار کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان سے یک جہتی کرنے پر آمادہ ہو گئے ان کو تو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ پہلے مسلمان حکمران تھے اب انگریز۔ اس لیے ہندوؤں نے نئی

---

[1] آثار رحمت، ٣٩، ٤٠

[2] پاکستان میں مسیحیت، ٢٨٩-٣٠٣

[3] ایضا، ٣٩٥

صورت حال سے سمجھوتہ کرلیا اور ایسے سماجی، تعلیمی اور معاشرتی اداروں کے قیام پر راضی ہوگئے تاکہ ان کی جہالت کے اندھیروں کو مٹایا جاسکے۔ اس ضرورت کے لیے سماج کو سنوارنے اور ہندوؤں کی تعلیمی، تمدنی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی حالت کو سدھارنے کے لیے ہر شہر میں بہت سی سبھائیں معرض وجود میں آگئیں۔ مثلاً

۱۔ برہمو سماج قیام، ۱۹۲۸ء ۲۔ پراتھنا سماج قیام، ۱۸۴۲ء ۳۔ دیو سماج، ۱۸۶۴ء

۴۔ سوشل مومنٹ بنگال قیام، ۱۸۷۰ء ۵۔ آریہ سماج قیام، ۱۸۷۵ء

۶۔ تھوفیاسیکل مومنٹ قیام، ۱۸۷۹ء

ان میں سے بعض سبھائیں تعلیمی معاشرتی ترقی کی علمبردار تھیں۔ بعض اس ردعمل کے طور پر معرض وجود میں آئیں کہ ہندوؤں کو قدیم ویدوں اور اپنشدوں پر عمل کرنا چاہیے۔ اور قدیم رسم ورواج کی سختی سے پابندی کرنی چاہیے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی گزشتہ شان وشوکت حاصل کرنا چاہیے۔ بہرحال ان سب کا بنیادی مقصد ہندوؤں کو عیسائیت کی یلغار سے بچانے کی بجائے۔ مسلمانوں کو ہندوازم میں ضم کرنا تھا۔

برہمو سماج

راجہ رام موہن رائے برہمو سماج کے بانی تھے۔ انہوں نے اپنے مذہب کے علاوہ اسلام اور عیسائیت کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور دونوں مذاہب سے کسی حد تک متاثر بھی تھے۔ راجہ صاحب نے اپنی تحریک کی عملی جدوجہد کا آغاز آتمی سبھا کے نام سے کیا۔

''اس انجمن کا مقصد مذہبی امور میں آزادی کے ساتھ تبادلہ خیالات اور دریافت حقیقت تھا۔ چنانچہ اس برہمو سماج تحریک نے کئی مناظرے کیے۔''[1]

اس تحریک کو فروغ دینے میں راجہ موہن رائے کو اپنے جن ساتھیوں کا مکمل تعاون حاصل رہا۔ ان میں مہارشی دوارکا ناتھ ٹیگور، برجموہن موزمدار، راج نرائن سیس قابل ذکر ہیں۔ اس تحریک نے ۱۸۲۸ء میں برہمو سبھا کی صورت اختیار کرلی اس کے پہلے سیکرٹری نادر چند چکروتی مقرر ہوئے۔ راجہ موہن رائے نے ہندوؤں میں تعلیمی سرگرمیوں کو تقویت دی اور جگہ جگہ برہمو سماج کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں کو مغربی سائنس اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی ترغیب دی جائے۔ سماج کی تحریک کے نتیجہ میں ہندوؤں میں تعلیم حاصل کرنے کا رجحان فروغ پذیر ہوا۔ بس یہی وجہ ہے کہ اس تحریک سے مسلمان لیڈر بھی متاثر نظر آتے ہیں جن میں سرسید احمد خان قابل ذکر رہے۔ چنانچہ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''یہ وہی راہ عمل ہے، جس پر سرسید نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد عمل کیا۔''[2]

سرسید احمد خاں نے برہمو سماج سے متاثر ہو کر علی گڑھ تحریک کا آغاز کیا۔ اس تحریک کے تعلیم یافتہ نوجوان اپنی مذہبی آزاد خیالی میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ وحی والہام سے انکار معجزات کی عقلی دلیلیں گھڑتے، عبادات کے معاملہ میں آزاد واقع ہوئے ہیں۔

---

۱ ہند کے سیاسی مسلک کی نشوونما: ۲۴

۲ اردو ادب کی تحریکیں: ۲۹۴

برہموسماج کی مقبولیت کے سلسلہ میں ایک برہموسماج لیڈر دیونندر ناتھ سہائے لکھتا ہے:

''(ترجمہ ہندی سے)'' برہموسماج کی تحریک ایک زبردست طوفان کی طرح اٹھی اور آناً فاناً نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک میں بھی اس کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ بھارت میں نہ صرف ہندو اور سکھ اس سے متاثر ہوئے بلکہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے نے بھی اس میں شمولیت اختیار کی۔ روزانہ بیسیوں مسلمان برہموسماج میں پردیش یعنی داخل ہوتے۔''[1]

ہندو تہذیب کے احیاء کے لیے برہموسماج نے درج ذیل خطوط پر کام شروع کیا۔

۱۔ ہندوؤں کو جدید تعلیم سے روشناس کروانا

۲۔ علمی میدان عقلی اور منطقی دلائل مضبوط کرنا

۳۔ مختلف شاخیں قائم کرنا

۴۔ ممبر شپ دینا اور اپنے تحریکی ممبروں کی ہر ممکن امداد کرنا

آریہ سماج

آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی ایک گجراتی برہمن تھے جو ۱۸۲۴ء میں پیدا ہوئے اور ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۳ء میں اجمیر کے مقام پر وفات پائی۔ آریہ سماج دراصل برہموسماج کا ردعمل ہے۔ برہموسماج نے آزادروی کو فروغ دیا جس سے قدامت پرستی پر سخت چوٹ لگی۔ جس کے خلاف شدید ردعمل پیدا ہوا۔ اور ہندوؤں میں ماضی کی طرف لوٹ جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ دیانند سرسوتی نے ہندومت کے ماضی سے راہنمائی حاصل کر کے، ہندو بنیاد پرست تنظیم قائم کی۔ جس نے مذہبی مقاصد کے لیے تدبیر کی بجائے جبر اور عقل کی بجائے جوش کو استعمال کیا۔ ان کی زندگی میں مباحثوں مناظروں اور فروغ اختلاف کو اہمیت حاصل رہی۔

۱۸۷۵ء آریہ سماج کا بمبئی میں قیام عمل میں آیا اور انتھک کوششوں سے یہ تحریک ہندوؤں کے ان پڑھ اور غریب طبقوں میں بہت جلد مقبولیت حاصل کر گئی۔ اس زمانہ میں دیانند نے آریہ سماج کا جدید عہد نامہ ستیارتھ پرکاش کے نام سے ترتیب دیا وید اور اپنشد چونکہ سنسکرت زبان میں تھے۔ جنہیں عام لوگ نہیں پڑھ سکتے تھے دوسرے ان میں بہت سا تغیر و تبدل رونما ہو چکا تھا۔ ان کا ترجمہ کیا گیا ان کے قواعد اور اصولوں کو نئے سرے سے ترتیب دے کر ستیارتھ پرکاش کے نام سے نئی تصنیف ہندوؤں کے سامنے پیش کی۔ جس میں ویدوں کی تعلیمات اور عقائد کو دوراز کار تاویلات کر کے ایک نئے نظریہ کی بنیاد رکھی گئی جسے اس زمانہ کے تعلیم یافتہ طبقہ نے بھی قبول کرنا شروع کیا یہ تحریک آہستہ آہستہ پھیلنی شروع ہوئی اور ہندو بلا خوف و خطر ہندوستان پر چھا جانے کا دعویٰ کرنے لگے۔ اور یہ بھی دھمکیاں دینے لگے کہ ہندوستان کے تمام مسلمان دوبارہ ہندو ہو جائیں، کیونکہ وہ ہندوؤں سے ہی مسلمان ہوئے ہیں۔ اگر وہ ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں تو ان کو ہندو بن کر رہنا ہوگا۔ آریہ سماج کے چند سرکردہ لیڈروں کے مشورہ سے یہ پروگرام

---

[1] اسلام اور آریہ سماج کی ترازو، ۲۶

ترتیب دیا گیا کہ اسلام اور بانی اسلام اور قرآن پر دلآزار حملے کر کے مسلمانوں کو بھی مشتعل کیا جائے۔ چنانچہ ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب میں اسلام قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا اور ہندوازم کو اسلام سے بہتر ثابت کیا تو اس زمانے کے مسلمان علماء ہندوؤں کے اس حملہ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور ہندوستان بھر میں آریہ سماج کے ممبران میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔

نامور مورخ جناب تاراچند اپنی کتاب ''فریڈم موومنٹ ان انڈیا'' میں آریہ سماج کے بارے میں لکھتے ہیں:

"Some of the activities of the Arya Samaj were controversial. Dayanade was the first Hindu reformer who turned over from defense to attack from protecting the Hindu faith from the assaults of the Christian and the Muslim critics to fighting them on their own ground in order to oblige them to defend their position. His work the sselyartha Pakistan raised a polymer against all the other religions. Inheritably this sharpened communal differences and accentuated antipathies".[1]

آریہ سماج کی سرگرمیاں متنازعہ فیہ تھیں۔ دیانند پہلا ریفارمر تھا جس نے ہندو کو مدافعانہ انداز اختیار کرنے کی بجائے جارحانہ انداز اختیار کرنے کو کہا۔ اور اس نے نہ صرف ہندوؤں کو عیسائیت اور مسلمانوں کے اعتراضات کے حملہ سے بچایا بلکہ ان پر اس قدر شدید اعتراضات کیے کہ ان کو اپنے گھر میں ہی دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ''سیتارتھ پرکاش'' نامی کتاب تصنیف کی جس میں دوسرے مذاہب پر اعتراضات پر مناظرانہ انداز اختیار کیا گیا تھا جس سے فرقہ وارانہ اختلافات کو ہوا ملی۔

آریہ سماج تحریک کا سیاسی، سماجی اور تاریخی جائزہ لیتے ہوئے ایک نامور محقق مہاشہ فضل حسین رقم طراز ہیں:

''سمرتھ رام داس اور سیوا جی مرہٹہ کا خواب پورا کرنے کے لیے جس قسم کی تحریک مہاتما تلک نے جاری کی اسی طور کی تحریک سوامی دیانند جی نے بھی چلائی۔ ان دونوں کا نصب العین ایک ہی تھا۔ مگر طریق کار میں کسی قدر اختلاف تھا۔ اول الذکر تحریک زیادہ تر سیاسی لائنوں پر چلائی گئی مگر آخر الذکر کو مذہبی رنگ دیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ سوامی

---

[1] History of the freedom movement in India، vol:11.P:423

صاحب کی تحریک زیادہ وسیع اور زیادہ منظم، زیادہ مضبوط، زیادہ موثر اور زیادہ کامیاب ہوئی۔ سوامی صاحب بھی وہی چاہتے تھے جو تلک مہوے کا ایدیش تھا۔ مگر تلک کی تحریک مہاراشٹر اور بنگال وغیرہ تک ہی محدود رہی اور سوامی صاحب کی تحریک سارے ملک میں پھیلی اور بار آور ہوئی۔ کیونکہ اس پر جس قسم کا رنگ چڑھایا گیا تھا وہ جہاں جدید الخیال ہندوؤں کو اپیل کرتی تھی وہاں قدامت پسند ہندو بھی اس سے متاثر ہوتے تھے۔'' [۱]

خود ہندو مورخین کی رائے میں آریہ سماج کے قیام کا واحد مقصد ہندوستان سے اسلام کو ملیامیٹ کرنا اور مکمل ہندو راج کا قیام تھا۔ چنانچہ لالہ لاجپت رائے بی ایل ٹی لکھتے ہیں:۔

''ہندوستان میں سوائے ہندو راج کے دوسرا راج ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک دن آئے گا کہ ہندوستان کے سب مسلمان شدھی آدمی اندولن کی وجہ سے آریہ سماجی ہو جائیں گے۔ یہ بھی ہندو بھائی ہیں۔ آخر صرف ہندو ہی رہ جائیں گے یہ ہمارا آدرش (نصب العین) ہے۔ یہ ہماری آشا (تمنا) ہے سوامی جی مہاراج نے آریہ سماج کی بنیاد اس اصول کو لے کر ڈالی تھی۔''

''اجمیر سے چل کر سوامی دیانند چاند پور پہنچے اور مسلمانوں سے زبردست مناظرہ کیا مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی عبدالغفور صاحب پیش ہوئے اور ان کی مدد کے لیے بہت سے مولوی جمع تھے، لیکن سوامی جی مہاراج کے ساتھ صرف منشی بختاور سنگھ اور منشی اندر من مراد آبادی تھے۔ سوامی جی نے اعتراضات کی اس قدر بھرمار کی مولوی ان کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور وہیں ان کو چھوڑ کر بھاگ گئے جس کا اثر یہ ہوا کہ مولوی نور اللہ صاحب کئی مسلمانوں سمیت آریہ ہو گئے۔ انہی ایام میں ایک ہزار کے قریب اور مسلمان آریہ ہو گئے۔ آریہ ویروں نے جگہ جگہ شدھی سبھا قائم کر کے مسلمانوں میں پرچار کرنا شروع کر دیا۔ اگر آریہ سماجی دوست اس پوتر کام کو جاری رکھتے تو مسلمانوں کا ایک کثیر حصہ ویدک دھرم کی شرن میں آجاتا۔'' [۲]

آریہ سماج اپنے قیام کے دو ماہ کے اندر اندر ہندوؤں کے تمام طبقات میں مقبولیت حاصل کر گئی۔ چنانچہ دیانند سرسوتی نے ہندوستان کے بہت سے شہروں کا دورہ کیا۔ ۱۸۷۷ء میں پنجاب کے بہت سے شہروں کا دورہ کیا مثلاً ملتان، گورداسپور، راولپنڈی،

---

[۱] اخبار پرکاش، ۱۱ [۲] آریہ سماج کی تاریخ، ۱۰۲، ۱۰۳

جہلم، وزیر آباد، گجرات، گوجرانوالہ، لاہور، امرتسر، جالندھر، لدھیانہ اور فیروز پور۔ دیانند جہاں جہاں جاتا تقاریر کرتا جس کے نتیجہ میں وہاں آریہ سماج کا قیام عمل میں آجاتا اور لوگ جوق در جوق آریہ سماج میں شامل ہوجاتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پنجاب میں آریہ سماج کے خوب چرچے شروع ہوگئے۔

آریہ سماج کا ہندو تہذیب کے احیاء کے لئے درج ذیل طریقوں کو آزمانا:

۱۔ ہندوؤں کو بنیادی تعلیمات ویدوں اور اپنشدوں کی طرف مراجعت کا مشورہ

۲۔ مدافعانہ طریقہ کار کی بجائے مسلمانوں کے مذہب پر اعتراضات کر کے مسلمانوں کو ان کے دین سے متنفر کرنا اور انہیں دفاعی پوزیشن سنبھالنے پر مجبور کرنا

۳۔ مناظرانہ طریقہ کار اختیار کیا گیا جو کہ اس زمانے کا مقبول ترین طریقہ تھا

۴۔ ہندو راج کے قیام کو آسان بنانا۔

بھگتی تحریک

اس تحریک کے بانی جنوبی ہند کے ماشر رامانج اور ہند کے بڑے پرچارک رامانند نے ۱۳۰۰ھ میں مذہب کو ''محبت قرار دیا۔ کہ محبت ہی انسانیت کا مذہب ہے۔ انہوں نے دنیا کے تمام مذاہب کو درست قرار دیتے ہوئے سب مذہبوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تا کہ اس آڑ میں اسلام کے امتیازات کو مسخ کر دیا جائے۔ بھگتی تحریک کے پرچارکوں نے ایک خدا پر ایمان لانے کی تلقین کی، سادہ، پاکیزہ اور مشاورتی زندگی کا پرچار کیا، ذات پات کے امتیازات سے انکار کیا، ان کی تعلیمات میں ہندو، مسلم، رام، رحیم، قرآن، پران، ویدا اور کتاب، کاشی اور کعبہ، شانہ بشانہ چلتے تھے۔ ظاہر ہے اس ملغوبے اور مرکب سے ہندو دھرم کا تو کچھ نہیں بگڑتا تھا کہ وہ تو پہلے ہی چند پراگندہ رسوم کا مجموعہ ہے۔ البتہ اسلام کی انفرادیت اور اس کی اپنی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

بھگتی مت کے بارہ پرچارک اور چیلے ہوئے ہیں یعنی بھگت کبیر جو جولاہا تھا دھنا بھگت جو جاٹ تھا، اویداس جو موچی تھا، ایکناتھ بھی موچی تھا، نامدیو درزی تھا، گرونانک سکھ مذہب کے بانی بھی اس تحریک کے پرچارکوں میں شمار ہوتے ہیں۔ بعد میں یہی تحریک اکبر کے ''دین الٰہی'' کی صورت میں نمودار ہوئی۔ [۱]

مغلیہ سلطنت کی تباہی میں سکھوں اور ہندوؤں نے جو کردار ادا کیا اس کا وزن بھی اس تحریک کے پلڑے میں ڈالا جا سکتا ہے۔ [۲]

بھگتی تحریک گویا نظریاتی سطح پر متحدہ قومیت کی تحریک کا آغاز تھا، جبکہ اسلام میں متحدہ قومیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ مشرکین اور دیگر مذاہب مسلم حکومت میں ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے جھنڈے کے تحت رہ سکتے ہیں ایک دوسرے میں مدغم ہو کر کسی نئی تہذیب کا ساتھ دینے یا اسلام میں بیرونی مشرکانہ رسوم کو داخل کر لینے کی صورت میں اسلام برقرار نہیں رہ سکتا اور نہ اس پر چلنے والے مسلمان کہلائیں گے۔

۱۔ پاکستان کا اسلامی پس منظر: ۶۱ ۲۔ ایضاً، ۶۲

سید حسن ریاض لکھتے ہیں:

''فیروز تغلق تک دہلی کے تخت پر طاقتور سلاطین آتے رہے۔ اور پھر سلطنت میں ضعف آیا اور برہموں نے بھگتی کے نام سے اپنی وہی تبلیغ شروع کی جس سے انہوں نے بہتیوں کو ہندو مذہب میں جذب کیا تھا اور اس سے ضعیف الاعتقاد اور جاہل مسلمانوں کے خیالات اور عقائد میں اختلال پیدا ہوا اور دیر تک رہا۔''[۱]

بھگتی تحریک کا ہندو تہذیب کے احیاء میں کیا کردار رہا؟ درج ذیل نکات سے واضح ہوتا ہے:

۱۔ جدید وقدیم ہندو نظریات کو جمع کرنا

۲۔ ذات پات کی نفی کرنا

۳۔ مسلمانوں کو رام اور رحیم کے ایک ہونے کا تصور دینا

۴۔ سب مذاہب کے درست ہونے کا پرچار کرنا

۵۔ متحدہ قومیت کا تصور دینا جو کہ اسلامی تہذیب کے نظریہ کے خلاف ہے (الكفر ملة واحدة)

مسلمانوں نے یہاں آ کر ہندو تہذیب، معاشرت اور تمدن کو اس حد تک اپنایا کہ ان پر ہندی رنگ غالب آ گیا، حاکم اور محکوم میں زبان، رسم و رواج، تہذیب اور معاشرت میں یک رنگی، اور ہم آہنگی پیدا ہوگئی اور دونوں مشترک کوششوں سے ایک (Indo-Muslims) ہندوستانی ثقافت نے جنم لیا۔[۲]

مشہور مورخ سر جادو ناتھ کے حوالے سے سید طفیل احمد لکھتے ہیں:

''دلی کے مغل دربار کے اندر ہندو اور مسلمانوں کے خاص خاص برابر جوش وخروش کے ساتھ منائے جاتے تھے۔ دسہرہ کے دن شاہی جلوس نکلتا تھا۔ جس میں ہاتھیوں اور گھوڑوں کو خوب سجایا جاتا تھا۔ ہندو اور مسلمان امراء آرائش کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ رکشا بندھن کے روز برہمن اور ہندو عہدے دار بادشاہ کی کلائی پر مخصوص ڈورا باندھتے تھے۔ دیوالی کی رات میں شاہی محلوں پر روشنی ہوتی تھی۔ شب برات اور عید بھی اسی رنگ کے ساتھ منائی جاتی ہے۔''[۳]

مسلمانوں نے برہمو سماج سے متاثر ہو کر نہ صرف ان جیسے عقائد اختیار کیے بلکہ خود برہمو سماج میں شرکت اختیار کی جس سے ان کی فکر پر درج ذیل اثرات مرتب ہوئے:

۱۔ جدت پسندی کا واہمہ

۲۔ مسلمانوں کا شامل ہونا

۱۔ پاکستان ناگزیر تھا، ۱۴۰ ۲۔ اسباب بغاوت ہند، ۱۳

۳۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ۵۲

۳۔ تحریک علی گڑھ کا قیام

۴۔ آریہ سماج کی رو سے فرقہ وارانہ اختلافات پروان چڑھے

۵۔ اسلامی امتیازات مسخ ہوئے (اس کی تفصیل بھگتی تحریک میں موجود ہے)

۶۔ مسلمانوں میں بظاہر مسلمان رہتے ہوئے مشرکانہ رسوم جاری ہوئیں

۷۔ مسلمانوں کا نہ تو اسلام مکمل برقرار رہا۔ اور نہ ہی اس پر چلنے والے مکمل مسلمان نظر آئے۔

(ج): عجمی تصوف کے اثرات

تصوف کا مفہوم:

تصوف ایک پیچیدہ مظہر ہے یہ ایک ایسے دریا کی مانند ہے جو بہت سی سرزمینوں سے آتے ہوئے معاونین کے ملنے سے بحرِ زخار ہو جاتا ہے تاہم اسکی لفظی واصطلاحی تعریف درج ذیل ہے۔

عام طور پر ''صوفی'' کے لفظ کو صوف سے مشتق خیال کیا جاتا ہے ابن خلدون کا یہی قیاس ہے عربی لغت کی رو سے ''تصوف'' کے معنی ہیں ''اس نے لباس صوف پہنا'' جیسے تقمص کے معنی ہیں اس نے قمیص پہنی ابتدا میں صوفیہ کو ان کی صوف پوشی کی وجہ سے صوفی کہنے لگے وجہ تسمیہ تو ٹھیک ہے، لیکن صوفیہ صرف صوف پوشی ہی سے مخصوص ومختص نہیں اور نہ صرف صوف پوشی ہی اہل معرفت کی پہچان ہو سکتی ہے صاحب 'کشف المحجوب' لکھتے ہیں

"الصفا من اللہ تعالیٰ انعام و کرام والصوف لباس الانعام "[۱]

''صفائی (باطنی) بندہ پر حق تعالی کا انعام واکرام ہے اور صوف چار پایوں کا لباس ہے۔''

تصوف کی جامع تعریف شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ نے یوں کی ہے

''تصوف وہ علم ہے، جس سے تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق، تعمیر ظاہر وباطن کے احوال کا علم ہوتا ہے تاکہ سعادت ابدی حاصل کی جا سکے۔ اس کا موضوع بھی تزکیہ وتصفیہ اخلاق تعمیر ظاہر وباطن ہے اور اس کی غایت ومقصد سعادت ابدی کا حاصل کرنا ہے۔''[۲]

یوسف سلیم چشتی تصوف کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

''لغوی معنی تو ہیں صوف کا لباس پہننا، لیکن اصطلاحی معنی میں نفس کا تزکیہ وتجلیہ کرنا۔ تاکہ آئینہ قلب میں ''عکس رخ یار'' منعکس ہو سکے۔''[۳]

مسلمانوں میں دو طرح کا تصوف مروج ہوا۔

(i) اسلامی تصوف (ii) غیر اسلامی تصوف

۱۔ کشف المحجوب، ۳۲ ۲۔ تاریخ تصوف، ۹۹

۳۔ ایضا

اسلامی تصوف سے مراد وہ تصوف ہے جس کی بنیاد قرآن و حدیث اور اور آثار صحابہؓ پر ہے جبکہ غیر اسلامی یا عجمی تصوف سے مراد ایسا تصوف ہے جس کی نظیر قرآن وسنت اور آثار صحابہ سے نہ ملے اور اس کی اصل دوسرے مذاہب کے صوفیانہ اور راہبانہ خیالات ہوں جنھیں مسلمانوں میں سے بعض نام نہاد صوفیاء نے خود پر طاری کیا۔ اور عام مسلمانوں نے اسے صوفیانہ طرز زندگی سمجھ کر اسے قبول کیا ایسے تصوف کو عجمی تصوف کہا جاتا ہے۔ گویا اسلامی تزکیہ نفس کے وہ تمام طریقے کہ جو نبیؐ اور صحابہ کرامؓ نے اپنائے تھے ان طریقوں پر عمل پیرا ہو کر قلوب کو معطر وصاف کرنے کے عمل کو تصوف کہتے ہیں۔

عجمی تصوف کے عہد مذکورہ پر فکری و مظاہری اثرات

صوفیاء کے تمام بڑے بڑے سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ، اور فردوسیہ کا تعلق ہندوستان سے نہیں بلکہ ایران و عراق اور وسط ایشیا سے تھا۔ بعد میں ان کے پیروکاران سلسلوں کو ہندوستان میں لائے اور انہیں رائج کیا۔ ان میں سے تین سلسلے چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ ہندوستان میں کافی مقبول ہوئے اسکی وجہ یہ تھی کہ ان میں عربی اثرات کی بجائے عجمی افکار غالب تھے اور اسی وجہ سے ان میں غیر عربی رسومات، طور طریق اور عادات کے لیے رواداری تھی۔ شریعت کی سختی کی بجائے ان کے ہاں ''وحدۃ الوجود'' کا تصور تھا۔ جس میں ہر فرقہ اور مذہب کے لوگوں کو برداشت کرنے کا داعیہ موجود تھا۔ ہندوستان کے ماحول میں جہاں ہندو اور مسلمان دونوں اکٹھے رہتے تھے۔ وہاں نچلے طبقے میں صوفیاء کے سلسلے مقبول ہوئے، کیونکہ انہوں نے آپس میں میل جول اور اشتراک کرتے ہوئے انہیں مذہبی جواز دیا'' نظریہ وحدۃ الوجود''مسلمان صوفیاء میں ہندو تصوف کے نظریہ حلول سے آیا تھا اور اسی نظریہ نے مسلمانوں کی فکر پر دوررس بڑے اثرات مرتب کیے۔

تصوف میں عجمی اثرات کا مظاہر ہمیں صوفیاء کی معاشرتی و مذہبی زندگی پر درج ذیل شکلوں میں نظر آتا ہے۔

بدھ مذہب کی تنظیم کے چند اصولوں کا عکس آج کے بعض نام نہاد صوفیاء پر نظر آتا ہے مثلاً:

۱۔ زرد کپڑے پہننا

۲۔ سر منڈوانا

۳۔ کشکول رکھنا

اس کی کئی ایک مثالیں بھی تاریخ سے ملتی ہیں مثلاً سید عبدالولی غریب نے داڑھی اور بھنویں منڈوا کر جوگیوں کی وضع اختیار کر لی تھی، اس طرح مرزا گرامی، لباس صوفیاء کے باوجود قلندر مشرب اور ہر مذہب کو پسند کرتے تھے۔

آج بھی نام نہاد صوفیاء مخصوص رنگوں کے کپڑے پہنتے ہیں سر منڈواتے ہیں اور ہاتھ میں کشکول رکھتے ہیں یہ ایسی صوفیانہ روشیں ہیں جن کا اسلامی شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض صوفیاء پلید، گندے اور غیر طاہر نظر آتے ہیں جو کہ اسلام کی تعلیمات طہارت۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ﴾البقرہ۲:۲۲۲)''الطهور شطر الايمان'' کے سراسر خلاف

ہیں اس کی بنیاد بھی عیسائیوں اور ہندوؤں کے اسی تصور سے آئی ہے جس کے تحت وہ غیر طاہر رہنے کو زیادہ نیکی کی وجہ سمجھتے ہیں۔[۱]

راہبانہ تصورات جس کے تحت بعض نام نہاد صوفیاء ترک دنیا کر کے قبرستانوں اور آبادیوں سے باہر جا کر رہتے ہیں یہ بھی عجمی تصوف کے اثرات ہی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اسلام تو "لا رھبانیة فی الاسلام" کا قائل ہے۔

---

[۱] تفہیم القرآن، ۳۲۴/۵، ۳۲۵

مبحث دوم

معاشی و معاشرتی حالات

انگریزی عہد سے قبل مسلم معاشرہ

انگریزی عہد سے قبل ہندوستان میں رہنے والے لوگوں کی اخلاقی اور معاشی حالت کیا تھی؟ انگریزی عہد میں لوگوں کے حالات اور معاملات کی کیا صورت ہوگئی؟، دونوں ادوار کا جائزہ لینے سے عمومی حالت کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔

عہد انگریزی سے قبل ہندوستانی معاشرہ کی اخلاقی حالت کے بارے میں مولانا حسین احمد مدنی یوں رقم طراز ہیں:

> ''اس زمانے میں عام طور سے ہندوستانیوں میں مہمان نوازی، انسانی ہمدردی، غربا اور مصیبت زدگان پر شفقت اور رحم، عہد و پیمان کا تحفظ اور پابندی، خداترسی اور سچائی، امانت داری اور سخاوت، وفاداری اور جفاکشی، چستی اور بیداری، شجاعت اور مردانگی وغیرہ اوصاف جمیلہ بڑے پیمانے پر پائے جاتے تھے۔ سچ بولنا تو اس قدر ضروری سمجھا جاتا تھا کہ جرائم پیشہ افراد بھی اس کے بہت پابند ہوتے تھے......'' [۱]

آپ مزید لکھتے ہیں

> ''تجارتی کھاتوں کی وہ حرمت تھی کہ کسی متنازعہ لین دین کے بارے میں ان کا پیش ہو جانا عدالت کے نزدیک ناقابل تردید سمجھا جاتا تھا'' [۲]

پروفیسر سید سلیم صاحب نے ایک انگریز سیاح کی رائے یوں لکھی ہے:

> ''مذہب اور اخلاق کے معاملہ میں ہندوستانی ایسے ہیں کہ ان کو دیکھ کر یورپ کے مسیحی شرمائیں، قتل اور خون ریزی اور زناکاری پر سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ ان سزاؤں سے شاہزادے اور شاہزادیاں تک مستثنیٰ نہیں اگرچہ بت پرست (ہندو) خدائے واحد و برحق کے حقیقی علم سے ناواقف ہیں، ان میں زناکاری شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ شادی شدہ اپنی بیویوں سے بے وفائی نہیں کرتے۔ لواطت (ہم جنس پرستی) کا وہ نام نہیں جانتے، ان کی شادیاں اوائل عمر میں ہو جاتی ہیں اور وہ ان بدیوں میں نہیں پڑتے۔'' [۳]

ہندو نوازی اور مسلم کشی

مغربی اقوام میں سب سے ہندوستان آنے والے پرتگالی۔ ان کے بعد ولندیزی اور فرانسیسی جبکہ سب سے آخر میں آنے والے انگریز ہیں جو کہ تمام مغربی اقوام کو شکست دے کر غالب آگئے اور ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرلی، انگریز دو صدیوں تک

---

۱ نقش حیات، ۱/۱۶۳ ۲ ایضاً، ۱/۱۶۳ ۳ تاریخ نظریہ پاکستان، ۵۴

ہندوستان میں رہے۔ پہلے تجارت کرتے رہے پھر حکمران بن گئے۔ مغربی تاجر نرالے تھے، ان کی تجارت دھونس ودھاندلی کی تجارت تھی، اندرون ملک انہوں نے اجارہ داریاں اور ٹھیکیداریاں قائم کر رکھی تھیں۔ سمندر میں کوئی شخص ان کی اجازت کے بغیر جہاز رانی نہیں کر سکتا تھا۔ بحیثیت تاجر وحکمران ان کا مطمع نظر دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنا تھا انہوں نے ملک کا کھلم کھلا استحصال کیا۔ ہر شے جو ہاتھ لگی اس کو انگلستان لے گئے، یہ دنیا کی عجیب وغریب حکومت تھی۔ جو محض ایک تجارتی کمپنی کی تھی فرد یا قوم کی نہ تھی۔ اقتدار اعلیٰ سات سمندر پار لندن میں کمپنی کے ڈائریکٹروں کے پاس تھا۔ جہاں تک عوام کی رسائی سخت دشوار تھی اس لیے فریاد رسی اور داد رسی عملاً ناممکن ہوگئی تھی۔

ہندوستان میں جتنے بھی مسلمان یا ہندو یا بادشاہ گذرے ہیں ان سب نے تجارت کی طرف مائل نہ تھے بلکہ انہوں نے رعایا کی فلاح وبہبود کو اپنا مقصود بنا رکھا تھا۔ اس کے برخلاف کمپنی کی حکومت کسی اخلاقی مقصد کی سرے سے قائل ہی نہ تھی۔ دراصل یہ ایک قسم کی مشینی حکومت تھی، جس سے اہل ہند کو سابقہ پڑا تھا۔ حکمرانی کے لیے منصوبہ بندی میں اور پالیسی سازی میں انگریزوں کے سامنے دو فریق تھے ہندو اور مسلمان جبکہ انگریزوں کی پالیسی دونوں قوموں کے حوالہ سے جدا جدا تھی۔ یعنی محکوموں میں اختلافات کو بھڑکاؤ اور پھر ثالث بن کر ان پر حکومت کرو۔ اس حکمت عملی کے مطابق انگریزوں نے ہندوؤں کو بحیثیت قوم ابھارا، ترقی و فروغ دیا، مسلمانوں کو گرایا، پست وذلیل کیا۔ انہوں نے ہندونوازی کے لیے درج ذیل اہم اقدامات کیے:

۱۔ انگریزوں نے نہ صرف ہندوؤں کو تجارت میں شریک کیا بلکہ ان سے نجی وسیاسی خدمات بھی لیں۔

۲۔ انگریزوں نے، ہندو عورتوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات بھی قائم کیے (اگرچہ ان کی حیثیت محض داشتہ کی ہوتی تھی)

۳۔ انگریزوں نے ہندوؤں سے نسلی رشتہ بھی ڈھونڈ نکالا کہ ہندوستان کے ہندو اور یورپ میں جرمن نسل کے قبائل درحقیقت آریہ نسل کی دو شاخیں ہیں جن کا اصلی وطن وسط ایشیا کا علاقہ تھا۔

۴۔ ہندو مذہب کے احیاء کے لیے انگریزوں نے، سنسکرت جیسی مردہ زبان کو نئی زندگی بخشی، سنسکرت کی فراموش کردہ کتابوں کو گوشہ گمنامی سے نکال کر بڑی آب وتاب سے شائع کیا۔

۵۔ انگریزوں نے ہندی زبان کو ترقی دی اور ہندوؤں کی تعلیم اور ترقی کے لیے بطور خاص کوششیں کیں۔

۶۔ ہندوؤں ہی کو سرکاری ملازمتوں میں آگے بڑھایا گیا۔

۷۔ ہندوؤں پر مختلف ذرائع سے دولت کی بارش کی گئی[1]

انگریز کی دلی خواہش تھی کہ ہندو، سیاسی غلبے سے پہلے اقتصادی غلبے کی راہ ہموار کریں اور اسی مقصد کے لیے انہوں نے ہندوؤں کی بھرپور امداد کی۔ جبکہ مسلمانوں کو ہر شعبہ زندگی اور تجارتی وکاروباری اداروں سے الگ رکھا۔

مسلمانوں سے متعلق انگریزی پالیسی کا خلاصہ سید سلیم نے یوں لکھا ہے:

۱۔ مسلمانوں پر رزق کا دروازہ بند کر دیا جائے تاکہ مفلس ونادار بن جائیں۔

---

[1] تاریخ نظریہ پاکستان، ۶۰-۶۶

۲۔ تعلیم کے دروازے ان پر بند کر دیے جائیں، تا کہ مسلمان جاہل و پسماندہ ہو کے جائیں۔

۳۔ ان کی تاریخ کو مسخ کر دیا جائے تا کہ ان کے اندر احساس کمتری پیدا ہو۔

۴۔ ہندوستان کی دوسری قوموں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کر دی جائے یہ ایک طویل المیعاد منصوبہ تھا جس پر انگریزی حکومت نے مستقل مزاجی سے عمل کیا اور ایک مہذب اور شائستہ قوم کو جاہل، نادار اور مقہور بنا دیا۔[1]

افلاس کی مار

جس وقت انگریز، ہندوستان آئے تو مسلمان مادی اعتبار سے آسودہ حال اور فارغ البال تھے، دولت و ثروت میں وہ امتیازی حیثیت کے مالک تھے مگر انگریزی حکومت نے طے کر لیا تھا کہ ان کو مفلس اور نادار کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے کیا جا سکتا ہے:

> ''انگریزوں نے ہندوستان کی دولت اور تمام ذرائع، دستکاری، تجارت، زراعت، پر ایسا چھاپہ مارا کہ جس کی نظیر نہ سابقہ زمانوں میں کبھی ملی تھی اور نہ موجودہ زمانہ میں کسی دوسری قوم اور ملک میں دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ تعجب ہے کہ ان امور کے ہوتے ہوئے ہندوستان زندہ کیسے رہا۔''[2]

صنعت کی تباہی

سر سید احمد خاں لکھتے ہیں:

> ''اہل حرفہ کا روزگار بسبب جاری اور رائج ہونے اشیاء تجارت ولائت کے بالکل جاتا رہا۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں کوئی سوئی بنانے والے اور دیا سلائی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا تھا جولاہوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا تھا۔''[3]

انگریزوں کا مقصد برطانیہ کی خوشحالی کے لیے ایک دولت مند علاقے پر قبضہ کرنا تھا تا کہ وہاں کی دولت سمیٹ کر اپنے وطن لے جائیں اور اسی مقصد کے لئے انہوں نے ہندوستان کو منتخب کیا اور یہاں کی صنعت و حرفت تباہ کر کے، برطانوی مال کے لیے ایک مستقل اور سود مند منڈی قائم کر لی۔ چنانچہ ڈھاکہ کی ململ اور بنارسی ریشمی کپڑا جو ایشیا اور یورپ کی منڈیوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا، ولایتی کارخانوں کے بنے ہوئے کپڑے کا مقابلہ نہ کر سکا، کاریگر تباہ ہو گئے، ان کے ہاتھ قلم کیے گئے اور یہ صنعت بالکل برباد ہو گئی۔ صرف ایک کپڑے کی صنعت پر کیا منحصر ہے چھوٹی بڑی ساری صنعتیں متاثر ہوئیں اور یہ سب انگریزی پالیسی کا نتیجہ تھا۔

صنعت و حرفت کی تباہی لوگوں کو دوسرے پیشوں کی طرف متوجہ کرتی، لیکن دوسرے اقدامات کے ذریعے اس کے دروازے بھی ہندوستانیوں پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص تقریباً بند کر دیے گئے۔

---

[1] تاریخ نظریہ پاکستان، ۶۰-۶۶ [2] نقش حیات، ۲۹۷ [3] اسباب بغاوت ہند، ۱۵۵

ملازمتوں سے محرومی

مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ملازمت پیشہ تھا جو کہ کمپنی حکومت کی وجہ سے روزگار سے محروم ہوگیا۔ مغل دور کی عدالت مال ختم کر دی گئی، جس سے نہ صرف کاشتکاروں اور زمین داروں کی مصیبتوں میں اضافہ ہوا بلکہ اس شعبہ سے وابستہ، ہزاروں افراد بے روزگار ہو گئے جن میں بیشتر لوگ مسلمان تھے۔ کارنوالس، نے ۱۷۹۳ء میں مغل دور کے نظام چوکیدارہ کو ختم کر دیا جو دیہات میں امن و امان برقرار رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ جس سے ایک طرف دیہات میں امن و امان کی حالت بگڑ گئی تو دوسری طرف اس سے وابستہ ہزاروں افراد بے روزگار ہو گئے۔ گورنمنٹ سے اشتہار جاری ہوا کہ جو شخص مدرسے کا تعلیم یافتہ ہوگا اور فلاں فلاں علوم اور زبان انگریزی میں امتحان دے کر سند یافتہ ہوگا وہ نوکری میں سب سے مقدم سمجھا جائے گا۔[۱]

معاشی تباہ حالی، مفلسی اور بے روزگاری یوں تو عام تھی، لیکن مسلمان خاص طور پر اس سے متاثر ہوئے صحیح یا غلط۔ مسلمانوں میں کسی دستکاری یا پیشے کا اختیار کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور ایسے لوگوں کو عام سوسائٹی میں زیادہ عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، تجارت کرنا بھی ان کے بس کی بات نہ تھی، لے دے کر سرکاری نوکریاں رہ گئیں۔ لیکن وہ بھی انگریز سے ہندوؤں کے اعتماد کی وجہ، مسلمانوں کو نہ مل سکتی تھیں۔ وارن ہیسٹنگز" نے تو خاص طور پر ہندوؤں کو ملازم رکھ کر انہیں اپنا آلہ کار بنایا اور ان کے ذریعے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے دوسرے انگریزوں کی ملازمت کو عام مسلمان خود بھی زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔[۲]

ولیم ہنٹر، مسلمانوں کا تقابل پہلے اور بعد کے ادوار سے کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "انگریزی حکومت کے شروع میں سرکاری ٹیکسوں کی وصولی کا کام آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا اور یہ کام تقریباً اعلیٰ طبقوں کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ آمدن کا دوسرا بڑا ذریعہ پولیس کی ملازمت تھی اس کے افسر بھی مسلمان ہوتے تھے۔ آمدنی کا تیسرا بڑا ذریعہ عدالتیں تھیں ان پر بھی مسلمان چھائے ہوئے تھے۔ لیکن سب سے بڑی چیز فوج تھی جس کے قبضہ میں فتوحات ملک کی باگ ڈور ہوتی تھی، فوجی افسروں کو سرکاری محصولات کی وصولی پر بینک کے کم شرح سود کے بمقدار تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ بلکہ فوجی افسر اپنے کاشتکاروں کو فوج میں بھرتی کرتے تھے۔ اور سلطنت سے ان سب کی تنخواہیں وصول کرتے تھے۔ ۱۸۰۰ء کے شروع میں بنگال کے کسی اچھے خاندان کے مسلمان کا غریب ہونا ناممکن تھا، کیونکہ دولت کے چشمے جو ہمیشہ جاری رہتے تھے، مسلم گھرانوں کے، صندوقوں کو ہمیشہ لبریز رکھتے تھے۔ مسلمان اب اس قدر گر گئے ہیں کہ اگر وہ سرکاری ملازمت پانے کی قابلیت بھی حاصل کر لیتے ہیں تب بھی انہیں سرکاری اعلانات کے ذریعے خاص احتیاط کے ساتھ ممنوع کر دیا جاتا تھا۔ ان کی بے بسی کی

---

۱ اسباب بغاوت ہند، ۱۲۸ ۲ ایضاً، ۱۲۸

طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ اور اعلیٰ حکام تو ان کے وجود کو تسلیم کرنا ہی اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔[۱]

"۔۔۔۔۔ سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر اور کوئی امید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قلی اور چپڑاسی، دواتوں میں سیاہی ڈالنے والی یا قلموں کو ٹھیک کرنے کے سوا کوئی اور ملازمت حاصل کر سکیں۔[۲]

یہی وجہ تھی ۱۸۶۹ء کلکتہ میں مشکل ہی سے کوئی دفتر ایسا ہوگا جس میں چپڑاسی یا چٹھی رساں یا دفتری کے سوا مسلمانوں کو کوئی اور نوکری مل سکے۔

کاشتکاروں کے ساتھ سلوک

عمدہ اور ناقص زمینوں کی تشخیص کیے بغیر اور زمین داروں کے دیگر حالات اور مسائل کا خیال کیے بغیر ہر قسم کی زمین پر ٹیکس اور محصول لگا دیے گئے، سرسید احمد خاں کاشتکاروں سے سلوک کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بیگہ پیچھے نو من کی پیداوار نکالی اور تین من غلہ اسی بیگہ کا کاشتکار سے اپنا حصہ گورنمنٹ ٹھہر گیا، پھر اوسط نرخ ناموں سے قیمت غلہ قرار دی گئی اور وہ نقدی اس بیگہ کی ٹھہر گئی۔ سرکاری بندوبست میں ان میں سے بہت ساری باتوں کا خیال نہیں رہا، افتادہ زمین پر برابر محصول لگ گیا، جن زمینوں کا زور بڑھانے کو کچھ دنوں افتادہ رکھنا تھا اس کی منہائی نہیں ہوئی، پیداوار کم ہونے لگی جو حساب بندوبست کے وقت لگایا گیا تھا وہ نہ رہا۔ اکثر اضلاع میں ہر ایک بندوبست سخت ہوگیا، زمین داروں، کاشتکاروں کو نقصان عائد ہوئے، رفتہ رفتہ وہ بے سامان ہوگئے۔ ادائے مالگزاری کے لیے وہ قرض دار ہوئے۔ سود قرضہ زیادہ ہونے لگا، بہت سے زمین دار، مالگزار جو بہت اچھا سامان اور معقول خرچ رکھتے تھے مفلس ہوگئے۔"[۳]

گورنر جنرل کارنوالس نے زرعی زمینوں کو سال بہ سال نیلام کرنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی بلکہ ساری زرعی زمینوں کو دائمی ٹھیکہ پر دے دیا تاکہ کمپنی کے خزانہ کو ایک متعین رقم ملتی رہے چونکہ بیشتر کاشتکار مسلمان اور ٹھیکیدار ہندو اس لئے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھاتے تھے۔ ہندو ٹھیکیداروں کے مظالم کا اندازہ راجہ رام موہن کے بیان سے ہوتا ہے:

"ایک کاشتکار جو زمین کی رقم ادا نہیں کر سکتا تھا وہ مجبور ہو کر اپنی جوان لڑکی کو نیچ ذات کے ہندو کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا اس طرح اس کو جو رقم ملتی تھی وہ اس سے زمین دار کے واجبات چکاتا تھا، اس میں سے جو رقم بچ جاتی وہ حکومت کے ٹیکسوں میں اٹھ جاتی یا تحصیل دار اور محکمہ مال کے دوسرے عمال کی نذر ہو جاتی تھی اور وہ پھر پہلے کی طرح تہی

---

[۱] ہمارے ہندوستانی مسلمان، ۲۳۱ [۲] ایضاً، ۲۴۷ [۳] اسباب بغاوت ہند، ۱۴۲

دست مارا مارا پھرتا تھا۔"[۱]

قانون بازیافت کے اثرات

مولوی فضل حق نے مجلس استقبالیہ اور اجلاس مسلم لیگ منعقدہ کلکتہ ۱۹۳۸ء میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"جب قانون بازیافت پاس ہوا تو اس وقت بنگال میں ۹۵% مسلمان زمیندار تھے لیکن قوانین مذکورہ نافذ ہونے کے بعد، دس سال کے عرصہ میں تناسب بالکل برعکس ہو گیا اور مسلمان زمین داروں کی تعداد ۵% رہ گئی۔اس کے بعد ایک اور قانون جاری ہوا، جس سے مسلمانوں کی حیات قومی پر کاری ضرب لگی، جس کے وہ متحمل نہ ہو سکے اور جس نے ان کی سیاسی اقتصادی اور معاشرتی کشتی کو موت کے گھاٹ لگا دیا یعنی ۱۸۳۵ء میں فارسی زبان کو دفتری زبان سے خارج کر کے اس کی جگہ انگریزی کو قرار دیا، اس تغیر نے جس کی رو سے مسلمان اپنی معاشرتی زبان سے محروم کر دیئے گئے۔قوم کی قوم کو دفعتاً پستی اور اضمحلال اور کسمپرسی کی آخری حد تک پہنچا دیا، افسوس صدی کے وسط میں مسلمانوں کے تنزل میں جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ بھی پوری ہو گئی۔۱۸۵۷ء کے غدر نے انگریزوں کے دل میں ہندوستانیوں کی طرف سے عموماً اور مسلمانوں کی طرف سے خصوصاً جو انتقامی آگ پیدا کر دی تھی، اس کی چنگاریاں بنگال تک پہنچ گئیں۔"[۲]

اوقاف اور جاگیروں کی ضبطی

مسلمان حکمران،فوجیوں کو انعام واکرام کے طور پر جبکہ مدارس وخانقاہوں کو تعلیم کی غرض سے زمین الاٹ کرتے تھے، لیکن انگریز حکومت نے وہ عام جاگیریں اور الاٹ شدہ زمینیں،اپنے قبضہ میں لے کر،مسلمانوں کو بے روزگار کر دیا۔

مزید برآں اسلامی نظام تعلیم کو ختم کرنے کے لیے انگریزوں نے صرف بنگال میں مسلمانوں کے جو اوقاف ضبط ،صرف ان کی آمدنی کا اسی ہزار روپیہ سالانہ دوسری قوموں کی تعلیم پر صرف ہوتا تھا۔جس سے پورے ہندوستان کے اوقاف کی ضبطی کا جو نقصان مسلمانوں کے اداروں کو ہوا، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔[۳]

الغرض انگریزوں کی ہندوستان آمد کے وقت ،مسلمانوں برصغیر کی مہذب اور اعلیٰ تعلیم یافتہ قوم تھی ۔ان کا معیار زندگی انتہائی بلند اور خواندگی کا دائرہ وسیع تھا، بہت سارے علماء اور شیوخ علم سے وابستہ تھے ،لیکن کمپنی حکومت کو، مسلمانوں کا یہ مقام برداشت نہ ہوا، اس لئے طرح طرح کی سازشیں شروع کر دیں اور اس چشم صافی کو گدلا کرنے اور ختم کرنے کے لئے مختلف اسکیمیں بنائیں،مسلمانوں کی جاگیروں کا ضبط کرنا بھی، اس سازش کا حصہ ہے۔

---

۱ بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد، ۱۵۵ ۔ ۲ سیاست ملیہ، ۲۸، ۲۹

۳ رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، ۳۴

مسلمان انگریزوں کی ان سازشوں اور کیے گئے اقدامات اور سخت عدم تحفظ محسوس کرنے لگے، ان کو پورا یقین ہو گیا کہ انگریز نہ صرف مسلمانوں کے کلچر اور تہذیب کے اثرات کو مٹانا چاہتا ہے، بلکہ مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتا ہے خود سرسید ''اسباب بغاوت ہند'' میں عوام کے عدم تحفظ کا تذکرہ فرماتے ہیں:

> ''رعایا ہندوستان گورنمنٹ کو میٹھے زہر اور شہد کی چھری اور ٹھنڈی آنچ کی مثال دیا کرتی تھی اور پھر اس کو اپنے دل میں سچ سمجھتی تھی اور یہ جانتی تھی کہ اگر ہم آج گورنمنٹ کے ہاتھ سے بچے ہوئے ہیں تو کل نہیں اور کل ہیں تو پرسوں نہیں۔''[1]

---

[1] اسباب بغاوت ہند، ۱۱۵، ۱۱۶

مبحث سوم

مسلمانوں کی سیاسی مغلوبیت اور اس کے اثرات

اورنگزیب عالمگیر (م ۱۷۰۷ء) کی زندگی کے آخری دور میں عظیم الشان مغل سلطنت کی طنابیں ٹوٹنے لگی تھیں۔ لیکن شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر محنتی، بہادر، دور اندیش، مضبوط کردار اور باتدبیر جرنیل تھا۔ اس نے اپنی حکمت عملی، اعلیٰ تنظیمی و جنگی صلاحیتوں اور تدبر سے کام لے کر مغلیہ سلطنت کے زوال وانحطاط کے آثار نمایاں نہ ہونے دیے۔ اورنگزیب کے بعد جتنے حکمران بھی برسر اقتدار آئے، سب عاقبت نااندیش، اور کمزور دل و دماغ کے مالک تھے۔ اورنگزیب کے بعد دس سال کے عرصے میں وراثت تخت کے بارے میں سات بار لڑائی ہوئی جس سے زوال کی رفتار تیز ہوگئی۔ اس لحاظ سے محمد شاہ کا عہد مغلیہ دور حکومت کی تباہی و بربادی کا مکمل نمونہ ہے۔ محمد شاہ نے ۱۷۱۹ء سے ۱۷۴۷ء تک حکومت کی، اس کا دور انتشار و اضطراب، نکبت و ادبار اور زوال و انحطاط کی طویل داستان اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ مرہٹوں اور جاٹوں کی تباہ کاریاں، نادر شاہ کا دلی میں فتنہ وفساد اور قتل و غارت کرنا، احمد شاہ ابدالی کا حملہ اور قتل عام یہ سب محمد شاہ کے عہد میں ہوئے۔ درباری سازشیں اور ایرانی و تورانی گروہوں کے اقتدار کی جنگ بھی مغلوبیت کی رفتار کو تیز تر کرنے کی ذمہ دار ہے۔[۱]

جبکہ حکومتی سطح پر اگر اس قدر اضطراب کی سی کیفیت ہو تو عوام کا متاثر ہونا فطری عمل ہے یہی وجہ ہے کہ ان حالات نے ایک طرف تو ان میں بدحالی، غربت وافلاس کو عام کر دیا جبکہ دوسری طرف اخلاقی گراوٹ، بدعقیدگی اور بدعملی کے جراثیم پیدا ہو گئے۔ فسق و معصیت معاشرت کا جزو بن گئے جبکہ بدکاریاں اور منکرات تہذیب میں داخل ہوگئیں۔

انیسویں صدی کے آغاز میں اسلامی ممالک میں اندرونی کش مکش اور دماغی بے چینی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ ہندوستان تو اس سے قبل ہی اس کش مکش سے دوچار ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی حکومت اور اقتدار ختم ہو رہا تھا۔ اور انگریزی حکومت کا اقتدار بڑھتا جا رہا تھا۔ مغربی اور مشرقی تہذیبوں اور نظام ہائے فکر میں براہ راست مقابلہ درپیش تھا۔

مسلمانوں کی سیاسی مغلوبیت کے حوالے سے ''ثروت صولت'' اپنی کتاب ''ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ'' میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''اب ان کے سامنے کوئی اعلیٰ نصب العین باقی نہیں رہا تھا۔ قرون اولی کے مسلمان غلبہ اسلام کے نصب العین میں سرشار تھے۔ اور وہ دنیا سے نجات کے لیے اسلامی انقلاب کو ایک لازمی چیز سمجھتے تھے۔ ملوکیت کے زیر اثر مسلمانوں کا یہ اسلامی نصب العین کمزور ہوتا چلا گیا۔ اور ایک وقت وہ آیا کہ مسلمان حکمرانوں کے ذہن سے یہ نصب العین بالکل محو ہو گیا اور اسلام دوسرے مذاہب کی طرح ایک رسمی مذہب بن گیا۔ جہاد کا نظریہ اپنے اصلی مقصد سے ہٹ گیا اور صرف کافروں کے کشت وخوں کا

---

[۱] شاہ عبدالعزیز اور ان کی علمی خدمات: ۳۰

نام رہ گیا۔اور مسلمان حکمرانوں کی فتوحات کا مقصد ذاتی اقتدار اور ذاتی شہرت کے

علاوہ اور کچھ نہ رہا۔[1]

۱۸۵۷ء کی آزادی کی کوشش ناکام ہونے کے بعد ہندوستانیوں کے دل ٹوٹ گئے اور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے دوہرا خطرہ سامنے آیا۔ ایک سیاسی غلامی اور دوسری تہذیبی غلامی۔ فاتح انگریز حکومت نے اپنی تہذیب اور ثقافت کی بنیاد ڈال دی۔عیسائیت کی دعوتی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔عیسائی پادریوں کے نزدیک اسلامی عقائد اور شریعت اسلامی کے ماخذوں اور سر چشموں کے بارے میں شکوک اور بدگمانی پیدا کردینا بڑی زبردست کامیابی تھی۔مسلمانوں کی شکست خوردگی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا۔عیسائی پادریوں اور مسلمان عالموں میں جگہ جگہ مناظرے اور مباحثے شروع ہوگئے۔دوسری طرف فرق اسلامیہ کا آپس میں اختلاف بھی بڑھ گیا، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تردید میں سرگرم اور کمربستہ ہوگیا۔

ان حالات کے نتیجہ میں نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں مختلف تحریکیں نمودار ہوئیں۔جن میں سے کچھ علمی، کچھ اصلاحی اور کچھ سیاسی تھیں جبکہ کچھ تحریکیں ایسی بھی رونما ہوئیں جن کو ہندوستانی عوام میں عموماً اور پورے عالم اسلام میں خصوصی طور پر نتائج چھوڑے یہ وافتراق پیدا کرنے کے لئے مسلمان دشمن عناصر کی مدد حاصل تھی، انہوں نے اپنی کارستانیوں سے پورے عالم اسلام میں خصوصی طور پر انتشار وافتراق پیدا کرنے کے لئے مسلمان دشمن عناصر کی مدد حاصل تھی، اور اپنی کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی رہے۔ایسے حالات میں اللہ تعالی نے شاہ ولی اللہ جیسے بطل جلیل کو توفیق دی کہ وہ ان باطل تحریکوں کا توڑ اور سدباب کریں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریک

اس تحریک نے بڑے عہد آفریں اور دوررس نتائج چھوڑے یہ اپنے اندر نہ صرف علمی، اصلاحی، سیاسی انقلاب کی وسعت رکھتی تھی بلکہ باطل تحریکوں کے مقابلہ کی صلاحیت بھی رکھتی تھی۔یہ تحریک درحقیقت ضرورت کا صحیح حل اور مرض کی صحیح تشخیص تھی جس نے مسلمانوں کو انحطاط سے نکال کر صحیح رخ کی طرف موڑ دیا۔

انیسویں صدی کے وسط میں، ہندوستان میں تحریک آزادی ناکام ہوجانے کے بعد جو اثرات مرتب ہوئے ان کے نتیجہ میں ولی اللہی تحریک اس ملک میں رونما ہوئی جو بظاہر تو ایک ملکی اور سیاسی تحریک کی ناکامی کا براہ راست نتیجہ کہی جاسکتی ہے، لیکن مورخین کی دوررس اور حقیقت شناس نگاہیں اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ ولی اللہی تحریک کی اصل بنیاد اسی وقت قائم ہوچکی تھی جب اٹھارویں صدی عیسوی کی چوتھی دہائی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی قدس سرہ نے حجاز کا سفر اختیار کیا تھا۔شاہ صاحبؒ موصوف ۱۷۳۱ء بمطابق ۱۱۴۳ھ میں دہلی سے حجاز تشریف لے گئے اور وہاں دو سال کے قیام کے دوران، نہ صرف علمی مشاغل میں وقت صرف کیا، بلکہ عالم اسلام کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی غور وخوض اور تدبر وفکر کے بعد اسلامی انقلاب جو جہاد کے اصولوں پر مبنی ہو، لانے کی اسکیم بنائی۔ایسا انقلاب ایسے سرفروشوں کے ذریعہ ہی ممکن تھا۔جن کی نہ صرف خاص طور پر تربیت کی گئی

---

[1] ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ،۲/۳۵۸

ہو۔ بلکہ جو اپنے نصب العین کو پوری طرح سمجھتے ہوں، اصلاحی نظریات ان کے سامنے ہوں اور جن کے لیے قربان ہوجانا ان کی زندگی کا آخری مقصد ہو۔ ہندوستان واپسی پر شاہ صاحبؒ نے یہ اس مشن کا باقاعدہ آغاز کردیا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا اسلوب دعوت

شاہ صاحبؒ نے اپنے کام کی ابتدا قرآن کے درس وتدریس سے کی۔ علوم قرآنی کے فروغ کے سلسلہ میں ان کی خدمات نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ ہندوستانی مفسرین میں سرفہرست جنہوں نے قرآن پاک کا پہلا فارسی ترجمہ کیا اور تشریحی فوائد وحواشی سے اس کو مزین کیا۔ اس کے بعد کے زیادہ ترجمے اسی سے مستفاد ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کے ترجمے کے لیے اصول مقرر فرمائے اور اس سلسلہ میں فارسی میں ایک مستقل رسالہ بھی لکھا۔

شاہ صاحبؒ اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے کہ قرآن کے صحیح مطالب اور معانی تک رسائی ہی، ملت کے اندرونی اختلافات کو ختم کرنے کا واحد علاج اور اسلامی تعلیمات کی طرف رہنمائی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنی مشہور کتاب ''الفوز الکبیر'' تحریر فرمائی۔ شاہ صاحبؒ قرآن فہمی اور تبلیغ قرآن کے کام کو اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سب سے اہم قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ''الفوز الکبیر'' میں رقمطراز ہیں:

> "الا اللہ علی ھذا لعبد الضعیف لا تعد ولا تحصی و أجلھا التوفیق لفھم القران العظیم ومنن صاحب النبوة والرسالة علیه الصلوۃ والسلام علی أحقر الأمة کثیرة وأعظمها تبلیغ القرآن الکریم"[1]
>
> ''اس بندۂ ضعیف پر خداوند تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، ان میں سب سے عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اس نے مجھ کو قرآن کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت رسالت مآب کے احسانات اس کمترین امت پر بہت ہیں۔ جن میں سب سے بڑا احسان قرآن مجید کی تبلیغ ہے۔''

شاہ عبد العزیز دہلویؒ کا کارنامہ

ابھی یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ ۱۷۶۰ء بمطابق ۱۱۷۶ھ میں آپ کی رحلت ہوگئی اور یہ کام آپ کے خلف اکبر حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے ذمہ آگیا۔ آپ کے زمانہ میں، تعلیم وتربیت کا سلسلہ اس حد تک پھیل گیا کہ پورے ہندوستان میں کوئی علمی حلقہ ایسا نہ رہا، جس کا تعلق اس علمی مرکز سے نہ ہو۔

ڈاکٹر رضیہ کے بقول:

شاہ عبد العزیزؒ نے مندرجہ ذیل بنیادوں پر لوگوں کی تربیت فرمائی:

1۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نظریات کو ذہن نشین کرنا

---

[1] الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ۲۳

2۔ خدا پرستی، خوف خدا اور پاک بازی کا سچا جذبہ پیدا کرنا۔

3۔ ملوکیت اور شاہ پرستی کے جراثیم کو ذہنوں سے نکالنا۔

4۔ جذبۂ فدائیت یعنی نصب العین کے لیے قربان ہونے کا شوق پیدا کرنا۔

5۔ خدمت خلق بالخصوص نوع انسانی کی ہمدردی و غم خواری اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچانے کا عادی بنانا

6۔ فوجی اسپرٹ پیدا کرنا، جفاکشی محنت اور ہر قسم کے حالات برداشت کرنے کا عادی بنانا

7۔ شاہانہ تکلفات ختم کرنا اور سادہ زندگی کا عادی بنانا۔

8۔ ایسی رسومات کو بند کرانا جو معاشرہ کی پستی کا باعث بن رہی تھیں۔

9۔ عیاشی کے اڈے ختم کرنا اور ایسے تمام جراثیم سے معاشرے کو پاک کرنا جو لوگوں کو عیش پرست، آرام طلب اور پست ہمت بنا رہے تھے۔[1]

انہوں نے لوگوں کی اصلاح اور تربیت کے لئے مندرجہ ذیل طرق اختیار کیے:

1۔ قرآن وحدیث کا درس وتدریس

2۔ روحانی تربیت

3۔ عوامی جلسوں اور عام اجتماعات میں تقریریں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریک کے تربیت یافتہ علماء

یہ تحریک اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل تھی، جس نے ایک طرف درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا اور دوسری طرف سلوک راہ عرفان میں طالبین کی رہنمائی کی، جس نے ایک طرف وعظ وافتاء کے ذریعہ رشد وہدایت کے دریا بہا دیے تو دوسری طرف تصنیف وتالیف سے اسلام کی حمایت اور حفاظت کی، جس نے ایک طرف مدرسہ کو چار چاند لگا دیے تو دوسری طرف خانقاہ کے در و بام کو ذکر اللہ سے منور کر دیا۔ اسی تحریک نے روحانیت کی بے پناہ قوت وحمیت اور حمیت اسلامی کی بے مثال طاقت کو بروئے کار لا کر سید احمد شہید جیسا روشن دل مجاہد اور غازی تیار کیا جو ہندوستان میں اسلام وایمان کے قیام وفروغ کے لیے ایک جانباز جماعت کی تشکیل اور ایمان واسلام اور آزادی کی بقاء اور استحکام کی خاطر مع رفقاء کے شہادت سے ہم آغوش ہو کر زندگی جاوید سے ہم کنار ہوا۔ غرضیکہ شاہ صاحبؒ کے تربیت یافتہ لوگوں میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ایسے علماء نکلے جنہوں نے اپنے اپنے دائرۂ عمل میں مجتہدانہ کام کیے۔ ان میں سے کچھ حضرات کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا شاہ رفیع الدینؒ

۲۔ مولانا شاہ عبد القادرؒ

۳۔ مولانا شاہ محمد اسحٰقؒ

---

[1] نواب صدیق حسن خانؒ، ۴۴

۴۔ مولانا شاہ محمد یعقوبؒ

۵۔ مولانا شاہ عبدالحئیؒ

۶۔ مولانا شاہ محمد اسماعیلؒ

۷۔ حضرت سید احمد شہیدؒ

۸۔ مولانا رشید الدین دہلویؒ

۹۔ مولانا مفتی صدر الدین دہلویؒ

۱۰۔ مولانا مفتی الٰہی بخش کاندہلویؒ

۱۱۔ مولانا مخصوص اللہؒ

۱۲۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ

۱۳۔ مولانا کریم اللہ دہلویؒ

۱۴۔ مولانا میر محبوب علی دہلویؒ

۱۵۔ مولانا عبدالخالق دہلویؒ

۱۶۔ مولانا حسن علی لکھنویؒ

۱۷۔ مولانا حسین احمد ملیح آبادیؒ

اسی جماعت کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن ندویؒ تحریر کرتے ہیں:

''جہاں تک علماء کا تعلق ہے ان کو رسوخ فی الدین، زہد وتقویٰ، ایثار واخلاص، دینی غیرت وحمیت اور اس کی راہ میں قربانی کے میدان میں عالم اسلام کی سب سے طاقتور دینی شخصیت اور عنصر قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس ظلم وبربریت اور غیر معمولی سنگ دلی اور بے رحمی کی وجہ سے، جس کا مظاہرہ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کے معاملہ میں کیا تھا۔ جن کو وہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا اولین رہنما اور حقیقی قائد تسلیم کرتی تھی۔ نیز عیسائیت کی ترویج واشاعت میں حکومت کی سرگرمی اور گرم جوشی اور مغربی تہذیب کی عوام میں غیر معمولی تیزی کے ساتھ مقبولیت اور مسلمانوں کے عقائد اور اخلاق و معاشرت میں اس کے اثرات کی وجہ سے ان لوگوں کو اقدام کی بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ انہوں نے اس کی فکر شروع کی کہ دینی جذبہ اسلامی روح، اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے جتنے بچے کھچے آثار باقی رہ گئے ہیں ان

کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے لیے قلعہ بندیاں کر لی جائیں اور پھر ان قلعوں میں (جن کو عربی مدارس کے نام سے پکارا گیا ہے) مبلغ و داعی تیار کیے جائیں۔''[۱]

اسی سلسلہ کی عملی کوششوں میں دارالعلوم دیوبند کا قیام (۱۸۶۶ء بمطابق ۱۲۸۳ھ) عمل میں آیا جبکہ اس کے کافی عرصہ بعد ندوۃ العلماء کی تحریک (۱۸۹۳ء، بمطابق ۱۳۱۱ھ) شامل بھی اسی میں ہے۔ یہ تمام کوششیں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی طرز فکر اور عملی پروگرام ہی کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

تحریک ولی اللّٰہی اور نواب صدیق حسن خانؒ

نواب صدیق حسن خان کی دینی مساعی بھی ولی اللّٰہی سلسلہ تک دو واسطوں سے پہنچتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی تعلیم مفتی صدرالدین آزردہ کے زیر سایہ مکمل ہوئی۔ جو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے خاص معاونین میں سے تھے دوسرے یہ کہ نواب صاحب کے والد شاہ عبدالعزیز صاحب کے تلامذہ اور مریدین میں خاص اہمیت رکھتے تھے۔ سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے زبردست حامی اور ہم نوا بھی تھے۔

نواب صاحب، سید صاحب کی دینی تحریک کے زبردست مداح تھے۔ اور آپ نے سید صاحب کے جاں فروشانہ کارناموں کی جگہ جگہ مدح سرائی کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اگر چہ سید صاحب نے علم ظاہر میں پوری دستگاہ حاصل نہیں کی تھی۔ لیکن علم باطن میں وہ درجہ کمال پر پہنچ چکے تھے۔ خلق خدا کو راہ ہدایت پر لگانے میں انہیں خدا کا ایک نشان سمجھنا چاہئے۔ ان کے خلفاء نے وعظ و نصیحت سے سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا اور لوگ شاہراہ کتاب و سنت پر چلنے لگے۔ ان مواعظ و نصائح کی برکات اب تک جاری ہیں۔ حضرت سید کا پایۂ سلوک ظاہر و باطن میں اتنا بلند تھا کہ انہیں دوسروں سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔''[۲]

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"حاصل کلام آنکه دریں قرب زماں ایں چنیں صاحب کمالے در قطرے از اقطار جهاں نشاں نداده اند وچنیں فیوض ازیں جماعتِ منصوره بخلق رسید عشر عشیر آں از دیگر مشائخ ارض معلوم نیست." [۳]

خلاصہ یہ کہ ماضی قریب میں سید صاحب جیسے صاحب کمال کا نشان کسی خطہ میں نہیں ملتا

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ۱۰۸/۸ [۲] تقصار جیود الاحرار، ۱۰۹ [۳] سید احمد شہیدؒ، ۲/ ۳۶۲

اوران کی جماعت منصورہ سے خلق خدا کو فیوض کی جو دولت ملی اس کے عشر عشیر کا سراغ
بھی دنیا کے دوسرے مشائخ علماء کے یہاں نہیں ملتا۔

سید صاحب نے جہاد کے لیے مسلمانوں کی تنظیم شروع کی، ان کی زندگی کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور نبی کریمؐ کی سنت کا دفاع کرنا اور تمام بلادِ اسلامی کو غیروں کے تسلط سے آزاد کرانا تھا۔ ان کے نزدیک بلادِ اسلامی کے لیے سب سے بڑا خطرہ انگریزوں سے تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''اگر اسلامی ملک آزاد ہو جائیں، ریاست وسیاست اور قضاوعدالت میں شرعی قوانین کو مدارِ عمل بنالیا جائے تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ خود مالک سلطنت بننے کی بجائے مجھے یہ پسند ہے کہ تمام اقطاع میں عادل فرمانرواؤں کی حکمرانی کا سکہ جاری ہو جائے۔''[۱]

سید شہیدؒ کے عملی کام کا تذکرہ کرتے ہوئے غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''بدوِ شعور سے زندگی کے آخری لمحوں تک جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف رہے۔ ان کی زبان برابر دین حق کی سر بلندی کے لیے متحرک رہی۔ وہ جہاں پہنچے یہی آرزو لے کر پہنچے کہ اسلام صحیح شکل میں پوری عظمت وشان سے جلوہ گر ہو۔ انہوں نے لاکھوں گمراہوں کو طریقِ شریعت کا پابند بنایا اور ان کے سینوں میں عشقِ حق کے چراغ روشن کیے۔ بعض ارکان اسلام میں گوناگوں اوہام ووساوس کی بنا پر جو رخنے پیدا کر دیے گئے تھے انہیں عزم وہمت سے بند کیا۔ پھر بلادِ اسلام کو اغیار کی دست برد سے بچانے کے لیے وطن چھوڑا، عزیزوں سے دوری گوارا کی، فراغت وآسائش کی زندگی کو ٹھکرا کر، غربت کی مصیبتیں خوشی خوشی قبول کیں...... زہر گداز صعوبتوں اور مشقتوں کے پہاڑ اس بے تکلفی سے اٹھالیے گویا مقصودِ حیات یہی تھا آخر اسی راہ میں جان عزیز قربان کر دی۔ وہ ہر مسلمان کے سینے میں دین حق کے لیے ایثار وقربانی کی یہی روح پیدا کر دینا چاہتے تھے۔ ہر کلمہ گو کو حقیقی معنوں میں مجاہد فی سبیل اللہ بنا دینے کے آرزومند تھے، ان کی آغوشِ تربیت میں جو جماعت تیار ہوئی اس کی ممتاز ترین خصوصیت یہی تھی کہ ایک ایک فرد زندگی کی ہر شے کو قربان کر دینا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا تھا، اور جب کوئی غازی شہادت پاتا تھا تو سب کہتے تھے کہ وہ مراد کو پہنچ گیا، اس سرزمین کی پوری اسلامی تاریخ میں شیفتگی حق کی ایسی مثال شاید ہی کوئی مل سکے، سید صاحب اس باب

---

[۱] سید احمد شہیدؒ، ۱/۲۳۵

میں بالکل یگانہ نظر آتے ہیں۔[1]

الغرض نواب صدیق حسن خانؒ کی تعلیم جس ماحول میں ہوئی وہ ولی اللہی طرز فکر میں پوری طرح ڈھلا ہوا تھا۔ دہلی کا چپہ چپہ حضرت شاہ ولی اللہ کے اصلاحی انقلاب کا ترجمان بنا ہوا تھا، سید احمد شہید کی اصلاحی کوششوں اور جہادی عزائم نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالا دیا تھا۔ وہ قوم جو سیاسی، تہذیبی اور معاشرتی انحطاط کی انتہا کو پہنچ چکی تھی اس میں خود کو اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کا شعور پیدا ہوا۔ اشاعتِ قرآن وحدیث کو نسخۂ شفا مانا جا چکا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کے قرآن کے فارسی ترجمہ اور آپ کے اخلاف شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے اردو ترجمہ نے نیز شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس قرآن نے شمالی ہندوستان میں اس دینی انقلاب کو مستحکم بنیادوں پر لا کھڑا کیا تھا۔

عوام اور خواص سب ساتھ دینے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ لیکن ابھی بہت سا علمی اور عملی کام باقی تھا۔ ۶ مئی ۱۸۳۱ء میں سید احمد شہیدؒ کی شہادت سے تنظیم کافی متاثر ہوئی تھی۔ جس کی تنظیم نو کے ساتھ ساتھ اس تحریک کو بین الاقوامی شکل بھی دینی تھی۔ ولی اللہی تحریک کو پورے عالم اسلام سے ابھرنا تھا تاکہ مقابل طاقتوں کو ہر محاذ پر شکست دی جا سکے۔ انگریز عالمی سطح پر مسلمانوں میں پست ہمتی، دینی انحطاط، گروہ بندی، ایمانی تزلزل، جہاد سے دوری اور شعائر اسلام سے فرار کو اپنی طاقت کے استحکام کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ یہ تحریک درحقیقت ان کے بنیادی عزائم کی بیخ کنی کرنے کے درپے تھی یہ تحریک انتہائی خاموش، لیکن فعال ثابت ہوئی۔

سید احمد شہیدؒ کے بعد تحریک ولی اللہی کے اہم کام

اب اس تحریک کو آگے بڑھانے اور جاری رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل کاموں کی ضرورت تھی:

1۔ اشاعتِ قرآن کا پروگرام جو ترجمہ کی حد تک ہو چکا تھا اسے مزید ترقی دے کر عام فہم اور دل نشین تفاسیر کی تصنیف و اشاعت کرنا۔
2۔ احادیث رسول کا ذوق عام کرنے کے لیے صحاح ستہ کے تراجم وشروحات کو عام کرنا تاکہ بدعتوں کی کامل بیخ کنی ہو سکے۔
3۔ بنیادی عقائد پر رسالوں کی تصنیف تاکہ ایمانی انحطاط کی روک تھام ہو سکے۔
4۔ شعائر اسلامی کی اہمیت واضح اور متحقق کرنے کے لیے رسائل تصنیف کیے جانا تاکہ اسلامی بنیادوں کا اضمحلال ختم ہو۔
5۔ دینی کاموں کو منصوبہ بندی اور خوش اسلوبی سے انجام دینا۔
6۔ علوم اسلامی کی ترویج تاکہ تحریک کو توانائی حاصل ہوتی رہے نیز مندرجہ بالا کام کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھا جا سکے۔
7۔ نئے مسائل پر آئمہ اربعہ کے قائم کردہ اصولوں کے تحت غور وخوض کر کے، ان کا حل دریافت کرنا۔
8۔ مندرجہ بالا علمی کام کو پورے عالم اسلام میں عام کرنا۔

---

[1] سید احمد شہیدؒ، ۱/۲۴۵

9۔ ہندوستانی معاشرے کو اس کی گرتی ہوئی معاشی حالت سے اٹھانے کی بھرپور کوشش کرنا۔
10۔ مسلم معاشرے سے انتشار اور رسم و رواج کی لعنت کو ختم کرنے کی مہم جاری رکھنا۔
11۔ انگریز حکومت کے خلاف مصلحت آمیز، لیکن منظم سیاست کی بنیاد رکھنا جو نہ صرف سیاسی غلامی سے نجات دلا سکے بلکہ ہندوستانی قوم اور مسلمانوں کو دنیا کی نظر میں باعزت بنا سکے۔
12۔ ہندوستانی ریاستوں میں ایسا دینی انقلاب لانا کہ وہ بوقت ضرورت غیر ملکی طاقتوں سے نبرد آزما ہو سکیں۔ [1]

نواب صدیق حسن خاں نے اپنے قیام دہلی کے زمانہ میں اور پھر قیام ٹونک کے دوران شاہ ولی اللہؒ کی تحریک اور سید احمد شہیدؒ کی مہم سے، اپنے آپ کو پوری طرح وابستہ کر لیا تھا۔ پھر بھوپال کے قیام کے زمانے میں ان کو مدار المہام سید جمال الدین جیسا سرپرست مل گیا جو پہلے سے ہی اس تحریک کا ہم نوا، اور سرگرم داعی تھا۔ مدار المہام صاحب موصوف حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ، مولانا شاہ محمد رفیع الدینؒ، دہلویؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے تھے۔ اور مولانا شاہ محمد اسحٰقؒ، اور محمد یعقوبؒ سے تعلیم کی تکمیل کی تھی۔ مدار المہام صاحب کی مدد سے نواب صاحب کو مندرجہ بالا کام کرنے کی تحریک ہی نہیں ہوئی بلکہ بھوپال کی زرخیز زمین میں ولی اللہی تحریک کا بویا ہوا بیج مل گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مدار المہام کی مساعی جمیلہ سے، سنن نبویؐ اور احکامات خداوندی کی اشاعت و تبلیغ کا خوب کام ہوا۔ خود نواب صاحبؒ کی تقرری، مدار المہام کی دختر سے شادی اور دربار بھوپال میں ترقی مراحل میں، کوششوں کو بہت دخل رہا۔

غرض یہ کہ مدار المہام صاحب کی سرپرستی نے نواب صدیق حسن خانؒ کو سیاسی، ثقافتی، علمی، دینی، ادبی اور اصلاحی کارنامے انجام دینے کے لیے بیش بہا مواقع فراہم کیے اور عملی طور پر بھی ان کے ذہن رسا کو جلا بخشی۔ یہ مدار المہام ہی کی شفقت آمیز کوششوں کا نتیجہ تھا کہ نواب صاحب موصوف نے متذکرہ بالا میدانوں میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے، جو رہتی دنیا تک یادگار رکھے جائیں گے۔

یہاں پر پہلی فصل تمام ہوئی، جس میں نواب صدیق حسن خانؒ کے دور کے فکری، نظریاتی، معاشرتی، سیاسی حالات اور ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا، اگلی فصل میں نواب صاحب کے احوال و آثار کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

---

[1] نواب صدیق حسن خان، ۵۲

فصل دوم

نواب صدیق حسن خانؒ کے احوال وآثار

نام ونسب

نام صدیق حسن خانؒ بن اولاد حسن بن سید اولاد علی الحسینی البخاری القنوجی ہے۔ تاریخی نام خورشید حسن ہے۔[۱] بعض نے آپ کے نام کے ساتھ محمد کا اضافہ کیا ہے۔ یعنی محمد صدیق حسن خاں [۲] کنیت ابو طاہر ابو طیب اور ابولوفاء ہے۔[۳] لوگوں میں ''نواب صاحب'' کے نام سے مشہور ہیں۔ مداحین امام السنة، خاتم المحدثین، امیر الملک والا جاہ......... وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے یوں تعریف کی ہے

"علامة الزمان و ترجمان الحديث والقرآن ،محی العلوم العربيه و بدر الاقطار الهنديه.." [۴]

نواب صاحب کا نسب والد محترم کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اس طرح ہے۔

''صدیق حسن بن اولاد حسن بن اولاد علی بن لطف اللہ بن عزیز اللہ بن لطف علی بن علی اصغر بن سید کبیر بن تاج الدین بن جلال رابع بن سید راجو شہید بن سید جلال ثالث بن حامد کبیر بن ناصر الدین محمود بن جلال الدین بخاری معروف مخدوم جہانیاں جہان گشت بن احمد کبیر بن جلال اعظم گل سرخ بن علی مولد بن جعفر بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن علی اشقر بن جعفر زکی بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین سبط بن فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم''۔[۵]

''ماں کی طرف سے سلسلہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ سوم تک پہنچتا ہے۔''[۶]

آپ کی والدہ کا نام نجب النساء بیگم تھا جو کہ مفتی محمد عوض ساکن بانس بریلی کی صاحبزادی تھیں۔ مفتی صاحب عالم دین ہونے کی وجہ سے بریلی کے مفتی اسلام مشہور تھے۔ نجب النساء بیگم سے سید اولاد حسن کے دو بیٹے (سید احمد حسن عرشی، صدیق حسن) اور تین بیٹیاں (فاطمہ، مریم، محمدی بیگم) تھیں، نجب النساء بیگم نے ۲۴ محرم ۱۲۸۵ھ کو انتقال فرمایا۔[۷]

سید احمد حسن عرشی م ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء قنوج میں پیدا ہوئے اور تیس سال کی عمر میں بڑودہ میں ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں وفات پائی۔ آپ اپنے والد محترم اور برادر خورد کی طرح عربی، فارسی کے ماہر، دین کے عالم، فنون حرب کے ماہر اور تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ ذہین شاعر تھے۔ اور عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔[۸]

---

۱ مآثر صدیقی، ۱/۱

۲ قضاء الارب فی ذکر علماء النحو والأدب، ۲۴۵

۳ التاج المکلل، ۵۵۲

۴ نزہۃ الخواطر، ۸/۱۸۷

۵ ابقاء المنن بالقاء المحن، ۲۸، ۲۹

۶ ایضاً، ۲۹

۷ ایضاً، ۲۹

۸ نواب صدیق حسن خان، ۶۶-۷۱

پیدائش و بچپن

برصغیر پاک و ہند میں غیر ملکی استعماری قوتیں اپنے قدم جما رہی تھیں۔اور ان کے خلاف آزادی کی لہر اٹھ رہی ہے۔یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے ۲۵ سال قبل نواب صاحب ۱۹ جمادی الاول ۱۲۴۸ھ/۱۴/ اکتوبر ۱۸۳۲ء بروز یکشنبہ (اتوار) اپنے ننھیال کے ہاں بریلی میں پیدا ہوئے۔کچھ دنوں بعد آپ کی والدہ آپ کو بریلی سے آپ کے آبائی وطن قنوج لے آئیں ۔[1]

قنوج بروزن سنّور (بکسرا لقاف و فتح النون المشددة وسکون الواو) ہے۔اور صاحب قاموس نے بھی ذکر کیا ہے۔[2] جبکہ عوام میں بفتح القاف" مشہور ہے۔

پانچ برس کی عمر میں باپ کے سایہ عاطفت سے محرومی کے بعد والدہ محترمہ (م ۱۲۸۵ھ) نے ایک ممتاز عالم دین کی بیٹی اور باعمل عالم و مجاہد کی بیوہ ہونے کے ناطے بیٹے کی اعلیٰ تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔اور بچپن کے زمانہ سے مذہبی احترام، صبح خیزی، جفاکشی اور رغبت علم پیدا کرنے کے پاکیزہ ابتدائی اصول ان کے دل پہ نقش کر دیئے"۔[3]

نواب صاحب لکھتے ہیں:

> ''میں سات برس کا تھا، میرے گھر کے دروازہ پر مسجد تھی، مجھے خوب یاد ہے کہ صبح کے وقت اذان ہوتے ہی والدہ مرحومہ مجھے بیدار کرا دیتیں۔اور وضو کرا کے مسجد میں بھیج دیتی تھیں، اور گھر میں نماز کبھی نہ پڑھنے دیتی تھیں، اگر نیند سستی کی وجہ سے نہ اٹھتا تو منہ پر پانی ڈال دیتی تھیں۔اس وجہ سے بچپن ہی سے نماز کی عادت پڑ گئی۔''[4]

مزید لکھتے ہیں۔

> ''مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی پتنگ اڑائی ہو، مرغ لڑایا ہو، بٹیر پالا ہو، شطرنج کھیلا ہو یا کبھی شہدوں کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔حالانکہ کوئی بزرگ سر پر نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے کبھی بھی مکروہ امور کا شوق پیدا نہ ہوا۔''[5]

والدہ نے اپنے لخت جگر کی ایسی عمدہ تربیت کی کہ بیٹے نے بادشاہی میں بھی فقیری کی۔صاحب اختیار ہونے کے باوجود صاحب قلم ہونے سے دست کش نہ ہوئے۔صاحب ثروت ہونے کے باوجود مال، ریاکاری، تکبر، دکھلاوا، جیسی اغراض فاسدہ کیلئے خرچ کرنے کی بجائے دین حنیف کی ترویج و تبلیغ میں ہی پانی کی طرح بہایا۔نواب صاحب خود اپنے وصیت نامہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ

> ''میں نے جو کچھ پایا وہ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت و اطاعت سے پایا''۔[6]

ابتدائی تعلیم

ابتدائی کتب، اپنے برادر گرامی قدر مولانا عرشی مرحومؒ سے پڑھیں۔[7]

---

[1] الحطة فی ذکر الصحاح الستة،۴۰۳
[2] مآثر صدیقی،۴/۱۶۵
[3] ابقاء المنن،۴۸
[4] ابقاء المنن،۴۸
[5] مآثر صدیقی،۴/۱۶۵
[6] مآثر صدیقی،۴/۱۶۵
[7] نواب صدیق حسن خان،۴۷

فرخ آباد میں مولوی محمد حسین شاہجہان پوریؒ اور حکیم اصغر حسینؒ سے عربی اور فارسی کی بعض کتابیں پڑھیں۔[۱]
مزید برآں فرخ آباد اور کانپور کی اعلیٰ مجالس میں شریک ہوتے رہے جس سے آپ کی علمی صلاحیتیں مزید نکھرتی رہیں۔ بالآخر قاضی کلو کے مشورے سے ان کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے۔[۲] اس کے بعد کانپور میں ملا محمد مراد ساکن بخارا، نزیل شہر کانپور اور مولوی محمد محب اللہ پانی پتی وغیرہ سے کچھ درسی کتابیں پڑھیں۔[۳]
پھر دہلی میں صدر الافاضل مفتی صدر الدین خانؒ (۱۲۵۸ھ/۱۸۶۸ء) سے باقاعدہ سلسلہ درس و تدریس جاری کیا۔ کتب عالیہ کو ترتیب وار درسا درسا ان سے پڑھا۔ دوران تعلیم ہی، بعض کتابیں اور حواشی اپنے ہاتھ سے نقل کیے اور بعض کتابوں کا درس خود بھی طلبہ کو دیتے رہے۔ غرض دہلی میں آپ کے دو سالہ قیام کو آپ کی علمی زندگی کا عطر کہنا چاہئے۔ انہیں دو برسوں میں آپ نے علوم متداولہ سے فراغت پائی۔[۴]
تعلیم کی تکمیل کرنے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد محمد صدیق حسن، نے جب وطن واپسی کا قصد کیا تو مفتی صدر الدین خان نے آپ کو اپنی مہر اور دستخط ثبت کر کے مندرجہ ذیل سند عطا کی۔

"المولی السید صدیق حسن القنوجی له ذهن سلیم وقوة الحافظه واستعداد کامل قد اکتسب منی کتب المعقول الرسمیة منطقة و حکمة و من العلم الدین کثیرا من البخاری وقلیل من تفسیر البیضاوی وهو مع ذلک ممتاز بین اماثله والاعیان فائق علیهم فی الحیاء والرشد ووالسعادة والصلاح وطیب النفس وصفاء الطینة والعزبة والاهلیة وکل الشان."

محمد صدر الدین
محمد صدرالدین.[۵]

علاوہ ازیں تفسیر، فقہ، حدیث، اسماء الرجال اور احکام وغیرہ علوم شرعیہ کے بہت سے نکات بالترتیب جناب شیخ حسین بن محسن انصاری قاضی سے اخذ کیے۔
ان کے علاوہ نواب صدیق حسن صاحب نے جن دیگر اساتذہ علم سے تعلیم حاصل کی ان کی تفصیلات (اساتذۂ کرام) کے عنوان کے تحت آرہی ہے۔
دہلی میں جہاں تکمیل علم کی وہاں جماعت محدثین، واعظین، اصحاب طریقت وسلوک سے بھی آپ، اکتساب علوم ظاہرو باطن کرتے رہے شہزادوں اور امراء ملک وملت کی مجلسوں میں بھی رسوخ حاصل کر کے آپ نے آداب مجالس اور آئین دربار سے واقفیت حاصل کی، سلطنت اسلامیہ مغلیہ کے آخری جاہ وجلال کا زمانہ بھی دیکھا۔ متضاد واقعات کے مشاہدہ سے تجربہ اور عبرتیں بھی حاصل کیں۔ شعراء کی مجالس میں آپ کو بیٹھنے کا اتفاق بھی ہوا۔

۱۔ ابقاء المنن: ۳۶ ۲۔ نواب صدیق حسن خان: ۷۵ ۳۔ ایضا، ۷۶
۴۔ ابقاء المنن، ۱۱۳ ۵۔ روض الخصیب: ۱۶۶

اس طرح علم وآداب کے تمام علوم سے فارغ التحصیل ہو کہ اکیس سال کی عمر (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) میں اپنے وطن قنوج واپس آگئے۔

چونکہ گھر کے معاشی حالات، تو ان کے والد صاحب کی وفات کے بعد سے ہی دگرگوں تھے، اس لیے احباب خاندان کی کفالت کی خاطر تلاش معاش کا خیال دامن گیر ہوا۔ ان کے والد مرحوم کے ایک مرید محمد عطار نے بھوپال کی طرف توجہ دلائی اور ہمراہی سفر ہوا۔ نواب صدیق لکھتے ہیں:

''چونکہ میرا رزق اسی جگہ مقدر تھا لہٰذا اس جگہ قیام ہوگیا۔''[۱]

الغرض اس ریاست میں رمضان ۱۲۷۱ھ سے ۱۲۸۵ھ کے اواخر تک مکمل پندرہ سال رئیسہ مرحومہ (سکندر بیگم) کی ملازمت کی۔ آستانہ خاص کا منشی، قائم مقام میر منشی، ریاست بھوپال کی تاریخ نگاری، قانون ریاست کی ترتیب جیسے مختلف کام مختلف وقتوں میں مختلف عہدوں پر فائز رہ کر کیے۔[۲]

حلیہ واخلاق

نواب صدیق حسن خانؒ صاحب مناسب قد وقامت کے تھے، رنگ سرخ وسفید اور جاذبانہ تھا، بھرے بھرے گال اونچی کشادہ پیشانی، روشن دراز، نرم ونازک چہرا تھا، مونڈھوں کے درمیان کافی کشادگی تھی داڑھی چھوٹی تھی۔[۳]

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر حسن عطا فرمایا تھا کہ دیکھنے والے آپ کو دیکھتے ہی رہ جاتے، آپ کی خوبصورتی کے حوالے سے صاحب ''مآثر صدیقی'' نے یہ واقعہ درج کیا ہے کہ آپ کے زمانہ قیام بلگرام میں آپ دریائے گنگا میں نہا رہے تھے کہ سکھوں کا ایک قافلہ یہاں آگیا۔ انہوں نے آپ کی سفید اور سرخی مائل رنگت دیکھ کر انگریز گمان کیا اور مارنے کے لئے بندوق کی نالی سیدھی کر لی۔ ایک کسان دوڑا اور اس نے چلا کر کہا یہ انگریز نہیں حضرت اولاد حسن کے صاحبزادے ہیں اور میں کئی سالوں سے اسے جانتا ہوں۔ جب اس قافلہ کو اس کے بیان اور گواہی پر کامل وثوق ہوگیا اور انہوں نے اطمینان کر لیا تو وہ سیدھے منہ اٹھائے چل دیئے۔ والا جاہ نے خدائے ارحم الرحمین کا شکریہ ادا کیا اور نہا دھو کر گھر واپس آئے اس حالت کشمکش اور عالم اضطراب میں انہوں نے ایک قصیدہ عربی زبان میں جناب رحمۃ للعالمین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں لکھا اور اس کا نام قصیدۃ العنبر یہ فی مدح خیر البریہ رکھا"۔[۴]

نواب صاحب کا ذہن کینہ وحسد سے پاک اور دل غنی تھا، شیریں بیانی، شرافت اور حسن اخلاق گویا وراثت میں ملا تھا، حیا اور تواضع میں اپنی مثال آپ تھے، حلم وبردباری، منصف مزاجیہ، مخالفین سے لطافت ونرمی سے پیش آنے والے اور اہل علم کا عزت واحترام کرنے والے تھے۔ لکھتے ہیں:

''چونکہ اللہ تعالیٰ نے حسن اور سوء عمل کو میزان سعادت وشقاوت قرار دیا ہے اس لیے میرا دل یہی چاہا کرتا ہے کہ مجھ سے وہ فعل ظہور میں آئے جو میرے معبود حقیقی وحدہٗ

---

[۱] ابقاء المنن، ۱۸۴

[۲] نزہۃ الخواطر، ۱۸۸/۸، ۱۸۹

[۳] مآثر صدیقی، ۲۷/۲

[۴] نواب صدیق حسن خان، ۱۶۸

لاشریک کو پسندیدہ ہو۔''[۱]

مزید برآں اپنے احباب کے ساتھ بہت ہی خلوص ومحبت کا برتاؤ کرتے، احسان کے بدلے میں دوگنا چوگنا کرنے کی سعی کرتے تھے، حسب ونسب پر کسی قسم کا فخر نہیں مذکورہ بالا تمام خوبیوں کے باوجود اپنے آپ کو ایک عام انسان شمار کرتے تھے۔

ورع وتقویٰ ان کے مزاج میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ حلال ذرائع سے حاصل ہونے والی رقم تصرف میں لاتے تھے۔ اور جس میں ذرا بھی شک، کو واپس کردیتے تھے۔ خوف خدا ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ لکھتے ہیں:

''مجھ کو بڑا خوف اس کا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا تو دوست ودشمن دونوں کو دیتا ہے مگر دین سوائے اپنے دوست کے کسی کو نہیں دیتا۔''[۲]

صلہ رحمی آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اکثر لوگ آپ سے رقم قرض لے کر واپس نہیں کرتے تھے۔ آپ نے ان میں سے اکثر کو معاف کردیا۔ نواب صاحب کو اپنے اعزا بالخصوص والدہ اور اولاد سے، بہت محبت تھی۔[۳]

کسب معاش

چونکہ متعلقین اور اعزہ واقارب کی کفالت کا تمام تر بوجھ ایک پر تھا، اور ان کے علاوہ خاندان کا کوئی دوسرا مربی بھی نہیں تھا، اس لیے دہلی سے واپسی پر قنوج میں زیادہ دیر تک قیام نہ کرسکے، اور اپنے محلہ کے محمدی نامی عطار سے، اسلامی ریاست بھوپال کے حالات سن کر آپ ۱۳ رجب ۱۲۷۱ھ بمطابق ۱۸۵۵ء کو ۲۳ سال کی عمر میں بھوپال کا قصد کیا اور ۲۵ ایام کا سفر کرکے ۲۶ ویں دن بھوپال پہنچے اور کرایہ کے مکان میں قیام کیا۔[۴]

جبکہ دوسری روایت کے مطابق مسجد مدار ڈومنی کے حجرہ میں قیام کیا، اور منشی جمال الدین مدار المہام کے توسط سے، آستانہ عالیہ کے خاص ملازمین میں تقرر ہوا، آپ کو منشی گیری کی خدمت تفویض کی گئی اور ۳۳ روپے ماہانہ مشاہرہ مقرر ہوا، آپ نے انتہائی ایمانداری اور مستعدی سے فرائض ادا کیے تو آپ کا تقرر، ریاست میں میر دبیری خالصہ کے طور پر ہوا، اور مشاہرہ ۴۰ روپے ماہانہ ہوگیا جو کہ بعد میں ۵۰ روپے ماہانہ مقرر کردیا گیا۔[۵]

اسی زمانہ میں طالب علمی کے اقتضاء اور نوجوانی کے جوش میں، بعض لوگوں کے اصرار پر شیخ علی عباس چڑیا کوٹی سے مسئلہ قلیان کشی (حقہ پینے) پر آپ کا مناظرہ ہوگیا محمد صدیق حسن خانؒ اباحت کے جبکہ شیخ موصوف اس کی کراہت کے قائل تھے بحث نے اس قدر طول پکڑا کہ مناظرہ سے مناقشہ اور مناقشہ سے منافرت تک نوبت پہنچ گئی۔ علاوہ ازیں ایک ناخوش گوار واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ ۱۸۵۵ء میں اندور سرکار سے آپ کو میر دبیری کا جو سرکاری خلعت عطا ہوا تھا۔ سابقہ میر دبیر عبد الاعلی خان کے بیٹے، میاں مسکین کو، سابقہ عہدہ پر بحال کردیا گیا تو ان تمام اسباب کی وجہ سے محمد صدیق حسنؒ کو خدمت ریاست سے معزول کردیا گیا نواب صدیق حسنؒ نے اپنی ایک تحریر میں اس امر کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

''میں نے اس عزیز دوست (یعنی شیخ علی عباس چڑیا کوٹی) سے بلاوجہ جھگڑا کیا جو میرا قدیم محسن اور ملازمت کا باعث تھا

۱۔ مآثر صدیقی، ۶۶،۶۵/۴ ۲۔ مآثر صدیقی، ۶۶،۶۵/۴ ۳۔ ایضا، ۱۹/۲

۴۔ نواب صدیق حسن خان، ۷۸ ۵۔ ایضا، ۷۹

اوراس مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں ملازمت سے معزول ہو کر بے کار ہو گیا“ [۱]

ریاست بھوپال سے سلسلہ ملازمت منقطع ہو جانے کے بعد ۱۶ محرم ۱۲۷۳ھ بمطابق ۱۸۵۶ء کو محمد صدیق حسنؒ روانگی وطن کے ارادہ سے بھوپال سے ہوشنگ آباد کی طرف روانہ ہوئے وہاں علالت کی وجہ سے ایک دو ہفتہ قیام کر کے پھر بھوپال واپس آئے اور بھوپال میں دو تین دن قیام کر کے براستہ ساگر، قنوج کے لیے روانہ ہو گئے سفر کی صعوبتیں اور غربت کے مصائب برداشت کرتے ہوئے ۵ ربیع الاول ۱۲۷۳ھ کو کان پور میں وارد ہوئے اور وہاں چند روزہ قیام کے بعد ۱۶ ربیع الاول ۱۲۷۳ھ کو قنوج پہنچ گئے۔ [۲]

قنوج اور فرخ آباد ۱۸۵۷ء کی لپیٹ میں آچکے تھے اور ایک عجیب عالم آشوب تھا، آپ بلگرام چلے گئے جو کہ ایک دارالعلوم کی حیثیت رکھتا تھا اور اودھ کے ممتاز قصبوں میں شمار کیا جاتا تھا یہ زمانہ صدیق حسن خانؒ کے لیے انتہائی غربت اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ صاحبِ ”مآثرِ صدیقی“ لکھتے ہیں:

> ”کئی ماہ تک انہیں ایک جامہ خشن اور خشک نان شبینہ پر وقت گزاری کرنی پڑی۔ باوجود فاقہ کشی کے کسی سے نہ قرض طلب کیا نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کیا اپنی حالت پر صابر و قائم رہے۔ ماہ رجب ۱۲۷۴ھ میں آپ نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا اسی زمانہ میں جان بچنے کی خوشی میں آپ نے ایک نعت بزبان عربی لکھی جس کا تذکرہ "حلیہ واخلاق" میں کر دیا گیا ہے۔ اس قصیدہ میں آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم کے دیدار پرانوار سے خواب میں مشرف ہونے کا ذکر کیا ہے۔“ [۳]

لیکن جب ۱۸۵۷ء کے ہنگامی حالات کے بعد زندگی معمول پر آئی اور غریب الوطن لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس آنے لگے تو صدیق حسن بھی اپنے خاندان کے افراد کو واپس لے کر قنوج آئے بعد ازاں سکندر بیگم والی بھوپال کی طلبی پر دوبارہ بھوپال کی جانب روانہ ہو گئے۔ سفر کی مشکلات برداشت کرتے ہوئے ۱۲۷۵ھ کو بھوپال پہنچے یہاں آ کر آپ نے مدار المہام منشی جمال الدین خانؒ سے ملاقات کی تو معلوم ہوا حکم طلبی اور عدم حاضری کو زیادہ زمانہ گزر جانے کے باعث دراندازوں کو موقع ہاتھ آ گیا ہے۔ جنہوں نے رئیسہ بھوپال کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر دی اس لیے نواب سکندر بیگم نے آپ کو ملازم رکھنے سے صاف انکار کر دیا ہے بلکہ آپ کو شہر سے چلے جانے کا فرمان صادر کیا ہے۔ [۴]

۱۱ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۸۵۸ء بھوپال سے واپسی پر آپ ٹونک چلے گئے اور سید احمد شہید بریلویؒ کے ایک عزیز سید محمد اسماعیلؒ کے گھر تقریباً دو ماہ قیام کیا پھر نواب وزیر الدولہ محمد وزیر خاں بہادر نصرت جنگ شہزادہ ریاست ٹونک نے آپ کو ٹونک میں قیام کرنے پر اصرار کیا اور پچاس روپیہ ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا، وہاں آپ آٹھ ماہ تک مقیم رہے۔ اسی دوران آپ کو منشی مدار المہام کا ایک خط اور نواب سکندر بیگم، رئیسہ بھوپال کا فرمان طلبی موصول ہوا، اور خط کے مضمون سے پتہ چلا کہ رئیسہ بھوپال کے دل میں افتراء پردازوں نے جو شکوک وشبہات پیدا کیے تھے وہ ختم ہو چکے ہیں، لہٰذا بھوپال کا سفر اختیار کیا تھے۔ چنانچہ ۱۲۷۶ھ بمطابق

---

[۱] نواب صدیق حسن خان، ۸۰ — [۲] نواب صدیق حسن خان، ۸۱

[۳] مآثر صدیقی، ۸۲ — [۴] ایضاً، ۸۳

۱۸۵۹ء کو بھوپال پہنچے۔

اب بھوپال وہ پہلے والا بھوپال نہیں تھا، محمد صدیق حسن خانؒ جب نواب سکندر بیگم کے سامنے حاضر ہوئے تو وہ خندہ پیشانی اور حسن التفات سے پیش آئیں۔ آپ کے مصارفِ راہ کے بارے میں پیش کش فرمائی اور گزشتہ واقعات کے بارے میں اظہارِ تاسف کیا اور آپ کو ریاست کی تاریخ نگاری کی ذمہ داری سونپی اور پچھتر روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کی اس پر آپ نے اپنا استعفیٰ نواب امیر الملک وزیر الدولہ کی خدمت میں بھیج دیا اور اس کے ساتھ اپنی نئی کتاب "تحفۂ فقیر" ہدیۃً ارسال کی۔[۱]

ازدواجی زندگی:

مدار المہام، منشی جمال الدین خاں نائب اول ریاست، آپ کی اعلیٰ قابلیت اور صلاحیتوں کے پہلے ہی معترف تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی سلیقہ شعار اور نیک بخت بیوہ بیٹی ذکیہ بیگم کا نکاح ثانی آپ سے کر دیا۔

آپ کا نکاح ۲۵ شعبان ۱۲۷۷ھ کو حاجی مسجد میں ہوا اور مولانا عبد القیوم بن مولانا عبد الحی نے خطبہ مسنونہ پڑھا۔ آپ نے اپنی والدہ محترمہ اور بہنوں کو بھی اپنے پاس بلالیا۔ اس نکاح کے بعد آپ کا مقام مزید بلند ہو گیا اور ریاست میں آپ کو ایک رکن کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اور آپ کا مشاہرہ ایک سو روپیہ کر دیا گیا۔[۲]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذکیہ بیگم کے بطن سے دو بیٹے سید نور الحسن خاں طیب، سید علی حسن طاہر اور دو بیٹیاں صفیہ اور حفصہ عطا کیں۔ نور الحسن ۲۱ رجب ۱۲۷۸ھ، صفیہ بیگم ۲۷ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ، علی حسن طاہر 4 ربیع الاول ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور حفصہ ۲۴ ذوالحج ۱۲۸۴ھ جمعہ کے دن بعد از نمازِ جمعہ پیدا ہوئیں۔ ۲۸ دن زندہ رہ کر ۲۱ محرم بروز بدھ عصر کے وقت جوارِ رحمتِ الٰہی میں چلی گئیں۔[۳]

۲۴ محرم ۱۲۸۵ھ بروز پیر بعد از نماز مغرب آپ کی والدہ کا انتقال ہوا۔ فرماتے ہیں:

> "مجھے خوب یاد ہے کہ اس دن انہوں نے مغرب کی نماز لیٹ کر پڑھی اور حالت مرض میں سورۃ اخلاص پڑھتی رہتی تھیں زندگی بھر صرف اس دن عشاء کی نماز اجل کے آجانے کے بعد فوت ہوئی۔ غسل اور تکفین کے بعد جب میں نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا تو ان کے چہرے کا رنگ زرد تھا۔ اہل علم کی صراحت کے مطابق یہ حسن خاتمہ کی علامت ہے۔ آپ کی قبر میرے خسر مدار المہام صاحب بہادر کے باغ کے متصل ہے۔ اللھم اغفرلی ولھا مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ لاتغادر دینا آپ کی والدہ مرحومہ زندگی بھر آپ سے خوش رہیں اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی خوش تھیں۔ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے ایک سرائے ایک کنواں اور ایک مسجد تعمیر کروائی ہے امید ہے کی انہیں اس کا اجر انشاء اللہ ضرور ملے گا۔"[۴]

۱۔ نواب صدیق حسن خان، ۸۵ ۲۔ مآثر صدیقی، ۲/۴۳،۴۴

۳۔ ابقاء المنن، ۵۵ ۴۔ ایضاً، ۵۵

۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ کو رئیسہ بھوپال نواب سکندر بیگم نے رحلت فرمائی اور ان کے بعد ان کی بیٹی نواب شاہ جہاں بیگم یکم شعبان ۱۲۸۵ھ کو تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئیں۔ تو آپ نے رئیسہ حال سے رخصت لی اور ۲۷ شعبان ۱۲۸۵ھ کو بھوپال سے حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ فریضہ حج کی ادائیگی اور مدینہ منورہ کی زیارت سے فارغ ہو کر آپ آٹھ ماہ بعد واپس تشریف لائے۔ آپ سفر کے حالات یوں بیان کرتے ہیں ''اس سفر میں بھی آتے جاتے اور اقامت کے وقت مطالعہ و نقل کتب کا شغل جاری رہا روانگی کے وقت جہاز میں کتاب ''صارم منکی'' اپنے ہاتھ سے لکھی پھر مدینہ پہنچ کر جب اٹھارہ دن قیام ہوا تو سید محمد اسماعیل امیر وغیرہ کے بیس پچیس رسائل اپنے ہاتھ سے نقل کیے۔ منیٰ اور عرفات میں بھی فرصت کے اوقات میں کتابت کی، واپسی کے وقت جہاز میں سنن دارمی لکھی یہ نسخہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تھا اور میں نے مرزا امیر بیگ سلمی داماد مولوی محمد یعقوب مہاجر مکی سے نقل کرنے کے لیے مستعار لیا تھا۔ بھوپال آ کر انہیں واپس کر دیا اس نسخہ پر شاہ صاحب کے قلم مبارک سے تصحیح ثبت تھی۔ اس نسخہ کی نقل ہندوستان میں ''مطبع نظامی'' نے طبع کی ہے. اس سفر میں میں نے مدینہ و حرمین شریفین کے بہت سے سلف و خلف صالحین کی بہت سی نفیس کتابیں بھی خریدیں۔ ''السیاسۃ الشرعیۃ'' کو مکہ معظمہ میں نقل کیا یہ قلمی رسائل ابھی تک کتب خانہ میں موجود ہیں۔ سفر حج کا قصہ رسالہ ''رحلۃ الصدیق الی بیت العتیق '' اور ''اتحاف النبلا'' میں تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے۔ سفر حجاز سے واپسی پر مجھے ریاست کے مدارس کا مہتمم بنا دیا گیا پھر میر منشی بنا دیا گیا میں اس شغل کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا تھا، کیونکہ مدرسہ میں تو علمی شغل تھا اور تمام وقت مطالعہ اور تالیف کتب میں بسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ''مسک الختام شرح بلوغ المرام'' انہی ایام میں تالیف کی تھی اور سارا کتب خانہ فروخت کر کے اس کتاب کی طباعت کا انتظام کیا۔[۱]

رئیسہ بھوپال اس وقت نواب شاہ جہاں بیگم کو عنان حکومت سنبھالے تین سال ہو چکے تھے۔ نظم و نسق کی ذمہ داریاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ ان کے شوہر نواب باقی محمد خاں کا انتقال ۲۱ صفر ۱۲۸۴ھ کو ان کی تخت نشینی یکم شعبان ۱۲۸۵ھ سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ اس لیے انہیں ایک ایسے قابل اعتماد مشیر اور ہمدم کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو ان کا شریک حیات اور رفیق کار ہو۔ انہوں نے اپنے معتمد خاص میر منشی احمد حسن صاحب کو جو خود بھی انتہائی متقی اور نیک بزرگ تھے طلب کیا اور ان سے فرمائش کی کہ وہ عقد ثانی کے لئے شوہر کا انتخاب کریں، میر منشی صاحب نے کمال دانش اور انتہائی فہم و فراست سے ذوق شاہجہانی کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک عالم دین کا انتخاب فرمایا جو کہ نواب صدیق حسن خانؒ تھے۔ جس کو شاہجہاں بیگم نے خوشی سے قبول فرمالیا اس لیے انہوں نے سرکاری مراسلات کر کے گورنمنٹ برطانیہ سے باضابطہ تحریری منظوری حاصل کر کے نواب صاحب کے ساتھ عقد ثانی کر لیا، کیوں کہ نواب صاحب کی سترہ سالہ خدمات اور نواب سکندر بیگم (والدہ) کا اظہار پسندیدگی ان کے سامنے تھا۔ [۲]

۱۷ صفر ۱۲۸۸ھ بمطابق ۸ مئی ۱۸۷۱ء کو ایک عالی شان جشن منعقد کیا گیا اور اس موقع پر اعلان کیا گیا کہ نواب شاہ جہاں بیگم نے صدیق حسن خاں سے بالعوض پچیس ہزار روپے مہر عقد ثانی کر لیا ہے۔ نواب صاحب نے اپنی بیوی کے رئیسہ ہونے کے باوجود حق مہر ۲۵ ہزار روپے نقد اور یک مشت ادا کر دیا تھا اور اس کے نان و نفقہ کے سالانہ چھ ہزار روپے بھی مسلسل دیتے رہے۔

۱۔ ابقاء المنن، ۱۲۷
۲۔ نواب صدیق حسن خان، ۸۸، ۸۹

نواب صاحب ابقاء المنن میں لکھتے ہیں:

''جب تک کہ میں نے اپنے دستِ بازو سے نوکری کر کے لائق گزر معاش پیدا نہیں کی اس وقت تک نکاح نہیں کیا۔ بعد نکاح تمام مصارف ذاتی اور اہل وعیال کے اپنی آمدنی سے پورے کرتا رہا۔ بیوی اگرچہ آسودہ حال اور دولت مند گھرانے کی تھیں ان کے مال سے میں نے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لیا نہ اپنے خسر سے کبھی کوئی چیز طلب کی۔ بارہ برس تک میں نے ان کے باغ تک میں قدم نہیں رکھا صرف اس وجہ سے کہ جس کا نان ونفقہ خود مجھ پر واجب ہے میں اس کا حق شرعی تو ادا نہ کروں اور خود اس کے مال و متاع کو بلا استحقاق اپنے نفس پر صرف کروں۔''[۱]

مزید برآں نواب نے اپنے عقد ثانی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح سے کیا ہے:

''خدا آگاہ ہے اور دل بیتاب وچشم حیران گواہ ہے کہ میری جانب سے اس معاملہ میں کوئی چارگری یا معالجہ درمیان میں نہیں تھا، بلکہ خود رئیسہ عالیہ کے دل میں اس سے پہلے، اس سلسلہ میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا تھا، جو کچھ ہوتا ہے وہ خدائے قادر مطلق کے حکم سے ہوتا ہے۔''[۲]

اب صدیق حسن خانؒ کی حیثیت شوہر رئیسہ بھوپال کی تھی اس لیے رئیسہ بھوپال نے کوشش کر کے حکومت برطانیہ سے منظوری لے کر خطاب ''نواب والا جاہ امیر الملک'' کے علاوہ سترہ توپوں کی سلامی کا اعزاز اور سالانہ جاگیر پچھتر ہزار مقرر کی۔[۳]

نواب شاہ جہاں بیگم زوجہ نواب صدیق حسن خانؒ نے اپنی تصنیف ''تاج الاقبال'' میں سید صدیق حسن خانؒ کے انتخاب کی وجوہات بیان کی ہیں۔ جس میں ان کی والدہ نواب سکندر بیگم کے اظہار پسندیدگی اور آپ کی سترہ سالہ خدمات جلیلہ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اور آپ کی وفاداری، خلوص، جانفشانی، اعلیٰ قابلیت اور دیانت داری کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ کی دینی خدمات اور آپ کے حسب ونسب کو بھی شاندار طریقے سے بیان کیا ہے۔[۴]

اساتذہ کرام

شیخ محمد بن حسین انصاری الیمانی:

محمد ابن حسین ابن محسن ابن محمد انصاری یمانی اپنے زمانے کے مشہور ادیب تھے۔ ۱۲۷۳ھ میں حدیدہ میں پیدا ہوئے۔ نحو وفقہ شافعی اپنے والد سے پڑھا اور اپنے بڑے چچا شیخ محمد ابن محسن سے بھی درس حاصل کیا۔ تقریباً ۱۲۹۱ھ میں بھوپال تشریف لائے اور اپنے چچا شیخ زین العابدین کے درس میں رہے۔ ان سے فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔ بھوپال کے دیگر علماء سے بھی آپ نے نحو، منطق، فقہ اور اصول فقہ، حکمت، عروض اور قافیہ کی کتب والجامع الصحیح للبخاری، بلوغ المرام وغیرہ کا درس حاصل

۱۔ ابقاء المنن، ۱۶۹
۲۔ نواب صدیق حسن خان، ۹۰
۳۔ تاج الاقبال (تاریخ بھوپال)، ۱۵۰
۴۔ مآثر صدیقی، ۴/۲

کیا۔ جب حج بیت اللہ سے مشرف ہوکر بھوپال تشریف لائے تو اپنے والد کی مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے اور طویل مدت تک درس وافادہ میں مشغول رہے۔ پھر حجاز تشریف لے گئے اور واپس آکر لکھنؤ میں دارالعلوم میں تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں۔

آپ نے ۱۳۴۴ھ میں بھوپال میں انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔[۱]

سید احمد حسن عرشی:

سید احمد حسن عرشی نواب صاحب کے بڑے بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے استاد بھی تھے۔ آپ نے میزان الصرف، منشعب تصریف زبدہ، مختصر المعانی، منطق شرح تہذیب اور بدیع المیزان وغیرہ انہیں سے پڑھیں۔[۲]

۱۹ رمضان ۱۲۴۶ھ بمطابق ۱۸۳۱ء کو قنوج میں پیدا ہوئے۔ قدرت سے انہیں جس قدر قوت وجسارت اور جرأت وشجاعت عطا ہوئی تھی اسی طرح وہ صاحب فہم وذکاوت بھی تھے۔ ان کا حافظہ بہت تیز تھا۔ آغاز شعور میں ابتدائی تعلیم اپنے وطن قنوج میں حاصل کی علم کے حصول کے لئے علم کانپور، فرخ آباد، بریلی، علی گڑھ اور دہلی کا سفر کیا اور اساتذہ وقت کے حلقہ درس میں شریک ہوکر اکتساب علوم کیا۔ قلیل مدت میں انہوں نے عقلی ونقلی علوم وفنون، نظم ونثر میں ایسی ترقی کی جو عام طلباء کو برسوں کی محنت وریاضت سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ فارسی اور عربی فنون ادب میں ان کو ملکہ حاصل تھا اور ان زبانوں کی اصناف نظم میں طویل قصیدے قلم برداشتہ لکھ دیا کرتے تھے۔ عرشی تخلص کرتے تھے۔[۳]

علوم کتاب وسنت کی تعلیم انہوں نے شیخ صالح عبدالغنی بن ابی سعید فاروقی مجددی کے حلقہ درس میں حاصل کی اور فقہ کے ابواب پڑھے۔ انہوں نے کتب حدیث اور صحیح بخاری کی سند ۱۲۷۱ھ میں حاصل کر لی تھی۔ اپنے دستخطی ومہری مولانا عبدالغنی نزیل مدینہ طیبہ سے بھی انہیں ایک سند ملی تھی۔

مولانا عرشی ایک بہادر سپاہی، عالم وفاضل اور سخن شیریں تھے۔ وہ اپنا وقت مطالعہ کتب اور رسائل کی نقل وکتابت اور تصنیف وتالیف میں صرف کیا کرتے تھے۔ ان کی تالیفات میں مختلف رسائل کے علاوہ ایک کتاب ''شہاب ثاقب'' مشہور ہے۔[۴]

فارسی نظم ونثر میں مولانا عرشی نے غالبؔ اور دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنے ایک اردو قصیدے میں کیا ہے۔

مغلوب ہیں سب اہل جہاں میرے سخن سے
ہوں زلّہ رُبا غالب اعجاز رقم کا[۵]

آپ ایک ذہین شاعر تھے اور عربی، فارسی، اور اردو تینوں زبانوں میں بہت خوب شعر کہتے تھے۔ ان کے کلام کا نمونہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ نواب صدیق حسن خان، ۶۸ ۲۔ مآثر صدیقی، ۲/۴ ۳۔ نواب صدیق حسن خان، ۶۸

۴۔ مآثر صدیقی، ۱/۷۹ ۵۔ ایضاً، ۱/۹۰

کلام عربی

اما بقلبک فأمر العشق تلتهب　　فمانری الماء من عینیک تنسکب

بلی ولا کن تلظی 'النامر فی خلدی　　فکل ومع الی الاضلاع ینجذب [۱]

کلام فارسی

آه من کو بد در بزم نشاط　　خنده برسرو چراغاں می زنم

می روم برباد در اقلیم عشق　　یا برو رنگ سلیمان می زنم [۲]

کلام اردو

سنتا ہی نہیں کوئی میرے دردِ نہاں کو　　قلقل نہیں کہتا کبھی مینا میرے آگے [۳]

تیس سال کی عمر میں حج کے سفر میں تپ اسہال میں مبتلا ہوئے اور چند روز علیل رہ کر ۹ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ بمطابق ۱۸۶۰ء کو وفات پائی۔ [۴]

حکیم اصغر حسین اخگر فرخ آبادی:

آپ ۱۲۳۵ھ میں فرخ آباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام منشی غلام غوث تھا۔ فارسی، اردو، عربی کے علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ علم طب میں کمال حاصل تھا۔ فارسی میں مولوی عبداللہ خاں علوی کے شاگرد تھے۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ کے عہد میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ آپ نے ۱۸۷۸ھ میں بھوپال کا ''عمدۃ الاخبار'' کے نام سے پہلا پرچہ نکالا تھا۔ نواب صدیق حسن خانؒ نے تذکرہ شمع انجمن میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ حکیم صاحب عموماً قصیدہ یا نظم کہا کرتے تھے جس کے نمونے "عمدۃ الاخبار" اور نواب صدیق حسن خاںؒ کی اکثر کتابوں میں ملتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں شمع انجمن میں لکھتے ہیں۔ ''نظم و نثر ایشاں بغایت شیریں و نہایت نمکین می باشد'' حکیم صاحب کا اردو کلام بہت کم جبکہ فارسی کا زیادہ ملتا ہے۔ حکیم صاحب اپنے دور کے مستند انشاء پرداز اور بھوپال کے پہلے صحافی تھے۔ موصوف کی تین مستقل تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ ہیں 'رسالہ تہذیب و زباں' 'نالۂ دل' اور قلمی نسخہ 'تدبیر منزل' جو بھوپال میں موجود تھے۔ [۵]

مفتی محمد صدرالدین خانؒ صدر الصدور آزردہ:

آپ کا آبائی علاقہ کشمیر تھا ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور آزردہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ابتدائی علوم اپنے والد سے پڑھے اور عربی ادب و علم البیان، فقہ و اصول فقہ، تفسیر و اصول تفسیر وغیرہ حدیث و اصول حدیث رجال و سیر وغیرہ کی کتابیں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدینؒ سے پڑھیں۔ شاہ محمد اسحاقؒ سے بھی استفادہ کیا۔ منطق و فلسفہ، ریاضیات و اقلیدس وغیرہ کی تعلیم حضرت مولانا فضل امام خیرآبادی سے حاصل کی۔ مولانا فضل امام اس زمانے میں صدر الصدور تھے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا

---

۱ مآثر صدیقی، ۱/۸۰　　۲ ایضاً، ۱/۹۲　　۳ ایضاً، ۱/۹۲

۴ ایضاً، ۱/۱۰۳　　۵ نواب صدیق حسن خاں، ۱۸۴

پورالحاظ رکھا جاتا تھا علم کی عظمت سکھائی جاتی تھی۔نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں:

"مفتی صاحب کو انگریزی حکومت نے ۱۸۲۷ء کے قریب صدر الصدور اور مفتی دہلی مقرر کیا اور اس حیثیت سے وہ مغربی بلکہ مشرقی وشمالی دہلی میں فتوے دیتے تھے اور امتحان مدارس وصدارت حکومت دیوانی بھی ان کے سپرد تھی۔تیس سال تک وہ اس عہدے پر فائز رہے۔

اس زمانے میں طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان کو درس دیا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ نواب صدیق حسن خاںؒ کی اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کے پیش نظر صدر الدین آزردہ نے ان کے لئے علیحدہ انتظام کیا تھا۔نواب صاحب نے ایک سال آٹھ ماہ کی مختصر مدت میں نصاب نظامیہ اعلیٰ اور دشوار کتابیں پوری پڑھ لی تھیں۔

مفتی صدر الدین آزردہ کو اپنی زندگی کے آخری دو سالوں میں فالج ہو گیا تو بالآخر ۸۱ سال کی عمر میں ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ بمطابق ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء میں انتقال ہوا۔ان کی وصیت کے مطابق درگاہ چراغ دہلوی میں دفن ہوئے۔[۱]

مولانا عبدالحق بنارسی:

عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی (۱۲۰۶ھ بمطابق ۱۷۹۱ء) میں پیدا ہوئے آپ اپنے دور کے مشہور عالم تھے،عہد طفلی میں حدیث پڑھنے کا شوق پیدا ہوا تو اسی غرض سے سفر اختیار کیا۔علم کی تحقیق وتلاش میں دہلی پہنچے۔مولانا شاہ عبدالقادر سے حدیث پڑھی۔امام سید اسماعیل شہید دہلوی کے ہم سبق تھے۔حج بیت اللہ کے بعد یمن چلے گئے اور قاضی محمد بن علی شوکانی سے قرآن وحدیث کی سند حاصل کی۔آپ کی وفات ۱۸۶۹ء بمطابق ۱۲۸۶ھ اسی سال کی عمر میں منیٰ میں حالت احرام میں ہوئی،خیف کے دروازے کے سامنے دفن ہوئے۔[۲]

تلامذہ

نواب صاحب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے باقاعدہ کسی جگہ مسند تدریس نہیں سنبھالی اور نہ ہی کوئی سلسلہ تلامذہ چھوڑا ہے۔[۳] لیکن بہت مختصر سے نام ملتے ہیں جنہیں نواب صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ان میں سے ذوالفقار بھوپالوی [۴] استاذ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی۔[۵] سید عبدالرحیم امرتسری[۶] کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔راقم کو بصد افتخار یہ شرف حاصل ہے کہ جدامجد مولانا عبدالرحمٰن عفی عنہ لاکھوکی،مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی،کے شاگرد رشید تھے۔[۷] اس طرح مقالہ نگار کا بالواسطہ نواب صاحب سے علمی تعلق بھی بنتا ہے۔

وفات

علم وعمل کا یہ عظیم نمونہ،تصنیف وتالیف کا نامور شہنشاہ اخلاق حسنہ کا اعلیٰ پیکر،رئیس المفسرین،خاتم المحدثین،بہترین ادیب وشاعر،قرآن وسنت کا بے مثال داعی اور ریاست بھوپال کا عادل وعالم حکمران مرض استسقاء میں چند ماہ مبتلا رہ کر ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ بمطابق ۲۰ فروری ۱۸۹۰ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔[۸]

إنا للہ وانا إليه راجعون

۱۔ نواب صدیق حسن خان،۳۴۵-۳۴۷

۲۔ تذکرہ علماء ہند،۲۷۸

۳۔ مآثر صدیقی،۴/۱۸۲

۴۔ تراجم علمائے حدیث ہند،۱۷۵

۵۔ استاذ پنجاب،۹۸

۶۔ مقالہ حمید اللہ خان،بعنوان:سید عبدالرحیم امرتسری،۴

۷۔ استاذ پنجاب،۹۸

۸۔ نواب صدیق حسن خان،۱۲۵،۱۲۶

مولانا ذوالفقار احمد بھوپالوی آپ کے سفرِ آخرت کی روداد یوں بیان کرتے ہیں:

''شیخنا المرحوم کی آخری تالیف کردہ کتاب 'مقالات الاحسان' ہے یہ کتاب ''فتوح الغیب'' کا ترجمہ ہے جو سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی تالیف ہے۔ جب اس کی طباعت شروع ہوئی تو میں نے اور انہوں نے اس کا مقابلہ کیا جب صحت نامہ کا وقت آیا تو وہ بیمار تھے۔ میں نے اور ایک اور شخص نے اس کا مقابلہ ان کے روبرو کیا، کیونکہ انہیں مرض استقاء ہو گیا تھا۔ نہایت درجہ ایذا ہوئی۔ علاج نے تھکا دیا بھول جانے اور بے ہوشی کی حالت طاری ہو چکی تھی، لیکن آپ کی انگلیاں کچھ اس طرح حرکت کرتی دکھائی دیتی تھیں جیسے آپ کچھ لکھ رہے ہیں۔[۱]

''بڑے مستقل مزاج تھے وفات کے وقت تک استقلال رہا۔ ہراس اور بے صبری کا کلمہ زبان سے ہرگز نہیں نکلا۔ ایام بیماری میں شب کو میں ان کے پاس رہتا تھا۔ رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ اور نہ لیٹا جاتا تھا۔ پلنگ پر قبلہ رخ بیٹھے رہتے تھے۔ سامنے تکیہ رکھ لیتے اس پر سر رکھ لیا کبھی اٹھا لیا اسی طرح ساری رات بسر ہوتی تھی۔ اکثر یا ارحم الرحمین کہتے تھے۔ بیماری کی شدت میں لکھنے کی طاقت تو نہیں تھی مگر اس دوران بھی علم کا وہی شوق تھا مجھ سے کہا، ''بھائی تم آخر اور جگہ بیٹھ کر لکھتے ہو ہمارے سامنے ہی لکھا کرو۔'' میں اس وقت 'مراۃ النسواں' لکھتا تھا۔ پس میں نے ان کے روبرو لکھنا شروع کیا۔ ظہر سے عصر تک ان کے کمرے میں لکھتا پھر گھر جاتا بعد عشاء کے پھر آجاتا تو رات کو بھی چراغ کے روبرو بیٹھ کر ان کے سامنے لکھتا تھا۔ اس سے ان کو انس ہوتا۔ اسی اثناء میں باتیں بھی کرتے جاتے۔''[۲]

کئی دنوں تک ایسا ہی ہوتا تھا۔ کبھی فرماتے بھائی! آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو مثل دوا کے جب بیمار ہوں تو ان کی حاجت ہو۔ ایک غذا کے کہ کسی بھی حالت میں اس سے چارہ نہیں ہے۔ میری یہی مثال ہے۔ غرضیکہ چہار شنبہ بست و نہم ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ کو ناگہاں جی میں آیا کہ آج تین بجے سے ان کے پاس جاؤں۔ چنانچہ جلدی سے کھانا کھا کر ان کے پاس حاضر ہوا تو آپ تکیے پر سر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا تو سلام کا جواب دیا اور فرمایا اچھا ہوا سویرے آگئے۔ پھر باتیں کرتے رہے۔ بے قراری زیادہ تھی، دوا علاج ہوتا رہا مگر کچھ نفع نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح ہوتے ہوتے رات کے بارہ بج گئے۔ اس وقت یا اس سے قبل کہا بھائی! آگرے سے ہماری کتاب نہیں آئی۔ میں نے کہا وہ چھپ گئی اور اس کا صحت نامہ بھی تیار ہو کر آ گیا۔ فرمایا اچھا ہوا مہینہ بھی پورا ہوا اور ہماری تالیف بھی پوری ہوئی۔ پھر کوئی دوا لایا تو پی لی۔ ذرا دیر بعد میں نے کہا کچھ آپ کو تسکین ہے؟ فرمایا کسی قدر۔ پھر کہا اب ہم دوا نہیں پئیں گے۔ اتنے میں ایک بج گیا۔ ذرا دیر بعد بے قراری ہوئی تو بسرعت ٹوپی سر سے اتار کر ڈال دی اور ذرا پاؤں پھیلائے اور چہرے پر پسینہ آیا۔ بکشادہ پیشانی، بکمال درستی ہوش و حواس جاں بحق تسلیم کی۔ اس وقت ایک بج کر ۳۵ منٹ ہو گئے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعد از نماز صبح غسل دیا گیا۔ نماز جنازہ میں ایک خلق کثیر تھی۔ کئی بار نماز جنازہ ہوئی۔ بروز

---

[۱] بیگمات بھوپال، ۵۸ [۲] تراجم علمائے حدیث ہند، ۲۹۷

پنجشنبہ یکم رجب ۱۳۰۷ھ قبل دوپہر اپنے خاص قبرستان میں مدفون ہوئے [۱]

نواب صدیق حسن خانؒ کو علماء کا خراج تحسین

نواب صدیق صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کے معاصرین نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

شیخ عبدالرزاق بیطار لکھتے ہیں:

"کان ملیا بالعلوم متضلعا منها بالمنطوق والمفهوم، مجتهدا فی اشاعتها، مجددا لأذاعتها مع کونه یری ذاته الشریفة کآحاد المسلمین، ویتواضع مع کل واحد من الناس لله رب العلمین ویتحاشی کماله عن الدنیا وزخارفها، یتجا فیٰ بقلبه عن مراقیها ومعاطفها، وأحیا السنة المیتة فی ذٰلک المکان بالأدلة البیضاء من السنة والفرقان فهو سید علماء الهند فی زمانه، وابن سیدهم الذی برع فضلاً فی عصره وأوانه فخضعت له النواصی وشهد بکماله الدانی والقاصی" [۲]

مزید برآں محمد منیر دمشقی لکھتے ہیں:

"محی السنة، قامع البدعة الذی افتخرت به بهوفال علی جمیع الأقطار ...جد واجتهد فی اتقان علوم القرآن والسنة وتدوین علومهما، واشتغل بالدرس والتألیف ،وصار رأسا فی المعقول والمنقول ، وأحرز جمیع المعارف ،واتفق علی تحقیقه الموافق والمخالف وصار مشاراً إلیه بالبنان والمجلی فی معرفة غوامض علوم الشریعة عند البرهان" [۳]

اسی طرح مولانا عبدالحئی ان الفاظ میں تعریف کرتے ہیں:

"علامة الزمان، وترجمان الحدیث والقرآن، محی العلوم العربیة، وبدر الاقطار الهندیة، السید الشریف صدیق حسن بن اولاد حسن بن أولاد علی الحسینی البخاری القنوجی صاحب المصنفات الشهیرة والمؤلفات الکثیرة . .وکان مع اشتغاله بهمات الدولة، کثیر الاشتغال بمطالعة الکتب وکتابة الصحف" [۴]

۱۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ۲۹۷ — ۲۔ حلیۃ البشر: ۲/۷۴۵

۳۔ الدین الخالص، ۱/۳ — ۴۔ نزہۃ الخواطر: ۸/۱۸۷

فصل سوم: نواب صدیق حسن خانؒ کا علمی مقام ومرتبہ

نواب صاحب نے جب علم ومعرفت کے میدان میں قدم رکھا، تو پھر زندگی، اسی پررونق باغ میں فنا کردی، اور شاید ہی علم کا کوئی ایسا تالاب ہو جس میں غوطہ خوری نہ کی ہو۔ آپ کی علمی مہارت اور وسعت کو آپ کے ہم عصر بزرگ سید نعمان بن محمود آلوسی، صاحب روح المعانی، اس انداز سے کرتے ہیں:

"شیخنا العلامة، الامام الکبیر الأمیر البدر المنیر البحر الحبیر فی التفسیر والحدیث والفقه والأصول والتاریخ والأدب وغیرها، ابو الطیب صدیق حسن بن علی بن لطف الله الحسینی البخاری القنوجی حماه الله تعالی وعافاه وعن الشرور وقاه، وهو الذی نطقت ألسن الخلائق بالثناء علیه أذعنت الاعداء لفضله وفرط ذکاء ه ودهائه"[1]

نواب صاحب نے سنت کے احیاء اور بدعات وخرافات کے خلاف قلمی جہاد کیا اور اللہ کی طرف سے عطا کردہ تمام صلاحیتیں اور وسائل صرف کر دیے جس کا اندازہ محمد بن عبداللہ بن حمید (مکہ کے حنبلی مفتی) کے درج ذیل بیان سے کیا جاسکتا ہے:

"الإمام الکامل والهمام العامل زینة العلماء والملوک وملاذ الغنی والفقیر الصعلوک ناصر السنة السنیة، وقامع البدعة الدینة... نواب والاجاه أمیر الملک السید محمد صدیق حسن خانؒ بهادر فمنحه الله تعالی سبحانه من الذهن السلیم والفهم المستقیم والذکاء یا یضیء اللیل البهیم، ومن الضبط والتحریر والبحث والتقریر والتحقیق والتدقیق والتسدید والتوفیق ومسامرة العلوم ما أقربه کل عارف علیهم فلیس غیرها له جریق شده الاتباع للسنة النبویة ومزید المثابرة علی الآثار المصطفویة...... هذا مع ماجمع الله له الدیانة والأمانة والعفة والنزاهة والصیانة والاعراض عن زخارف الدنیا مع اقبالها علیه واحتقاره ایاها مع ترامیها علی قدمیه، والاشتغال بنشر العلوم مع الملک واهتمامه بنفع الأمة المحمدیة فی البر والفلک"[2]

قرآن وحدیث، عقیدہ، فقہ واصول فقہ، ادب، سیرت وتاریخ وغیرہ غرض یہ کہ تمام موضوعات پر قلم اٹھایا اور حق ادا کر دیا، علوم عقلیہ ونقلیہ میں اس قدر مہارت حاصل کی کہ بہت جلد ہندوستان کے علمی افق پر چھا گئے، اور آپ کی شہرت چاردانگ عالم پھیل گئی۔

---

[1] جلاء العینین فی محاکمة الأحمدین، ۴۸

[2] قرة الأعیان، ۳۵

تفسیر میں نواب صاحب کو قدرت کی طرف سے خاص ملکہ عطا ہوا تھا آپ، قرآنی علوم اور قرآن کے اسرار ورموز سے متعلق وسیع معلومات رکھتے تھے۔علم حدیث میں نواب صاحب کی فنی مہارت انہیں دوسروں سے ممتاز کر دیتی ہے۔نواب صاحب نے سنت نبوی اور اسلامی ورثہ کے احیاء کے لئے بڑی جدوجہد کی۔نیز اس کے ساتھ ساتھ ایسے وقت میں جب ہندوستان میں لوگ سوائے ''شرح عقیدہ نسفیہ'' کے کسی اور کتاب سے واقف نہ تھے،نواب صاحب مختلف مذاہب اوران کے عقائد میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔نواب صاحب کو علم لغت میں بھی،بہت مہارت حاصل تھی،علم لغت میں آپ کی وسعت ومعلومات کا اندازہ آپ کی تفاسیر میں موجود لغوی مباحث سے بخوبی ہوسکتا ہے۔نواب صاحب نہ صرف مذکورہ علوم میں مہارت رکھتے تھے بلکہ دیگر علوم مثلاً سیرت وتاریخ،مناقب اور سیاست وغیرہ میں بھی ان کو اچھا خاصا درک حاصل تھا،جیسا کہ ان کے استاد حسین بن محسن یمانیؒ رقمطراز ہیں:

"البارع فی سائر العلوم الجامع بین منطوقها والمفهوم .....وكم له من تاليف مفيدة ،ورسائل عديدة فی كل فن من الفنون مابين تفسير وحديث وغير ذلک واظهر فيها شموس البراهين واحتوت على جمل من الفوائد النفسية للمستبصرين "[1]

الغرض نواب صاحب نے تمام علوم پر گراں قدر تصنیفی سرمایہ چھوڑا ہے،جس کا تعارف آئندہ اوراق میں پیش کیا جائے گا۔

علماء سے معاونت

نواب صاحب نے اسلامی ورثے اور کتب سلف کے حصول کے لئے ،پورے عالم اسلام میں بڑے اجل،علماء وشیوخ کی خدمات حاصل کیں،جوشیوخ آپ کی خدمت میں نادر الوجود مخطوطات اور مطبوعات ارسال کرتے تھے۔ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ شیخ احمد بن ابراہیم بن عیسی الشرقی النجدیؒ
۲۔ الشیخ حسین بن محسن الانصاری الیمانیؒ
۳۔ شیخ علامہ عبداللہ بن راشد نجدیؒ
۴۔ شیخ عارف باللہ عبداللہ مہاجرؒ نزیل مکۃ
۵۔ شیخ علامہ یوسف بن مبارک حسن شافعی یمنیؒ
۶۔ شیخ ابوبکر المطوف المکیؒ
۷۔ شیخ محمد عبداللہ بن حمید مفتیؒ حنابلہ مکہ
۸۔ شیخ عبداللطیف المصریؒ
۹۔ شیخ محمد فارسؒ نزیل قسطنطنیۃ

---

[1] قرة الأعيان، ٦٤

۱۰۔ شیخ محمد بن احمدؒ

۱۱۔ شیخ ہارون الحدیدیؒ

۱۲۔ شیخ محدث محمد بن عبداللہ الزورک الحسینیؒ

۱۳۔ شیخ صالح احمد بن ابراہیم بن عیسٰی بخاریؒ

۱۴۔ شیخ محمد سالم طائشؒ

۱۵۔ شیخ محمد بن علی بن عبدالوہاب صائم الدہر

۱۶ شیخ محدث محمد بن احمد بن عبدالباریؒ

۱۷۔ شیخ سلیمان بن محمودؒ

۱۸۔ شیخ محمد انصاری یمانیؒ

۱۹۔ شیخ محمد الکتبی المکیؒ

۲۰۔ شیخ راشد علی النعامی النجدیؒ

۲۱۔ شیخ محمد عبدالکریم المدراسیؒ

۲۲۔ شیخ محمد سورتیؒ تاجر کتب بمبئی

۲۳۔ شیخ علی عباسؒ

۲۴۔ شیخ قاضی محمد پشاوریؒ

۲۵۔ شیخ محمد معزالدین خالص پوریؒ

مبحث اول: تصنیفی و تالیفی خدمات

کتاب اپنے مصنف کے ذہن و مزاج ،فکر و عقیدہ اور دلی کیفیات و جذبات کی مظہر ہوتی ہے۔مصنف کے حالات، ماحول کی عکاسی ہوتی ہے۔عزائم و ارادوں کو آشکار کرنے والی ہوتی ہے۔

نواب صدیق حسن خانؒ صاحب نے جن حالات میں اپنی زندگی کی ابتدائی منازل طے کیں۔وہ محنت شاقہ، حالات کی ابتری و ناسازگاری، انگریزوں کی زبردست حکمت عملی اور چالبازی سے بھرے ہوئے تھے۔

حالات کی بے چینی، سیاسی عدم استحکام، دینی بے راہ روی ایسے عوامل تھے جن کے اثرات نواب صاحب کے ذہن و دماغ پر مستولی ہو چکے تھے۔

آپ نے بہت غور و فکر کے بعد اپنے اور قوم کے لیے عمل بالقرآن اتباع سنت، تبلیغ اسلام، نشر علوم صحیحہ و دینیہ، اشاعت معارف صادقہ، شریعت اور عمل **بالمعروف و نہی عن المنکر** کی راہ کا انتخاب کیا۔[1]

---

[1] نواب صدیق حسن خان، ۳۲۸

نشر و اشاعت علوم اسلامیہ کے جذبہ کی وجہ سے کثرت مشاغل کے باوجود تصنیفات و تالیفات کا کام جاری رہا تھا۔ جیسے کہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ڈاکٹر رضیہ حامد کی کتاب نواب صدیق حسن خانؒ پر ایک جامع مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں نواب صاحب کی ایک ساتھ پائی جانے والی اعلیٰ صفات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"جمع بین الاضداد" کی صنعت امارت و ریاست کے ساتھ ساتھ علمی و تصنیفی انہماک، وقت کی قیمت پہچاننا اور اس کا صحیح استعمال.......... یہ وہ صفات تھیں جو کمتر شخص واحد میں جمع ہوتی ہیں۔[۱]

بالالتزام تالیف کا وقت صبح کی نماز کے بعد سے نو بجے تک تھا۔ اور اگر دنیاوی کاروبار سے فرصت پاتے تو اور اوقات میں بھی لکھتے تھے۔[۲]

مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی (م ۱۹۲۱ء) کے بقول "اللہ تعالیٰ نے ان کو جو سرعت تحریر عطا فرمائی تھی وہ شاید اس وقت میں کسی کو ہو، عربی و فارسی خوش محاورہ، قلم برداشتہ بلاتکلف لکھتے تھے۔ ان کا مسودہ مبیضہ ہوتا تھا۔[۳]

زود نویسی تو گویا ان کو آبائی ترکہ میں ملی تھی۔ آٹھ ورق کا ایک جز روزانہ لکھنا ان کی علمی زندگی کا ایک ممتاز کارنامہ تھا۔[۴] خود لکھتے ہیں کہ

> "میں نے عربی فارسی اور اردو میں مطول و مختصر بے شمار دینی کتابیں انداز بیان تصنیف کی ہیں۔ اگرچہ ان کے ابواب، اصول اور مطالب علماء راسخین و محققین سلف و خلف سے منقول و ماثور ہے۔ لیکن ہر کتاب و رسالہ میں طرز بیان اور ترتیب و مقاصد و مواقف جدید ہے۔"[۵]

نواب صاحب کا ہر رسالہ ادلہ صحیحہ کے ساتھ مزین ہے۔ ایسی کوئی کتاب نہیں جو کتاب و سنت کے دلائل مع تخریج سے خالی ہو۔ یہ بات تالیفات معاصرین میں نایاب ہے.......... ادلہ کتاب و سنت کی جو کثرت، تنقیح و توضیح کے ساتھ میرے رسائل و کتب میں ہے۔ معاصرین کی تالیفات میں اس کی نظیر نہیں ملے گی۔[۶]

آپ نے ادب اور دین سے متعلق ہر فن پر نہایت اہم کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں۔ ان میں سے بعض کتب خاصی ضخیم اور علمی اعتبار سے بھی بلند پایہ ہیں۔ اور مصدر و ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔[۷]

آپ کی ۲۲۲ تالیفات و تراجم ہیں جن میں سے عربی ۵۴، فارسی ۴۵ اور اردو میں ۱۰۳ ہیں۔ ان میں سے ابھی تک ۲۵ غیر مطبوع ہیں۔[۸]

بقول نواب صاحب "اختلافات کے باوجود میری تمام تصنیفات اطراف و اکناف عالم خصوصاً بلاد حجاز و عرب و مغرب وغیرہ میں میری زندگی میں ہی شرف قبولیت سے نوازی گئی ہیں۔ ہندوستان کے بعض لوگوں کے سواء کسی نے ان کی تردید میں کچھ نہیں لکھا۔[۹]

---

۱ نواب صدیق حسن خان، ۲۲۴ — ۲ ابقاء المنن، ۱۴۶ — ۳ نواب صدیق حسن خان، ۱۴۵

۴ ایضاً، ۲۶۹ — ۵ ابقاء المنن، ۹۳ — ۶ ایضاً، ۹۴

۷ نواب صدیق حسن خان، ۲۳۱ — ۸ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ۱۰/۵۵

۹ ابقاء المنن، ۹۵

آپ کی زندگی میں ہی آپ کی کتب کا مصر، اسکندریہ، بیروت، جدہ، قسطنطنیہ، عدن، بصرہ، بغداد، تیونس، بمبئی، لاہور، دہلی، کانپور، بھوپال وغیرہ سے مختلف اصحاب سے (جن کے نام اخبار الجوائب مطبوعہ باب عالی ۲۳ صفر ۱۲۷۹ھ کے آخری صفحہ پر اور 'مآثر صدیقی' حصہ چہارم، ص ۸۷۔۷۷ پر موجود ہیں۔) دستیاب ہونا بھی ان کی مقبولیت کی دلیل ہیں۔

ان کے ہم عصر علماء میں سے جنہوں نے آپ کی کتب پر تقاریظ لکھیں۔ ان تمام تقاریظ کو سلیم فارس آفندی بن احمد فارس صاحب 'جاسوس قاموس و مدیر الجوائب' نے ایک رسالہ بنام "قرۃ الاعیان و مسرۃ الاذھان "کی شکل میں شائع کیا ہے۔[1]

نواب کی تالیفات پر مندرجہ ذیل اعتراضات کیے گئے ہیں۔ یہ اعتراضات کرنے والے معاصرین میں مولانا عبدالحئی لکھنوی فرنگی محلی (۱۳۰۴) بھی شامل تھے۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی کے ساتھ علمی سطح پر قائم ہونے والے تعلقات میں اگرچہ باہمی علمی اختلافات پائے جاتے تھے۔ لیکن نواب صاحب کو مولانا عبدالحئی کے انتقال کی خبر پہنچی تو بقول صاحب 'مآثر صدیقی' "یہ سن کر کچھ دیر تک تو پیشانی پر ہاتھ رکھ کر خاموش سر جھکائے رہے اور آبدیدہ ہو کر سر اٹھا کر دیر تک دعائے مغفرت کرتے رہے۔ اور اپنی زبان سے یہ فرمایا کہ آج آفتاب علم غروب ہو گیا۔ ہمارا اور ان کا اختلاف نفس تحقیقات مسائل تک محدود تھا۔" اس اختلاف کی بناء پر مولانا عبدالحئی نواب صاحب کی تحریروں پر اعتراضات کرتے رہتے تھے۔ کہ فلاں کی تاریخ وفات غلط لکھی ہے۔ فلاں غلطی ہے۔ وغیرہ۔[2]

اور ان کے علاوہ درج ذیل اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں:

1۔ بعض مسائل کے بارے

2۔ اتحاف النبلاء کے سنوات وفیات پر عدم صحت کا اعتراض کیا گیا۔

3۔ قدیم نادر الوجود کتب کو اپنے نام سے شائع کروانا۔

4۔ یا علماء عصر کی کتب کو اپنی طرف نسبت کر کے شائع کروانا۔

ا۔ نواب صاحب خود لکھتے ہیں کہ:

> "میں نے ان کا خاموشی کے سواء اور کوئی جواب نہ دیا اور نہ کسی کے سامنے بے جا شکوہ کیا۔ حالانکہ ان کا مباحثہ غلط تھا۔ اور اس کی بنیاد تحقیق حق پر نہیں بلکہ مذہبی حسب و عصبیت تھی۔"
>
> مدارس کے کم علم شخص نے مسئلہ استوا علی العرش پر میرے رسالہ "احتواء علی مسئلہ الاستواء" کا رد لکھا تھا، لیکن میرے علم کے بغیر لوگوں مثلاً مولانا عبدالقادر آرکاٹی اور سید نظام الدین نقوی میلا دپوری سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا شافی جواب لکھ کر اسے عاجز و ساکت کر دیا۔

---

[1] مآثر صدیقی، ۵۰۔۱۷؛ ابقاء المنن، ۴۲،۴۳

[2] تحریک اہل حدیث کے چند اوراق، ۹۲

سلہٹ کے ایک عبدالقادر نامی شخص نے میرے رسالہ 'نہج مقبول' پر حدیث کے دو ایک مسائل مثلاً مال تجارت پر زکوٰۃ کے عدم وجوب کے سلسلہ میں اعتراض کیا تھا اس کا بھی بعض علماء نے نہایت تسلی بخش جواب لکھ دیا تھا۔[۱]

۲۔ سنوات وفیات پر عدم صحت کے جواب میں لکھتے ہیں:

لکھنوء کے ایک صاحب نے "اتحاف النبلاء" اور دہلی کے ایک شخص نے رسالہ "فتح المغیث" کے سنوات وفیات پر عدم صحت کے اعتراضات کیے تھے۔ حالانکہ یہ امور محل اعتراض سے بالکل بعید ہیں، کیونکہ وفیات وغیرہ کا اختلاف سلف سے برابر کتابوں میں منقول چلا آرہا ہے۔ میں نے یہ سنوات وفیات "کشف الظنون" وغیرہ سے نقل کیے ہیں۔ اور ناقل پر صرف تصحیح نقل لازم ہے۔[۲]

نواب صاحبؒ نے نقل عبارت میں دو امور کا بطور خاص خیال رکھا ہے۔ خود لکھتے ہیں:

ایک یہ کہ جس کی وہ عبارت ہو اس کا نام لکھا جائے میں کسی عالم کی تحقیق کو تدلیساً یا تلبیساً اپنی طرف منسوب کرنا خیانت سمجھتا ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ نقل مذکور صحیح اور اصل کے مطابق تھے۔[۳]

قدیم نادر الوجود یا علمائے عصر کی کتب کو اپنی طرف نسبت کر کے شائع کروانا۔ یہ اعتراض "اکتفاء القنوع بما هو مطبوع" میں کیا گیا کہ

"ملکہ بھوپال سے تزوج کے باعث مال و دولت میں (نواب صدیق حسن خانؒ) غنی ہوگئے۔ اس کے بل بوتے پر بڑی بڑی کتابیں جمع کر کے کتب خانہ بنالیا اور علماء سے کتابیں تالیف کروا کے اپنے نام سے طبع کروالیں۔"[۴]

اس اعتراض کا تفصیلی جواب نواب صاحب کے انتہائی قریبی دوست ممتاز عالم دین مؤلف کتب کثیرہ مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی (م ۱۹۲۱ء) نے اپنی کتاب "قضا الارب من ذکر علماء النحو والادب" میں بڑی تفصیل سے دیا ہے۔ خلاصہ کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ

(الف) نواب صاحب سادات نسل اور صاحب زہد و تقویٰ تھے۔ ان سے ایسی خیانت ممکن نہیں ان کا مال دار ہونا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ خاندانی طور پر یہ مالدار چلے آرہے تھے۔ ان کے والد صاحب نے اپنے زہد و تقویٰ کی بناء پر اپنے شیعہ والد کی جائیداد سے ملنے والا کثیر حصہ بالکل نہیں لیا حالانکہ والی حیدر آباد نے انہیں طلب کیا تھا کہ آ کر اپنا حصہ لے جائیں۔

(ب) نواب صاحب نے اہل علم میں سے کسی کو بھی تکلیف نہیں دی کہ اپنی کتابیں ان سے تالیف کروا کے اپنی طرف منسوب کر

۱۔ مآثر صدیقی، ۱۷۸/۴ ۲۔ مآثر صدیقی، ۱۷۸/۴
۳۔ ابقاء المنن، ۹۳، ۹۴ ۴۔ ایضاً، ۳۳۳

دیں۔خود ان کے صاحب سرعت تحریر ہونے اور التزام تالیف پر اہل بھوپال شاہد ہیں۔

(ج) قدیم نادر الوجود کتب کا اپنے نام منسوب چھپوانا تو یہ بھی سوائے صاحب ''اکتفاء القنوع'' کے اور کسی نے اعتراض نہیں کیا کیونکہ اس اعتراض کی حقیقت کوئی نہیں ہے۔

نواب صاحب نے پرانی کتب کی یا تو شرح اپنے نام سے لکھی ہے جیسے عون الباری شرح کی البخاری شرح لحل ادلة البخاری، السراج الوهاج شرح تلخيص مسلم، انتقاد رجيح فی شرح اعتقاد صحيح ، بغية الرائد شرح عقائد.......... اور اصل کتاب اور صاحب کتاب کا تفصیلی ذکر ضرور کیا ہے۔

یا کسی متقدم کی کتاب کی تلخیص کی ہے۔ جیسے حصول المامول ، ارشاد الفحول لشوکانی کی تلخیص ہے۔ مثير ساكن الغرام الى روضات دار السلام حافظ ابن قیمؒ کی کتاب حادی الأرواح کی تلخیص فتح البیان تفسیر فتح القدیر شوکانی کی تلخیص بلکہ خود بھی بہت سا اضافہ کیا ہے۔ لیکن دیباچہ میں کتاب کا نام مع مصنف کا نام بھی لکھ دیا ہے۔

یا کسی کتاب کا ترجمہ کیا جیسے بلوغ المرام کا فارسی میں اور الدور البھیة کا اردو میں بنام فتح المغیث کیا ہے۔ لیکن دیباچہ میں مصنف کا نام ضرور لکھا ہے[1]

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے بھی صاحب اکتفا کے الزامات کو بے جا گردانا ہے[2]

علامہ عبد الحی الکتانی الجزائری نے لکھا ہے کہ

> '' یہ سب باتیں ان کے دشمنوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ ورنہ واقعہ یہ ہے۔ کہ ان کی تمام تالیفات اپنی ہی تالیف کردہ ہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تمام کتابوں کا اسلوب یکساں ہے۔[3]

نواب صدیق حسن خانؒ کا علوم تفسیر میں مقام:

تفسیر قرآن اور علوم قرآن کے میدان میں، نواب صاحبؒ کا دائرہ تصنیف بہت وسیع ہے، نہ صرف برصغیر پاک وہند میں بلکہ پوری دنیا میں، بہت کم ایسی شخصیات گزری ہے جنہوں نے قرآن اور علوم قرآن کے موضوع پر اتنا بڑا ذخیرہ تحقیق اپنے پیچھے چھوڑا ہو۔

آپ نے نہ صرف تفسیر قرآن کے بارے میں "فتح البيان فی مقاصد القرآن،" ترجمان القرآن بلطائف البيان " اور "نيل المرام فی تفسير آيات الاحكام" جیسی عمدہ تفاسیر کے ذریعے قرآن کی خدمت کی، بلکہ علوم قرآن سے متعلقہ، اکسير فی اصول التفسير " افادة الشيوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ اور "فصل الخطاب فی فضل الكتاب" جیسی بلند پایہ کتابیں بھی تصنیف کیں۔

آپ نے اپنی ان تصانیف میں شریعت مطہرہ کو اقوال الناس و آراء الرجال کی ملاوٹ سے منقیٰ ومصفیٰ کر کے کیا،

---

1. مآثر صدیقی، ۹، ۱۷۹، ۱۸۰؛ ابقاء المنن، ۳۴۴-۳۴۷
2. انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (ترکی)، ۱۰/ ۵۵۰
3. فہرس الفہارس والاثبات، ۳۸۸؛ ابقاء المنن، ۳۵۵

الغرض آپ کی تمام تصنیفات آپ کی علمیت اور علوم قرآنیہ سے گہری محبت و دلچسپی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، آئندہ صفحات میں آپ کی تفسیر قرآن اور علوم قرآنیہ سے متعلقہ تصنیفات و تالیفات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن:

یہ کتاب دس ضخیم جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر ہے جو پہلی دفعہ ۱۲۸۹ھ کو مطبع صدیقی بھوپال سے ۴ جلدوں میں شائع ہوئی۔ دوسری دفعہ المطبعۃ الکبریٰ المنیریۃ بولاق ۱۳۰۰ھ میں خوبصورت دس جلدوں میں شائع ہوئی۔ تیسری مرتبہ ۱۴۱۲ھ المکتبہ المصریہ بیروت سے (۱۵) دیدہ زیب جلدوں میں شائع ہوئی جو آج ہر اچھی لائبریری میں موجود ہے۔ جو قاری اس تفسیر کا بنظر تعمق مطالعہ کرے گا اس کے سامنے اسکی یہ خوبیاں نمایاں ہو جائیں گی کہ یہ تفسیر روایت و درایت کی جملہ اعلیٰ صفات پر مشتمل ہے۔ اس میں صحیح روایات کا ذخیرہ بھی موجود ہے اور آیات قرآنی کے رموز و اسرار کو بڑے حکیمانہ اور آسان پیرایہ بیان میں پیش کیا گیا ہے۔ نواب صاحب نے خود اس تفسیر کی خصوصیات ابتدائے کتاب میں درج کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

تفسیر میں جن امور کی ضرورت و حاجت ہوتی ہے یہ کتاب ان تمام پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر دراصل کئی تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ بایں معنی کہ جو علمی نکات و جرائد متعدد تفاسیر میں منتشر تھے ان تمام کو اس کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس میں روایت کی صحت اور درایت کی باریکیوں اور نزاکتوں کو مکمل طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اگر اس دعوے کی صداقت کا تجربہ کرنا ہو تو تمام کتب تفاسیر کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ بعض مفسر صرف روایات کا سہارا لیتے ہیں اور بعض صرف درایت پر اعتماد و اکتفا کرتے ہیں ان دونوں قسم کی تفسیر کے تقابلی مطالعہ کے بعد اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو صاحب نظر کے سامنے صبح صادق کی طرح یہ حقیقت ظاہر ہو جائیگی کہ یہ کتاب سب کا لُب لُباب ہے۔ یہ طلبہ کیلئے ذخیرہ معلومات، عقلمندوں اور دانشوروں کے لیے سرمایہ تحقیق اور ماہرین کے لیے قابل تقلید ہے۔[1]

ڈاکٹر سالم قدوائی اس تفسیر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور روایتی نقطہ نظر سے خاص طور سے موصوف کے پیش نظر رہی ہے اس کے ضروری مطالب کے ساتھ دوسری تفسیروں سے مناسب معلومات جمع کر دی ہیں۔ ضعیف روایتوں کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور متضاد روایتوں میں ترجیحی صورتیں بیان کر دی ہیں۔ اعراب کی مشکلات دور کی ہیں۔ قراءت کے اختلافات کا ذکر کیا ہے، الغرض روایتی اور درایتی دونوں قسم کی تفسیروں کے بہترین اقتباسات اس کتاب میں اکٹھے کر دیئے ہیں۔[2]

نواب صاحب نے اپنے تفسیری نقطہ نظر کی وضاحت کے بعد قرآن مجید کے فضائل کے متعلق روایتیں نقل کی ہیں پھر سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا آغاز کیا ہے۔ الفاظ کے معانی، بیان، قراءت، اسباب نزول، مسائل فقہ اور فقہاء کے اجتہادات، غرض تمام

---

[1] فتح البیان فی مقاصد القرآن، ۱/۱۲، ۱۳

[2] ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ۱۱۳، ۱۱۴

پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ حروف مقطعات کے سلسلہ میں دوسرے مفسرین کی طرح مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ لیکن آخر میں یہی کہا ہے کہ اگر کسی کو سلامتی رائے مطلوب ہے اور آئمہ سلف کی اقتدا کرنا چاہتا ہے تو اسے بارے میں کوئی رائے نہیں دینی چاہیے بلکہ صرف اس اعتراف پر اکتفاء کرنا چاہیے کہ ان حروف کے نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہے جس تک ہماری عقلیں نہیں پہنچ سکتیں۔[1]

برصغیر میں تمام تفاسیر میں اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ نواب صاحب نے ابتدائے کتاب میں فن تفسیر کے اصول وقواعد اور تاریخ تفسیر کے مختلف ادوار کے بارے میں مفید معلومات کا ذخیرہ ضبط تحریر کیا ہے۔ یہ انداز تفسیر دوسرے مفسرین کے ہاں نظر نہیں آتا۔ آپ اس فن تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ھو علم باعث عن نظم نصوص القرآن وایات سور الفرقان بحسب الطاقة البشریه ویوفق ما تقتضیه القواعد العربیه"[2]

"یہ وہ علم ہے جس میں بقدر انسانی استعداد عربی قواعد وضوابط کے موافق نصوصِ قرآن کا باہم ربط وتعلق اور آیات کی توضیح وتشریح کی جاتی ہے۔"

نواب صاحب قرآن مجید کے بارے میں صوفیاء کے کلام کو تفسیر کا درجہ نہیں دیتے۔ ممکن ہے کہ ان کے پیش نظر ہندی علماء کی لکھی ہوئی چند تفاسیر ہوں، ان کا کہنا ہے:

"......واما کلام الصّوفیة فی القرآن فلیس بتفسیر"[3]

"کہ قرآن میں صوفیاء کے کلام کو تفسیر کا مقام حاصل نہیں ہے۔"

جب یہ تفسیر علماء وفضلاء کے علم ومطالعہ میں آئی تو انہوں نے اس کو بنظر استحسان دیکھا اور اسکی خوب مدح کی۔ ان مداحین میں سے فن تفسیر کے عظیم امام مفتی حدیدہ شیخ یحییٰ بن محمد کے تاثرات بیان کر دینا کافی ہوگا۔ ان سے نواب صاحب کی منزلت اور اعلیٰ مقام کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"میں نے تفسیر کے ربع اول کو نہایت غور وخوض سے پڑھا ہے، میں نے اسے اعلیٰ درجہ کی تفسیر پایا ہے۔ ترکیب وترتیب میں محکم، تمام مباحث علوم پر حاوی اور ارباب نظر و بصیرت کے لیے سہل التاویل۔ مصنف نے اس میں عجیب اور بڑا معنی خیز انداز اختیار کیا ہے۔ مقصد کو واضح اور آسان طریق سے پیش کیا گیا ہے۔ قاری پہلی ہی نظر میں معنی ومراد تک پہنچ جاتا ہے اور اسے زیادہ زحمت غور وفکر نہیں اٹھانا پڑتی جیسا کہ قدماء کی تفاسیر کا حال ہے۔ اس کے تمام مباحث آسان پیرایہ بیان میں پیش کیے گئے ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی صعوبت اور دشواری پیش نہیں آتی انہوں نے اپنے حسن تحریر

---

[1] نواب صدیق حسن خان، ۲۴۵
[2] فتح البیان فی مقاصد القرآن، ۱۳،۱۲/۱
[3] ایضاً، ۱۲/۱

سے اللہ کی کتاب کے بھیدوں کو آشکارا کر دیا اور سلک تحریر میں موتیوں کو پرو کر عجائبات قرآن کو ظاہر کر دیا ہے۔"[1]

۲۔ نیل المرام من تفسیر آیات الأحکام:

یہ کتاب ۳۵۴ صفحات پر مشتمل ہے آیات احکام کو جمع کیا ہے اور انتہائی اہم کتاب ہے، اس کے بارے میں نواب صاحب خود تحریر فرماتے ہیں:

وھا أفسر تلک الأیات المشار الیھا بتفسیر و جیز جامع لماله علیه ولم آخذ فیھامن الاقوال المختلفة الا رجح ومن الدلائل المتنوعة الا الاصح الا صرح[2]

یہ کتاب نواب صاحب کی انتہائی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے اس کے بارے میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اس میں صرف وہ آیات انتخاب کی ہیں جن سے واضح طور سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں تا کہ لوگوں کو کسی قسم کی اُلجھن اور پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑے اور سارے قرآن کریم کی کسی ایک مسئلہ پر ورق گردانی نہ کرنی پڑے۔"

نواب صاحب نے سورتوں کی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آیات قرآن سے فقہی انداز میں، احکام کا استخراج کیا ہے اور پھر ان مسائل واحکام کے بارے میں محدثین کے فتاوئی اور فیصلوں کو بڑی اہمیت دی ہے۔ کتب صحاح ستہ کے علاوہ کتب روایت کی حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے نواب صاحب کی فقیہانہ بصیرت کا پتہ چلتا ہے کہ ایک بلند پایہ مجتہد کی تمام شروط ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں اور ان کو براہ راست کتاب اللہ سے مسائل واحکام کے استخراج پر بڑی قدرت حاصل ہے۔ یہ پوری کتاب جو ۳۵۴ صفحات پر مشتمل ہے، فقہ القرآن پر ایک عظیم اور نادر تحقیق ہے۔ آپ نے ۲۳۸ آیات قرآنی سے فقہی مسائل واحکام کا استخراج کیا ہے۔ آپ نے آیات احکام کی تعداد کے بارے میں علماء کا اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ اس کتاب کے بعد آپ نے تفسیر 'مقاصد القرآن' لکھی جس میں ان احکام کی مزید وضاحت کی ہے۔ پہلے یہ کتاب بھوپال میں شائع ہوئی تھی، اب اسے شعبہ التالیفات والتصنیف جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (فیصل آباد) کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔

۳۔ اکسیر فی أصول التفسیر:

یہ کتاب فارسی میں ہے اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے حصے میں وجہ تالیف اسکے بعد مقدمہ پھر اس کے بعد اصول تفسیر، وجوہ معانیٔ قرآن۔ باب دوم میں وجوہ معانیٔ قرآن، تیسرے باب میں وجوہ خفائے نظم قرآن، چوتھے باب میں تفسیر وحل اختلاف، پانچویں باب میں جمع وترتیب نزول ونازل چھٹے، باب میں بعض مقاصد قرآن اور ساتویں باب میں فضل وتلاوت وتعلیم قرآن۔ دوسرے حصے میں ۱۳۰۰ مفسرین اور ان کے حالات کا تذکرہ ہے۔[3]

---

[1] محدث (ماہنامہ)، نواب صدیق حسن خانؒ کی خدمات حدیث، ۱۹۹۴ء، ص: ۳۰،۲۹

[2] نیل المرام فی تفسیر آیات الأحکام، ۲

[3] اکسیر فی اصول التفسیر، ۳،۲

معروف مؤرخ اسحاق بھٹی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس موضوع کی یہ کتاب ہے جوارض برصغیر کے ایک عالم نے تصنیف کی۔نواب صاحب نے اسے حروف تہجی کی ترتیب سے تحریر فرمایا ہے۔۱۲۹۰ھ میں مطبع نظامی کانپور سے معرض اشاعت میں آئی۔ بڑی تقطیع کے ۱۳۰صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''[۱]

۴۔ **افادہ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ:**

مطبع محمدی لاہور سے ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۰ء کو طبع ہوئی۔

نواب صاحب اس کتاب کے آغاز میں یوں تعارف کرواتے ہیں:

این رسالہ ۱۲۸٦ھـ و ثمانین و مائتین و الف الهجریه پرداخت و مشتمل بر یک مقدمه دو باب ویک خاتمه ساخت دا خاتمه الشیوخ بمقدارلناسخ و المنسوخ نام نهاد مقدمه دربیان معانی نسخ واحکام او باب اول و ناسخ و منسوخ ،قرآن کریم بر ترتیب سور باب دوئم در ناسخ و منسوخ حدیث خاتمه .''[۲]

نواب صاحب فرماتے ہیں:

''یہ رسالہ ۱۲۸٦ میں قرطاس پہ ایک مقدمہ دو باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔مقدمہ میں نسخ کے معنی واحکام باب اول میں بعض آیات کے نسخ کے متعلق علماء کا اختلاف اور باب ثانی میں حدیث کے ناسخ ومنسوخ کا بیان ہے۔''

۵۔ **تذکیر الکل بتفسیر الفاتحہ واربع قل:**

نواب صاحب خود لکھتے ہیں:

''یہ پانچ سورتوں کی تفسیر اردو زبان میں ہے جو کہ ٦۲ صفحات پر مشتمل ہے۔نواب صاحب فرماتے ہیں ان پانچ سورتوں کی تفسیر الگ اس لیے لکھی کہ ان کی تلاوت کا اتفاق رات دن ہر مسلمان کو نماز میں ہوا کرتا ہے۔مراد ان پانچ سورتوں سے فاتحہ الکتاب، وہر چہار قل ہیں کہ ہر پانچ سورہ توحید پر خداوند مجید کی دلیل ہیں۔جس نے ان کے معنی سمجھ لیے وہ پکا سچا مسلمان ہو گیا اب اس کی عبادت ٹھیک ہو گی۔اور وہ شرک سے بچ جائیگا۔''[۳]

۱۔ برصغیر کے اہل حدیث خدام القرآن، ۲۰۱

۲۔ افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، ۳

۳۔ تذکیر الکل بتفسیر الفاتحہ واربع قل، ۲

ان پانچ سورتوں کی تفسیر ایک الگ کتابی شکل میں لکھنے کا سبب یوں بیان کرتے ہیں:

فرماتے ہیں کہ ''تمام مقدمہ ان سورہ کے معنی پر تفسیر ترجمان القرآن و فتح البیان میں ہی استیفاء تمام مضامین کا اس جگہ خواہ خواں دفاتر گراں بار ہے۔''[۱]

تفسیر کبیر میں فقط ایک سورہ فاتحہ سے دس ہزار مسائل کا استخراج کیا ہے۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمتہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر معوذتین استقلالاً لکھی ہے۔ لیکن ان علوم غامدہ کا سمجھنا اہل علم کا کام ہے کہ نہ کہ عوام کا اور مقصود ہمارا اس جگہ سمجھانا عوام کا ہے۔[۲]

۲۔ فصل الخطاب فی فضل الکتاب

یہ کتاب اردو میں ہے ۱۳۰۵ھ میں آپ نے تحریر فرمائی۔ پہلے بھوپال میں طبع ہوئی پھر مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوئی۔ بڑے سائز کے ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کے فضائل اور اس کے متعلق ہے اور اس موضوع کا پوری طرح سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔[۳]

نواب صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اس میں احادیث صحیحہ و اقوال آئمہ دین سے جو معارف خصائص و مزایائے فرقان کریم تھے قرآن عظیم کے کچھ فوائد و منافع لکھے جاتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ کے کلام کو وہی فضیلت باقی کلاموں پر حاصل ہے جو خود اللہ تعالیٰ کو ساری مخلوق پر ثابت ہے۔ اگر سارے جن و انس مجتمع ہو کر یہ چاہیں کہ قرآن کی طرح کا کلام بنالائیں تو ہرگز نہیں لا سکتے اگرچہ بعض بعض کے ظہیر و نصیر کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کلام مقدس میں ایک ایک تذکیر کے لیے کئی کئی مثالیں ذکر کی ہیں کہ ان کو علماء ہی جانتے ہیں یہ کہ وہ کلمات طیبات ہیں کہ اگر سارے درخت قلم اور سارے دریا سیاہی ہوں تب بھی ختم نہ ہوسکیں اس کلام مبارک کے ہوتے ہوئے بشر کے کسی کلام کا وظیفہ کرنا اور ترتیبات مشائخ و علماء پر مائل ہونا کتنی بڑی بے ادبی و نادانی و محرومی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس رسالہ میں آیات کتاب اللہ اور اس کی سورتوں پر زیادہ گفتگو کی ہے۔ اور قدرے ماسوا پر وَ مَا توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ اُنیب۔''[۴]

ترجمان القرآن بلطائف البیان

اس تفسیر میں آیات کا ترجمہ اور فوائد موضح قرآن از شاہ عبدالقادر دہلوی سے ماخوذ ہے اور بقیہ مطالب تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح القدیر از شوکانی اور اپنی عربی تفسیر فتح البیان سے لیے ہیں۔ تفسیر میں قرآن مجید، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، آثار صحابہ اور اقوال

۱۔ تذکیر الکل بتفسیر الفاتحہ و اربع قل،۲

۲۔ ایضاً

۳۔ برصغیر کے اہل حدیث خدام القرآن،۲۰۰

۴۔ فصل الخطاب فی فضل الکتاب،۲،۱

تابعین سے استفادہ کیا گیا ہے۔[۱]

نواب صدیق حسن خان خود یہ تفسیر مکمل نہ کر سکے آپ نے ابتدائے قرآن مجید یعنی سورہ فاتحہ تا سورہ الکہف اور پارہ ۲۹، ۳۰ کی تفسیر لکھی اور بقیہ جلدیں مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی نے لکھیں یعنی سورہ مریم تا سورہ تحریم۔ مولانا ذوالفقار احمد نواب صاحب مرحوم کے شاگرد تھے اوران کا قیام نواب صاحب کے ہاں ہوتا تھااورنواب صاحب کی تالیف کے پروفوں کی تصحیح میں برابر کے شریک کار تھے اور کئی ضخیم کتابوں کے مصنف تھے نواب صاحب کی وفات کے وقت مولانا ذوالفقار احمد ان کے پاس موجود تھے۔ تفسیر ترجمان القرآن کے بارے میں مولانا ذوالفقار احمد لکھتے ہیں:

> ''حضرت والا جاہ نے ۱۳۰۲ھ تک آپ نے سورہ فاتحہ تا سورہ کہف ۶ جلدیں اور سورۃ الملک تا سورۃ الناس ایک جلد مکمل کی اس کے بعد متواتر مجھے اس پر آمادہ کرتے رہے کہ آپ بقایا سورتوں کی تفسیر مکمل کریں اور میں اس سلسلے میں پس و پیش کرتا رہا۔ آخر ۱۳۰۷ھ میں نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے انتقال کے ۵۔۶ ماہ بعد کسی صاحب نے تکمیل ترجمان القرآن کے سلسلہ میں سرکار عالیہ سے عرض کیا تو اُنھوں نے حضرت مولانا والا جاہ کے فرزند سر سید میر علی حسن خاں سے ذکر فرمایا۔ جناب میر سید علی حسن خاں نے بغیر میری اطلاع کے میرا نام پیش کر دیا۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے ۲۳ صفر ۱۳۰۸ھ سے لکھنا شروع کیا اور ۱۵/ ذی قعدہ (۱۳۱۵ھ) کو ترجمان القرآن کی جلدیں مکمل کرلیں۔''[۲]

نواب صدیق حسن خانؒ کی خدمات حدیث

نواب صاحب نے نہ صرف تفسیر قرآن اور علوم قرآن کو اپنا موضوع بنایا، بلکہ حدیث کے میدان میں بھی اور علوم قرآن کو اپنا موضوع بنایا، شروحات، اصول اور علوم الحدیث سے متعلقہ آپ کی تینتیس (۳۳) تصانیف فن حدیث میں آپ کی مہارت جمع اور علمی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

نواب صاحب کو فن حدیث میں خاص ملکہ حاصل تھا، جس کا اندازہ آپ کی مندرجہ ذیل تصنیفات وتالیفات سے کیا جا سکتا ہے۔ آئندہ صفحات میں آپ کی حدیث وعلوم حدیث سے متعلقہ تصنیفات وتالیفات کا تفصیلی تعارف پیش کیا جائے گا۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے علوم الحدیث میں بہت سی تصانیف چھوڑی ہیں ان میں ہر قسم کی کاوش پائی جاتی ہے۔

۱. عون الباری لحل ادلة البخاری

علامہ ابوالعباس بن عبدالطیف الشرجی الزبیدی (م۸۹۳ھ) نے صحیح بخاری کی تلخیص بنام ''التدریج الصریح لأحادیث الجامع الصحیح'' کی تھی حضرت نواب صاحب نے اس تلخیص کی شرح بنام'' عون الباری لحل ادلة

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۳/۱ [۲] ایضاً، ۳۶۹/۱۴

البخاری'' کی۔[۱]

دوجلدوں میں یہ ضخیم کتاب عربی زبان میں ہے۔اس کے بارے نواب صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

''تجرید شرح علی صحیح البخاری'' پر یہ شرح نہایت ضبط وربط اور اختصار کے ساتھ لکھی گئی

ہے۔[۲]

یہ شرح فتح الباری سے ماخوذ ہے نواب صاحب نے اکثر مقامات پر ''قلت'' کہہ کر اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے اس میں صحیح بخاری کے عقدوں کو جو قرآن کے دوسرے درجہ میں ہے حل کیا گیا ہے۔[۳]

مؤلف محترم نے گروہی اور مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر یہ کتاب لکھی ہے۔تاکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی کا صحیح حق ادا کیا جاسکے۔اسے مطبع صدیقی بھوپال سے (۱۲۹۹)ھ میں طبع کرا کر شائع کیا۔دوسری دفعہ یہ شرح قاہرہ مصر سے شائع ہوئی اور اس کے حاشیہ پر ''نیل الاوطار'' کا پورا متن تھا اب حال ہی میں شیخ عبداللہ بن ابراہیم انصاری کی زیر نگرانی حکومت قطر نے اس شرح کو شائع کیا ہے۔[۴]

نواب صاحب نے اس کتاب کو اپنی بہترین کتابوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔[۵]

۲. السراج الوهاج من كشف مطالب صحيح مسلم بن الحجاج

حافظ عبدالعظیم المنذری (۶۵۶ھ بمطابق ۱۲۵۸ء) نے صحیح مسلم کی تلخیص بنام ''مختصر صحیح مسلم'' کی تھی۔حضرت نواب صاحب نے اس تلخیص کی شرح بنام '' السراج الوهاج من كشف مطالب صحيح مسلم بن الحجاج'' کی۔یہ کتاب عربی میں ہے نواب صاحب اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس کتاب میں شرح تجرید منذری علی صحیح مسلم کی گئی ہے۔اور شرح نووی پر تنقید بعض مواضع عمل میں آئی ہے۔[۶]

یہ کتاب مطبع صدیقی بھوپال میں ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی۔[۷] اور اس کے علاوہ پاکستان میں ''المكتبه الاثريه'' سانگلہ ہل پنجاب کی طرف سے شائع ہوئی۔

۳. فتح العلام بشرح بلوغ المرام:

یہ حافظ ابن حجرؒ کی مشہور کتاب 'بلوغ المرام من ادلة الا حكام' کی عربی زبان میں شرح ہے جو کہ چار جلدوں پر مشتمل ہے اور علامہ محمد الیمنی کی ''البدر التمام'' کا اختصار ہے۔مگر اس میں مذہب زیدیہ کی تفصیل قلم زد کر دی گئی ہے اور اس کی بجائے دیگر حدیثی فوائد کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔[۸]

اس کے سارے اوراق پر مولف کا نام ابوالخیر نورالحسن لکھا ہوا ہے۔لیکن دراصل یہ نواب صاحب کی تصنیف ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔''اہل حدیث امرتسر ۱۷ شعبان ۱۳۳۸ھ حالات قاضی محمد مچھلی شہری''[۹]

---

۱ پاک وہند علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ۹۲ ۲ نواب صدیق حسن خان، ۹۲

۳ ابقاء المنن، ۳۶۱ ۴ محدث (ماہنامہ)، نواب صدیق حسن خان کی خدمات حدیث، ۱۹۹۴ء، لاہور، ص: ۳۲،۱۳

۵ ابقاء المنن، ۱۷۶ ۶ نواب صدیق حسن خان، ۲۴۳ ۷ ایضا، ۲۴۳

۸ پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ۹۱ ۹ جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۹

۴. مسک الختام شرح بلوغ المرام

نواب صاحب کی معرکۃ الآراء تصانیف میں سے یہ "بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام لابن الحجر عسقلانی"، فارسی زبان میں ضخیم شرح ہے اس کتاب میں مذاہب اربعہ کو مدلل طریقہ پر نواب صاحب نے ذکر کیا ہے اور ہر حدیث پر آئمہ اربعہ کے مسلک کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔[۱]

لکھنؤ سے تین (۳) جلدوں میں مطبوع ہے۔[۲]

۵. الروض البسام من ترجمة بلوغ المرام

یہ فارسی زبان میں بلوغ المرام کا ترجمہ ہے۔[۳]

یہ آپ کے بڑے بیٹے میر نور الحسن خانؒ کے نام مطبع فاروقی دہلی سے مطبوع ہے۔[۴]

۶. توفیق الباری لترجمة الادب المفرد البخاری

امام بخاری کی مشہور کتاب "الادب المفرد"، کا ترجمہ مع شرح ہے۔اس میں چھ سے کچھ زائد ابواب ہیں ۳۱۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مطبع مفید عام (آگرہ) سے ۱۳۰۶ھ میں طبع ہوئی۔[۵]

۷. بغیة القاری فی ثلاثیات البخاری

امام بخاری کی الجامع الصحیح کی وہ روایات جو تین واسطوں سے مروی ہیں یہ ان کی شرح ہے۔[۶]

یہ شرح اردو میں ہے اور لکھنؤ سے مطبوع ہے۔[۷]

۸. الرحمة المهداة إلیٰ من یرید زیادة العلم علی أحادیث المشکوة

"مشکوۃ المصابیح"، میں مصنف نے ہر باب کے تحت تین فصلوں میں احادیث جمع کی ہیں۔نواب صاحب نے اسی باب کی مزید احادیث کی "الرحمة المهداة" کے نام سے جمع کیا ہے جسے مشکوۃ کے تمام ابواب کی "فصل رابع"، کہنا چاہیے۔یہ کتاب ۱۳۰۱ھ میں ۳۵۲ صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔لوح پر ان کے صاحبزادے مولانا نور الحسن کا نام ہے۔ممکن ہے "فتح العلام"، کی طرح انہوں نے اس کا انتساب بھی اپنے بیٹے کی طرف کر دیا ہو۔

مولانا امام خانؒ نوشہروی نے "تراجم علمائے اہل حدیث"، اور "علمائے اہل حدیث کی خدمات" میں اس کا انتساب نواب صاحب کی طرف ہی کیا ہے۔[۸]

مطبع فاروقی دہلی سے مطبوع ہے۔[۹]

۹. أربعون حدیثاً فی فضائل الحج والعمرة

حج وعمرہ سے متعلق ۱۱۴۰ احادیث پر مشتمل یہ عربی مجموعہ نواب صاحب نے ۱۲۸۴ھ میں لکھا۔[۱۰]

۱۔ نواب صدیق حسن خان، ۲۴۵ ۲۔ مآثر صدیقی، ۱۷/۴ ۳۔ ابقاء المنن، ۳۴۷
۴۔ مآثر صدیقی، ۱۰/۴ ۵۔ پاک و ہند میں علمائے حدیث کی خدمات حدیث، ۹۳ ۶۔ ایضاً ۹۳
۷۔ مآثر صدیقی، ۳/۴ ۸۔ پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ۹۴ ۹۔ مآثر صدیقی، ۹/۴
۱۰۔ مآثر صدیقی، ۲/۴

اس کے بارے نواب صاحب خود لکھتے ہیں کہ

''غالب احادیث اس کی صحیح وحسن ہیں یہ رسالہ بکارآمد حاجیاں ومعتمران ہے،، یہ بھوپال میں طبع ہوا۔[۱]

۱۰۔ تميمة الصبی فی ترجمة الأربعين فی أحاديث النبیؐ

یہ چالیس احادیث پر مشتمل مجموعہ ہے جو کہ بچوں کی خاطر لکھا گیا ہے۔ اس لیے اس رسالہ میں ہر حدیث کے دو یا تین الفاظ ہی لے کران کا ترجمہ وتشریح کی گئی ہے۔ یہ ۱۳۹۰ھ میں مطبع محمدی لاہور سے طبع ہوا۔ دوبارہ ۱۴۰۵ھ میں دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوا۔

۱۱۔ الحرز المكنون من لفظ المعصوم المأمون

اس مجموعہ میں چالیس احادیث متواتر احادیث جمع کی گئی ہیں۔ جو ۱۲۹۰ھ میں مطبع سکندری سے طبع ہوئی اور ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔[۲]

نواب صاحب نے بزبان عربی تحریر کردہ اس کتاب کے بارے میں فرمایا

''یہ ایک چہل حدیث ہے۔ اس کی احادیث بغایت درجہ صحت وقوت میں ہے،،[۳]

۱۲۔ أربعون حديثاً متواترة

بزبان عربی ہے اور بھوپال سے مطبوع ہے۔[۴]

۱۳۔ عين اليقين (ترجمة أربعين للغزالی)

یہ امام غزالی کی کتاب ''الاربعین فی اصول الدین'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر مولف کا نام، ابو النصر علی حسن لکھا ہوا ہے۔ لیکن یہ نواب صاحب ہی کی تالیف ہے۔ یہ مطبع مصطفائی دہلی سے ۱۲۷۳ھ میں طبع ہوئی۔ اس کے ۲۷۶ صفحات ہیں۔[۵]

۱۴۔ خير القرين فی ترجمة الأربعين

بزبان اردو یہ چالیس احادیث کا ترجمہ ہے۔ اور قلمی ہے۔[۶]

۱۵۔ كشف الكربة عن اهل الغربة

یہ کتاب ابن رجب کے کلام کا ترجمہ ہے۔ اس میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''بداء الاسلام غريباً و سيعود غريباً كما بداء فطوبى للغرباء'' کی تشریح کی گئی۔ فارسی زبان میں ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰۲ھ اس کی طبع اول ہوئی۔[۷]

مآثر صدیقی کے مولف کے مطابق بزبان اردو آگرہ سے مطبوع ہے۔[۸]

---

[۱] پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ۹۲ [۲] نواب صدیق حسن خان، ۲۴۲
[۳] مآثر صدیقی، ۴/۲ [۴] جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، ۴۰؛ مآثر صدیقی، ۱۳/۴
[۵] مآثر صدیقی، ۸/۴ [۶] جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، ۴۴
[۷] مآثر صدیقی، ۱۶/۴ [۸] پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ۹۳

۱۶. تقوية الايقان بشرح حلاوة الايمان

یہ اردو زبان میں صحیحین کی مشہور حدیث " ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الايمان " کی شرح ہے۔ جو مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی۔ یہ رسالہ ۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔[۱]

۱۷. الادراک بتخريج أحاديث رد الاشراک

حضرت شاہ اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱) پوتے ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے شرک کے رد میں کتاب " رد الاشراک " لکھی جس کا بعد میں نام تقوية الايمان رکھا گیا۔ اس کتاب میں موجود احادیث کی تخریج بنام " الادراک بتخريج احاديث رد الاشراک " آپ نے کی اور صحت وعدم صحت پر بھی بحث کی ہے۔[۲]

یہ کتاب فارسی میں ہے۔[۳]
مطبع نظامیہ کانپور سے (۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳) میں طبع ہوئی ہے۔[۴]

۱۸. موائد العوائد من عيون الاخبار والفوائد

فارسی زبان میں ۲۵۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی بار مطبع صدیقی بھوپال سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں ایمان، علم، طہارت، صلوٰۃ وغیرہ سے متعلق تین سو احادیث نبویہ اکٹھا کر کے ان کا ترجمہ اور مطلب واضح کیا گیا ہے۔ اور کتاب کے اخیر میں حقیقت روح پر بحث کی گئی ہے۔[۵]

۱۹. خطيرة القدس وذخيرة الانس

مختلف موضوعات پر احادیث کا ایک نادر مجموعہ ہے۔ پیش کردہ احادیث سے مصنف کا مقصد علم دوست حضرات کو عمل پر ابھارنا اور ارشادات نبوی کی جانب صحیح طریقہ پر گامزن کرنا ہے۔
یہ کتاب عربی زبان میں ہے اس کو نواب صاحب نے اپنے صاحبزادے علی حسن خانؒ طاہر کے نام منسوب کیا ہے۔ یہ ۱۳۰۶ھ میں مطبع شاہجہانی بھوپال سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔[۶]

۲۰. نزل الأبرار بالعلم المأثورة من الأدعية والأفكار

یہ عربی زبان میں ہے اور اس کتاب میں نواب صاحب نے ادعیۃ ماثورہ کو جمع کر دیا ہے۔ جو ۱۳۰۱ھ مطبع الجوائب قسطنطنیہ (استنبول) سے پہلی بار طبع ہوئی۔[۷]

۲۱. عرف الجادى من جنان هدى الهادى

فقہ حدیث میں یہ کتاب فارسی زبان مین آپ کے بڑے بیٹے میر نور الحسن خانؒ مرحوم کے نام بھوپال سے طبع ہوئی۔[۸]

---

۱. محدث (ماہنامہ)، نواب صدیق حسن خان کی خدماتِ حدیث، ۱۹۹۴ء، ۴۷
۲. مآثر صدیقی، ۲/۴
۳. نواب صدیق حسن خان، ۲۳۰
۴. جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۹
۵. مآثر صدیقی، ۸/۴
۶. پاک وہند میں علماء اہل حدیث کی خدمات حدیث، ۹۳
۷. مآثر صدیقی، ۱۳/۴
۸. پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ۹۳

۲۲. فتح المغيث بفقه الحديث

بزبان اردو فقہ السنۃ پر مشتمل یہ رسالہ مطبع اسکندری سے 34 صفحات میں شائع ہو چکا ہے۔جس میں عبادات و معاملات سے متعلقہ مسائل کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔[۱]

فقہ الحدیث پر درر البہیۃ مؤلفہ امام شوکانی کا یہ اردو ترجمہ ہے۔اور بھوپال سے مطبوع ہے۔[۲]

۲۳. اتباع السنة فی جملة ايام السنة

رسالہ کے آخر پر تحریر کردہ معلومات کے مطابق یہ نواب صاحب کا ماہ شعبان ۱۳۰۵ھ میں ایک دن میں مکمل کردہ رسالہ ہے۔اس میں روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ اور سالانہ امور سنت نبوی کے مطابق کرنے کے لیے رہنمائی کی گئی ہے۔یہ رسالہ ۱۳۸۴ھ میں مکتبہ المنیر یہ، امین پور بازار فیصل آباد سے بھی شائع ہوا۔

۲۴. جامع السعادت ترجمه منبهات ابن حجر

حافظ ابن حجر کی کتاب "منبهات......" کا اردو ترجمہ ہے اور قلمی ہے۔[۳]

۲۵. حضرات التجلی من نفحات التحلی والتجلی

یہ کتاب امام احمد بن حسین بیہقی کی کتاب ''کتاب الاعتقاد'' کا خلاصہ ہے۔اس میں ذکر ادلہ عقائد کا کتاب وسنت سے مذکور ہیں۔یہ عربی زبان میں ہے اور مطبع بھوپال سے (۱۲۹۸ھ) میں طبع ہوئی۔یہ ۱۱۲صفحات پر مشتمل ہے۔[۴]

۲۶. الدين الخالص

یہ کتاب عقائد کے باب میں بزبان عربی دو جلدوں میں ہے۔اس میں نواب صاحب نے شرک و بدعت اور توحید و سنت کی حقیقت کو نکھارا ہے۔یہ کتاب نواب کے طرز تحریر کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔''الدین الخالص''میں نواب صاحب کے حیرت انگیز طالب علمانہ شغف، عمیق نظر، ادبی پرکھ اور عالمانہ بصیرت کا پورے طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔[۵]

یہ مطبع انصاری دہلی سے مطبوع ہے۔پہلا حصہ ۴۸۰صفحات پر اور دوسرا حصہ ۲۶۷صفحات پر مشتمل ہے۔[۶]

غالباً نواب صاحب کے زمانہ میں ہی" مطبع احمدی سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔[۷]

۱۳۷۹ھ کا مصری ایڈیشن حاکم قطر علی ابن الشیخ عبداللہ آل ثانی نے اپنے مصارف سے چھپوا کر وقف کیا۔[۸]

۲۷. مشير ساكن الغرام إلى روضاة دار السلام

امام ابن القیم جوزی (م۷۵۱ھ) کی کتاب "حادی الارواح الی بلاد الافراح" کی تلخیص بنام مشیر ساکن الغرام الی روضاة دار السلام کی۔

---

۱ مآثر صدیقی،۴/۱۴ ۲ ایضاً،۴/۷ ۳ نواب صدیق حسن خان،۲۵

۴ محدث (ماہنامہ)،نواب صدیق حسن خان کی خدمات حدیث،۱۹۹۴ء لاہور،۴۷

۵ مآثر صدیقی،۴/۹ ۶ نواب صدیق حسن خان،۲۶۵

۷ ایضاً،۲۶۵ ۸ ایضاً،۲۲۴

نواب صاحب فرماتے ہیں:

"اس میں احوال ونعیم جنت کا بیان مفصل قرآن وحدیث سے لکھا گیا ہے۔ اپنے آپ میں بے نظیر ہے یعنی باعتبار صحت وجامعیت ابواب جملہ انواع نعیم ہے۔[۱]

مزید فرماتے ہیں:

"میں نے 'کشف الظنون' میں پڑھا تھا کہ امام ابن قیم کے کسی شاگرد رشید نے تمام مکررات کو حذف کر دیا اور از سر نو تین ابواب میں بنام 'الداعی الی اشرف المساعی' مرتب کیا۔ بہت زیادہ تلاش کے باوجود نہ پانے کے بعد یہ تلخیص کی۔[۲]

۲۸. الغنة ببشارة الجنة لأهل السنة

اس کتاب میں نواب صاحب نے ان تمام قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کہ بالاختصار جمع کر دیا ہے۔ جن میں جنت کی بشارتوں کا ذکر ہے۔ پیش کردہ احادیث کا ماخذ زیادہ ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہ ہیں۔[۳]

یہ کتاب عربی میں ہے اور 'مطبعہ المنیر یہ بولاق مصر' سے ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی۔[۴]

۲۹. هادی القلب السلیم الی درجات جنات النعیم

اردو زبان میں احوال جنت کے بیان میں یہ کتاب آگرہ سے مطبوع ہے۔[۵]

۳۰. يقظة الأولى الإعتبار فيما ورد من ذكر أهل النار

دوزخ، اہل دوزخ اور انواع عذاب کی تفصیلات جو آیات اور احادیث صحیحہ میں آئی ہیں۔ ذکر کی گئی ہیں۔ عربی زبان میں تحریر کی گئی ہے۔ بھوپال میں طبع ہوئی۔[۶]

۳۱. النذیر العریان من درکات المیزان

یہ احوال وبیان دوزخ میں اردو میں لکھی گئی کتاب 'آگرہ' سے مطبوع ہے۔[۷]

۳۲. منهج الوصول الى اصطلاح حديث الرسولؐ

اصول حدیث میں یہ کتاب نواب صاحب کی نادر کتابوں میں سے ہے۔ فارسی زبان میں اس فن پر اس سے پہلے کوئی کتاب دیکھنے میں نہیں آئی۔ نہایت شستہ اور سلیس فارسی زبان استعمال کی گئی ہے۔ اصطلاح محدثین میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو تقسیم کر کے مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان اصطلاحات کی تعریفیں ذکر کی گئی ہیں۔

۲۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مطبع شاہجہانی بھوپال سے ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوئی۔[۸]

---

۱. محدث (ماہنامہ)، نواب صدیق حسن خان کی خدماتِ حدیث، ۱۹۹۴ء، لاہور، ۳۸ ۲. نواب صدیق حسن خان، ۲۲۷

۳. پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ۹۴ ۴. مآثر صدیقی، ۴/۲۰، تراجم علمائے حدیث ہند، ۲۹۹

۵. نواب صدیق حسن خان، ۲۴۳؛ پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات، ۹۳ ۶. مآثر صدیقی، ۴/۱۹

۷. نواب صدیق حسن خان، ۲۴۹؛ پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ۹۳ ۸. ابجد العلوم، ۲/۶۳۷

۳۳. الحطة فی ذکر صحاح الستة

نواب صدیق حسن کی علوم الحدیث میں مایہ ناز تصنیف ہے۔ نام کے برعکس علوم الحدیث کے بہت سے پہلوؤں کی جامع ہے۔ دار الکتب العلمیة بیروت کی طبع اول ۱۹۸۵ء کے ۲۷۹ صفحات میں جن میں کتاب کا آغاز فاتحہ کے نام سے دو فصلوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں علم اور علماء کی فضیلت پر اور دوسری فصل میں علم حدیث کے عز و شرف اور محدثین کی فضیلت پر نثر اور نظم میں بہت عمدہ معلومات جمع کی گئی ہیں۔

بعد ازاں باب اول میں علم حدیث کا تعارف، آغاز و ارتقاء اور جمع و تدوین پر راہنمائی کی گئی ہے۔ اس باب کی فصل پنجم میں اہل الاجتہاد اور اہل الحدیث کے نقل حدیث کے رویے کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ باب دوم میں مختلف علوم الحدیث زیر قلم لائے ہیں۔ باب سوم میں کتب حدیث کے مختلف طبقات اور علم حدیث سے لوگوں کی عدم دلچسپی کا ذکر ہے۔ اس باب کی فصل خامس میں ارض ہند میں علم حدیث کی قلت پر گفتگو کی ہے۔ اسی طرح باب چہارم میں کتب ستہ اور ان کی شروحات کا تفصیلی ذکر ہے۔ خاتمہ کتاب میں اپنی اسانید بیان کی ہیں۔

یہ کتاب علوم الحدیث پر دریا کو کوزے میں بند کرنے کا منہ بولتا شاہکار ہے۔

نواب صاحب کا نظریہ حدیث

نواب صاحب کے بعض اہم نظریات حدیث پیش خدمت ہیں:

> ''آپ پہلے سنت کے وقوع پذیر ہو جانے اور بعد ازاں اس کی تائید میں آیت قرآنی کے نازل ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً وضو کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ وضو کا آغاز مکہ میں ہوا۔ لیکن اس بارے میں آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔ اسی طرح نماز جمعہ مکہ میں فرض ہوئی۔ اور آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔''[۱]

نواب صاحب قرآن مجید کے سنت سے نسخ کے بھی قائل ہیں۔ اس بارے میں سورۃ بقرہ کی آیت ۱۰۶ ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا...... ﴾ کی تفسیر یوں فرماتے ہیں۔................اور شافعی نے جو اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قرآن، سنت متواترہ سے منسوخ نہیں ہوتا۔ یہ درست نہ ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ کتاب سنت سے منسوخ ہونا جائز ہے۔[۲]

روایتی اصول حدیث کے عالم اور علوم الحدیث پر مختلف کتابوں کے مصنف درایتی فکر بھی قبول کرتے ہیں۔ مثلاً ''الاذاعة'' میں پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی علامات قیامت کی ایک جامع روایت نقل کرتے ہیں۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کا ذکر کرتے ہیں۔

''ان فی سنة المائتين يكون كذا و كذا ، وفی العشر والمائتين كذا

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان: ۱۹۲/۱، فتح البیان فی مقاصد القرآن، ۲۰۱/۱

۲ الاذاعة لما كان و مايكون بين يدی الساعة، ۹۷

و کذا"

(یعنی سن ۲۰۰ھ میں یہ ہوگا اور ۲۱۰ میں یہ ہوگا یہ ہوگا) اس کے بعد اس روایت کے من گھڑت ہونے کی دوسری دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں۔

ان التاریخ لم یکن علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وانما وضعوه علی عهد عمر، فکیف یجوز هذا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یقال فی سنة کذا یکون کذا[1]

تاہم نواب صاحب علامات قیامت پر روایتاً درایتاً صحیح ٹھہرنے والی احادیث کو قبول کرتے ہیں۔اس موضوع پر اپنی تحریر کردہ کتاب "الاذاعة"

میں نیچریوں کے سرخیل سر سید احمد خاں کو علامات قیامت میں سے ایک گردانتے ہیں۔

نواب صاحب نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے ربع صدی قبل اور ربع صدی سے زائد بعد میں گزاری۔یوں مسلمانوں کے لیے مجموعی طور پر انتہائی ہنگامہ خیز پرآشوب دور میں اور انفرادی طور پر خاصی مشکلات میں آپ نے حیات مستعار بسر کی۔لیکن ان تر مصائب و آلائم کے باوجود وقت اور دولت کی آخری حد تک قدر دانی کرتے ہوئے ہر دو کو خلق خدا کی علمی وفکری راہنمائی میں بسر کیا۔عملی طور پر انتہائی کٹھن زندگی بسر کرنے والے نواب صاحب نے سینکڑوں کی تعداد میں کتب ورسائل یادگار چھوڑے اور لاکھوں روپے کی لاگت سے ہزاروں کی تعداد میں کتب چھپوا کر مفت تقسیم کیں۔برصغیر کے ارباب علم وفضل میں سے کوئی دوسری ہستی آپ کی قائم کردہ اس مثال میں مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔مختلف علمی میدانوں میں آپ کے مایہ ناز علمی کارناموں کی طرح علم حدیث میں بھی آپ کی خدمات ہر اعتبار سے لائق صد تحسین اور قابل صد افتخار ہیں۔

فقہی تصانیف کا تعارف

نواب صاحب فقہ کے میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں آپ کی فقہ سے متعلقہ کتب کا تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ تعلیم الحج:

یہ اردو زبان میں ۱۴ صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے، جو کہ پہلی مرتبہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جمال بھوپال سے شائع ہوا۔ اس میں قرآن وسنت سے حج اور عمرہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ ان دونوں کا منکر کافر ہے[2]

۲۔ تعلیم الذکر والدعاء:

یہ ۲۰ صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے، جو کہ اردو زبان میں لکھا گیا ہے، اور سب سے پہلے ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا، جس میں دعاء اور ذکر واذکار کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔[3]

۱۔ الاذاعة لما کان وما یکون بین یدی الساعة ۹۱

۲۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۲/۱؛ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۲۳۱

۳۔ ایضاً

۳۔ تعلیم الزکوٰۃ:

یہ ۱۲ صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے، جو کہ اردو زبان میں لکھا گیا، اور سب سے پہلے ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا۔

اس میں زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کی اہمیت بتاتے ہوئے نصاب زکوٰۃ ومصارف زکوٰۃ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[۱]

۴۔ تعلیم الصلوٰۃ:

یہ ۳۲ صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے، جو کہ اردو زبان میں لکھا گیا ہے، سب سے پہلے ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا۔

اس کتاب میں وضو، تیمم، غسل اور نماز پڑھنے کے طریقے مذکور ہیں۔[۲]

۵۔ تعلیم الصیام:

یہ ۱۲ صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے جو کہ اردو زبان میں لکھا گیا ہے، سب سے پہلے ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا۔ اس کتاب میں ماہ شعبان ورمضان کی فضیلت بتاتے ہوئے رویت ہلال، نیت روزہ، افطار وسحور وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔[۳]

٦۔ حل سوالات مشکلۃ:

یہ ۳۲ صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے جو کہ فارسی زبان میں ہے سب سے پہلے مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ۱۲۹۵ھ میں شائع ہوئی۔

یہ کتاب ایک سو اناسی (۱۷۹) سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے، جس میں عقائد وطہارت، بیوع، نکاح وطلاق وغیرہ کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔[۴]

۷۔ روزمرہ کے مسائل:

یہ ۲۹۴ صفحات پر مشتمل کتاب ہے، جو کہ اردو زبان میں ہے۔ سب سے پہلے مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰٦ھ میں شائع ہوئی۔

اس کتاب میں ہر مرد وعورت کو روزمرہ پیش آنے والے مسائل کو قلمبند کیا گیا ہے۔[۵]

۸۔ سبیل الرشاد لما یحتاج الیہ العباد:

یہ اردو زبان میں ۱۲۴ صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے جو کہ پہلی مرتبہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوا۔
یہ کتاب ایک مقدمہ چودہ فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقصد کتاب فصلوں میں انسان کے ابتدائی حالات پھر

۱۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۲/۱؛ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۲۳۱

۲۔ ایضاً

۳۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب) ۴/۴

۴۔ ایضاً

۵۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۲/۱

نشو ونما، شادی بیاہ وغیرہ سے متعلق تعلیمات کو اسلام کی خصوصیات بتایا گیا ہے۔[۱]

۹۔ طراز الخمره للحجة والعمره:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے، جو کہ پہلی دفعہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوا۔
اس کتاب میں ارکان خمسہ کی وضاحت کرتے ہوئے حج وعمرہ کے فضائل اور ادائیگی کے طریقے بتائے گئے ہیں نیز حاجیوں کے مراتب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔[۲]

۱۰۔ ظفر اللاضی بما یجب فی القضاء علی القاضی:

یہ کتاب ۱۶۴ صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ہے، جو کہ ۱۲۹۴ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے شائع ہوئی۔
یہ کتاب ایک مقدمہ، دو قسمیں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں قضا اور قسم اول میں قضا سے متعلق احادیث اور قسم ثانی میں کافی شرائط ذکر کیے گئے ہیں۔[۳]

۱۱۔ عمارت الأوقاف بوظائف العبادات:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں لکھنو سے شائع کی گئی۔
اس کتاب میں دعائے ماثورہ، اور وظائف کے فضائل بیان کرتے ہوئے ان کے پڑھنے کے اوقات تلقین کی گئی ہے۔[۴]

۱۲. وسیلة النجات باداء الصلوٰة والصوم والحج والزکوٰة

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، یہ پہلی مرتبہ مطبع سعید المطابع فارس میں ۱۳۰۵ھ میں شائع ہوئی۔
یہ کتاب ایک مقدمہ، چھ فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں اسلام کی پانچ بنیادوں پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔[۵]

۱۳۔ الاقليدا لادلة لاجتهاد والتقليد:

یہ کتابچہ ۷۴ صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ہے۔ سب سے پہلے ۱۲۷۶ھ میں قسطنطنیہ سے شائع ہوا۔
یہ کتاب علامہ شوکانی کی التشکیک علی التقلید کا خلاصہ ہے، اس میں تقلید شخصی کی تردید کرتے ہوئے مقلدین کو قیامت کے دن جو سزا دی جائے گی اس کا ذکر ہے۔[۶]

۱۴۔ بذل المنفعة لا يضاع الاركان الأربعة:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے ۱۳۰۵ھ میں مفید عام آگرہ سے شائع ہوا۔
اس میں ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، اس میں طہارت، نماز، روزہ اور زکوٰۃ حج وغیرہ کی فرضیت اور ان کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔[۷]

۱۔ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۲۶۸ — ۲۔ ایضاً، ۲۳۱
۳۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۳/۱ — ۴۔ ایضاً، ۳۰۳/۱
۵۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۹/۴ — ۶۔ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۴۷۲
۷۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۳/۴

۱۵۔ دعوة الداع الی الاثیار الاتباع علی الابتدا:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۳۵ صفحات پر مشتمل ہے، جو کہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے شائع ہوئی۔

یہ کتاب ''تذکرۃ الاخوان'' مولف شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا خلاصہ ہے، اس میں اتباع سنت اور اجتناب بدعت کے متعلق بہت سی احادیث وآیات کو یکجا کر دیا گیا ہے، اور آخر میں بدعت اور تقلید شخصی کی تردید کی گئی ہے۔[1]

۱۶۔ الروضة الندية شرح الدرر البهية:

یہ کتاب ۲ جلدیں ۳۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، جو کہ ۱۲۹۶ھ میں المطبع المنیریہ قاہرہ میں شائع ہوئی۔

اس کتاب کا جلد اول کتاب الحیاء، الطہارۃ، الصلاۃ وغیرہ میں اور جلد ثانی نکاح، طلاق، خلع، بیوع اور جہاد وغیرہ پر مشتمل ہے۔[2]

۱۷۔ الطريق المثلی فی ارشاد ترک التقليد واتباع ما هو الهدی:

یہ کتاب عربی زبان میں ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، جس کی طبع اول ۱۲۹۶ھ میں الجوائب قسطنطنیہ میں شائع ہوئی۔

یہ کتاب ایک مقدمہ دس فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، اس میں تقلید، مقلد اور مجتہد کی تعریف کی گئی ہے۔ پھر تقلید شخصی کو باطل قرار دیا گیا ہے۔[3]

۱۸۔ نصب الذريعه الی تعديد علوم الشرعية:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۹ھ میں مطبع مفید عام آگرہ میں شائع ہوئی۔

اس کتاب میں دینی علوم کے فضائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے بعد نواب صاحب نے اپنی فہرست کو گنوایا ہے، جن کی تعداد ۳۷۸ تک ہے۔[4]

۱۹۔ هداية السائل الی ادلة المسائل:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۵۵۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔

اس کتاب میں انسانوں کو روزمرہ پیش آنے والے ایک سو چودہ سوالات کے جوابات درج ہیں۔[5]

عقائد، ادب اور تصوف پر کتب

عقائد پر نواب صاحب نے جو کتب لکھیں ان کا کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ الاذاعة لما کان ومایکون بین یدی الساعة:

یہ کتاب عربی زبان میں ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، جو کہ ۱۳۹۹ھ میں مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت میں شائع ہوئی۔

اس کتاب میں آثار قیامت، ظہور فتن، خروج دجال یاجوج و ماجوج خروج ومہدی وعیسیٰ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔[6]

۱۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ۱/۳۰۲
۲۔ ایضاً
۳۔ ایضاً، ۱/۳۰۲
۴۔ ایضاً
۵۔ ایضاً
۶۔ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۲۴۳

۲. اقتراب الساعة:

یہ کتاب اردو زبان میں ۲۶۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۱ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔
اس کتاب میں نبی کی پیش گوئیوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو قرب قیامت میں ظاہر ہونگی جیسے مدعیان نبوت، ظہور مہدی وعیسیٰ خروج دآبہ ودجال وغیرہ۔[۱]

۳. الاحتواء علی مسئلة الاستواء:

یہ کتاب اردو زبان میں ۳۲ صفحات پر مشتمل کتاب ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۸ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے شائع ہوئی۔
اس کتاب میں استوی علی العرش کے مسئلے کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا گیا ہے، اور آخر میں عقائد اہلحدیث کو بیان کیا گیا ہے۔[۲]

۴. اخلاص التوحید للحمید المجید:

یہ کتاب اردو زبان میں ۹۶ صفحات پر مشتمل کتاب ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں علامہ شوکانی کی کتاب "النفید فی اخلاص التوحید" کا اردو ترجمہ ہے، اس میں شرک فی الصافات والعادات اور شرک فی العبادات وغیرہ کی نشاندھی کرکے اس کی مذمت کی گئی ہے۔[۳]

۵. اخلاص الفواد الی توحید رب العباد:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا۔
یہ کتاب شرک وبدعت کے رد میں ہے، خصوصا مکہ ومدینہ اور جدہ میں جو شرک وبدعت رائج تھا، اس کی نشاندھی کرکے خدمت کی گئی ہے اور حکومت کو اس کے مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔[۴]

۶. الانفکاک عن مراسم لاشراک:

یہ کتاب اردو زبان میں ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۶ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔
اس کتاب میں اشتراک فی العلم، اشراک فی التصرف، اشراک فی العبادة اور اشراک فی العادة وغیرہ کی وضاحت قرآن وحدیث سے کی گئی ہے۔[۵]

۷. الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح:

یہ کتابچہ عربی زبان میں ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۴۸ھ میں مطبع علوی لکھنو سے شائع ہوئی۔
یہ کتاب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا رسالہ "الاعتقاد الصحیح" کی شرح ہے، اس میں ذات باری تعالی اور صفات باری تعالی کو ثابت کرتے ہوئے قدریہ، معتزلہ وغیرہ کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔[۶]

۱۔ ایضاً، ۱۳۲، ۱۳۳ ۲۔ ایضاً، ۳۸۵
۳۔ مآثر صدیقی، ۴/۳۴، (فہرست کتب مؤلفہ والاجاہ مرحوم) ۴۔ ایضاً، ۴/۳۴
۵۔ ایضاً، ۴/۳۴ ۶۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ۱/۳۰۱

۸. بغیة الرائدفی شرح العقائد:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۲۲۱ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۱ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے شائع ہوئی۔
اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح لوگ فروعی مسائل میں اختلاف کر کے چار فرقوں میں بٹ گئے، یعنی ماتریدیہ، اشعریہ، حنابلہ پھر شرح عقائد خاص خاص عبارت نقل کر کے اس کی تشریح کی گئی ہے۔[۱]

۹. ترجمه شرعة الاسلام:

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔[۲]

۱۰. التفكيک عن انحاء التشريک:

یہ کتاب اردو زبان میں ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے، یہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے شائع ہوئی۔
یہ کتاب چند فصلوں پر مشتمل ہے، اس میں شرک اکبر واصغر کی وضاحت کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۱۱. تعليم الايمان:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع کیا گیا۔
اس کتاب میں حدیث جبرائیلؑ کی وضاحت کی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ "لاإلـه إلا اللـه محمد رسول الله" کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی ضرورت کے لئے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو پکارنا شرک ہے۔[۳]

۱۲. حصول المامول من علم الاصول:

یہ کتاب عربی زبان میں ۲۱۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول مطبع الجوائب قسطنطنیۃ سے ۱۲۹۶ھ میں شائع ہوئی۔
یہ کتاب علامہ شوکانی کی کتاب "ارشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول" کی تلخیص ہے، یہ ایک مقدمہ سات مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں اصول فقہ کی تعریف وموضوع وغرض وغایت بیان کی گئی ہے۔ اور مقاصد میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لغوی وشرعی تشریح کی گئی ہے۔ بعدازاں انبیاء امت اور اجماع امت وغیرہ پر بحث ہے۔[۴]

۱۳. حجج الكرامة فى آثار القيامة:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۵۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور چند ابواب پر مشتمل ہے، مقدمہ میں علم تاریخ اس کے متعلقات، بعض انبیاء وملوک کی تاریخی حالت، وقوع قیامت، قرب قیامت میں اشراط صغری وکبری، ظہور مہدی اور خروج دجال وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔[۵]

۱۴. دعاية الايمان الى توحيد الرحمن:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے سب سے پہلے ۱۳۰۹ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔

---

[۱] تراجم علمائے حدیث ہند، ۱/۳۰۱
[۲] ایضاً، ۱/۳۰۱
[۳] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۲۸۶
[۴] مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۴/۴۷
[۵] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۲۰

یہ کتاب ایک مقدمہ، سات ابواب اور دو خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ اثبات توحید اور نفی شرک کے بیان میں ہے، اور ابواب میں انواع توحید وشرک پر اچھی خاصی روشنی ڈالی گئی ہے۔[۱]

۱۵. دعوة الحق:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۱۳۰۰ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع کیا گیا۔

یہ کتاب امام غزالیؒ کی کتاب "هداية المداية" کا ترجمہ ہے، اس میں آداب وضو، نماز، غسل، تیمم وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[۲]

۱۶. عقیدہ سنی:

یہ رسالہ اردو زبان میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ۱۳۰۵ھ میں شائع کیا گیا۔

اس رسالہ میں نواب صاحب نے اپنے اور تمام اہل سنت کے ۹۸ عقائد کو نمبروار گنوایا ہے، اور ان میں سے اکثر عقیدے کی تائید میں کوئی نہ کوئی آیت ضرور پیش کی گئی ہے۔[۳]

۱۷. غراس الجنة:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبعہ اول ۱۳۰۵ھ میں مفید عام آگرہ سے شائع کیا گیا۔

اس کتاب میں ان اذکار صحیحہ اور ادعیہ ماثورہ کو قلمبند کیا گیا ہے، جن کے فضائل سنت مطہرہ سے ثابت ہیں۔[۴]

۱۸. فتح الباب لعقائد أولى الألباب

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کی طبع اول ۱۳۰۶ھ میں مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور آٹھ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں عقائد اہل حدیث اور ابواب میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن وحدیث کا علم رکھنے والے اور فقہ کی کتابوں کے علم رکھنے والوں کے درمیان بڑا فرق ہے، علمائے مجتہدین نے کتب فقہ کا علم رکھنے والوں کو جاہلوں میں شمار کیا ہے۔[۵]

۱۹. قصد السبیل الى ذم الکلام والتاویل:

یہ کتاب عربی زبان میں ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۰ھ میں مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی عظمت وفضیلت بیان کرتے ہوئے کلام اللہ لفظی ومعنوی تاویل تحریف کی مذمت کی گئی ہے۔[۶]

۲۰. قوارع الانسان عن اتباع خطوات الشیطان:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے ۱۳۰۹ھ میں مفید عام آگرہ سے شائع ہوا۔ یہ کتاب علامہ احمد بن حجر مکی کی کتاب "الزواجر عن اقتراف الکبائر" کا مختصر ترجمہ ہے، جو ایک مقدمہ دو باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل

---

[۱] تراجم علمائے حدیث ہند، ۱/۳۰۱

[۲] مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۴/۹

[۳] تراجم علمائے حدیث ہند، ۱/۳۰۱

[۴] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۳۵

[۵] تراجم علمائے حدیث ہند، ۱/۳۰۱

[۶] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۲۱۰۱

ہے، مقدمہ میں معاصی کی قسمیں، ابواب میں گناہ کبیرہ باطنیہ وظاہرہ اور خاتمہ میں توبہ اور اس کی شرائط بتائی گئی ہیں۔[۱]

۲۱. اللواء المقصود لتوحید الرب المعبود:

یہ رسالہ اردو زبان میں ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، یہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع بھوپال سے شائع ہوا۔

یہ رسالہ دراصل کتاب "درجات الصاعدین الی مقامات الموحدین" کی تلخیص ہے، اس میں توحید کے اثبات اور شرک کی مذمت میں بہت سی آیات وآحادیث کو اکٹھا کر کے یہ واضح کیا گیا ہے، کہ آخرت میں کامیابی اسی وقت ہوگی جب انسان تقلید شخصی کو چھوڑ کر توحید کی اتباع کرے۔[۲]

۲۲. المقاله الفصیحة فی الوصیة والنصیة:

یہ کتاب فارسی میں ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے، یہ ۱۲۹۲ھ میں مطبع شاہ جہانی سے شائع ہوئی۔

اس کتاب میں مصنف نے اپنی اولاد کو تقلید شخصی سے بچنے اور قرآن وحدیث کو لازم پکڑے اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر ابھارا۔[۳]

۲۳. المعتقد والمنتقد:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۲۴۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع کیا گیا۔

اس میں نواب صاحب نے اہل سنت کے عقائد کو یکجا کر کے ان کے مذاہب پر تبصرہ کیا ہے۔[۴]

۲۴. النصح السدید لوجوب التوحید:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۳۸ صفحات پر مشتمل ہے، یہ ۱۳۰۴ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا۔

یہ کتاب علامہ شوکانیؒ کے ایک مقالہ کا ترجمہ ہے، اس کے شروع میں توحید کی دعوت دینے کے طریقے بتائے گئے ہیں پھر شرک کے مدارج بیان کیا گیا ہے۔[۵]

علم وادب

نواب صاحب نے علم وادب کے موضوع پر جو کتب لکھیں ان کا تعارف حسب ذیل ہے۔

۱. البلغة فی اصول اللغة:

یہ کتاب عربی زبان میں ۱۵۹ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۴ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔

یہ کتاب علامہ سیوطیؒ کی کتاب "المزھر" کی تلخیص ہے، اس میں وصف لغات کی تعریف کرتے ہوئے انواع لغات اور عربی وفاسی لغات کی کتابوں اور ان کے مؤلفین کا ذکر کیا گیا ہے۔[۶]

---

۱. مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۵/۴ ۲. تراجم علمائے حدیث ہند، ۱/۴۳۱
۳. جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۴۳۱
۴. مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۸/۴ ۵. ایضاً، ۱۵/۴
۶. تراجم علمائے حدیث ہند، ۱/۳۰۷

۲. دیوان گل رعنا:

یہ رسالہ فارسی اوراردوزبان میں ۵۵صفحات پر مشتمل ہے، یہ ۱۳۰۷ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوا۔
اس رسالہ کے اشعار شروع سے صفحہ ۳۰ تک فارسی میں اوراس کے بعد آخر تک اردو میں ہے، سب اللہ اور رسول ؐ کی محبت میں کئے گئے ہیں۔[۱]

۳. ضیافة الاخوان بقیافة الانسان:

یہ کتاب اردوزبان میں ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی اشاعت ۱۳۰۵ھ میں مفید عام آگرہ سے ہوئی۔
یہ کتاب علم قیافیہ میں لکھی گئی ہے، اس علم کو قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح ثابت کیا گیا ہے۔[۲]

۴. العلم الخفاق من علم الاشتقاق:

یہ کتابچہ عربی زبان میں ۱۶۸صفحات پر مشتمل ہے، اس کی پہلی مرتبہ اشاعت ۱۲۹۴ھ میں شاہ جہانی بھوپال سے ہوئی۔
اس کتاب میں علم الاشتقاق کی لغۃ واصطلاحا تعریف کرتے ہوئے الفاظ مشتقہ کی وضاحت کی گئی ہے، اور مخارج حروف کی نشاندہی کی گئی ہے۔[۳]

۵. غص البان المورق بمحسنات البیان:

یہ کتاب عربی زبان میں ۸۵صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۴ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ہوئی۔
یہ کتاب سید غلام علی بلگرامی کی کتاب " سبعة المرجان" کی تلخیص ہے، اس میں عربی زبان کی وضاحت وبلاغت اور اس کے عربی نثر ونظم کی شکل اختیار کرنے کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[۴]

۶. لف القماط علی بعض ما استعمله العامة من المعرب والدخیل والأغلاط:

یہ کتاب عربی زبان میں ۲۶۸صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۶ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے ہوئی۔
اس کتاب میں عربی الفاظ کی تلخیص کرتے ہوئے روزمرہ استعمال ہونے والے الفاظ کی نشاندہی کی گئی ہے، اور عجمی وعربی الفاظ کی بھی تلخیص کی گئی ہے۔[۵]

۷. المغنم البادر للصادر والوارد (مجموعه رباعیات):

یہ کتابچہ فارسی زبان میں ۲۸۶صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۹ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔
اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اورانسانوں کی عبدیت اور گنہگار ہونے پر قرآن مجید کی بہت سی آیتوں اوراحادیث کو یکجا کرانکی توضیح وتشریح کی گئی ہے۔[۶]

---

۱ تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۷/۱
۲ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۱۴
۳ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والاجاہ مرحوم) ۱۳/۴
۴ ایضاً، ۱۴/۴
۵ تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۷/۱
۶ مآثر صدیقی، ۱۸/۴

۸. المقتصر المختصر فی حسن الظن للمحتضر:

یہ کتاب عربی زبان میں ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے ۱۳۰۶ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔
اس کتاب میں اولاً موت کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ انسانوں کی نجات کا دارومدار اللہ سے خوف و رجاء کے درمیان ہے۔[۱]

۹. نشوة السکران من صهباء تذكار الغزلان:

یہ کتابچہ عربی زبان میں ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ ۱۲۹۰ھ میں مطبع الرحمانیہ مصر سے شائع کیا گیا۔
اس کتاب میں عشق حقیقی و مجازی کی تعریف و موضوع بتاتے ہوئے اشعار و واقعات سے مثالیں دی گئی ہیں۔[۲]

۱۰. نفح الطیب من ذکر المنزل والحبیب:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۴۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۶ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے شائع ہوئی۔
اس کتاب کے ابتدائی دس صفحات نثر ہیں اور بقیہ کتاب نظم میں ہے، جس میں تقلید و بدعت کی تردید اور کتاب و سنت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

تصوف سے متعلق کتب

نواب صاحب نے تصوف پر جو کتب لکھیں ان کا تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

۱. خیرۃ الخیرہ:

یہ کتاب عربی زبان میں ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ ۱۳۰۴ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔
یہ کتاب "لوامع الانوار من طبقات السعادة الاخبار" مصنف شیخ عبدالوہاب شعرانی کا ترجمہ ہے، اس میں چار سو بائیس (۴۲۲) مشائخ و اولیاء کے حالات زندگی قلمبند کیے گئے ہیں۔[۳]

۲. رسالة منجیات ومهلکات:

یہ رسالہ فارسی زبان میں ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مفید عام آگرہ سے ہوئی۔
یہ رسالہ چار انواع پر مشتمل ہے:۔ ۱۔معاصی ۲۔طاعات ۳۔صفات مہلکات ۴۔صفات منجیات
اور ہر ایک کی وضاحت کی گئی ہے۔[۴]

۳. الروض الخصیب من تزکیة القلب المنیب:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۲۳۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی اشاعت ۱۳۰۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے ہوئی۔
اس کتاب میں ایمان کی ۷۰ شاخوں کا مفصل ذکر کیا گیا ہے، اور تمام فرقوں کے عقائد کو تفصیل وار بیان کر کے ہر ایک پر

۱۔ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۲۲ ۲۔ مآثر صدیقی، ۴/۱۹
۳۔ تذکار نواب صدیق حسن خان، ۴/۷
۴۔ مآثر صدیقی، ۴/۱۸

دلائل تنقید کی گئی ہے۔[۱]

۴. رياض المرتاض وغياض العرباض:

یہ کتابچہ فارسی زبان میں ۳۳۵ صفحات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے ۱۲۹۷ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع کیا گیا ہے۔[۲]

یہ کتاب ایک مقدمہ اور آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے، مقدمہ میں صوفی اور تصوف کی تعریف کرتے ہوئے علم سلوک کی وضاحت کی گئی ہے، اور فصلوں میں عقائد صوفیہ، ولایت آداب مریداں واخلاق صوفیہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۵. سعة المحال إلى ما يحل ويحرم من الأرزاق والأموال:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۱۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی اشاعت ۱۳۰۴ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے ہوئی۔

یہ کتاب ایک مقدمہ چھ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں اُکل حلال، ابواب میں بہترین رزق کے اوصاف اور خاتمہ میں اولاد کے لئے تونگری وغیرہ سے متعلق مسائل بیان کئے گئے ہیں۔[۳]

۶. صدق اللجاء إلى ذكر الخوف والرجاء:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے ۱۳۰۴ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں آیات وحدیث اور واقعات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کی نجات کا دارومدار خوف ورجاء کے بیچ میں ہے۔

۷. فتنة الانسان من تلقاء ابناء الزمان:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۱۴۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب میں انسان کا نطفہ شکم مادر میں قرار پانے سے لیکر آئندہ زندگی تک کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، اور بادشاہ ورعایا وغیرہ کے کردار کا محاسبہ کیا گیا ہے۔

۸. قضية المقدور على فتنة القبور:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے ۱۳۰۴ھ میں مطبع ستارہ دہلی سے شائع کیا گیا۔

اس کتاب میں توحید کو واضح کرتے ہوئے احوال موت، احوال برزخ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔[۴]

۹. قواطع البشر عن أنواع الشر:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طباعت ۱۳۰۴ھ میں مفید عام آگرہ سے ہوئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، چند ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، جس میں گناہ کبائر کی تعریف اور انکی تعداد لکھ کر قرآن وحدیث سے ہر ایک کی مثال دی گئی ہے، اور آخر میں فضائل اعمال اور توبہ سے متعلق آیات واحادیث اکٹھا کر دیئے گئے ہیں۔[۵]

---

[۱] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۸۷ — [۲] تذکار نواب صدیق حسن خان، ۷۴

[۳] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۲۹۹ — [۴] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۲۰

[۵] ایضاً، ۳۲۱

۱۰. کشف الستر عن وجه الذکر والفکر:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب امام غزالیؒ کی کتاب ''احیاء العلوم'' کی تلخیص ہے، اس میں ذکر و فکر کے متعلقات و آداب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[1]

۱۱. مقالات الاحسان فی مقامات الفرقان:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۳۲۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طباعت ۱۳۰۷ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ''فتوح الغیب'' کا ترجمہ ہے، اس میں قلب و جسم وغیرہ کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ اگر کسی کو الہام ہو کہ زنا اور سود وغیرہ جائز ہے، تو اسے شیطان کی جانب سے سمجھنا چاہیے۔[2]

تاریخ و سیرت

نواب صاحب نے تاریخ و سیرت پر مندرجہ ذیل کتب لکھی۔

۱. ابجد العلوم:

یہ کتابچہ عربی زبان میں ۹۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے ۱۲۹۶ھ میں مطبع صدیقی سے شائع ہوئی۔

یہ کتاب انسانی علوم و فنون کا انسائیکلوپیڈیا ہے اس کے تین حصے ہیں پہلے حصے کا نام "الوشی المرقوم" ہے، جس میں مختلف علوم کی تاریخ درج ہے، دوسرے حصے کا نام "السحاب المرکوم المطر بانواع الفنون و اصناف العلوم" ہے، اس میں علوم کے نام اور تاریخ بیان کیے گئے ہیں، تیسرے حصے میں کا نام ''الرحیق المختوم من تراجم العلوم'' ہے، اس میں اصحاب علم و دین اور ان کی خدمات کا تذکرہ ہے، اور اختتام پر نواب شاہ بیگم کی سوانح حیات درج ہے۔[3]

۲. ابقاء المنن بالقاء المحن:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ ۱۳۵۰ھ میں مطبع شاہ جہانی سے شائع کیا گیا۔ یہ کتاب نواب صاحبؒ کی خود نوشت سوانح حیات پر مشتمل ہے، اس میں آپؒ نے اپنا بچپن، یتیمی، طالب علمی، اساتذہ کی شفقت، ملازمت، دشمنوں کی ایذا رسانی اور شادی بملکہ بھوپال وغیرہ کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔[4]

۳. اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقهاء المحدثین:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۴۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ ۱۲۸۹ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع کیا گیا۔ یہ کتاب ایک دیباچہ، دو مقصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، دیباچہ میں کتاب لکھنے کا مقصد اور مقصد اول میں فن حدیث سے متعلق کتابوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور مقصد ثانی میں اکابرین محدثین کی سیرت کو مختصر اور جامع طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔[5]

۱۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۴۳/۴

۲۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۱۱/۱

۳۔ نواب صدیق حسن خاں، ۲۶۲۔۲۶۴

۴۔ تذکار نواب صدیق حسن خان، ۷۷، ۷۸

۵۔ ایضاً، ۲۶۱، ۲۶۲

۴. تذکرہ شمع انجمن:

یہ کتابچہ فارسی زبان میں ۵۸۹ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۲ھ میں مطبع شاہ جہانی سے شائع ہوئی۔

اس کتاب میں نظم قرآن اور متعارف نظم ونثر نیز شاعری کی خوبی وتاثیر پر بحث کرتے ہوئے "ان من الشعر حكمة" کا معنی ومفہوم بتایا گیا ہے، اس کے بعد ۹۷۵ فارسی شعراء کے مختصر حالات اور ان کے کچھ اشعار وقصیدے درج کر کے آخر میں اپنے فارسی شعر بھی درج کیے ہیں۔[1]

۵. ترجمان وھابیہ:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۰ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع کی گئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، آٹھ فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، اس میں حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک مشہور انبیاء کے حالات زندگی کو قلمبند کرتے ہوئے محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اور ان کے عقائد وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔[2]

۶. التاج المكلل من جواهر مآثر الطراز الآخر والأول:

یہ کتاب عربی زبان میں ۵۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ ۱۲۹۶ھ میں مطبع المطبعۃ الہندیہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ۵۴۳ علمائے اعلام کے تراجم درج ہیں، اس کے علاوہ سلف کے عقیدے ان کے اوصاف حمیدہ کے متعلق بیان ہے اور آخر میں والیہ بھوپال اور شاہ جہاں بیگم اور اپنے صاحبزادگان کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[3]

۷. تقصار جيود الأحرار من تذكار الأبرار:

یہ کتابچہ فارسی زبان میں ۲۵۹ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۸ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔

اس کتاب میں خلفائے اربعہ کی سیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے امام حسنؓ وحسینؓ کی سیرت اور اپنا سلسلۂ نسب بیان کیا ہے، اور امام حسینؓ تک جتنے واسطے پڑتے ہیں سب کے حالات زندگی بھی مختصراً بیان کیے گئے ہیں۔[4]

۸. حديث الغاشيه عن الفتن الخالية والغاشية:

یہ کتاب اردو زبان میں ۳۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع ثالث ۱۳۱۸ھ میں مطبع سعید المطابع بنارس سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں صفات باری تعالیٰ، عالم دنیا کی تخلیق، دن رات، ہفتہ وتاریخ کی وجہ تسمیہ وغیرہ پر بحث کے بعد علامات قیامت کو بیان کیا ہے۔[5]

۹. خبيئة الاكوان فى افتراق الأمم على المذاهب والاديان:

یہ کتابچہ عربی زبان میں ۹۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۶ھ میں مطبع الجوائب مصر سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اولاد آدمؑ کے مختلف فرقوں میں بٹ جانے اور مختلف عقائد کو اختیار کرنے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے باقی فرقہ اشعریہ "ابوالحسن

---

[1] تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۶/۱

[2] ایضاً، ۳۰۶

[3] ایضاً،

[4] نواب صدیق حسن خان، ۲۳۸

[5] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۲۱

الاشعریؒ" کی سوانح عمری اور مذاہب اشعریہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[1]

۱۰۔ سلسلة العسجد فی ذکر مشائخ السند:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۱۳۵صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۳ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے ہوئی۔

اس میں علم حدیث کی فضیلت اور اپنا سلسلۂ سند آئمہ صحاح ستہ تک بیان کیا ہے، پھر اہل یمن کے مناقب وفضائل اور طبقات حدیث کے فوائد بتاتے ہوئے دس سو چونسٹھ (۱۰۶۴) کتابوں کی فہرست نقل کی ہے۔[2]

۱۱۔ الفرع النامی من اصل السامی:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۹۵صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۱ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے شائع کی گئی۔ اس کتاب میں نواب صاحب نے اپنا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ملایا ہے اور بیچ جتنے واسطے آئے ہیں، نیز اپنی اولاد کی مختصر سوانح حیات کو قلمبند کیا ہے۔[3]

۱۲۔ کشف الغمه عن افتراق الامة:

یہ کتاب اردو زبان میں ۹۴صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طباعت پہلی مرتبہ ۱۲۰۴ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع کی گئی۔

اس کتاب میں اختلاف الم کے اسرار اور رموز بیان کے گئے ہیں ساتھ ہی حدیث "تفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة" کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ہر فرقہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[4]

۱۳۔ یقظة العجلان لماتمس الی معرفة حاجة الانسان:

یہ کتابچہ عربی زبان میں ۲۲۴صفحات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے ۱۲۹۶ھ میں مطبع الجوائب مصر سے شائع کیا گیا۔ اس کتاب میں شمسی وقمری تاریخ وایام، ہفتہ ومہینہ کے موجد کا ذکر کرتے ہوئے راتوں، دنوں، مہینوں اور سالوں کو بیان کیا گیا ہے، پھر ہجرت نبوی کی تاریخ، اصحاب کہف کے نیند سے بیدار ہونے اور فراعنہ مصر اور قریش کی کعبہ کی تعمیر وغیر کی تاریخ کو مع اختلاف مفصل طور سے واضح کیا گیا ہے۔[5]

۱۴۔ نگارستان سخن:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۲۱۱صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ ۱۲۹۳ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔ اس کتاب (۷۵۰) فارسی کے شعراء کے مختصر حالات زندگی اور بطور نمونہ ان کے کچھ فارسی اشعار درج کیے گئے ہیں اور آخر میں لوگوں کی تقریظات بھی درج ہیں۔[6]

۱۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۸/۴
۲۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۵/۱
۳۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۴/۴
۴۔ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۲۹
۵۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۶/۴
۶۔ ایضاً، ۱۹/۴

اخلاقیات

نواب صاحب نے اخلاق کے موضوع پر جو کتب لکھی وہ حسب ذیل ہیں۔

۱. اختیار السعادة بایثار العلم علی العبادة:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۲ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتابچہ ایک مقدمہ، دو فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور فصلوں میں علم اور عالم کی فضیلت اور خاتمہ میں اخلاص عمل کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔[۱]

۲. ادامة السکر باقامة الصبر والشکر:

یہ کتاب اردو زبان میں ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع کی گئی۔ یہ کتاب علامہ ابن قیمؒ کی کتاب "عدة الصابرین ذخیرة الشاکرین" کا ترجمہ ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ صبر وشکر کے اجزا ہیں، پھر ہر ایک پر قرآن وحدیث کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔[۲]

۳. اسعاد العباد بحقوق الوالدین والأولاد:

یہ کتاب اردو زبان میں ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں بدلائل حقوق الوالدین واولاد اچھی طرح بیان کئے گئے ہیں۔[۳]

۴. اعلام البشر لوجوہ الخیر والشر

یہ رسالہ ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۷ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے ہوئی۔ یہ رسالہ امام منذریؒ کی کتاب "الترغیب والترہیب" کی تلخیص ہے، یہ کتاب ایک مقدمہ دو مقصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں اخلاص عمل اور مقاصد میں ترغیبات وترہیبات بیان کیے گئے ہیں۔[۴]

۵. ایقاظ الرقود بأحوال الیوم الموعود:

یہ کتاب اردو زبان میں ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۷ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، نضخة أولی وثانیة کی اچھی طرح تشریح کی گئی ہے میزان اور وزن اعمال وغیرہ کو بدلائل ثابت کیا گیا ہے۔[۵]

۶. ایقاظ النیام لصلة الأرحام:

یہ کتاب اردو زبان میں ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی پہلی اشاعت ۱۳۰۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے ہوئی۔ اس کتاب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں صلہ رحمی ومراتب، صلہ رحمی وحقوق والدین وتربیت اولاد وغیرہ بیان کیا گیا ہے۔[۶]

۱۔ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۱۴، ۳۱۵
۲۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۴/۱۳
۳۔ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۲۲
۴۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۴/۲
۵۔ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۲۰
۶۔ ایضا، ۳۲۲

۷. بذل الحیات لحسن المحات:

یہ کتاب اردو زبان میں ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۷ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی- یہ کتاب علامہ سیوطیؒ کے رسالہ "بشری الکئیب بلقاء الحبیب" کا اردو ترجمہ ہے، اس میں اس فتر کا ذکر ہے جو ایک مومن کو موت کے وقت اور قبر میں ملتا ہے، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کلمہ اسلام پڑھنے سے کوئی مومن نہیں ہوتا-[۱]

۸. بشارة الفساق:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۲ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی- اس کتاب میں جھوٹ، غیبت، چغل خوری، رشوت اور ترک صلوٰۃ کرنے والوں کی تنبیہ کی گئی ہے-[۲]

۹. تبشیر العاصی بتکفیر المعاصی:

یہ کتاب اردو زبان میں ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی- یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے، طبع ثانی ۱۳۱۲ھ میں ہے، اس میں ذنوب متقدمہ ومتاخرہ کے کفارہ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان ہے-[۳]

۱۰. تحصیل الکمال بالخصال الموجبة للظلال:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع سعید طابع بنارس سے اس کی اشاعت ہوئی- یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے، طبع ثانی ۱۳۱۳ھ ہے، اس میں قیامت کی ہولناکی اور اس دن عرش کے سایہ میں جگہ پانے والوں کی تعداد کا ذکر ہے-[۴]

۱۱. تسلیة المصاب:

یہ کتاب اردو زبان میں ۹۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی- اس کتاب میں مشہور انبیائے کرامؑ، خلفائے راشدین، خلفاء بنوامیہ وعباسیہ اور دیگر صوفیائے کرام کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے-[۵]

۱۲. تطهیر الثوب بقبول التوب:

یہ رسالہ اردو زبان میں ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع کیا گیا- اس رسالہ میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ نجات آخرت کی بہت سی گھاٹیاں ہیں ان میں سے ایک توبہ ہے، اس کے بعد توبہ کی قبولیت کی شرطیں بدلائل ذکر کی گئی ہیں-[۶]

---

[۱] مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۳/۴ [۲] ایضاً
[۳] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۲۳ [۴] ایضاً، ۱۲۳
[۵] مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۴/۴
[۶] تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۹/۱

۱۳. تفریح الکروب بالتوبة عن الذنوب:

یہ کتاب اردو زبان میں ٦٦ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۴ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں توبہ کے مراتب، توبہ کے طریقے، توبہ کے فوائد اور اس کی پہچان مع دلائل درج کیے گئے ہیں۔[۱]

۱۴. توزیع المعاصی والطبقات الی المآء الدرکات والدرجات:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں قرآن وحدیث کے مطابق حسنات وسیئات کے مراتب گنائے گئے ہیں، اور یہ بتایا گیا ہے کہ جس پر رسولؐ نے لعنت بھیجی ہے ان سب کا شمار گناہ کبیرہ میں سے ہوتا ہے۔[۲]

۱۵. ثمار التنکیب فی شرح ابیات التثبیت:

یہ کتابچہ فارسی زبان میں ٦۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۲ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع کیا گیا۔ یہ کتاب علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے منظوم رسالہ "التثبیت عند التثبیت" کا ترجمہ ہے، اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے، کہ مرنے کے بعد حساب وکتاب ہوگا اور ہر ایک کو اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔[۳]

۱٦. حث الانسان علی مایوجب دخول الجنان:

یہ کتاب اردو زبان میں ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۷ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں لوگوں کو عمل صالح کی جانب ترغیب دلائی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ بغیر عمل صالح کے کوئی جنت میں نہیں جائے گا اور حدیث ((لن يدخل أحد لعمله الجنة)) بتائی ہے۔[۴]

۱۷. حسن الأسوة مما ثبت من الله ورسوله فی النسوة:

یہ کتاب عربی زبان میں ۳۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۳ھ میں مطبع مفید شاہ جہانی بھوپال سے شائع کی گئی۔ اس کتاب کے دو حصے کیے گئے ہیں، پہلے حصے میں ۱۹۴ ابواب ہیں جس کے تحت ان آیات قرآنیہ کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے عورتوں کے متعلق کوئی نہ کوئی حکم ثابت ہوتا ہے، دوسرے حصے میں ۳۸۳ ابواب ہیں جن میں عورتوں سے متعلقہ جملہ اہم احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔[۵]

۱۸. خلق الانسان:

یہ کتاب اردو زبان میں ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۷ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، دو باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، اس میں حضرت آدمؑ اور اولاد آدمؑ کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنی حقیقت پہچانے۔[٦]

---

۱. جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۲۵
۲. تراجم علمائے حدیث ہند، ۱/۳۱۰
۳. ایضاً، ۱/۳۱۰
۴. جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۲۱
۵. جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ٦۸۲، ۲٦۷
٦. ایضاً، ۳۰۴

۱۹. صلاح ذات البین بیان ماللزوجین:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۶۴صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع ثالث ۱۳۱۶ھ میں مطبع سعید المطابع بنارس سے ہوئی۔اس کتاب میں نیک وبد مرد وعورت کے اوصاف بتاتے ہوئے حقوق الزوجین وحقوق اولاد بتائے گئے ہیں نیز نکاح، طلاق، ولیمہ، خلع وغیرہ پر اچھی طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔[۱]

۲۰. عاقبة المتقین:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۲۷۴صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۲ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں مختلف ابواب قائم کر کے اخلاص، صدق، اتباع کتاب وسنت تعلیم وتعلم، نماز، روزہ، نکاح، اور بیوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[۲]

۲۱. عشرہ کاملہ:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۱۲۷صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۶ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں فروعی اور مختلف فیہ مسائل جیسے مسئلہ مسواک، جماعت نماز، نماز جنازہ، درون مسجد، صلاۃ خوف وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور مسلک احناف بر جا بجا تنقید کی گئی ہے۔[۳]

۲۲. فتح الخلاق بلطائف المنن والأخلاق:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۲۹صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب 'لطائف المنن والاخلاق فی بیان وجوت التحدث بنعمة الله علی الاخلاق' کا خلاصہ ہے، اس میں کامیابی کا دارمدار اخلاق حسنہ کو بتایا گیا ہے۔[۴]

۲۳. کلمة الحق:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۲۳۲صفحات پر مشتمل ہے، اس کی اشاعت مطبع صدیقی بھوپال سے ہوئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ دو فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ بدعات کے رد اور فصول محفل میلاد کے انعقاد اور قیام فی المیلاد کے رد میں ہے اور خاتمہ میں ولادت نبویؐ پر تاریخی روشنی ڈالی گئی ہے۔ [۵]

۲۴. لسان العرفان الناطق بمایھلک الانسان

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۵۳صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ا میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب امام غزالیؒ کی کتاب ''احیاء العلوم جز وسوم'' کی تلخیص ہے، اس میں شہوات شکم، شرم گاہ، آفات زبان، غصہ، حسد، کینہ، بخل اور جب مال کا ذکر کر کے اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔[۶]

---

[۱] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۲۶۶
[۲] مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۳/۴
[۳] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۴۱
[۴] مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۴/۴
[۵] ایضاً، ۱۴/۴
[۶] جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۲۲

۲۵. محاسن الأعمال:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۳۸صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۴ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور مختلف ابواب پر مشتمل ہے، مقدمہ میں اخلاص نیت ابواب میں اسلام، ایمان، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، روزہ حج اور طہارت وغیرہ کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔[۱]

۲۶. مکارم الأخلاق:

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۴۸۲صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۴میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں توبہ، استغفار، صبر، استقامت، بدعت سیئہ وحسنہ نفقہ عیال، حقوق ہمسایہ، زیارت، قبور کراہت اور تمنی موت وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[۲]

مناقب

نواب صدیق حسن خانؒ نے مناقب پر جو کتب لکھی ہیں ان کا تعارف حسب ذیل ہے۔

۱. بلوغ العلی بمعرفة الحلی(قلمی):

یہ کتاب اردو زبان میں ۳۰صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عشرہ مبشرہ، حسینؓ، فاطمہؓ اور چند مشہور انبیاء کرامؑ کا حلیہ اور سیرت طیبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[۳]

۲. تکریم المؤمنین بتقدیم الخلفاء الراشدین:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۳۸صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۰ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع کی گئی۔ اس کتاب میں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ کے مناقب اور سوانح حیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[۴]

۳. تشریف البشر بذکر الائمة الاثنی عشر:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۶۰صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طباعت ۱۳۰۰ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کا ماخذ امام شبلنجیؒ کی کتاب 'نور الابصار' ہے، اس میں آئمہ اثنی عشر کے مناقب وحالات زندگی درج کیے گئے ہیں۔[۵]

۴. جلب المنفعة فی المذهب عن الائمة المجتهدین الاربعه:

یہ کتاب فارسی زبان میں ۱۱۲صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۰ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ آئمہ اربعہ کو جس مسئلہ میں حدیث معلوم نہ ہوتی، وہاں اجتہاد سے کام لیتے، امام ابوحنیفہؒ کو اشعار ہدی، رفع الیدین وغیرہ میں امام مالکؒ کو شش روزے، امام شافعیؒ کو بجود صف اول با امام حرص صف ثانی صلاۃ خوف معلوم نہ تھیں، لہذا جب ہم کو احادیث معلوم ہوگئیں تو آئمہ کی بات کو ترک کرنا واجب ہے، اس کے بعد آئمہ اربعہ کی سوانح عمری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔[۶]

---

[۱] تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۹/۱ — [۲] ایضاً، ۳۰۹/۱

[۳] ایضاً، ۳۰۶/۱ — [۴] تراجم علمائے حدیث ہند، ۳۰۶/۱

[۵] مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۶/۴ — [۶] ایضاً، ۶/۴

۵. رفو الخرقة بشرف الحرفة:

یہ کتاب اردو زبان میں ۴۴صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طباعت ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں بدلائل قرآن وحدیث یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کوئی بھی پیشہ اختیار کرے اس میں کوئی بھی ذلت ورسوائی نہیں ہے[۱]

۶. الشمامة العنبرية من مولد خير البريه:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۲۶صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب امام سید شبلنجی کی کتاب "نور الابصار" کے سیرۃ نبویہ کی تلخیص وترجمہ ہے، اس میں نبی کی پیدائش، شجرہ طیبہ، امہات المومنین، غزوات وسرایا کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ کے محاسن پر اچھی خاصی روشنی ڈالی گئی ہے[۲]

۷. المواعظ الحسنة بما يخطب فى شهور السنة:

یہ کتاب اردو زبان میں ۴۰۸صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۴۸ھ میں مطبع عزیزی آگرہ سے شائع ہوئی۔ علامہ ابن جوزیؒ اور علامہ اکمل بن محمد بن احمد نے مختلف کتابوں سے الگ الگ وعظ وتقریر کو اکٹھا کر کے رکھا تھا، نواب صاحب نے ان دونوں بزرگوں مجموعوں کی ترتیب دے کر چھپوا دیا ہے، یہ کتاب اسی مجموعے پر مشتمل ہے۔[۳]

متفرقات

۱. اكليل الكرامة فى تبيان مقاصد الامامة:

یہ کتاب عربی زبان میں ۲۴۸صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۲۹۹ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ ۱۹فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں امام ہونے کی ضرورت اور فصل میں امامت وخلافت کا معانی اور ثانی میں خلافت، ملوکیت میں بدل جانے کی وجہ بتائی گئی ہے۔ اور بقیہ فصلوں میں حاکموں اور بادشاہوں کو حکومت کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔[۴]

۲. الداء والدعا:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۲۸صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طباعت نعمانی کتب خانہ لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دعا وتعویذ گنڈے کے فضائل بتاتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیماری وآسیب وغیرہ میں اس سے کام لینا چاہیے اس اور تعویذ گنڈے کی قسمیں لکھنے اور استعمال کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔[۵]

۳. بذل المنفعة لايضاح الاركان الأربعة:

یہ کتاب اردو زبان میں ۱۵۶صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طبع اول ۱۳۰۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع کی گئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، اس میں طہارت، نماز، روزہ اور حج وغیرہ کی فرضیت اور ان کے فضائل

---

۱ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم)، ۴/۹
۲ ایضا، ۴/۱۱
۳ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۴۰
۴ نواب صدیق حسن خان، ۲۳۱
۵ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۳۳۳

بیان کیے گئے ہیں[1]۔

۴. درر البهية مترجم

یہ کتاب اردو زبان میں ٦٨ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی طباعت مطبع صدیقی لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب علامہ شوکانیؒ کی کتاب ''الدرر البهية'' کا ترجمہ ہے اس میں اصل عبارت کو باقی رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے، اس میں مسلمانوں کے روز مرہ آنے والے مسائل بیان کیے گئے ہیں[2]۔

۵. مکارم الأخلاق (دو جلدیں)

یہ کتابچہ اردو زبان میں ۴۸۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی اشاعت پہلی مرتبہ ۱۳۰۴ھ میں مطبع شاہ جہانی بھوپال سے شائع کی گئی۔ اس کتاب میں توبہ، استغفار، صبر، استقامت، بدعت سیۂ وحسنہ، حقوق ہمسایہ، ذکر موت، زیارۃ قبور، کراہت تمنی موت وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے[3]۔

نواب صدیق حسن خانؒ کی تالیفات کی خصوصیات:

نواب صاحب کی تالیفات وتصانیف بہت سی خصوصیات کی حامل ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نواب صاحب کی تالیفات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ علماء سلف مثلاً ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن حجرؒ، امام ذہبیؒ، امام سیوطیؒ اور امام شوکانیؒ کی آراء اور کتب سے استفادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بڑے متقی اور مخلص بزرگ تھے اور کتاب وسنت پر صحیح معنوں میں عمل پیرا تھے، جبکہ متاخرین سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ ان کی کم علمی وجانبدار مواقف ہیں[4]۔

۲۔ اسی طرح نواب صاحب علماء کی عبارت نقل کرتے ہوئے ہمیشہ دو باتوں کا خیال رکھتے تھے۔

۱: اصل قائل کے نام کی صراحت اور تدلیس سے اجتناب

۲: نقل اصل نسخہ کے مطابق ہو۔ [5]

۳۔ اسی طرح نواب صاحب علمی مسائل میں خالصتاً صحیح اور قطعی دلائل سے مسئلہ حل کرتے ہیں جبکہ ضعیف روایات سے حتی الوسع احتراز کرتے ہیں۔

۴۔ جو مسئلہ کتاب وسنت سے ثابت ہو اس کو ترجیح دیتے ہیں۔

تو یہ وہ خصائص اور خوبیاں ہیں جو کہ نواب صاحب کی تالیفات کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں۔

---

۱ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۴/۳ ۲ تذکار نواب صدیق حسن خان، ۷۵
۳ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۴/۱۷
۴ ابقاء المنن، ۱۸۰؛ مآثر صدیقی، ۴/۱۶۹
۵ ایضاً، ۴/۳؛ ایضاً، ۴/۱۷

مبحث دوم: نواب صدیق حسن خانؒ کی دینی خدمات

دعوت وتبلیغ

انیسویں صدی کی ابتداء میں جب مسلمان انحطاط کا شکار ہورہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو مسلمانوں کی اصلاح کے لیے مقرر فرمایا اور علماء کی ایک مستعد بہ جماعت کو اس عظیم کام کی انجام دہی کے لیے ان کا ہم نوا بنا دیا۔

نواب صدیق حسن خان بھی اس سلسلہ میں ولی اللہی کی ایک کڑی ہیں، نواب صاحب نے علماء وفضلاء کی ایک ایسی جماعت تیار کی، جس نے دین اللہی کے فروغ کے لئے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

رضیہ حامد لکھتی ہیں:

''علم حدیث اور عربی ادب نیز احیاء سنت کو فروغ حاصل ہوا۔ بھوپال میں دار الافتاء دار القضاء کے قیام نے بھوپال کو نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام کی توجہ کا مرکز بنا دیا۔ حدیث پاک کے تراجم تفسیر قرآن کی اشاعت اور سنن نبویؐ پر عمل کی زبردست تبلیغ نے اس خلا کو بھی پُر کر دیا۔ جو مسلمانوں کی پستی کا محرک حقیقی تھا۔ اتباع سنت کی ترغیب اور بدعات کا خاتمہ اس کا لازمی نتیجہ تھا چنانچہ اس مقصد میں بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔'' [1]

مزید لکھتے ہیں:

''ان کی قدر دانی اور ہنر پروری وادب نوازی کی بدولت مشرقی علوم وفنون کے بڑے بڑے ماہر بھوپال میں جمع ہو گئے تھے''۔

علماء کو اکٹھا کرنا

آپ نے سب سے پہلے بھوپال میں ممتاز اور جید علماء کرام کو جمع کیا۔ مثلاً مولانا محمد مچھلی شہری (۱۳۳۴ھ)۔ مولانا محمد بشیر سہوانی (۱۳۳۶) مولانا بشیر الدین محدث قنوجی (۱۲۷۳ھ) مولانا سلامت اللہ جے راج پوری (۱۳۲۲) وغیرہ۔

علامہ سید سلیمان ندوی (۱۳۷۳) لکھتے ہیں۔

''بھوپال ایک زمانہ تک علمائے حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہوان، اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کررہے تھے۔ شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے۔''

اور علماء کے یہاں پر آمد کے سبب اردو انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار کے بقول:

''ان کے عہد میں بھوپال اسلامی علوم وفنون کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ جہاں

---

[1] نواب صدیق حسن خان، ۸۸

اقصائے ہند کے علاوہ ترکستان تک سے تشنگان علم آتے تھے۔"[۱]

ترغیب تصنیف وتالیف

مختلف فنون پر نواب صاحب نے خود بھی کتابیں لکھیں اور دوسرے علماء کو بھی نہ صرف ترغیب دی بلکہ ان کی مکمل سرپرستی بھی فرمائی، جس کا اندازہ، اس دور کی لکھی گئی تصانیف سے ہوسکتا ہے۔

تراجم کتب کے لئے علمائے کرام کا تعین کرنا

نواب صاحب نے نہ صرف خود کتب حدیث کے تراجم کیے بلکہ دوسرے علماء کو بھی یہ فریضہ سونپا اور اس سلسلہ میں ان کی بھرپور مالی مدد بھی کی، اسلامی انسائیکلو پیڈیا بھی لکھا۔

صحاح ستہ کے اولین تراجم وشروح کا سہرا بھی نواب صدیق حسن خانؒ کے سر ہے، علامہ وحید الزماں اور بعید الزماں کے وظائف مقرر کرکے، دونوں بھائیوں کو صحاح ستہ کے اردو تراجم پر لگایا۔

موطا امام مالک کا بھی ترجمہ کروایا۔

۱۴۔ شمالی ہندوستان میں شیخ مصطفیٰ خانؒ مدیر مطبع نظامی کو مقرر کیا جبکہ بھوپال میں شیخ میر علی کو مقرر کیا۔

مدارس ومعاہد کا قیام

نواب صاحب کو بخوبی اندازہ تھا کہ نئی نسل کی اسلامی تربیت، فکر صحیحہ، شعبہ کامل اور علم کے فروغ کے لئے مدارس کا کردار کس قدر اہم ہے، اس لیے انہوں نے ہندوستان میں دینی وعصری تعلیم کے ادارے قائم کیے تاکہ نوجوان نسل کا دین سے تعلق مضبوط رہے۔[۲]

اسی اہمیت کے پیش نظر انہوں نے اپنے دور میں ۸۱ مدارس قائم کیے جن میں سے ۱۰ ریاست بھوپال میں تھے جبکہ باقی ۷۱ مدارس دوسرے علاقوں میں تھے، ان میں سے چند اہم ترین درس گاہوں کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ **مدرسہ بلقیسیہ:**

یہ مدرسہ خالصتاً یتیم طلباء کے لئے قائم تھا، جن کے جمیع اخراجات حکومت کے ذمے تھے۔

۲۔ **مدرسہ سلیمانیہ:**

یہ بھی اس دور کی بہترین علمی درس گاہ تھی، جہاں پر مولوی، عالم، فاضل، منشی اور منشی قابل کے کورسز کروائے جاتے تھے، اور یہاں سے فارغ التحصیل طلبہ کو سرکاری ملازمتیں بھی دی جاتی تھیں۔

۳۔ **مدرسہ جہانگیریہ:**

اس میں تقریباً ۱۰۰۰ طالب علم، ہم وقت زیور تعلیم سے آراستہ ہوتے جن میں سے تقریباً نصف طلبہ کو وظیفہ دیا

۱۔ دائرہ معارف اسلامی، ۱۲/۱۰۴

۲۔ مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۴/۱۰۷-۱۱۲

جاتا، اور یہاں سے فارغ التحصیل طلبہ مختلف حکومتی عہدوں پر تعینات کیا جاتا۔

۴۔ مدرسہ صدیقیہ:

یہ وہ مدرسہ ہے جو کہ نواب صدیق حسن خانؒ کی طرف منسوب ہے، اس میں ۲۰۰ طلبہ پڑھتے تھے، قنوجی صاحب اس مدرسہ میں بعض دروس خود بھی پڑھاتے تھے۔

۵۔ مدرسہ پرنس برطانوی:

یہ عصری تعلیم کا ادارہ تھا جس میں مختلف فنون سکھائے جاتے اور ان تمام مدارس میں ''دین اسلامی'' کا مادہ لازماً پڑھایا جاتا، تاکہ دین اسلام سے تعلق مضبوط رہے۔

لائبریریوں کا قیام

بلاشبہ علوم دینیہ کی نشر واشاعت، اسلامی مدرسہ کے احیاء اور افکار صحیحہ کے پرچار کے لئے لائبریریوں کا قیام ضروری ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر، نواب صاحب نے ریاست بھوپال میں کئی لائبریریاں قائم کیں، جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

مکتبہ فیض عام، مکتبہ جہانگیریہ:

یہ دونوں لائبریریاں، مختلف فنون اور لغت کی (۱۲۰۰) کتابوں پر مشتمل تھیں۔

مکتبہ ریاست:

یہ لائبریری شاہی محل تاج محل میں واقع تھی، جس میں انتہائی قیمتی مطبوعات اور نادر مخطوطات کا کافی وشافی ذخیرہ موجود تھا۔

مکتبہ قنوجی:

یہ قنوجیؒ کی ذاتی لائبریری تھی، جو کہ اپنی مثال آپ تھی میں مختلف فنون تفسیر، حدیث، اصول، اخلاق، سیرت، ادب، لغت، عقائد وغیرہ پر کتب کا وسیع ذخیرہ موجود تھا۔

لیکن آپ کی وفات کے بعد، اس کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، جبکہ باقی کو ندوۃ العلماء لکھنوء کی لائبریری کا حصہ بنادیا گیا جو کہ مکتبہ صدیقیہ کے نام سے آج بھی موجود ہے۔

پریس (چھاپہ خانوں) کا قیام:

ہر دور میں علم کو عام کرنے کے لئے چھاپہ خانوں کا کردار بڑا مثالی رہا ہے، اسی لیے نواب صاحب نے ریاست بھوپال میں چار عدد پریس قائم کیے تاکہ زیادہ سے زیادہ کتابیں شائع کر کے عام وخاص استفادہ کے لئے پیش کی جاسکیں[1]

---

[1] مآثر صدیقی، (فہرست کتب مؤلفہ والا جاہ مرحوم) ۱۲/۳-۱۵

اقامتِ دین کے لیے خدمات

ہندوستان زمانہ طوائف الملو کی کے دور استبداد میں اسلام کے بنیادی اصول اور جلیل ترین مقاصد قوم وملت کو دوصدی پیچھے پس پشت ڈال آیا تھا۔ شعائر اسلامی، دعوت حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر یہ الفاظ ایسے غیر مانوس ہوگئے تھے۔ جن سے کسی حکومت قدیم وجدید اسلامیہ ہندوستان کے کان آشنا نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے نواب صاحب کے عہد ہی کے لیے مقدر کردی تھی کہ ایک مرتبہ پھر حکومت اسلامی کے افق سے شعائر اسلامی کا آفتاب اپنے اصلی آب وتاب کے ساتھ درخشاں ہو اور اسلام کے شاندار مگر سادہ جلوے اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہوں نواب صاحب اس نکتہ کو خوب سمجھے ہوئے تھے کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں شعائر اسلامی کا احترام راسخ نہ کیا جائے گا۔ اور احکام الٰہی کی پابندی کا جوش ان میں نہ پھیلایا جائے گا اس وقت تک نہ ان کی تمدنی معاشرتی اور اخلاقی حالت درست ہوسکتی ہے اور نہ ان سے پرامن زندگی اور ریاست کی خیرخواہی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

اقامتِ دین کے لیے جو اہم امور نواب صاحب نے سرانجام دیے ان کا تعارفی جائزہ پیش خدمت ہے۔

محکمہ زکوٰۃ

غالباً اس زمانے میں کسی اسلامی حکومت میں اصول شرع کے مطابق کوئی محکمہ زکوٰۃ ایسا مقرر نہ تھا جہاں مالیات میں سے زکوٰۃ کی رقم منہا کرکے جمع کی جاتی اور وہاں سے حکم شرعی کے مطابق مصارفین پر تقسیم کی جاتی۔

صاحب مآثر صدیقی لکھتے ہیں:

> ”یہ محکمہ بنام مصارف ڈیوڑھی خاص مقرر کرکے ایک خالص دفتر وعملہ تقسیم زکوٰۃ کے لیے مقرر فرمایا۔ چالیس پچاس ہزار روپیہ بنام زکوٰۃ۔ مسافرین، حجاج، طلبہ، ارباب حاجت، مقروض اشخاص اور بیوگان نا کح ومساکین کو سالانہ تقسیم کیا جاتا تھا۔“[۱]

محکمہ مساجد

تمام شہروں اور بیرونجات ومفصلات میں بہت سی پختہ مستحکم اور خوبصورت مسجدیں تعمیر کرائیں اور پرانی مسجدوں کی مرمت ودرستی اور توسیع میں کوشش کی تمام مساجد میں آرائش، فرش، روشنی، ظروف، وضو اور گرم پانی کا بندوبست کروایا مسجدیں پہلے بھی موجود تھیں مگر وہ نمازیوں سے اس طرح خالی پڑی رہتی تھیں جس طرح خودغرض ارباب کے قلوب حق وصداقت اور خداترسی سے خالی ہوتے ہیں صرف چندلوگ پابند وصوم وصلوٰۃ نظر آتے تھے۔ بعض مسجدوں میں تو بھنگ نوشی ہوتی تھی اور تاڑی رکھی جاتی تھی۔ بطور نذر طاق بھرے جاتے تھے اور چراغاں کیا جاتا تھا۔ اس قسم کی تمام رسوم وبدعات جو خلاف شرع جاری وساری تھیں وہ سب مسدود کردی گئیں۔[۲]

---

۱ مآثر صدیقی، ۳/۹۴

۲ ایضا، ۳/۹۷

حرمت یوم الجمعہ

یوم جمعہ جو مسلمانوں میں ایک مقدس یوم اور عید المؤمنین ہے اس کے احترام کا لحاظ نہ رکھا جاتا تھا۔ خاص طور پر یورپی حکام کی آمد پر جمعہ کے روز بھی قلعہ فتح گڑھ سے سلامی کی توپیں سر کی جاتی تھیں۔

یہ امر یوم جمعہ کے احترام کے منافی تھا۔ دوسری قومیں بھی کسی نہ کسی دن کو متبرک وسمجھ کر اس کی عزت کیا کرتی ہیں۔ مثلاً عیسائیوں میں اتوار کا دن متبرک اور باعظمت خیال کیا جاتا ہے اور اس روز سلامی وغیرہ کی کوئی رسم ادا نہیں کی جاتی۔

عہد نواب صاحب میں یہ رسم مسدود ہوگئی چونکہ اس روز تمام مسلمان مرد وخواتین خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبہ زندگی سے ہو نہانے دھونے اور اہتمام نماز جمعہ میں مشغول ہوتے ہیں [1]

بہر حال سب سے پہلے نواب صاحب اور ان کی بیگم کے زمانہ میں مذہبی امور کا باقاعدہ محکمہ قائم ہوا جس کے تحت اقامت دین کے تمام امور سرانجام دیے گئے۔

سید عابد علی وجدی نواب صاحب اور شاہ جہاں بیگم کی خدمات دین کے اعتراف میں لکھتے ہیں۔

> ''انہوں نے لندن میں مسجد شاہجہانی ووکنگ میں تعمیر کروائی اور ایک دینی خیراتی مرکز کے لیے امداد دی جنگ کریمیہ میں عثمانی لشکر کے زخمیوں کے لیے ایک لاکھ روپے دیے خلیفہ نے تمغہ مجیدی درجہ اول عطا کیا ایسے ہی افغانستان کی جنگ اور فرانس وجرمنی کے مجروموں کو گرانقدر عطایت دے مسافروں کے لیے سرائے سکندری بنوائی دار الشفقت کے نام سے ایک یتیم خانہ قائم کیا جس کے اندر تعلیم کے ساتھ ہنر کی بھی تعلیم دی جاتی تھی [2]

یہ خاص طور پر سرکاری اعلانات اور احکام کی طباعت کے لئے تھا۔

دیگر اصلاحات کا نفاذ

ملکہ شاہ جہاں بیگم کی تخت نشینی سے پہلے ،لوگوں میں جہالت کا دور دورہ تھا ،شراب نوشی ،رقص وسرور، اخلاقی اغلاط، اور بے دینی انتہاء کو پہنچ چکی تھی ،دعوت حق کا سننا کسی کو گوارا نہیں تھا۔

ایسے حالات میں نواب صاحب نے لوگوں کو اخلاقی پستی اور بے دینی سے نکالنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحتیں صرف کردیں ،اس سلسلہ میں نواب صاحب نے جو اصلاحات نافذ کیں وہ درج ذیل ہیں:

مجلس شوریٰ کا قیام

نواب صاحب نے قرآن مجید کی اس آیت ﴿وامرھم شوری بینھم﴾ پر عمل کرتے ہوئے مجلس شوریٰ قائم کی، جو کہ انتہائی مخلص اور اصل علماء وشیوخ ،ارباب سیاست اور صاحب فہم فراست پر مشتمل تھی ،اراکین مجلس نے اپنے صحیح اور قیمتی شوری سے

---

[1] مآثر صدیقی، ۳/ ۹۷

[2] تاریخ ریاست بھوپال، ۹۸

ریاست کو عروج تک پہنچایا۔[۱]

محکم قضاء اور دارالافتاء کا قیام

نواب صاحب نے، محکمہ قضاء اور دور القضاء کی بنیاد رکھی، اور اس کو منظم انداز میں سے چلایا تا کہ لوگوں کو قرآن وسنت کے مطابق ان کے مسائل کا حل اور صحیح انصاف میسر آسکے۔[۲]

محاسبہ کا نظام

نواب صاحب نے امر بالمعروف ونهي عن المنكر کے لئے باقاعدہ شعبہ کا آغاز کیا تا کہ دینی شعائر کی حفاظت کی جائے اور برائی کا قلع قمع کیا۔[۳]

شراب خوری، رقص وسرور اور جوابازی کا خاتمہ

نواب صاحب کے والی ریاست بننے سے پہلے خوشی کے مواقع اور دیگر تقریبات میں، اعلانیہ شراب پی جاتی، رقص وسرور کی محفلیں لگتیں الغرض شراب اس قدر عام ہوگئی کہ ملازمین شراب پی کر دفتر میں آجاتے، اسی طرح قمار بازی بھی پورے ملک میں عام ہوگئی۔

لیکن نواب صاحب نے ولایت ریاست سنبھالتے ہی ایسی اصلاحات نافذ کیں کہ ان تمام برائیوں کا قلع قمع ہوگیا۔[۴]

سودی معاملات کا خاتمہ

نواب صاحب کے ولایت ریاست سنبھالنے سے پہلے ریاست بھوپال کے تاجروں میں سودی معاملات اپنی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے، اور سودخوری کا بازار گرم تھا، لیکن نواب صاحب نے ان تمام لغو معاملات کا خاتمہ کیا اور شرعی اصولوں کے مطابق تجارت کو رواج دیا۔[۵]

جمع عیدین اور رمضان کے آخری عشرہ کی تعطیلات

نواب صاحب کا ایک اور کارنامہ، جمع عیدین اور رمضان کے آخری عشرہ کی تعطیلات کا نفاذ تھا، تا کہ لوگ صحیح معنوں میں عبادت کرسکیں۔[۶]

نکاح بیوگان کا رواج

ہندوستان کی طرح ریاست بھوپال میں بھی، بیوہ عورتوں کے نکاح کو معیوب تصور کیا جاتا تھا، لیکن نواب صاحب نے اس بری رسم کا خاتمہ کیا اور سب سے پہلے خود شاہ جہاں بیگم سے نکاح کیا۔[۷]

حق مہر میں غلو کا خاتمہ

لوگوں میں یہ رواج عام ہوگیا کہ وہ بھاری سے بھاری حق مہر مقرر کرنے لگے، جس سے اجتماعی فضا پراگندہ ہوگئی، لیکن نواب صاحب نے اس کا خاتمہ کیا اور حکم جاری کر دیا کہ حق مہر خاوند کی طاقت واستطاعت کے مطابق مقرر کیا جائے گا۔[۸]

---

۱ مآثر صدیقی، ۳/ ۵۰ — ۲ ایضاً، ۳/ ۹۳ — ۳ ایضاً، ۳/ ۹۴

۴ ایضاً، ۳/ ۹۹ — ۵ ایضاً، ۳/ ۶۴ — ۶ ایضاً، ۳/ ۹۰ تا ۹۷

۷ ایضاً، ۳/ ۹۹ — ۸ مآثر صدیقی، ۳/ ۱۰۰

رشوت کا خاتمہ

نواب صاحب کا ایک اور کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے رشوت اور خیانت کا خاتمہ کر دیا، اور سرکاری سطح پر اس کی روک تھام کی۔[1]

بدکاری کے اڈوں کا خاتمہ

نواب صاحب نے سرکاری فرمان کے ذریعہ، پیشہ ور بدکار عورتوں کو دیوثوں سے آزاد کر دیا تا کہ وہ صالح اور نیک زندگی گذار سکیں۔[2]

عورتوں کے لئے پردہ کو لازم کر دیا

نواب صاحب نے عورتوں کے لئے پردہ کو لازم کر دیا اور یہ حکم صادر کر دیا کہ کوئی عورت بھی بغیر پردہ کے گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔[3]

ٹیکسوں کی اصلاح

آپ نے ٹیکسوں کے حوالہ سے بھی اصلاح کی، اور یہ حکم جاری کر دیا کہ کسی سے ظلم ناجائز ٹیکس وصول نہیں کیا جائے گا۔[4]

فوری انصاف کی فراہمی کے لئے قضاۃ کو ہدایت

آپ نے قضاۃ کے شعبہ کو متنبہ کر دیا گیا کہ لوگوں کو فوری انصاف فراہم کیا جائے، اور عدل و انصاف کو یقینی بنایا جائے۔[5]

قیدیوں کے لئے آسانی

آپ نے یہ بھی حکم جاری کر دیا کہ جمعہ والے دن اور ماہ رمضان میں قیدیوں سے مشقت نہیں لی جائے گی۔[6]

مذکورہ بالا اصلاحات کے نفاذ سے ریاست بھوپال، ہندوستان کی مثالی ریاست بن گئی، اور یہ سب کچھ قرآن وسنت کی طرف لوٹنے اور نواب صاحب کی کاوشوں سے ممکن ہوا۔

یہاں پر مقالہ کا باب اول مکمل ہوا دوسرے باب میں نواب صاحب کی تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تعارف اور اس کی خصوصیات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

۱۔ مآثر صدیقی، ۵۲/۳ ۲۔ ایضاً، ۱۰۱/۳

۳۔ ایضاً، ۵۲/۳ ۴۔ ایضاً، ۵۶/۳

۵۔ ایضاً، ۵۲/۳ ۶۔ مآثر صدیقی، ۴۱/۳

باب دوم

ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تعارف اور عمومی جائزہ

فصل اول

نواب صدیق حسن خان کے عہد کا تفسیری ادب

فصل دوم

ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تعارف وعمومی تجزیہ

فصل اوّل

نواب صدیق حسن خانؒ کے عہد کا تفسیری ادب

مبحث اول

علم تفسیر اور اسکی اہمیت

نواب صاحبؒ کی تفسیر ترجمان القرآن کا تعارف اور تجزیہ کرنے سے پہلے،نواب صاحب کے عہد کے تفسیری ادب کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔لیکن ان سب سے پہلے تفسیر وتاویل کا مفہوم،فرق،تفسیر کی اقسام،عمومی ارتقاء اور پھر برصغیر میں تفسیر وتفسیر بالماثور کا بیان بھی مفید مطلب ہوگا۔

تفسیر وتاویل کا مفہوم،فرق اور اقسام

تفسیر کا لغوی معنی:

لغوی اعتبار سے مادہ ''فسر'' ہے اور یہ باب تفعیل سے مصدر ہے۔جس کا مطلب ہے،''اظہار المعقول''
''یعنی صحیح مفہوم کو ظاہر کرنا۔''[۱]

لغوی اعتبار سے تفسیر کے مختلف معانی ہیں۔مثلاً ظاہر کرنا،کشف کرنا، بند چیز کو کھولنا، (بے حجاب کرنا، ننگا کرنا)، تشریح کرنا،توضیح تفصیل کرنا اور کسی عبارت کے مطلب کو واضح اور بیان کرنا وغیرہ۔[۲]

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴾ [۳]

''وہ جو مثال آپ کی خدمت میں لائے گے ہم اس (مثال) کے عوض،آپ کی پاس حق اور بہتر تفصیل لائیں گے۔''

اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں تفسیر کے معنی ہیں۔مقررہ قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تشریح ،توضیح اور تفصیل کرنا،اس کے مشکل الفاظ اور جملوں کے مفہوم اور مطلب کو ظاہر کرنا،علماء نے تفسیر کی مختلف تفسیریں کی ہیں،جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:

أن ا لتفسیر فی عرف العلماء کشف معانی القرآن و بیان المراد. [۴]

۱۔ معجم المفردات لالفاظ القرآن الکریم،٢٤

۲۔ القاموس الفرید،٥٠٢؛البحر المحیط،١/١٣؛ کتاب التعریفات،٦٥، التفسیر والمفسرون،١/١١

۳۔ الفرقان ۲۵:۳۳ ۴۔ الاتقان فی علوم القرآن،۲/۵۲

علامہ زرکشیؒ لکھتے ہیں:

" التفسیر علم' یعُرف به فهم کتاب الله المنزل علی نبیه محمد صلی الله علیه وسلم و بیان معانیه و استخراج أُحکا مه و حِکمه"[۱]

تفسیر ایک ایسا علم ہے جس کی مدد سے کتاب اللہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کا فہم، معانی کی وضاحت سمجھی جائے اور اس کے احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جاتا ہے۔

مزید برآں علامہ ابوحیان اندلسیؒ رقمطراز ہیں:

"علم یبحث فیه عن کیفیه النطق بألفاظ القران و مدلولا تها وأحکامها الافرادیة والترکیبیة و معانیها التی تحتمل علیها حالة الترکیب و تتمات لذلک کمعرفة النسخ و سبب النزول و قصة توضح ماأبهم فی القرأن." [۲]

تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآنی کی کیفیت نطق وتلفظ، ان کے مدلولات ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام، حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔

تفسیر کی تمام تعریفات پر غور کیا جائے تو ایک بات قدرے مشترک کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس بنیاد پر علم تفسیر پر اس علم کو سموئے ہوئے ہے جس پر مراد الٰہی کا سمجھنا موقوف ہو۔[۳]

تاویل کا لغوی مفہوم:

عربی لغت کے اعتبار سے تاویل باب تفعیل سے مصدر ہے۔

اول، یؤول، تأویلا، مؤول، ومؤول.

یعنی تاویل 'اول' سے نکلا ہے جس کا معنی رجوع کرنا، جیسا کہ لغت میں ہے۔ آل الیه اولا.[۴]

امام راغب اصفہانیؒ رقمطراز ہیں:

التاویل من الاول أی الرجوع الی الأصل و منه الموئل الموضع الذی یرجع الیه. [۵]

یعنی تاویل: اول سے مشتق ہے جس کے معنی اصل کی طرف رجوع کرنے کے ہیں اسی لیے مرجع یعنی جائے بازگشت کو "موئل" کہا جاتا ہے۔

تاویل چونکہ باب تفعیل سے مصدر ہے، اس لیے اس کے لغوی معنی ہونگے، اصل کی طرف لوٹانا، پھیرنا، موڑنا

---

۱ البرہان فی علوم القرآن، ۱۳/۱

۲ البحر المحیط، ۲۶/۱

۳ التفسیر والمفسرون، ۷۵/۱

۴ لسان العرب، ۳۲/۱۳، ۳۳، ۳۴؛ الاتقان فی علوم القرآن، ۲۵۲/۲-۷۳

۵ معجم المفردات لالفاظ القرآن الکریم، ۲۴

وغیرہ، لہذا اس لغوی تحقیق کی بنیاد پر تاویل کرنے کا مطلب ہے کسی کلمہ کے متعدد معانی میں سے کسی ایک مناسب موزوں معنی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسے اختیار کرلینا۔

اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں تأویل سے مراد، کسی آیت یا لفظ کے متعدد معانی میں سے، کسی ایک معنی کو دلیل وتدبر سے منتخب کرلینا جس کا تقاضا وہ آیت یا لفظ کرتا ہے، لہذا انتخاب معنی کا یہ عمل تاویل کہلاتا ہے۔ گویا متعدد معانی میں سے ایک کی طرف رجوع کرنا تاویل ہے۔

علامہ جرجانیؒ لکھتے ہیں کہ

اصطلاح شرح میں تأویل کے معنی ہیں، ایک لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر، ایسے معنی پر محمول کرنا، جس کا وہ احتمال رکھتا ہو اور وہ احتمال کتاب وسنت کے موافق ہو مثلاً اللہ کا فرمان:

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ الروم ۳۰: ۱۹

''یعنی وہ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے۔''

اگر اس آیت میں انڈے سے پرندے کو نکالنا ہو تو تفسیر ہے اور اگر کافر سے مومن کو پیدا کرنا یا جاہل سے عالم کو پیدا کرنا مراد ہو تو تاویل ہے۔[۱]

امام جلال الدین سیوطیؒ تاویل کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

التاويل توجيه لفظ يتوجه الیٰ معانٍ مختلفة الیٰ واحدٍ منهابما ظهر من الأدلة. [۲]

''تاویل کسی لفظ کے مختلف معانی میں سے، ایک کو ظاہری دلائل کی بناء پر ترجیح دینے کا نام ہے۔''

علاوہ ازیں علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ

صرف الأية الی ما تحتمله المعانی. [۳]

یعنی ہر آیت کو اس طرف لے جانا، جس کا، آیت کے معنی کا تقاضا کرتے ہیں۔

تفسیر وتاویل میں فرق

جہاں تک تاویل اور تفسیر کے فرق کا تعلق ہے تو اس میں علماء کے دو گروہ ہیں، ایک ان دونوں کو مترادف (ہم معنی) سمجھتا ہے جبکہ دوسرا دونوں میں فرق کرتا ہے۔ ذیل میں دونوں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

پہلے گروہ میں مجاہدؒ اور امام طبریؒ وغیرہ شامل ہیں جن کے نزدیک تفسیر اور تاویل میں کوئی معنی فرق نہیں پایا جاتا۔

---

۱ کتاب التعریفات، ۲۲ ۲ الاتقان فی علوم القرآن ۲/۱۷۳

۳ روح المعانی، ۱/۶

جیسا کہ مشہور تابعی مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ

ان العلماء یعلمون تاویله .

''علماء کرام قران مجید کی تاویل جانتے ہیں۔

یہاں لفظ تاویل سے مجاہدؒ کی مراد تفسیر ہے۔[۱]

ابن جریر طبریؒ بھی اس بات کے قائل ہیں۔اور انہوں نے تو اپنی تفسیر کا نام ہی ''جامع البیان عن تاویل آی القرآن۔'' رکھا اور وہ اکثر یہ جملہ استعمال کرتے ہیں۔

''القول فی تاویل قوله تعالیٰ کنا و کنا.''[۲]

اسی طرح امام طبریؒ کی تفسیر کے نام اور اس جملہ میں دونوں جگہ لفظ تاویل سے مراد ''تفسیر'' ہے۔

مزید ابن منظور الافریقیؒ نے ابن الاعرابیؒ کا قول نقل کیا ہے جو کہ تفسیر اور تاویل کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

قال ابن الاعرابی: التفسیر و التاویل لمعنی واحد و قوله عز و جل أحسن تفسیراً[۳]

دوسرے گروہ میں متاخرین مفسرین شامل ہیں جو کہ تفسیر وتاویل میں فرق کرتے ہیں مثلاً

راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

تفسیر ''تاویل'' سے زیادہ عام ہے تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ کی وضاحت کے لیے، جب کہ تاویل کا اکثر استعمال معانی کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے، جیسے خواب کی تعبیر کو تاویل کہتے ہیں، تاویل کا اکثر استعمال صرف آسمانی کتابوں کی وضاحت جبکہ تفسیر کا لفظ آسمانی وغیر آسمانی دونوں قسم کی کتابوں کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے۔

تفسیر کا لفظ مفرد الفاظ کی وضاحت کے لیے، جبکہ تاویل کا لفظ اکثر جملوں کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[۴]

تفسیر کی اہمیت وضرورت

حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کی ضرورت اس کی اہمیت کو بڑھادیتی ہے۔جیسے پانی ہماری ضرورت ہے اس لیے اسکی اہمیت بہت زیادہ ہے اور یہی حال قرآن مجید کی تفسیر کا ہے اسکی ضرورت نے اس کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے۔ ذیل میں ضرورت تفسیر کی بنیادیں متعین کرکے، ہر ایک بنیاد کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

کلام الٰہی کے فہم وادراک کے لیے

قرآن مجید اللہ تعالی کا کلام ہے جو کہ معلومات ومعارف کا گنجینہ ہے، اعلی وارفع نوعیت کی فصاحت وبلاغت اس کلام کا طرہ امتیاز ہے۔

ظاہر ہے کہ کلام اللہ کو پوری طرح سمجھنے کے لیے کلام اللہ کی تفسیر وتشریح ضروری ہے اس کلام کے مضامین کو کھول

---

۱ مناہل العرفان فی علوم القرآن؛التفسیر والمفسرون،۱/۱۷

۲ جامع البیان عن تاویل ای القرآن،۱/۱۵

۳ لسان العرب،۵/۵۵

۴ التفسیر والمفسرون،۱/۱۹–۲۰

کھول کر بیان کرنے اور اس کے مطالب کو سامعین کے فہم سے ترتیب دینے کا نام ہی تفسیر ہے۔۱

مشکلات قرآن کے حل کے لیے:

قرآن مجید کا نزول، ان لوگوں میں ہوا جن کی مادری زبان عربی تھی۔ اور جو فصیح اللسان اور عقل وفہم میں کامل ہمیشہ میں اپنی مثال آپ تھے، لیکن اسکے باوجود قرآن مجید کے بعض اشاروں اور کنایوں کے فہم میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا جنہیں حل کرنے کے لیے تفسیر کی ضرورت پڑتی تھی۔ مثلاً

جب یہ آیت نازل ہوئی

﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ ۲

تو ایک صحابی دو دھاگے لے کر لیٹ گئے اور ان کو دیکھتے رہے کہ سفید دھاگہ، سیاہ دھاگے سے کب ممتاز ہوتا ہے۔ انہوں نے آیت کے ظاہری معنی سمجھے۔ حالانکہ یہ بطور محاورہ تھا۔ پھر نبی کریمؐ نے اسکی وضاحت فرمائی کہ جب صبح کی سفیدی نمایاں ہونے لگے اس وقت سحر کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ ۳

اسی طرح حکم تیمم سے بعض صحابہ نے زمین پر لوٹ پوٹ کر تیمم کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے اسکی وضاحت فرمائی اور طریقہ تیمم بتلایا۔

مذکورہ بحث سے ثابت ہوا کہ فہم قرآن میں پیش آنے والی، دشواریوں کا ازالہ کرنا، صرف تفسیر سے ہی ممکن ہے جیسا یہ صحابہ کرامؓ کو پیش آنے والی مشکلات کا حل اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تفسیر سے فرمایا۔

مبہمات قرآن کو دور کرنے کے لیے

قرآن مجید میں، بعض ایسے مقامات ہیں جہاں ابہام پایا جاتا ہے، اس ابہام کو صرف تفسیر کے دور کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں مبہم القرآن کی ایک فہرست پیش کی ہے۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی الاندلسی نے التعریف والاعلام فیما ابھم فی القرآن من الاسماء والاعلام۔ کے نام سے کتاب تالیف کی اور امام سیوطیؒ نے بھی "الاقرآن فی مبہمات القرآن" تالیف کی۔۴

غریب القرآن کی معرفت کے لیے

عربی لغت میں غریب کے معنی ہیں۔ اجنبی اور علوم القرآن کی اصلاح میں غریب سے مراد ہے قرآن مجید کے اجنبی وغیرہ مانوس الفاظ، فہم قرآن کی مشکلات میں سے "غریب الفاظ کی عدم معرفت" ایک مشکل ہے، اس مشکل کو صرف ان الفاظ کی تفسیر سے دور کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں قرآن مجید کے غریب الفاظ کی حقیقت تک رسائی کے لیے تفسیر ضروری ہے۔ واضح رہے کہ قرآنی علوم میں سے غریب القرآن ایک مستقل علم ہے جو قرآن مجید کے قلیل الاستعمال اور نادر الفاظ کی شرح اور توضیح کے لیے۔۔۔۔۔۔معرض وجود میں آیا۔۵

---

۱ فکر ونظر (ماہنامہ)، تفسیر ماثور اور تفسیر بالرائے، ۱۹۹۰ء، اکتوبر، دسمبر، ۹۰ ۲ البقرہ۲: ۱۸۷

۳ تفسیر ابن کثیر، ۲۹۱-۲۹/۱؛ جامع الترمذی، ۳۱۶/۲ ۴ قصۃ التفسیر، ۳۷

۵ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۵۴۷/۱۶

مزید برآں علمائے اسلام نے قرون اولی ہی سے قرآن مجید کے غریب الفاظ کی تشریح وتوضیح کا کام شروع کردیا۔اس کے اس گرانقدر اہتمام سے ضرورت تفسیر کا باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔مثلا
غریب القرآن از ابان بن تغلب، غریب القرآن از ابوعبدالرحمٰن بن یحییٰ الیزیدی، اور غریب القرآن از ابن قتیبہ الدینوری وغیرہ۔[۱]

انسانی مشکلات کے حل کے لیے

قرآن مجید رشدو ہدایت کی کتاب ہے۔اس کی آیات کے ہر مسئلہ اور زمانے کی ہر اجتماعی وانفرادی ضرورت کا تسلی بخش حل اپنے اندر پنہاں رکھے ہوئے ہے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں سعادت دارین کے لیے بے مثال اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے اس کو کما حقہ سمجھنے اور اسے ہر زمانے کی ضرورت اور مشکل کا حل تلاش کرنے کے لیے انسانی علوم وفنون کی روشنی میں مسلسل غوروفکر اور تدبر وتفکر کی ضرورت رہتی ہے ۔ یہی ضرورت تفسیر نویسی کا اہم محرک ہے۔ اسی بناء پر ابتدائے زمانہ اسلام سے لے کر اب تک ہر دور میں اور ہر عصر میں تفسیر نویسی کا سلسلہ بلا انقطاع جاری رہا ہے۔[۲]
اور انشاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اصول وکلیات قرآن کی وضاحت کے لیے

بلاشبہ قرآن مجید میں لوگوں کے ہر طبقہ کے مسائل واحکام بیان ہوئے ہیں کچھ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، جبکہ کچھ کے صرف اصول وکلیات کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔ان جزئیات وفروعات کو اختصار کے پیش نظر چھوڑ دیا گیا ہے۔لیکن ان جزئیات کی تفصیلات کا جاننا ضروری ہے تاکہ مسائل واحکام کی حقیقت تک پہنچا جاسکے یہ تفاصیل صرف علم تفسیر کے ذریعہ ہی معلوم کی جاسکتی ہیں۔

قرآن کی جملہ تعلیمات کی تفہیم کے لیے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے ہر طرح کی تعلیمات بیان فرمائی ہیں تاکہ ان پر عمل کرکے وہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوسکیں۔تعلیمات کو اچھی طرح سمجھنا عمل بالقرآن کے لیے ضروری ہے اور ایسا صرف تفسیر سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانانِ عالم کی اصلاح کے لیے

اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کی پستی ، مشکلات اور صعوبات کا بنیادی سبب قرآنی اصولوں سے دوری ہے۔ اگر موجودہ مسلمان قرآن مجید کے رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنا شروع کردیں تو اسلام کی طرح یہ بھی ہر میدان میں کامیاب ہوسکتے ہیں اور دوسروں کی رہنمائی کرسکتے ہیں۔

---

[۱] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۶/۵۴۷   [۲] مناہل العرفان فی علوم القرآن، ۲/۹

علامہ زرقانیؒ رقمطراز ہیں:

امت مسلمہ کے اس آخری دور کی اصلاح اس طرح ہوسکتی ہے جیسے خیر القرون میں ہوئی تھی۔ اسکا واحد طریقہ یہ ہے کہ کتاب الٰہی سے رشد وہدایت کا پیغام اخذ کیا جائے اور زندگی کے آداب واطوار کو اسی سانچہ میں ڈھالا جائے ہمارے اسلاف مجالس، مساجد اور گھروں میں فرضی ونفلی اور تہجد کی نمازوں میں، تدبر وتفکر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ نتیجہ کے طور پر اس کے عمدہ اثرات انکے نفوس میں ظاہر ہونا شروع ہوئے تو وہ پستی کی پست سطح سے اٹھ کر اخلاق فاضلہ کی بلندیوں پر فائز ہوگئے۔ اخلاق وآداب میں مہارت حاصل کرنے کے بعد وہ علوم وفنون اور مختلف صنعتوں میں ماہر ہوگئے۔ اور بالآخر دنیا کی تمام اقوام سے سبقت لے گئے۔ [1]

قرآنی علوم ومعارف کے فہم کے لیے

قرآن مجید ان تمام علوم ومعارف کا مخزن ہے جن میں ہر پہلو سے انسانوں کی اصلاح کے طریقے اور ہر میدان میں کامیابی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے رہنما اصول موجود ہیں، لیکن ان طریقوں اور اصولوں کی تفصیلات صرف علم تفسیر ہی فراہم کرسکتا ہے۔

علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں:

> ''قرآن مجید جو انسانوں کی اصلاح اور اسکے اعزاز واکرام کو برقرار رکھنے کے لیے نازل ہوا، عظیم علمی ذخائر کا جامع ہے علم تفسیر ان علمی ذخائر وخزائن کی کنجی ہے جس کے بغیر ان تک رسائی ممکن نہیں۔ خود لوگ قرآنی الفاظ کو دن میں ہزاروں بار دہراتے ہیں، انکا مفہوم تفسیر کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔ [2]

مذکورہ عقلی ونقلی دلائل سے تفسیر کی اہمیت بخوبی واضح ہوجاتی ہے۔ آئندہ صفحات میں تفسیر کی اقسام اور اسکے ارتقاء کا جائزہ لیا جائے گا۔

اقسام تفسیر

مثل مشہور ہے کہ

کلام الملوک ملک الکلام.

''شہنشاہوں کا کلام، کلام کا شہنشاہ ہوتا ہے۔

بلاشبہ قرآن مجید، تمام کلاموں کا شہنشاہ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کا ہر لفظ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ کتاب زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے جس کی تشریح وتوضیح میں مفسرین نے مختلف انداز اختیار کئے ہیں بعض نے مفصل کو بعض نے صرف خاص نقطہ نظر پر تبصرہ کیا ہے۔ بعض مفسرین نے آیات قرآنی، احادیث نبوی

---

[1] مناہل العرفان فی علوم القرآن، ۹/۲

[2] مناہل العرفان فی علوم القرآن، ۹/۲

اور اقوال صحابہؓ پر انحصار کیا ہے کچھ نے علم الکلام کو موضوع بحث بنایا جبکہ کچھ نے آیات کے پس منظر پر روشنی ڈالی گویا اپنے اپنے ذوق کے مطابق مفسرین نے کتاب ہدایت کی توضیح کی ہے۔ آئمہ تفسیر نے کتب تفسیر کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱)۔ تفسیر بالماثور (۲)۔ تفسیر بالرائے

تفسیر بالماثور:

قرآن مجید کی تفسیر کا سب سے پہلا رجحان تفسیر بالماثور ہی ہے۔ جیسے عربی میں ''تفسیر بالروایۃ'' یا تفسیر بالنقل اور اردو میں ''ماثوری'' یا اثری یا روایتی یا نقلی اسلوب کہتے ہیں۔[۱]

چنانچہ استاذ امین الخولی رقمطراز ہیں۔

''پہلی چیز جو تفسیر کی صورت میں ظاہر ہوئی وہ مبنی بروایت تھی جیسے تفسیر ماثور کہتے ہیں، اس لیے حدیث وروایت ہی وہ پہلے حضرات ہیں جو تفسیر کے میدان میں نمایاں نظر آتے ہیں۔''[۲]

یعنی اس اسلوب کے بانی ومؤسس محدثین وراوی حضرات ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

''مفسرین کی مختلف جماعتیں ہیں ایک جماعت تفسیر میں آیات سے مناسبت رکھنے والے آثار روایت کرتی ہے خواہ وہ مرفوع حدیث یا موقوف، کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت، یہ محدثین کا مسلک ہے ہے۔''[۳]

مزید برآں علامہ سیوطیؒ رقمطراز ہیں:

"یشمل التفسیر المأثور : ماجاء فی القرآن الکریم نفسه من البیان والتفصیل لبعض ایاته ومانقل من رسول الله و مانقل من الصحابة رضوان الله علیهم: ومانقل عن التابعین من کل ماهو بیان و توضیح لمراد الله تعالیٰ من نصوص کتابه الکریم.[۴]

تفسیر بالماثور سے مراد وہ تفسیر ہے جس میں کسی آیت کا مفہوم قرآن مجید کی دوسری آیت سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے یا صحابہ رضی اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا جائے۔

نواب صاحب نے اقوال تابعین کے حجت ہونے سے دو آراء ذکر کی ہیں۔ پھر حافظ ابن حجرؒ کی رائے کی تائید کی ہے، کہ بلاشبہ جب تابعین کا کسی بات پر اجماع ہو جائے تو انکی بات حجت ہونے میں کیا کلام ہے۔ لیکن جب اختلاف کی صورت میں، ان کا قول نہ ہو تو ایک دوسرے کے لیے حجت ہوگا نہ مابعد لوگوں کے لیے بلکہ مذکورہ صورت میں لغت قرآن تین مطہرہ اقوال صحابہ اور عام لغت عرب کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۱۔ التبیان فی علوم القرآن، ۷۵
۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۴/۳۹۲
۳۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ۶۱
۴۔ الدر المنثور فی التفسیر الماثور، ۱/۲

لکھتے ہیں کہ

"آپ تفسیر بالرائے کے قائل ہیں اور اس معاملہ میں انتہائی جزم احتیاط کا رویہ اپناتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب بھی تفسیر کلام پاک کی ضرورت درپیش ہو تو سب سے پہلے اس کی تفسیر کلام مجید سے تلاش کرے پھر سنت مطہرہ سے پھر اقوال صحابہ سے پھر اجماع تابعین سے پھر لغت عرب سے تلاش کرے یہ پانچ مراتب ہوئے اس سے ہٹ کر اپنی رائے سے کوئی بات نہ کرے اگرچہ اچھی ہی کیوں نہ ہو۔ پھر حدیث کے حوالے سے نیچریہ فرقہ کے لیے جہنم کی خوش خبری کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام کا تفسیر کے سلسلہ میں احتیاط کا تذکرہ کرتے ہی آخر پر لکھتے ہیں کہ سلف تفسیر قرآن کے معاملے میں بڑے محتاط رہتے تھے رائے زنی سے ڈرتے تھے۔"[۱]

تفسیر بالرائے

تفسیر بالرائے کے متعلق علماء کا نقطہ نظر مختلف ہے بعض اس کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ بعض ناجائز، لیکن حاصل اختلاف یہ ہے کہ تفسیر بالرائے کی وہ قسم حرام ہے جس میں بغیر برہان و وثوق کہا جائے کہ خدا کی مراد یہ ہے یا مفسر قواعد لغت سے بیگانہ ہو اور خواہشات و بدعات کی تائید میں قرآنی آیات کو پیش کرے۔ جب مفسر اسباب نزول، ناسخ و منسوخ اور اقسام قرآت سے واقف ہو اور قرآنی ہدایت کے قریب ہو تو تب اپنے اجتہاد سے تفسیر کرے، تو جائز ہے۔

چنانچہ محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں:

"يطلق الرائے على الا عتقاد و على الاجتهاد و على القياس و منه أصحاب الرائے اى أصحب القياس."[۲]

رائے کے لفظ کا استعمال اعتقاد، اجتہاد اور قیاس کے لیے ہوتا ہے اسی سے اصحاب الرائے یعنی اصحاب القیاس کا لفظ مستعمل ہے۔

بعض نے تفسیر بالرائے سے مراد ایسی تفسیر لی ہے جس میں مفسر قرآن بیان معنی اپنے فہم خاص اور مجرد رائے سے استنباط کرتا ہے۔[۳]

احمد ون ڈنفر نے تفسیر بالرائے کی اس طرح وضاحت کی ہے:

"Tafsir-bi-e-Ray is not based directly on transmission of knowlwdge by the predecessor, but on the use of reason and Ijtihad.[۴]

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۳/۱ — ۲ التفسیر والمفسرون، ۲۷۹/۱

۳ ایضاً — ۴ "علوم القرآن" "انگریزی"، ۱۳۲

تفسیر بالرائے کی بنیاد علم کی روایت نہیں بلکہ اس میں عقل، اجتہاد کا استعمال ہوتا ہے۔قرآن مجید میں انسان کو دعوت تدبر دی گئی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾[1]

''کیا قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔''

مزید ارشاد ہوتا ہے:

﴿کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ﴾[2]

یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا تا کہ اس کی آیات میں غور وفکر کریں۔

مزید برآں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب تم قرآن وسنت میں کوئی حکم پاؤ تو اس کے مطابق فتوئی دو اور جب کوئی حکم قرآن وسنت کے مطابق نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو فقہاء ومفسرین نے تفسیر بالرائے کے حق میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے واقع کو دلیل بنایا ہے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے پوچھا ''اے معاذؓ! پیش آمدہ مسائل کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟'' حضرت معاذؓ نے عرض کی قرآن مجید کی روشنی میں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر قرآن سے ہدایت نہ پاؤ تو حضرت معاذؓ نے جواب دیا حدیث کی روشنی میں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حدیث سے روشنی نہ پاؤ تو پھر حضرت معاذؓ نے کہا۔ کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

اگر قرآن مجید کی تفسیر بالرائے ممنوع ہوتی تو صحابہ کرامؓ کبھی بھی اپنی رائے سے مطالب بیان نہ کرتے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی تھی۔

''اللهم فقهه فی الدین و علمه التاویل .''

''اے اللہ اسے دین کا فہم عطا کر اور قرآن کی تاویل سکھا دے۔''

تفسیر بالرائے سے متعلق، مانعین کے دلائل

جو حضرات تفسیر بالرائے کو جائز نہیں سمجھتے ان کے دلائل یہ ہیں۔ارشاد باری تعالی ہے

﴿وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[3]

اور تم اللہ پر ایسی بات کہو جو تم جانتے نہیں ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ﴾[4]

ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس میں تمہیں خبر نہیں ہے۔

---

[1] محمد ۲۴:۴۷ [2] ص ۲۹:۳۸
[3] البقرہ ۱۶۹:۲ [4] اسرائیل ۳۶:۱۷

﴿وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ﴾[۱]

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تا کہ آپ نازل شدہ قرآن کو لوگوں کے لیے واضح طور پر بیان فرمادیں۔

مزید برآں نبی کریمؐ کا فرمان ہے۔

((من قال فی القرآن برأیه فأصاب فقد أخطأ))[۲]

جس نے قرآن (کی تفسیر) میں علم کے بغیر کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اسی طرح ارشاد نبوی ہے۔

((من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار.))[۳]

جس نے اپنے مرضی سے قرآن مجید کی تفسیر بیان کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا نہ صرف ناجائز ہے بلکہ کبیرہ گناہ ہے لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ہر آیت کی تفسیر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہر آیت کی تفسیر میں کسی نہ کسی صحابی، تابعی، تبع تابعی کا کوئی نہ کوئی قول ضرور منقول ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر اور در منثور سے معلوم ہوتا ہے کہ جن آیتوں کی تفسیر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور دیگر آئمہ اسلام نے اپنی رائے اور اجتہاد سے ایسی آیتوں کی تفسیر فرمائی اس سے یہ ثابت ہوا کہ تفسیر بالرائے والا اجتہاد مطلقاً ناجائز اور حرام نہیں۔

ڈاکٹر ذہبی لکھتے ہیں کہ

"قال العلما: النهی عن القول فی القران بالرأی انما ورد فی حق من یتاول القران علی مراد نفسه و هو تابع لهواه "[۴]

علماء نے فرمایا ہے کہ تفسیر بالرائے سے ممانعت اس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو اپنی خواہش نفس کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے اور وہ اپنی خواہش (بدعت) کا متبع ہو)۔

اسی لیے تفسیر بالرائے کا مطلب یہ ہوا کہ کسی گمراہ فرقے سے تعلق رکھنے والا شخص اپنی بدعت وگمراہی کی تائید کے لیے قرآن مجید سے غلط استدلال کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص علم تفسیر، حدیث، لغت، صرف ونحو اور علم معانی و بیان کا متبحر عالم ہو اور صحیح العقیدہ اہل سنت ہو اگر وہ قرآن مجید کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرے جو اسلام کے مسلمہ اصول وعقائد کے عین مطابق ہو اور قواعد زبان سے بھی پوری پوری واقفیت رکھتا ہو تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل نہیں ہوگا۔

---

۱ النحل ۱۶:۴۴

۲ سنن الترمذی، کتاب التفسیر القرآن عن رسول اللهؐ، باب ماجاء فی الذی التفسیر القرآن برایة: ۲۸۷۶

۳ ایضاً، ۲۸۷۳

۴ التفسیر والمفسرون، ۱/۲۹۱

چنانچہ امام ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

"من تکلم بما یعلم من ذلک لغة و شرعاً فلاحرج علیه و لهذا روی عن هولاء وغیرهم أقوال فی التفسیر." [۱]

جس نے قرآن مجید کی تفسیر میں لغت اور شریعت کے اعتبار سے، اپنے علم کے مطابق گفتگو کی اس پر کوئی حرج نہیں اس لئے ان (سلف) سے اور بعد کے علماء سے تفسیر میں بہت سے اقوال منقول ہیں۔

اسی طرح علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"من استنبط معناه بحمله الا صول المحکمة المتفق علی معنا ها فهو ممدوح." [۲]

جس شخص نے محکم اور متفق علیہ اصولوں پر محمول کر کے قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی مفہوم اخذ کیا وہ قابل تعریف ہے۔

ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں:

"لیس من اجتهد ففسر علی قوانین العم والنظر بداخل فی ذلک الحدیث ولا هو تفسیر برأ یه ولا یوصف باالخطاء" [۳]

جس نے غور وفکر سے کام لیا اور علم ونظر کے اصولوں کے مطابق قرآن کی تفسیر کی وہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہے، نہ وہ تفسیر بالرائے ہے اور نہ ہی غلط ہے۔

الغرض کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا، جو اس کے سیاق وسباق کے مطابق ،زبان کے اصول وقواعد کے موافق، کتاب وسنت سے ہم آہنگ اور آیت کے الفاظ کا متحمل ہو (یعنی آیت کو اس پر محمول کرنے کی گنجائش ہو) تو اسے تفسیر بالرائے نہیں کہیں گے بلکہ وہ تاویل ہوگی جو شرعاً جائز ہے اور یہی تفسیر بالرائے المحمود ہے۔ جبکہ تفصیل وتشریح یا آیات قرآنی کی ایسی وضاحت، جس میں نہ تو قوانین عربیت کا لحاظ رکھا گیا ہو، نہ ہی وہ شرعی دلائل سے مطابقت رکھتی اور نہ ہی اس میں شرائط ضروریہ پائی جائیں تو ایسی تفسیر ممنوع ومذموم ہے۔

آئندہ صفحات میں ہم ان شاء اللہ برصغیر میں تفسیر وتفسیر بالماثور کے ارتقاء کا جائزہ لیں گے۔

---

[۱] تفسیر القرآن العظیم، ۱/۱۱ [۲] الجامع الاحکام القرآن، مقدمہ، ۵

[۳] البحر المحیط، ۸۳

مبحث دوم

برصغیر میں تفسیر اور تفسیر بالماثور کا ارتقاء

قرآن مجید جو لوگوں کے لئے ہدایت اور نور ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے انسان تک پہنچایا جو عربی زبان میں ہے اور یہ اس قوم کی زبان تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت اسلام کیلئے احکام الٰہی کی تبلیغ کی مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو شروع سے آخر تک حکم خداوندی اور اس کی رضا و منشاً کی ترجمان ہے اور اس کا ایک ایک لفظ معانی و حقائق کا گراں قدر خزانہ ہے اور مسلمان (شروع سے آج تک) اس کتاب میں اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل کا حل مضمر سمجھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک قرآن مجید کے ساتھ مسلمانوں کا گہرا تعلق اور شغف رہا ہے۔ اس وقت جو حالات و مسائل درپیش ہوتے تھے۔ ان کے بارے قرآن مجید کی آیات نازل ہوتیں۔ اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ قرآن مجید کا مفہوم زیادہ آسانی سے سمجھتے تھے۔ اگر کہیں مشکل پیش آجاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اپنی فہم و بصیرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ اکابر صحابہ کرامؓ کے تفسیری بیانات تحریری شکل میں بھی اسی زمانے میں آنے لگے تھے خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس سلسلے میں بہت کام کیا۔

پھر تابعین نے ان بزرگوں کی روایات کو جمع کیا بعد میں ان کے ذاتی نسخوں نے کتابی شکل اختیار کی اور بہت سے تفسیری مجموعے مرتب ہوئے اور ان ہی کی بنیاد پر آگے چل کر بڑی بڑی تفسیریں تیار ہوئیں۔

جب فتوحات کی کثرت نے اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع کر دیا تو ذہنی اور سماجی انقلاب پیدا ہوا، نئے نئے علوم و فنون کا رواج ہوا۔ مختلف رنگ و نسل مختلف، مذاہب اور تہذیب و تمدن سے تعلق رکھنے والے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو نئے نئے سوالات سامنے آئے اور مزید غور و فکر کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ان جدید مسائل کو قرآن مجید سے حل کرنے کی کوشش گئی اس وقت قرآن مجید کے الفاظ پر گہری نظر ڈالی گئی اور سلف کی سادہ روایات کے ساتھ ساتھ عقل و استدلال سے بھی کام لیا گیا۔ متکلمین نے اپنے انداز میں عقل کی تشفی کی کوشش کی اور صوفیا نے اپنے انداز میں ان حقائق کو سمجھانے کی سعی کی۔ اسی زمانے میں یہ بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآنی الفاظ کی وسعت و گہرائی کا جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ الفاظ کے حقیقی معنی کیا ہیں مختلف زمانوں میں اس کے استعمال میں کیا فرق آیا، جملوں کی ساخت اور زبان کے قواعد کے مطابق مطالب میں کیا فرق ہوسکتا ہے۔

قرآن مجید کے معنی خود قرآن مجید کی آیتوں سے بھی واضح کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ روایتی تفسیروں کی جانچ

پڑتال کا کام بھی کیا گیا۔ الغرض مختلف نقطہ نظر سے قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کی گئی۔

برصغیر سے عربوں کے تعلقات قدیم ہیں اسلام کی آمد سے قبل بھی بغرض تجارت یہاں آیا کرتے تھے اور اسلام کی آمد کے بعد بھی بدستور تعلقات قائم رہے اور ان ہی عرب تاجروں کے توسط سے برصغیر کے خطہ میں اسلام پھیلنے لگا۔

عربوں کے برصغیر سے تعلقات پرانے ہیں۔ اسلام کی آمد سے پہلے بھی تجارت کے لیے یہاں آتے تھے۔ اور اسلام کی آمد سے بھی تعلقات بدستور قائم رہے انہی عرب تاجروں کے توسط سے برصغیر میں اسلام پھیلنے لگا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں اسلام عرب کی حدود سے باہر پہنچ گیا تھا مختلف قوموں اور ملکوں کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے عربوں کے علاوہ ان لوگوں نے بھی قرآن مجید پر بہت کام کیا۔ بنی امیہ کے دور میں اسلامی مملکت کی حدود ہندوستان تک وسیع ہو گئیں۔ عرب تاجروں کے بعد درہ خیبر کی راہ سے مسلمانوں کا داخلہ برصغیر میں شروع ہوا اور باقاعدہ مسلمان حکومت قائم ہو گئی۔

اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی لاکھوں سے تجاوز کر گئی۔ عرب، ایران اور ترکستان سے آ کر آباد ہونے والوں کے علاوہ خود اس ملک کے لاکھوں باشندے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان حالات میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کی ضرورت محسوس کی گی۔ ملک کے مخصوص حالات کے پیش نظر یہاں کے باشندوں کے مزاج اور ذہنی استعداد کے پیش نظر نئے زاویہ فکر سے کام لینے کی فکر ہوئی اس غرض سے فقہ، حدیث، تاریخ اور سیرت کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیریں بھی لکھی گئیں۔

برصغیر میں یہ تفسیریں مختلف نقطہ نظر سے تیار کی گئیں کسی نے احکام کے استنباط کا خیال رکھا کسی نے ادبی پہلوؤں پر زور دیا کسی نے تصوف کے نکات کو واضح کیا اور کسی نے روایات سلف کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ انہی موخر الذکر تفاسیر ماثورہ کا تعارف اگلے صفحات میں برصغیر کے مفسرین کی (صرف تفاسیر ماثورہ میں) تفسیری خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔

تفسیر قرآن ......از عبد بن حمید سندھی م ۲۴۹ھ / ۸۶۳ء

برصغیر میں اول مفسرین میں آپ کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے۔ یاقوت حموی کے مطابق آپ سندھ کے علاقہ "کس" میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۲۴۹ھ میں وفات پائی۔[1]

تفسیر قرآن آپ کی جانب منسوب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں آپ پہلے ہیں جنہوں نے تفاسیر قرآن کے سلسلہ میں سب سے پہلے قدم آپ نے ہی اٹھایا۔ چونکہ آپؒ "خیر القرون" کے زمانہ کے قریب تر ہیں اس وجہ سے آپ کی تفسیر کو بھی ماثورہ کا درجہ دیا جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

> "ان کی کنیت ابو محمد اور نام عبدالحمید بن حمید بن نصر سے تخفیف کی وجہ سے لوگوں نے صرف عبد پر اکتفا کیا اور عبد بن حمید کے نام سے مشہور ہوئے دوسری صدی ہجری کے شروع میں اپنے وطن سے رحلت کی اور جوانی میں ان کو علم حدیث کا

---

[1] معجم البلدان، ۲۵۱

شوق ہوا۔ آپ نے یزید بن ہارون، عبدالرزاقؒ اور محمد بن بشرؒ جیسے آئمہ فن سے استفادہ کیا اور امام مسلم اور ترمذی و دیگر محدثین نے آپ سے استفادہ کیا امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں دلائل النبوۃ میں بطریق تعلیق ان سے روایت لائے ہیں اور ان کا نام عبدالحمیدؒ بیان کیا ہے۔ منجملہ ان کی تصانیف میں سے ایک قرآن مجید کی تفسیر بھی ہے تفسیر عبد بن حمیدؒ۔ تفسیر بالماثور ہے یعنی اس میں آپ نے اپنی اسانید کے ساتھ آیات کی تفسیر میں سب صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال کو درج کیا ہے آپ سے اس تفسیر کی روایت عبداللہ بن حمویہؒ نے کی"۔ [۱]

تفسیر قرآن ......از شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ م ۸۰۸ھ/۱۴۰۶ء

عبد بن حمید سندھی کے بعد برصغیر میں تفسیر بالماثور پر کام کرنے والے مفسرین میں شیخ اشرف جہانگیرؒ سمنانی کا ذکر ملتا ہے۔ اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر ہندوستان کا سفر کیا اور (ریاست بہاولپور کے) قصبہ اوچ میں شیخ جلال الدین بخاریؒ کی صحبت اختیار کی۔ [۲]

آپ کی متعدد تصانیف میں سے ایک قرآن مجید کی تفسیر بھی ہے جو "نور بخشہ" کے نام سے مشہور ہے۔ [۳]

تفسیر قرآن ......از شیخ محمد بن حسن یوسف حسنی دہلویؒ م ۸۲۸ھ/ ۱۴۲۴ء

شیخ محمد بن یوسف ۴ رجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم باپ دادا سے حاصل کی، حصول علم کی غرض سے مختلف شہروں کا سفر اختیار کیا اور بہت سے شیوخ سے استفادہ کر کے ۸۰۸ھ میں گجرات تشریف لے گئے۔

آپ کی متعدد تصانیف میں سے ایک قرآن مجید کی تفسیر کا ذکر بھی ملتا ہے چونکہ آپ نہایت منکسر المزاج، متواضع اور تصوف وفقہ کے جامع تھے اسلئے آپ نے اپنی تفسیر میں فقہی احکام کے علاوہ معارف وحقائق پر زیادہ قوت صرف کی ہے [۴]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

> "آپ مشائخ چشت میں سے خاص مشرب اور اسرار طریقت بیان کرنے میں مخصوص طریقہ کے علمبردار تھے آپ کو گیسو دراز کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔" [۵]

اس وجہ سے آپ کی پوری تفسیر میں تصوف کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

تبصیر الرحمن وتیسیر المنان بعض ما یشیر الی اعجاز القرآن شیخ علاء الدین علی بن احمد المہائمیؒ م ۸۳۵ھ/۱۴۳۲ء

شیخ علی بن احمدؒ گجرات کے قریب ساحلی علاقہ مہائم میں ۷۷۶ھ پیدا ہوئے۔ [۶]

ابتدائی علوم والد سے حاصل کیے پھر کبار علماء سے استفادہ کیا اور جوانی میں ہی تمام مروجہ علوم سے فارغ ہو گئے۔

۱۔ کشف الظنون، ۴۳۰/۱
۲۔ تذکرہ علماء ہند، ۱۱
۳۔ اخبار الاخیار، ۱۳۲/۳
۴۔ نزہۃ الخواطر، ۱۰۵/۳
۵۔ اخبار الاخیار، ۱۳۱
۶۔ نزہۃ الخواطر، ۱۰۵/۳

نیز علامہ موصوف بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ولی کامل بھی تھے۔[۱]

انہوں نے تفسیر، تصوف اور فقہ سے متعلق کئی اہم کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ جو مقبول ومشہور ہوئیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

☆ زوارف اللطائف فی شرح عوارف المعارف

☆ شرح ادلۃ التوحید

☆ تفسیر تبصیر الرحمٰن

☆ النور الاظہر فی کشف سر القضاء والقدر۔

☆ مشرع الخصوص فی شرح الفصوص وغیرہ۔[۲]

مولانا عبدالحئیؒ لکھتے ہیں:

"شیخ علاء الدین علی بن احمد المہائمی گجرات کے سرمایہ ناز ہیں اور میرے نزدیک ہندوستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سوا حقائق نگاری میں ان کا کوئی نظیر نہیں جو تصانیف ان کی پیش نظر ہیں ان کو دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ ایسا شخص جس کو ابن عربی ثانی کہنا زیبا ہے"۔[۳]

۸۳۵ھ میں ان کا انتقال ہوا اور قبر بہائم (ہند) میں ہے۔[۴]

علماء کرام شیخ علی المہائمی کی تفسیر کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی ربط آیات ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں:

"تفسیر رحمانی کہ بہ صنعت ایجاز وتدقیق موصوف است وتفسیر رابہ قرآن امتزاج دادہ است" [۵]

شیخ علی المہائمیؒ موصوف اپنی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ نکات نظم قرآنی کا بہترین مجموعہ ہے جن میں سے اکثر مجھ سے پہلے کسی جن و انسان کی دسترس میں نہیں آئے تھے میں کہ غریق بحر پلید کہاں اس لائق تھا کہ ان تک پہنچ سکتا جنہیں صرف پاک ترین بندے چھوسکتے، لیکن اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے میرے لئے اس مہم کو آسان کردیا''۔[۶]

تفسیر کے شروع میں مقدمہ ہے جس میں کلام اللہ کی خوبیوں اور برکتوں کا ذکر ہے اعجاز قرآن پر دلائل دیئے گئے ہیں سورۃ فاتحہ کی تفسیر بہت تفصیل سے بیان کی ہے سورۃ فاتحہ چونکہ اساس قرآن کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے اس سورۃ کی

۱۔ تذکرہ علماء ہند، ۱۴۷ ۲۔ آب کوثر، ۱۱۵ ۳۔ یاد ایام، ۵۹

۴۔ نزہۃ الخواطر، ۳/۱۰۵؛ تذکرہ علماء ہند، ۴۷ ۵۔ اخبار الاخیار، ۱۷۴

۶۔ تبصیر الرحمان وتیسیر المنان، ۳/۱

تفسیر وتشریح میں خاص طور سے بڑی کاوش کی گئی ہے۔اس تفسیر میں باقی تفسیروں کے مقابلہ میں چار باتیں خاص طور پر امتیازی حیثیت کی حامل ہیں۔

ہر سورۃ سے پہلے اس کا تعارف کر دیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ یہ نام کیوں رکھا گیا ہے اگر کسی واقعہ یا پیغمبر کی وجہ سے ہے تو اس کی تھوڑی سی تاریخ بھی بیان کر دی ہے۔

مثلاً:سورۃ آل عمران کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے:

"اس کا نام آل عمران اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں آل عمران یعنی حضرت عیسیٰ، یحییٰ، مریم اور ان کی ماں کی برگزیدگی کے بارے میں جتنا بیان ہے اور کسی کے بارے میں نہیں ہے، اسی سے کچھ اوپر آیتوں میں ان کا ذکر ہے اور اسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدگی کی دلیل قرار دیا ہے اور آپ کو ہر اللہ کے محب ومحبوب کے لئے متبوع قرار دیا ہے۔"[۱]

اس طرح ہر سورۃ کے متعلق کچھ ایسی باتیں تحریر کی ہیں جس سے اس کی وجہ تسمیہ اور تھوڑا بہت یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ اس میں کیا بیان ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تشریح ہر سورۃ کے مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی ہے جو کہ بہت بڑی کاوش ہے جس کی مثال سابقہ مفسرین کے ہاں نہیں ملتی۔

مثلاً سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ کی تشریح سورۃ بقرۃ یا کسی دوسری سورۃ سے بالکل مختلف انداز سے کی ہے۔[۲]

یہ زبان و بیان پر پوری قدرت کا ثبوت ہے کہ ایک ہی جملے کو مختلف انداز اور مختلف معنوں میں استعمال کیا جائے اور کہیں بھی تفسیر وتشریح میں فرق نہ پڑے ساتھ ہی ساتھ اس کا اندازہ ہو جائے کہ اس سورۃ میں کس قسم کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

مفسرین عام طور پر آیات کی تشریح کر کے اگر کوئی واقعہ ہوتا ہے تو اس کا حوالہ دیتے ہیں ماقبل اور مابعد کی آیات میں کوئی مطابقت ہے یا نہیں اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔قرآن مجید مختلف اوقات اور مختلف حالات میں نازل ہوا ہے۔

آیات میں مطابقت پیدا کرنا اور سب آیات کا ایک دوسرے سے تعلق دکھانا بہت مشکل اور سوجھ بوجھ کا کام ہے۔

علامہ صاحبؒ نے یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے کہ شروع سے لے کر آخر تک سارے کلام پاک کی تفسیر انہوں نے اس انداز سے کی ہے کہ تمام آیات ایک دوسرے سے مربوط و منسلک نظر آتی ہیں۔

صرف ونحو کے پیچیدہ مسائل سے احتراز کیا گیا ہے ان کے نزدیک معنی ومفہوم کی اہمیت زبان و بیان سے زیادہ ہے عام طور سے چھوٹے چھوٹے جملوں اور واضح اشاروں سے وہ آیات قرآنی کی تفسیر بیان کر دیتے ہیں اور قاری کو الجھن

---

۱ تبصیر الرحمان وتیسیر المنان، ۱/۱۰۱

۲ تبصیر الرحمان وتیسیر المنان، ۱/۱۵-۱۷

میں نہیں ڈالتے۔

البتہ۔کہیں کہیں پر عقل توجیہہ اور فلسفیانہ انداز بیان بھی ہے حروف مقطعات کی وضاحت کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔[1]

مگر اس کی حیثیت خیال آرائی سے زیادہ نہیں ہے۔انہوں نے تمام حروف مقطعات کی توجیہات کی ہیں دراصل یہ حروف کے معنی نہیں ہیں بلکہ ہر حرف سے اندازاً ایک لفظ بنالیا ہے گویا کہ وہ حرف بجائے اس لفظ کے قرآن میں استعمال ہوا ہے۔یہ کوئی تحقیقی بات نہیں ہے، موقع ومحل اور سورۃ کی مناسبت سے ان مبہم الفاظ کی توضیح کردی ہے۔

تفسیر بحر مواج ......از قاضی شہاب الدین (دولت آبادی) م ۸۴۸ھ/۱۴۴۵ء

قاضی شہاب الدین بن شمس الدین ۷۶۱ھ دولت آباد پیدا ہوئے قاضی المقتدر اور مولانا خواجگی سے تحصیل علوم کی۔اپنے استاد کے ہمراہ دہلی سے کالپی چلے پھر جون پور درس وتدریس کے مسند کو آراستہ کیا۔

تفسیر قرآن کی خدمت کے سلسلہ میں آپ کی تفسیر فارسی زبان میں ہے جس کا نام "بحر مواج" ہے اس تفسیر میں بیان ترکیب پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور ساتھ ہی "وصل وفراق" کے معانی تحریر کئے گئے ہیں۔

عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"بحر مواج تفسیر قرآن مجید بعبارت فارسی در وے بیان ترکیب ومعنی فصل ووصل دادہ است ودریں جانیز از برائے سجع تکلفے کردہ است قابل اختصار وتنقیح وتھذیب است"[2]

''بحر مواج قرآن مجید کی تفسیر جو فارسی زبان میں ہے، اس میں بیان ترکیب معانی فصل ووصل تحریر کئے گئے ہیں سجع بندی میں تکلف سے کام لیا گیا ہے لہذا یہ تفسیر اختصار، تہذیب وتنقیح کی متقاضی ہے۔''

قاضی محمد زاہد الحسینی لکھتے ہیں:

"یہ تفسیر دو جلدوں میں کتب خانہ گڑھی افغانان (راولپنڈی) میں موجود ہے۔[3]

مولانا عبدالرشید نعمانی کے مطابق:

''اس کتاب کے قلمی نسخے ہندوپاک کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے اور ہندوستان کے علمی کارناموں میں ایک شاندار کارنامہ ہے پوری کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہے''[4]

---

[1] تعبیر الرحمان وتیسیر المنان، ۱/۳۱-۳۳
[2] اخبار الاخیار، ۱۸۰
[3] تذکرۃ المفسرین، ۱۳۹
[4] معارف نمبر (ماہنامہ)، فروری ۱۹۶۳ء، ص ۹

تفسیر نور النبیؒ......از شیخ حسین بن خالد ناگوریؒ م ۹۰۱ھ/۱۴۹۶ء

شیخ حمید الدین سعیدی کی اولاد میں سے تھے اور شیخ کبیر الدین چشتی ناگوری سے علم حاصل کیا ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور کافی عرصہ ان کے ساتھ رہ کر اجمیر تشریف لے گئے۔[۱]

آپ کی جملہ تصانیف میں سے ایک قرآن مجید کی تفسیر بھی ہے جو "نور النبیؒ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس تفسیر کے اجزائے بلحاظ اجزائے قرآن مجید تیس ہیں اور تفسیر حل ترکیب اور توضیح معانی پر مشتمل ہے۔[۲]

تفسیر القرآن......از حاجی عبد الوہاب بخاریؒ م۹۳۳ھ/۱۵۲۷ء

شیخ جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے تھے پورا خاندان بزرگوں اور علماء کا تھا ان کی ولادت ۸۶۹ھ میں فاطمہ بنت قطب الدین بن کبیر الدین بن اسماعیل الحسینی البخاریؒ کے بطن سے اوچ (اچھ) میں ہوئی۔ وہیں پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی سید صدر الدین ان کے خسر اور استاد تھے۔ اپنے استاد ہی کی زندگی میں ان سے اجازت لے کر حج پر گئے واپسی پر ملتان قیام کیا اور سکندر لودھی کے زمانہ میں دہلی منتقل ہو گئے۔[۳]

اور آخر تک دہلی میں ہی رہ کر تبلیغ دین وعلم کرتے رہے، سکندر شاہ لودھیؒ ان کا معتقد تھا اور بہت تعظیم وتکریم کرتا تھا۔[۴]

انہوں نے قرآن مجید کی ایک عجیب انداز میں تفسیر لکھی ہے اور یہ تفسیر انہوں نے چھ ماہ میں (ربیع الثانی ۹۱۵ھ تا ۱۷ شوال ۹۱۵ھ) میں مکمل کر لی۔[۵]

اس میں انہوں نے تمام مطالب قرآن اس انداز سے پیش کئے ہیں گویا کہ سارا کلام اللہ رسول اللہ کی مدح ومنقبت میں ہے۔ یعنی "ہم قرآن درشان اواست"

علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

> "تقریباً تمام مطالب قرآنی کو مناقب نبوی کا رنگ دے دیا ہے اور اس میں دقائق واسرار محبت بیان کئے ہیں شاید انہوں نے اسے غلبہ حال میں لکھا ہے، کیونکہ اکثر امور جو انہوں نے ذکر کئے ہیں صحیح نہیں ہیں۔[۶]

اس تفسیر کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں البتہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں اس کے سورۃ مریم، سورۂ طٰہٰ، سورۂ انبیاء اور سورۂ حج کی تفسیر سے منتخب حصے نقل کئے ہیں۔ سورۂ مریم کی تفسیر میں کھٰیٰعٓصٓ کے ذریعے سید المرسلین کو مخاطب کیا ہے اسی طرح انہوں نے دوسری سورتوں کی بھی تفسیر کی ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

> "میں سمجھتا ہوں کہ عوام میں ان کے اس کام نے بڑی اہمیت حاصل کی ہوگی کہ

۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ۱۶۵ ۔ ۲۔ اخبار الاخیار، ۱۸۳
۳۔ نزہۃ الخواطر، ۲۲۳،۴ ۔ ۴۔ اخبار الاخیار، ۹؛ تذکرہ علمائے ہند، ۱۳۸
۵۔ ایضاً، ۱۳۸ ۔ ۶۔ نزہۃ الخواطر، ۲۲۳،۴

سارا قرآن پیغمبر کی نعت ہے عام مسلمانوں کیلئے بڑا دلکش فقرہ ہے میں نہیں جانتا
کہ ہندوستان کے سوا قرآن کی ایسی تفسیر کہیں اور بھی لکھی گئی ہو"۔[۱]

تفسیر منبع نفائس العیون ...... از شیخ مبارک بن خضر م ۱۰۰۱ھ/ ۱۵۹۳ء

شیخ مبارک بن خضر ناگوری ۹۱۹ھ شہر ناگور پیدا ہوئے اور تحصیل علم کیلئے گجرات تشریف لے گئے جہاں ابوالفضل گاذرونی اور مولانا عمادالدین جیسے اہل علم سے استفادہ کیا۔[۲]

۹۵۰ھ اکبر آباد واپس تشریف لائے، ہندو پاک کے مشہور علماء میں سے تھے، وفائق عربیہ سے خوب واقف تھے۔[۳]

بڑھاپے کی وجہ سے نظر کمزور ہوگئی تو مطالعہ سے عاجز آگئے، تو تفسیر قرآن میں مشغول ہوگئے اور چار ضخیم جلدوں میں ایک تفسیر "منبع نفائس العیون" نامی تصنیف فرمائی۔[۴]

سواطع الالہام...... ابوالفیض فیضیؒ م ۱۰۰۴ھ/ ۱۵۹۵ء

فیضی کی شہرت اور حیثیت شاعری (فارسی میں) کی وجہ سے بہت ہے، لیکن ان کی عربی صلاحیت اور استعداد بھی غیر معمولی تھی۔ اس کا بین ثبوت اس کی تفسیر "سواطع الالہام" ہے، فیضی نے یہ تفسیر غیر منقوط الفاظ میں لکھی ہے عربی زبان میں اس قسم کی تصنیف کرنا غیر معمولی بات نہیں پھر سارے قرآن کی تفسیر وہ بھی سات سو صفحات میں ان بہت بڑا کارنامہ ہے۔ فیضیؒ نے اس کام کو بہت تھوڑے عرصے میں مکمل کرلیا۔

علامہ شبلیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"سواطع الالہام" یعنی تفسیر غیر منقوط ۱۰۰۲ھ میں تمام ہوئی کل مدت تصنیف دوڑھائی برس ہے"۔[۵]

دربار اکبری میں فیضی کی بڑی قدر تھی پہلے تو اچھی خاصی پریشانی اٹھانی پڑی باپ اور دونوں بھائی دربدر ٹھوکریں کھاتے رہے پھر بعد میں بڑی جدوجہد سے اور مختلف وسیلوں سے دربار اکبری میں پناہ ملی۔

فیضی شروع میں مذہبی امور میں بہت آزاد خیال تھا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ تاہم جہاں تک اس زیر بحث تفسیر کا تعلق ہے تو اس میں کوئی زندقہ، الحاد یا بے دینی کے بارے میں کچھ مواد نہیں ہے۔ تفسیر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر الزامات بے بنیاد ہیں، کیونکہ اگر فیضی چاہتا تو تفسیر میں اپنی آزاد خیالی کو قائم رکھتا اور کلام اللہ کے معنی ومطالب کو الٹ پھیر کر بیان کردیتا۔ لیکن اس نے ایک جگہ پر بھی ایسا نہیں کیا۔

محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

"زبانی باتوں میں ملا صاحب جو چاہیں کہیں مگر نفس مطالب میں جب نہ اب کوئی

۱۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ۳۰۹/۲
۲۔ نزہۃ الخواطر، ۳۲۵/۵
۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ۴۰۲
۴۔ حدائق الحنفیہ، ۳۹۴
۵۔ شعر العجم، ۵۸/۳

دم نہیں مار سکتا ورنہ ظاہر ہے کہ وہ بے دینی اور بدنفسی پر آجاتے تو جو چاہتے لکھ جاتے اسے ڈر کس کا تھا؟'' [۱]

علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں:

"فیضی نے یہ تفسیر ان واقعات کے بعد لکھی ہے، لیکن ایک ذرہ مسلمات کی شاہراہ سے نہیں ہٹا حالانکہ تفسیر میں ہر قدم پر ان کو آزاد خیالی دکھانے کا موقع حاصل تھا ملا صاحب تو فرماتے ہیں کہ وہ تمام عقائد اسلام کا منکر تھا، لیکن وہ تمام عقائد کا معترف نظر آتا ہے جن کو معتقدات عوام کہتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ فیضی کی مذہبی آزادی ہم جو کچھ سنتے ہیں زبانی سنتے ہیں تصنیفات میں تو وہ ملائے مسجد ہی نظر آتا ہے" [۲]

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ حضرت مجدد صاحب نے بھی اس تفسیر کی تیاری میں مدد کی تھی، اور اس کا مشکل حصہ جو فیضی نہیں لکھ پا رہا تھا لکھ کر دیا۔ [۳]

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کی نظر میں بھی فیضی کی یہ کوشش قابل اعتراض نہ تھی۔

مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ یہ ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر شاید دوسرے اسلامی ممالک کے علمی حلقوں میں نہیں ملتی۔۔۔۔۔فیضی کی یہ تفسیر ہر لحاظ سے مکمل اور خاصی اہم ہے اسے کسی بھی دوسری تفسیر کے مقابلے میں آسانی سے رکھا جاسکتا ہے''۔ [۴]

"اس تفسیر میں عربی زبان کی حیرت انگیز سرمایہ داری کا بھی ثبوت ملتا ہے جس میں خدا کا آخری پیغام نازل ہوا اور اس پر فیضی کی قدرت اور کمال انشاء پردازی کا بھی ___ ہندوستانی مفسرین کے کارناموں میں یہ کتاب اہم کارنامہ ہے جس پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے"۔ [۵]

تفسیر مجمع البحرین ......از شیخ طاہر بن یوسف سندھیؒ م ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء

یہ تفسیر شیخ طاہر بن یوسف کی وہ تحریر ہے جو سندھ کے مشہو عالم شیخ شہاب الدین سندھی کے شاگرد ہیں علم حدیث انہوں نے شیخ عبدالاول بن علی جہانپوری حاصل کی۔ مختلف شیوخ سے استفادہ کرنے کے بعد مستقل جہان پور میں سکونت اختیار کر لی۔ [۶]

آپ کی علمی خدمات کے سلسلہ میں قرآن مجید کی تفسیر مذکورہ خصوصیات قابل ذکر ہے۔

تفسیر مجمع البحرین جو علامہ عبدالحی لکھنوی تبصرہ کیا ہے۔

---

۱ دربار اکبری، ۴۳۰ ۲ شعر العجم، ۵۲/۳ ۳ سواطع الالہام، ۲

۴ پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ۲۹۳/۲ ۵ ہندوستانی مفسرین اور انکی عربی تفسیریں، ۷۳

۶ نزہۃ الخواطر، ۱۸۶/۵

اس کا خلاصہ یہ ہے:

"یہ تفسیر صوفیانہ نکات پر مشتمل ہے اور ہر آیت کی گہرائی کو نئے اسلوب کے ساتھ بیان کرنے میں (مؤلف نے) ایک عمدہ اور حسین کوشش کی ہے اور بعض مقامات ایسی تعبیرات ملتی ہیں جو دیگر تفاسیر میں نہیں ہیں" ۱

تفسیر الدر التنظیم فی ترتیب الالی وسور القرآن العظیم شیخ منور بن عبدالحمیدؒ م ۱۰۱۱ھ/ ۱۶۰۳ء

شیخ منور شیخ سعد اللہ بن ابراہیم لاہوریؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، ذہین وفطین ہونے کی وجہ سے بیس سال میں علوم ظاہری سے فارغ ہوئے ۹۸۰ھ میں اکبر بادشاہ نے آپ کو "مالوہ" کا والی مقرر کیا اس کے بعد معزول کر کے قلعہ گوالیار میں قید کر دیا۔ ۲

آپ نے قید خانہ ہی میں تفسیر قرآن لکھنے کی طرف متوجہ ہوئے اور مذکورہ تفسیر قید خانہ ہی میں مکمل کر لی۔

علامہ عبدالحئیؒ لکھتے ہیں:

"۹۹۵ھ میں آپ کو معزول کر کے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا آپ قید خانہ میں پانچ سال رہے اور اسی عرصہ میں "الدر التنظیم فی ترتیب الالی وسور القرآن العظیم" لکھی"۔ ۳

تفسیر نظامی...... شیخ نظام الدین تھانیسریؒ م ۱۰۲۴ھ/ ۱۶۱۵ء

شیخ نظام الدینؒ نے تعلیم وتربیت اپنے چچا وسسر شیخ جلال الدین تھانسیریؒ سے حاصل کی کچھ عرصہ حجاز مقدس میں گزار کر تھانسیر تشریف لائے اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۴

آپ کو بادشاہ وقت جہانگیر نے جلاوطنی کا حکم دیا تو آپ بلخ چلے گئے آپ کی جملہ تصانیف میں سے قرآن مجید کی تفسیر بنام تفسیر نظامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ۵

انوار الاسرار فی حقائق القرآن ومعارفها شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھیؒ م ۱۰۳۱ھ/ ۱۶۲۲ء

۹۶۲ھ بائرج پور پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے چچا شیخ طاہر بن یوسف سندھیؒ سے حاصل کی اور باطنی علوم وتربیت کے سلسلہ میں شیخ لشکر محمد برہان پوریؒ سے وابستہ رہے۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے ایک مبسوط تفسیر بنام انوار اسرار ہے۔ ۶

---

۱ نزہۃ الخواطر، ۵/۵۸۷
۲ ایضاً، ۵/۵۱۱
۳ ایضاً، ۵/۵۱۲
۴ ایضاً، ۵/۵۱۸
۵ حدائق الحنفیہ، ۴۰۲
۶ نزہۃ الخواطر، ۵/۲۹۶

علامہ عبدالحیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ومن فوائد ماقال فی تفسیر أعوذ باالله من الشیطن الرجیم الشیطن هو البعد وهو البعد الذی بین العبد وبربه وهما...ولیس فی الحقیقة، أو البعد الموهوم والخلاء التوهم فی محل وجود العالم یعنی العالم ظاهر خارج عن حضرة الغیب المتجلی فی الخلاء المتوهم."[۱]

شیخ نے أعوذ باالله من الشیطن الرجیم کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس مقام پر شیطان سے مراد وہ بعد موہوم ہے جو عبد اور معبود کے درمیان متصور ہے، ورنہ حقیقت میں کوئی بعد نہیں یا بعد موہوم اور خلائے متوہم ہے جس پر آپ کی تجلی واقع ہوئی اور خارج میں عالم کا ظہور ہو۔

تفسیر جہانگیری...... شیخ نعمت اللہ بن عطاء اللہ فیروز پوریؒ م ۱۰۷۲ھ/۱۶۶۲ء

آپ کی پیدائش تو شہر نارنول میں ہے اور جون پور میں شیخ محمد افضل عثمانیؒ سے بھی استفادہ کیا آخر فیروز پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی آپ کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے ہاتھ پر شجاع بن شاہجہاں (جوکہ اپنے باپ کی طرف سے بنگالہ کا والی تھا) نے بیعت کر لی تھی۔[۲]

تفسیری خدمات کے سلسلہ میں ایک جلالین کے طرز پر تصنیف ہے جو کہ پورے قرآن کی تفسیر ہے اس تفسیر کو بقول علامہ عبدالحیؒ آپ نے ۱۰۷۰ھ میں مکمل کیا اس پر چھ ماہ کا عرصہ صرف کیا۔[۳]

اس کے علاوہ ایک "ترجمہ قرآن" بھی ہے یہ اس وقت کی تصنیف ہے جب جہانگیر دہلی میں تھا اور اسی مناسبت سے اس کا نام "تفسیر جہانگیری" رکھا۔[۴]

تفسیر حسینی...... شیخ یحییٰ بن محمود بن محمد حسینی گجراتیؒ م ۱۱۰۱ھ/ ۱۶۹۰ء

آپ ۱۰۱۰ھ میں احمد آباد پیدا ہوئے ظاہری و باطنی علوم اپنے داد احمد بن اصم بن محمد گجراتیؒ سے حاصل کئے اور بیس سال تک ان کی صحبت میں رہے، دادا کی وفات کے بعد ان کی جگہ مسند نشین ہوئے۔

والدہ کی وفات کے بعد باقی زندگی چودہ برس ایک سال مکہ میں ایک سال مدینہ منورہ میں رہے اور آپ نے "تفسیر حسینی" کے نام سے جو قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے بقول علامہ عبدالحی لکھنوی آپ نے اس تفسیر بیالیس (۴۲) رسائل کو جمع کیا"۔[۵]

تفسیر نصیری...... شیخ جمال الدین گجراتیؒ م ۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء

شیخ جلال الدین بن رکن الدین احمد آباد میں ۱۰۸۸ھ کو پیدا ہوئے والد صاحب سے تعلیم مکمل کی تمام عمر درس و تدریس کے علاوہ تصنیف میں بھی مشغول رہے۔

۱۔ نزہۃ الخواطر، ۲۹۶/۵ ۲۔ نزہۃ الخواطر، ۴۲۳/۵ ۳۔ ایضاً، ۴۲۳/۵

۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً، ۴۲۲/۶

علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

''آپ کی تصانیف کی مجموعی تعداد ۱۴۲ ہے''۔(۴۹) تفسیروں کے حواشی بھی لکھے

علامہ صاحب نے نزہۃ الخواطر میں درج ذیل تفاسیر پر حواشی لکھنے کا ذکر کیا ہے۔

''حاشیہ برتفسیر مدارک، حاشیہ برتفسیر بیضاوی، حاشیہ برتفسیر محمدی، حاشیہ برتفسیر حسینی'' ان کے علاوہ آپ نے ایک تفسیر مختصر کے نام سے اور دوسری ''تفسیر نصیری'' کے نام سے لکھی''۔[۱]

ثواقب التنزیل...... شیخ علی اصغر قنوجیؒ م ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء

شیخ اصغر علی بن عبدالصمدؒ ۱۰۵۱ھ جو قنوج میں پیدا ہوئے، تکمیل علم کے سلسلہ میں مختلف شہروں کا سفر اختیار کیا اور اس وقت کے نامور علماء کرام سے استفادہ کیا اور تحصیل علم کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔

علامہ عبدالحیؒ رقمطراز ہیں:

''علوم متداولہ سید محمد حسینی قنوجیؒ سے اخذ کئے اور متوسطات اور مطولات کو مولانا عصمت اللہ سہارنپوریؒ، مولانا محمد زمان کاکوریؒ اور نواب دیانت علی خانؒ کے حلقہ درس میں تمام کیا قنوج میں ساٹھ برس تک درس وتدریس میں مشغول رہے''۔[۲]

آپ کی تصانیف متعدد ہیں تاہم قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلہ میں ایک تفسیر کا نام ملتا ہے۔جو کہ ثواقب التنزیل کے نام سے ملتی ہے، یہ قرآن کریم کی مختصر تفسیر ہے جو کہ جلالین کے طرز پر لکھی گئی ہے، لیکن بلاغت میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو مؤلف کے عربی ادب پر عبور کی علامت ہے۔

علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

''آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے جلالین کی طرز پر قرآن کریم کی مختصر تفسیر "ثواقب التنزیل" نامی ہے جو کہ بلاغت ومتانت میں جلالین سے بڑھ کر ہے''۔[۳]

آپ کی وفات ۱۱۴۰ھ شعبان المعظم میں ہوئی۔

قرآن القرآن بالبیان...... شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ م ۱۱۴۱ھ/ ۱۷۲۸ء

شیخ کلیم اللہ بن نور اللہ بن محمد صالحؒ ۱۰۶۰ھ دہلی میں پیدا ہوئے اپنے زمانہ کے اساتذہ سے علم حاصل کیا اور حجاز میں رہے ان کے دادا محمد صالح اپنے دور کے بڑے اہم انجینئر سمجھے جاتے تھے۔جامع مسجد لال قلعہ اور تاج محل کی تعمیر میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

---

۱ نزہۃ الخواطر، ۲۵۷/۵ ۲ ایضا، ۲۵۸/۵

۳ حدائق الحنفیہ، ۴۳۸

شیخ کلیم اللہؒ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں قرآن مجید کی تفسیر قرآن القرآن بالبیان ،کشکول المرقع فی الرقی، التکسیر ،سواء السبیل ،العشرۃ الکاملہ، الرد علی الشعیہ ،شرح قانون اور مکاتیب کافی اہمیت رکھتی ہیں۔مکاتب سے ان کی زندگی سماجی حالات نیز عقائد وغیرہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔۱۱۴۱ھ ان کا انتقال ہوا اور دہلی میں خانم کے بازار میں دفن ہوئے۔[۱]

تفسیر کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے:

"الحمد الله الذی نزل الفرقان علی عبده فهو نور علی نور یهدی بنوره من شاء من عباده".

حمد وثناء کے بعد تفسیر شروع کرنے سے قبل اپنا مذہب اور تفسیر کی تاریخ تحریر اور کام یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ علماء ملت حنفیہ بیضاء کی تفسیر ان سے ماخوذ ہے میں نے اس کا نام 'قرآن القرآن بالبیان' رکھا ہے میں کلیم اللہ مذہباً حنفی اور مشرباً صوفی ہوں یہ تصنیف ۱۱۲۵ھ میں مکمل ہوئی"۔

یہ تفسیر اپنے سلجھے ہوئے انداز اور اختصار کی وجہ سے خاصی اہم سمجھی جاتی ہے۔۔۔۔چونکہ یہ حنفی تھے اس لئے تفسیر میں بھی انہوں نے حنفی نقطہ نظر کو ملحوظ رکھا ہے، مسائل کی توضیح میں 'جلالین' تفسیر والا انداز اپنایا گیا ہے، اس میں جس قدر اختصار کے ساتھ عبارتوں کی تشریح کی گئی ہے مشکل ہی سے کہیں اور ملے گی بعض جگہوں پر تو محض دو تین لفظوں ہی سے پورے مطلب کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں یہ اختصار ایجازی انداز کا ہے جس سے مفہوم کی وضاحت پوری طرح ہو جاتی ہے۔بہت سی آیتیں اور مختلف سورتیں حالات اور واقعات کے پیش نظر نازل ہوئی ہیں۔ ہر ایک کی شان نزول کچھ نہ کچھ ضرور ہے، مصنف نے بہت سی جگہوں پر سبب نزول کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور واقعہ بھی نقل کر دیا ہے۔۔۔ مثلاً:

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ......﴾ [۲]

اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہزار دینار رات میں دس ہزار دن میں دس ہزار پوشیدہ اور دس ہزار اعلانیہ راہ خدا میں خرچ کیے حضرت علیؓ کی شان میں یہ بھی منقول ہے کہ ان کے پاس صرف چار درہم تھے جو راہ خدا میں وقف کر دیئے"۔

اسی طرح سورۃ اخلاص کے شان نزول کے بارے لکھتے ہیں:

"لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوصاف الٰہی دریافت کیے تھے جن سے وہ پکاریں اس پر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ کی سورۃ نازل ہوئی"۔

اگر چہ مؤلف نے اختصار کو پیش نظر رکھا ہے، لیکن کسی ایسی بات کو نہیں چھوڑا ہے جس سے واقعات کی کڑیاں ملانے میں دقت پیش آئے اور باتیں گنجلک ہو جائیں اسی طرح بہت سی جگہوں پر حدیثیں بھی اپنی بات کے ثبوت میں پیش کی

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ۶/۲۴۰   [۲] البقرہ۲:۲۷۴

ہیں الفاظ اور لغت کی بحثیں بہت کم ہیں اگر چہ خود بہت بڑے صوفی بزرگ تھے، لیکن اس کی جھلک کہیں نظر نہیں آتی۔

ان کی تصنیف سیدھے سادے انداز میں قرآن پاک کی توضیح ہے اختصار اس کی مخصوص شان ہے۔ اس تفسیر کے اختتام پر عبارت درج ہے۔

﴿سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ وصلی اللہ علی سید الکونین محمد و آلہٖ واصحابہٖ برحمتک یاأرحم الرحمین لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللہ"

تفسیر محمدی ......از شیخ فتح محمد سید انویؒ م ۱۱۴۳ھ/ ۱۷۳۵ء

شیخ فتح محمد الہ آبادؒ سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر قصبہ "سیدانہ" میں پیدا ہوئے، علوم متداولہ اپنے عصر کے اساتذہ کرام سے حاصل کئے آپ کی طبیعت چونکہ تصوف کی طرف زیادہ راغب تھی اسی بناء پر شیخ بن عبدالحق حسینی مانک پوریؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور دنیا کے اسباب ظاہری خیر باد کہہ کر الہ آباد میں رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا ہے۔[۱]

علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

"آپ کی چند تصانیف ہیں جن میں سے "تفسیر محمدی" جو کہ حقائق و معارف کی زبان میں قرآن کریم کی ایک بسیط تفسیر ہے"۔[۲]

اس تفسیر میں آپ نے ظاہری مفہوم ومعانی کی بجائے تصوفانہ مزاج کے مطابق حقائق ومعارف کے بیان کو زیادہ ترجیح دی ہے، ان کے نزدیک آیت کا ایک ظاہری مفہوم ہوتا ہے اور ایک باطنی یہی مفہوم بنیادی ہوتا ہے اسی کی طرف توجہ دلانے کیلئے اپنی تفسیر" معارف و اسرار کا خزینہ لکھی ہے"۔

تفسیر کرتے وقت ظاہری مفہوم بیان کرنے کے بعد علامہ فخر الدین رازی کی طرح آیات کی متکلمانہ بحث کرتے ہوئے، اس سے لطیف قسم کے نکات بیان کرتے ہیں نیز صوفیانہ اسرار کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

تفسیر محکم التنزیل (عربی) محمد حکم بریلویؒ م ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء

سید محمد حکم بن محمد بن علم اللہ رائے بریلویؒ بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی علوم والد سے حاصل کرنے کے بعد مختلف اساتذہ کرام شیخ محمد یحیٰ، شیخ عبدالأحد سرہندی اور شیخ عبدالنبیؒ سے استفادہ کیا۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا آپ کی متعدد تصانیف کا ذکر ملتا ہے جن میں سے قرآن کریم کی دو تفاسیر بھی ہیں ایک فارسی زبان میں "تفسیر حسنی" کے نام سے معروف ہے اور عربی میں "محکم التنزیل" ہے۔

علم لغت پر مکمل عبور حاصل ہونے کی وجہ سے اپنی تفسیروں میں لغات کا ستعمال کیا ہے اور اسی لغوی مفہوم کو مختلف انداز میں بیان کر کے اصطلاحی مفہوم سے پیدا کیا ہے اور ان سے نکات نکالے ہیں۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ۶/ ۲۱۷   [۲] ایضاً، ۶/ ۲۱۷

علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

"آپ کی چند تصانیف ہیں جن میں تفسیر حسنی (فارسی) 'تفسیر محکم التنزیل' (عربی) خصوصاً قابل ذکر ہیں" [۱]

وفات ۲۲ شوال المکرم ۱۱۵۰ھ کو ۴۴ سال کی عمر میں ہوئی۔ [۲]

فتح الرحمن ...... ازشاہ ولی اللہؒ م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قرآن مجید کی فہم کو عام کرنے کی غرض سے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں بنام فتح الرحمٰن ۱۱۴۳ھ میں آغاز کر کے ۱۱۵۱ھ میں مکمل کیا جو ۱۱۶۵ھ میں منظر عام پر آیا اور اہل علم اس سے مستفید ہوئے۔ [۳]

قرآنی آیات کی لطافت سے تعبیر کی گئی ہے اور طوالت سے گریز کیا گیا ہے طویل قصوں اور طویل بحثوں سے گریز کیا ہے۔ شاہ صاحب نے تحت اللفظ ترجمہ کیا ہے اور نہ ہی حاصل المعنی بلکہ درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ حاشیہ میں تطبیق آیات و سور کے علاوہ بعض مقامات پر مفسرین کا اختلاف بھی درج کیا ہے۔ فتح الرحمٰن کی ایک امتیازی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں موقع کلام کی نزاکت کا احساس اور لحاظ پورے طور پر پایا جاتا ہے یعنی ترجمہ محض الفاظ سے نہیں بلکہ صورت حال کے تناظر میں کیا گیا ہے۔

مختصراً یہ کہ شاہ صاحب کا یہ ترجمہ جو کہ بعد میں آنے والے مترجمین اور مفسرین کیلئے باعث تحریک بنا ایسے بہت سے قرآنی مباحث کو اجاگر کرتا ہے جن سے فہم قرآن کی گرہیں کھلتی ہیں"۔

تفسیر صغیر ......رستم علی قنوجیؒ م ۱۱۷۸ھ/ ۱۷۶۴ء

شیخ رستم علی قنوجؒ میں ۱۱۵۱ھ میں پیدا ہوئے درسی کتب اپنے والد سے پڑھیں باقی کتب نظام الدین انصاریؒ سے پڑھیں۔ پھر قنوج میں ہی آکر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، اور تصنیف کی طرف متوجہ رہے، قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی ہے جو کہ "تفسیر صغیر" کے نام سے ہے۔ اسی مناسبت سے یہ بہت مختصر اور جلالین تفسیر کے طرز پر ہے۔

علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

"قرآن کریم کی ایک تفسیر مسمّٰی بہ تفسیر صغیر ہے۔ اختصار عبارت میں تفسیر جلالین کے برابر ہے"۔ [۴]

تفسیر القرآن الکریم علیٰ سبیل الاعجاز - اہل اللہ بن عبدالرحیم شیخؒ م ۱۱۷۸ھ/ ۱۷۶۵ء

شیخ اہل اللہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ نے علوم اپنے بڑے بھائی سے حاصل کئے۔
آپ کی دیگر تصانیف کے علاوہ ایک "تفسیر القرآن الکریم علیٰ سبیل الاعجاز ہے"۔

۱۔ نزہۃ الخواطر، ۶/ ۲۹۹
۲۔ ایضاً، ۲۹۹
۳۔ قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں، ۱۶۸
۴۔ نزہۃ الخواطر، ۶/ ۸۷؛ تذکرہ علمائے ہند، ۱۹۰

علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

''آپ کی حسب ذیل تصانیف ہیں مختصر هداية الفقه للمرغيناني جو ہدایۃ الفقہ کا اختصار ہے تفسیر القرآن الکریم علیٰ سبیل الاعجاز، مختصر فارسی درفقہ وعقائد وسلوک اور مختصر در طب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔''[1]

تفسیر زاد الآخرۃ......از قاضی عبدالسلام بدایونیؒ م ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء

قاضی عبدالسلام بن عطاء الحق بدایونی ۱۲۰۱ھ کو بدایون میں پیدا ہوئے اپنے چچا مولوی عبدالحق سے علم حاصل کیا، علم سے فراغت کے بعد رام پور کے قاضی بھی رہے۔آپ نے قرآن کریم کی تفسیر نظم میں لکھی ہے جس کا نام زادالآخرۃ رکھا ہے۔مؤلف نے تقریباً دو لاکھ اشعار میں قرآن مجید کے مفہوم کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ عبدالحیؒ رقمطراز ہیں:

''عبدالسلام نے ۱۲۴۴ھ اردو زبان میں قرآن کریم کی ایک منظوم تفسیر ''زادالاخرۃ'' نامی قریباً دو لاکھ اشعار میں لکھی''۔[2]

مسعود لائبریری میلسی میں موجود ہے اشعار میں اردو قدیم استعمال کی گئی ہے تاہم آیات کا مفہوم آسانی سے سمجھ آجاتا ہے۔

تفسیر نظم الجواھر ازمفتی ولی اللہ فرخ آبادیؒ م ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء

ولی اللہ بن احمد علیؒ ۱۱۶۵ھ فرخ آباد میں پیدا ہوئے آپ کے اساتذہ کرام میں سے شیخ عبدالباسط بن رستم علی قنوجیؒ، شیخ احمد بن محمدؒ، شیخ عبدالمالک حنفیؒ اور شیخ ابراہیم شافعیؒ ہیں جن سے حدیث اخذ کی۔[3]

علوم سے فراغت کے ''بڑے مدرسہ'' کی بنیاد رکھی اور درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔

تدریس کے علاوہ تصنیف کی طرف بھی متوجہ رہے،تفسیری خدمات کے سلسلے میں ایک تفسیر ''نظم الجواہر'' لکھی جو کہ فارسی زبان میں ہے، یہ(۳) جلدوں پر مشتمل ہے۔تفسیر کی اہمیت اور مفسرین کے آداب وشرائط کے علاوہ بعض مفسرین کی غلط تشریحات پر گرفت بھی کی ہے۔

علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

''آپ نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں تفسیر نظم الجواہر فارسی ۱۲۳۶ھ میں تصنیف لکھی جو واقعی جواہر کی لڑی ہے اس کے آخر میں علم تفسیر کی اہمیت ،شرائط، آداب مفسر، بعض مفسرین کے اغلاط پر تنبیہ کی ہے اور مفسرین کے طبقات کا ذکر کیا ہے یہ تفسیر تین جلدوں میں ہے''۔[4]

---

[1] نزہۃ الخواطر، ۲۱۵/۵
[2] نزہۃ الخواطر، ۲۶۵/۷؛ حدائق الحنفیہ، ۴۷۳
[3] نزہۃ الخواطر، ۵۲۶/۷
[4] ایضا

زبدۃ التفاسیر از جان محمد لاہوریؒ م ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۲ء

آپ ۱۱۹۳ھ کو لاہور پیدا ہوئے اپنے ہم عصر اساتذہ اور شیوخ سے استفادہ کیا۔درس وتدریس کے علاوہ تصانیف بھی لکھی،تفسیری خدمات کے سلسلہ میں ایک تفسیر "زبدۃ التفاسیر" کے نام سے ہے اور یہ تفسیر جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مفسر نے سابقہ تفاسیر کا نچوڑ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

''آپ کی تفسیری خدمات میں سے "زبدۃ التفاسیر" ہے جو کہ (۸۰) اجزاء میں ہے۔''[۱]

انوار القرآن از عبدالرحمن حنفی نقشبندیؒ

عبدالرحمٰن حنفی نقشبندیؒ نے "انوار القرآن" کے نام سے (۲) جلدوں میں تفسیر لکھی۔ پہلی جلد سورۂ فاتحہ تا بنی اسرائیل جبکہ دوسری جلد سورۂ کہف تا والناس ہے"۔

اس تفسیر میں مشکل الفاظ معانی بیان کئے گئے ہیں اور آیات کا ترجمہ بھی پورا نہیں بیان کیا گیا ایک دفعہ معانی بیان کرنے کے بعد اگر دوسری آیت وہی آئی ہے تو اس کا ترجمہ کرنے سے گریز کیا ہے۔

اس تفسیر "ادارہ اشاعت قرآن و حدیث فتح دین خان قصور" نے شائع کیا، لیکن سن اشاعت درج نہیں کیا مقالہ نگار نے یہ تفسیر "مسعود جھنڈیر لائبریری میلسی" میں دیکھی ہے۔

موضح قرآن ......از شاہ عبدالقادر دھلویؒ م۱۲۰۵/ ۱۸۱۷ء

شاہ عبدالقادر ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں آپ کے والد وفات پاگئے اور آپ نے اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ سے علم حاصل کیا اور اپنے وقت کے بڑے عالم، متقی، نرم المزاج اور متوکل تھے۔

علمی خدمات کے سلسلہ میں خصوصاً علم تفسیر اور علم حدیث میں کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے۔[۲]

شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ کے پچپن (۵۵) سال بعد ۱۲۰۵ھ میں اردو میں قرآن کریم کا بامحاورہ ترجمہ کیا اردو زبان میں یہ ترجمہ سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے ترجمہ کے ساتھ ساتھ اپنے والد محترم کی مانند جستہ جستہ تفسیری نوٹ بھی لکھے۔ تفسیری نوٹ اگرچہ مختصر ہیں، لیکن موصوف کی علمی گہرائی اور وسعت مطالعہ پر دال ہیں۔

تنقیح مطالب ایک مختصر تفسیر کے قائم مقام ہیں۔علاوہ ازیں ترجمہ میں قرآنی مدلول کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اردو زبان کا یہ پہلا ترجمہ نہایت عمدہ، بے مثال، بے نظیر ہے اور ہر طرح سے قابل اطمینان اور قابل وثوق و باعتماد ہے۔

شاہ صاحب نے تفسیر موضح قرآن میں اختصار کے ساتھ ساتھ جامعیت اور علم کی گہرائی کا اظہار فرمایا ہے مثلاً: سورۂ فاتحہ پر ان کا جو مختصر سا نوٹ ہے وہ دیگر تفاسیر کے کئی صفحات سے بھی جامع اور قیمتی ہے اور اس سے دشمنان اسلام کے

---

۱ نزہۃ الخواطر، ۷/۱۱۶، حدائق الحنفیہ، ۴۷۵، تذکرہ علماء ہند، ۱۴۳

۲ حدائق الحنفیہ، ۴۷۱

اعتراضات کا رد ہوتا ہے، فرماتے ہیں۔

''یہ سورۃ اللہ صاحب نے بندے کی زبان سے فرمائی کہ اس طرح کہا کریں''۔[1]

اس مختصر نوٹ سے منکرین اسلام کا یہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ انسانی کلام ہے جس میں خدا تعالیٰ سے التجائیں کی گئیں۔ تفسیر کبیر میں امام رازی نے اس اعتراض کے جواب میں طویل بحث کی ہے لیکن شاہ صاحب نے مختصر فقرے میں ساری بحث سمیٹ لی ہے۔

تفسیر مظہری ......از قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

شاہ ولی اللہؒ کی تفسیر کے بعد اکثر تفاسیر (برصغیر کے حوالہ سے) عربی، فارسی اور اردو میں لکھی گئی۔ ان میں شاہ صاحب کے بیان کردہ تفسیری اصولوں کی کوئی پابندی نظر نہیں آتی ہے۔

یہ اعزاز شاہ صاحب کے ایک قابل ذکر شاگرد قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کو حاصل ہے جنہوں نے عربی زبان میں ایک تفسیر بنام ''تفسیر مظہری'' لکھی جو علوم وفنون کا مجموعہ ہے۔

اس تفسیر کے بارے میں ایک مشہور زمانہ محدث علامہ انور شاہ کشمیری نے کہا تھا:

''شاید ایسی تفسیر بسیط ارض (روئے زمین) میں نہ ہو''۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ:

''ان کو بیہقی وقت فرماتے تھے۔''

یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کے بعد ان کی تفسیر کا رتبہ بیان کرنے کی حاجت نہیں رہتی قاضی صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ شاہ ولی اللہ کے مدرسہ رحیمیہ کے فیض یاب تھے اور شاہ صاحب کی تصانیف سے بے حد متاثر تھے جس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ انہیں طویل عرصہ تک شاہ صاحب کی خدمت میں رہ کر استفادہ کا موقعہ ملا تھا یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنی تفسیر مظہری میں شاہ ولی اللہ کا بکثرت حوالہ دیا ہے اسی وجہ سے ڈاکٹر محمود الحسن عارف کی رائے یہ ہے:

''قاضی صاحب نے دور طالب علمی میں الفوز الکبیر کا مطالعہ کیا ہوگا فراغت علمی کے بعد لازماً یہ کتاب ان کے زیر مطالعہ رہی ہوگی کیونکہ الفوز الکبیر میں پیش کئے گئے اصولوں کے مطابق علم تفسیر پر پہلی کتاب تفسیر مظہری لکھی گئی کیونکہ اس تفسیر میں الفوز الکبیر کے اصولوں کا بڑا التزام کیا گیا ہے''۔[2]

قاضی صاحب کے زمانہ میں جو تفسیریں لکھی گئیں تھیں وہ زیادہ تر شوافع کی لکھی ہوئی تھیں بیضاوی اپنے دقیق اسلوب اور علمی نکات کی وجہ سے نصاب درس نظامی میں داخل تھی لیکن بیضاوی کا اختصار رموز واشارے کی حد تک پہنچ جاتا ہے مصنف چونکہ مذہباً شافعی ہیں۔ اس لئے فقہی مباحث میں حنفیوں کے نقطہ نظر کی وضاحت نہیں ہوتی ہندوستان کے باشندے زیادہ تر حنفی تھے اس لئے طالب علموں کو مطالعے میں بڑی الجھنیں ہوتی تھیں۔ انہیں حالات کے پیش نظر آپ نے

---

[1] موضح قرآن، ۲،

[2] تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، ۲۷۰-۲۶۳

قرآن مجید کی مفصل تفسیر (۱۰) جلدوں میں لکھی ہے اور اپنے پیرومرشد کے نام پر "تفسیر مظہری" اس کا نام رکھا۔

پہلی جلد سورۃ الحمد سے سورۃ بقرۃ تک ہے دوسری آل عمران سے سورۃ النساء تک تیسری المائدۃ سے الاعراف تک چوتھی انفال سے توبہ تک پانچویں سورۃ یونس سے سورۃ الاسراء تک چھٹی سورۃ الکھف سے سورۃ النور تک ساتویں الفرقان سے الاحزاب تک آٹھویں سورۃ سبا سے سورۃ محمد تک نویں سورۃ الفتح سے سورۃ التحریم تک اور دسویں سورۃ الملک سے سورۃ الناس تک۔

ہر جلد کے شروع میں اس حصہ سے متعلقہ مضامین اور مسائل کی تفصیلی فہرست ہے۔

اُردو تراجم و تفاسیر

دنیا بھر کی زبانوں میں صرف اردو کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ترجمہ و تفسیر قرآن کا سب سے زیادہ لٹریچر اسی میں لکھا گیا۔ ڈاکٹر احمد خان کی مرتبہ "قرآن کے اردو تراجم" کتابیات میں ان کے ۱۰۱۱ اندراجات موجود ہیں۔

ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین نے "قرآن حکیم کے اردو تراجم کے باب پنجم میں "۱۰۴" تراجم و تفاسیر کا سرسری جائزہ پیش کیا ہے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ ایک سکالر جس نے "اردو میں ادب تفسیری" کے عنوان پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جس میں برصغیر کے اردو تراجم و تفاسیر کا تفصیلی ذکر نہیں کیا، پندرہ جلدوں تک مشتمل جامع تفسیر کے بارے میں جانے کیوں معلومات ان تک نہ پہنچ سکیں۔ واللہ اعلم۔

اُردو تفاسیر کا ارتقاء

اردو زبان کا ترجمہ وہی ہے جو ۸۸۳ھ میں "راجہ الور" کی فرمائش پر لکھا گیا۔ اسی دور کی ہندی اور ابتدائی دور کی اردو میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔

- ☆ ۱۰۸۷ھ میں قدیم دکنی اردو میں عبدالصمد بن نواب عبدالوہاب خان کا ترجمہ و تفسیر بنام "تفسیر وہابی
- ☆ ۱۱۰۹ ہجری میں سورہ یوسف کی پرانی گجراتی اردو میں منظوم تفسیر
- ☆ ۱۱۳۱ ہجری مین اردو عربی فارسی کا مخلوط ترجمہ از قاضی محمد معظم سنبھلی
- ☆ ۱۱۵۰ ہجری میں کسی مجہول الخبر مترجم کا ترجمہ
- ☆ ۱۲۰۵ ہجری میں شاہ عبدالقادر کا ترجمہ و حواشی بنام "موضح قرآن"
- ☆ اردو کا پہلا تشریحی ترجمہ حکیم محمد شریف خان (۱۲۲۲) سے منسوب ہے
- ☆ اٹھارہویں صدی عیسوی میں ۱۰ تراجم کا ذکر ملتا ہے
- ☆ انیسویں صدی عیسوی اردو تراجم کے لیے بہت اہم ہے اس میں نہ صرف اردو ترجموں کی شدید ضرورت محسوس

ہوئی بلکہ ان کا اہم کردار بھی سامنے آیا۔

اس عہد کا پہلا ترجمہ ۱۸۰۳ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے ڈاکٹر گل کراسٹ (۱۸۴۱) کے حکم پر علماء کی ایک کمیٹی نے کیا جبکہ اس صدی کے آخری تراجم میں مولانا فتح محمد جالندھری اور عاشق الٰہی میرٹھی کے تراجم شامل ہیں۔

اس صدی میں تقریباً ۶۴ مکمل تراجم ہوئے جن میں نواب صدیق حسن خان (م ۱۸۹۰ء) مولانا عبدالحق حقانی (۱۸۹۹ء) اہم اور معروف ہیں۔

برصغیر عبدابن حمید الدین سے تفسیر بالماثور کا جو سفر شروع ہوا۔ وہ مختلف رجحانات اور بہرایوں میں پھیلتا ہوا حضرت شاہ ولی اللہؒ تک پہنچا۔ توانہوں نے اور انکی اولاد نے تفسیر کو مقامی زبانوں میں کرنے کی جو ابتدا کی منہج واسلوب پر عمل ہوتے ہوئے نواب صاحبؒ نے عربی واردو ماثور فقہی ہر طرح کی باقاعدہ تفسیر لکھیں۔ اوران میں سے ایک تفسیر ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' ہے۔

مبحث سوم

برصغیر کے غالب تفسیری رجحانات

تفسیری رجحانات اور ان کا پس منظر

برصغیر کا تفسیری ادب اپنی کمیت وکیفیت کے اعتبار سے بہت متنوع اور وسیع ہے۔جس میں مختلف جہات میں یہاں کے علماء کرام کی عرق ریزی کا نتیجہ سامنے آتا ہے۔کہ کس طرح انہوں نے قرآنی علوم کے بحرِ زخار سے علمی درنایاب کو چن کر اس کتاب عظیم کی خدمت کی ہے۔برصغیر کے تراجم تفاسیر مختلف جنہیں اپنے اندر سموئے ہوتے ہیں۔ان میں سے تین کے رجحانات غالب ہیں۔جن کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

متصوفانہ رجحان

تفسیر اشاری یا فیضی رمزی (Symbolic) رجحان سے ملقب اس کے حاملین کے بعض اہل علم وبصیرت پر ہوتا ہے اور یہ ایسے مخفی اشارات اور مدلولات کو اپنے دامن میں لی ہوتی ہے۔جو صرف ان حضرات کے اذہان میں جلوہ گر ہوتی ہے،جنہیں اللہ تعالیٰ قران عظیم کے اسرار کا ادراک دیا ہوتا ہے۔بعض علماء اسے کمال معرفت عرفان کہتے ہیں۔یعنی ایسے مخفی اشارات،جس کے عارف صرف اہل تصوف وسلوک ہی ہوتے ہیں،کی بنیاد پر قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنا جو اس کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہو مگر ظاہری وباطنی مفہوم میں تطبیق یعنی موافقت ممکن ہو۔[1]

اگر اس قسم کے تاویلات میں خواہشات نفسیانہ کو دخل نہ ہو تو بعض شرائط کے تحت علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔

۱۔ یہ تاویل معنی ظاہری کے جو اسلوب قرآن کے مطابق ہیں معارض اضافی نہ ہوں۔

۲۔ یہ دعویٰ نہ کیا جائے کہ صرف یہی معنی صحیح ہیں ظاہری معنی کی حیثیت واعتبار نہیں۔

۳۔ تاویل ایسی سخت نہ ہو جس کے الفاظ قرآنی متحمل نہ ہوں۔

۴۔ شرعی یا عقلی تعارض نہ ہو۔[2]

لیکن اس رجحان کا ایک منفی پہلوی یہ ہے کہ چونکہ ارباب تصوف اس بات کے مریض رہے ہیں کہ ان کے نظریات ومعتقدات عوام میں مقبول ہوں۔اس لیے وہ مقدور بھر اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ قرآن سے ان کے انکار طریقت کا اثبات ہو جو بظاہر شریعت سے تفاوت رکھتے ہیں۔چنانچہ وہ قرآنی آیات کو بتکلف وہ معنی پہنانے کی سعی کرتے ہیں۔جو خلاف ظاہر اور عربی لغت کے منافی ہو۔

اس تفسیری رجحان کا مؤسس وبانی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کو گردانا جاتا ہے۔[3]

اس رجحان کے حامل برصغیر کی نمائندہ تفاسیر کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۔ تفسیر والمفسرون، ۳۳۶/۱ ۲۔ قرآن مجید کی تفسیریں، چودہ سو برس میں، ۵۲

۳۔ تاریخ تفسیر ومفسرون، ۵۲۹

۱۔ کاشف الحکائق وقاموس الدقائق ......از شیخ محمد بن احمد تھانسیری۔ (م۶۸۴ھ)

۲۔ تفسیر ملتقط ۔از سید محمد حسین گیسو دراز (م۸۲۸ھ)

۳۔ منبع عیون المعانی ومطلع شموس المعانی ......از شیخ مبارک بن خضر ناگوانی (م۱۰۰۱ھ)

مندرجہ بالا تفاسیر کے تعارف کے لیے دیکھئے اسی باب کی فصل اول مبحث دوم بعنوان: ''برصغیر میں تفسیر کا ارتقاء''

فقیہانہ رجحان:

وہ تفسیری رجحان جس میں قرآن مجید کی ان آیات کی ان تفسیر کی گئی ہے اور جو فقہی احکام ومسائل پر مشتمل ہو۔ جس میں اہمیت استنباط احکام کو دی گئی ہو۔تا کہ قرآن کا ضابطہ قانون پوری تفصیل کے ساتھ سامنے آجائے ۔اس کو تفسیر فقہی رجحان کہا جائے گا۔فقہی مذاہت کے باقاعدہ ظہور سے قبل فقہی تفسیر سادہ نوعیت کی تھی ۔اور اس میں شخصی رجحان کا عمل دخل نہیں تھا۔

ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ لکھتے ہیں۔

''فقہی تفسیر کے تاریخی مراحل کا جائزہ لینے سے واضح ہو جاتا ہے۔کہ نزول قرآن کی ابتداء سے لے کر فقہی مذاھب کے قیام تک یہ تفسیر ذاتی اغراض وخواہشات سے بعید رہی پھر اس کے بعد فقہی مذاھب کے زیر اثر اس میں تنوع پیدا ہو گیا۔ اور یہ مختلف انواع میں منقسم ہو گئی ۔چنانچہ اہلسنت کی متنوع تفسیر ابتداء تعصب سے پاک تھی بعد میں وہ بھی اس تعصب میں ملوث ہوتی چلی گئی ۔اسی طرح ظاہر کی فقہی تفسیر صرف اس بات پر قائم ہے کہ قرآن مجید کے صرف ظاہری مفہوم پر اکتفاء کیا جائے ۔اور کسی بھی صورت میں عدول نہ کیا جائے، خوارج شیعہ کی فقہی تفسیر خاص نوعیت کی ہے۔ان مذاہب وفرق میں سے ہر ایک اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ قرآنی آیات کی تاویل اس انداز میں کی جائے کہ وہ ان کے مخصوص نظریات کی مؤید نظر آئے یا کم از کم ان کے نظریات کے خلاف نہ ہوں ۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض لوگ آیات کی تاویل میں اس طرح کھینچا تانی سے کام لینے لگے جس سے قرآنی الفاظ اپنے معنی ومدلول سے دور نکل گئے۔''[1]

التفسیر الاحمدیہ فی بیان الایات الشرعیہ مع تعریفات المسائل الفقھیة از ملاجیون م۱۱۳۰ھ

تفسیر مظھری ......از قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام از نواب صدیق حسن خان م۱۸۹۰ھ

---

[1] التفسیر والمفسرون، ۱/۴۱۷

محدثانہ رجحان

تفسیر کے اس رجحان میں مسلمانوں کو شروع سے خصوصی شغف تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک ہی درحقیقت قرآن کی شارح ہے۔ کہ قرآن کا جو مفہوم آپؐ سے منقول ہے اس کو بیان کرنا یا دوسرے لفظوں میں قرآن کی تفسیر احادیث مبارکہ کے ذریعے کرنا عرف عام میں تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے اور اس کو محدثانہ تفسیری رجحان کہا جائے گا۔

محدثانہ رجحان میں عمومی طور پر کلامی مباحث سے احتراز کیا جاتا ہے، لیکن جہاں کہیں معتزلہ، اشاعرہ، جہمیہ وغیرہ کا رد کرنا مقصود ہو تو محدثین احادیث رسول اللہ یا براہ راست قرآنی آیات سے ان کا رد کرتے ہیں۔

مثلاً ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' میں نواب صاحب نے سورۃ القیامہ کی تفسیر میں

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ [1]

اس آیت کے معتزلہ وغیرہ کا رد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رویت کے منکر ہیں۔[2]

لیکن چونکہ یہ تفسیر محدثانہ رجحان کی ہے اس لیے علم الکلام کی تفصیلی مباحث سے نواب صاحب نے احتراز کیا ہے۔

اسی طرح محدثانہ رجحان کی تفسیر میں فقہی مسائل کو قرآن وحدیث سے واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آئمہ کا اختلاف تو نقل کیا جاتا ہے، لیکن امام کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق ہو۔

﴿فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ [3]

کی تفسیر میں نواب صاحب حلالہ کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے امام مالک کی رائے جو یہ ہے کہ عورت کے لیے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کے بعد خلوت کافی نہیں بلکہ صحبت لازمی ہے۔ مسند احمد کی اسی حدیث کو ترجیح دی جس میں آپؐ نے فرمایا ((الا ان العسیلة الجماع))[4]

ترجمان القرآن بلطائف البیان چونکہ محدثانہ رجحان کی نمائندہ تفسیر ہے اس میں نواب صاحب نے ہر کام کی اسی رائے کو قبول کیا ہے جو احادیث صحیحہ کے مطابق ہوں اور ان تمام آراء کو رد کر دیا جو احادیث رسول اللہ کے خلاف تھیں۔

انہیں رجحانات کے مطابق درج ذیل چند ایک نمائندہ تفاسیر یہ ہیں۔

۱۔ فتح البیان۔ از نواب صدیق حسن خانؒ

۲۔ ترجمان القرآن۔ از نواب صدیق حسن خانؒ

۳۔ مواہب الرحمان۔ از سید امیر علی ملیح آبادی

---

[1] القیامة ۸۵: ۲۲۔۲۳ [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۶/۱۶

[3] البقرہ ۲: ۲۳۰ [4] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶۹/۱

فصل دوم

ترجمان القرآن بلطائف البیان کا عمومی تعارف و جائزہ

سبب تالیف:

تخلیق آدم کے بعد، خالق کائنات نے، حضرت آدمؑ کو خلافت ارضی کی گراں بار ذمہ داری سونپ دی۔ خود باری تعالیٰ نے اپنی منشا و رضا اور ہدایت کے لیے ابتدائے آفرینش سے لے کر تا قیامت ایسے پاکیزہ صفت انسانوں کی جماعت کا انتخاب کیا جو کہ اس بار گراں کے تحمل کے لیے خوب اہلیت کے مالک تھے قرآن کریم چونکہ براہ راست کلام الٰہی ہے اس لیے اس کی تفہیم و توضیح کا انتظام و انصرام بھی ذات باری، کی طرف سے اہتمامی بنیادوں پر کیا گیا۔ چنانچہ صحف ابراہیم و موسیٰ سے قرآن تک وحی متلو کی معیت میں وحی غیر متلو (یعنی اس کی تشریح و تفسیر) انبیاء کی زبان عمل اور ان کی اخلاقی صفات و ھیئت کے طریق سے جاری رہی۔

سنت و عادت الٰہی کے تحت قرآن کریم کی اولین اور بنیادی تفسیر فرامین الٰہیہ جو کہ ایک دوسرے کے اجمال کو کھولتے ہیں یا ان کی تبیین یا تخصیص کرتے ہیں جبکہ تشریح الٰہی کے بعد شارح علیہ السلام کی ذمہ داری ہے کہ قرآن کی عملی تفسیر پیش کرتے تا کہ قرآن کریم کے تمام مجمل و مشکل مقامات سے صحابہ کرامؓ بھی آشنا ہو جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ....﴾[1]

چنانچہ تعلیم کتاب و حکمت سے تبیین کلام و مراد باری تعالیٰ سے واقفیت مراد ہے۔ چنانچہ وہ تفہیم و تشریح مختلف طریقوں اور زاویوں سے کی جاتی رہی جن میں قولی، فعلی، عملی، اخلاقی اور جامعیت کے اوصاف و خصائص حمیدہ شامل ہیں۔ قرآن کے تفسیری علوم و فنون کی جامع صف اول کے طلبہ۔ حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت راشدہ تھی جنھوں نے کمال دیانت و استقامت سے اس امانت دیانت سے امت محمدیہ کی راہنمائی کے لیے محفوظ کیا۔

دور نبویؐ میں بڑے بڑے ایسے ممتاز اور مایہ ناز مفسرین کی جماعت تیار ہو چکی تھی جو کہ مابعد کے تمام مفسرین، کے لیئے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا اس میدان کے شاہکار اور تفسیری جولان گاہ میں صداقت و لطافت کے ساتھ آگے بڑھنے والے جتنے بھی مفسرین ہیں وہ، دور نبویؐ کے اساطین مفسرین کے اصول و قواعد اور اُسلوب تفسیر سے کنارہ کش نہیں رہ سکتے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی علمی اور عملی خدمات کے شاہدین، تابعین ہیں پھر ایسے اجل فقہاء، تفسیری منظر نامے پر اجاگر ہوئے، کہ دوسری صدی سے لے کر دور حاضر تک جتنے بھی مفسرین محققین نے اس داعی علم میں قدم رکھا وہ انھی تابعین کی

---

[1] آل عمران ۳:۱۶۴

تفسیری بنیادیں اور مناہج ہیں۔

چنانچہ جدید مفسرین بھی، حضرت مجاہدؒ، حضرت عطا بن ابی رباحؒ، حضرت قتادہؒ، حسن بصریؒ، ابو العالیہؒ، حمادؒ، مزاحمؒ، عکرمہؒ مولی ابن عباسؓ، مسروقؒ بن الاجداع وغیرہ ایسے نامور تابعین ہیں کہ بعد میں آنے والے تمام مفسرین نے انہی کے تحقیقی نقوش کی پیروی کی ہے۔

اس کے بعد فقہاء و اصولیین کا گروہ ہے، جو مفسرین اور انکے کارناموں کے درمیان اخذ و استدلال کے اعتبار سے خط کھینچتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کو تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کی اصطلاحات سے واسطہ پڑتا ہے جس سے دو الگ الگ گروہ اور مکاتیب فکر بن جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض اسرائیلیات کا سہارا لیتے ہیں تو بعض سختی سے ان کا انکار کردیتے ہیں۔

چنانچہ تبع تابعین میں سے یزید بن ہارون السمی (م ۱۱۷ھ) شعبہ بن حجاج (م ۱۱۸ھ) وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ) سفیان بن عیینہ، (م ۱۹۱، لوح بن عبادہ بصری (م ۲۰۵ھ)، عبدالرزاق بن ہمام (م ۲۱۱ھ) آدم بن ابی ایاس (م ۲۲۰ھ) اور عبد بن حمید (م ۲۴۹ھ) وغیرہ۔

مذکورہ بالا آئمہ تفسیر، تبع تابعین میں سرفہرست اور بلند مقام پر فائز ہیں، پھر تفسیر کو ایک مستقل فن کا نام دیا گیا اور یہ حدیث نبوی سے الگ ہو کر ایک مستقل فن کی حیثیت سے اُجاگر ہوا۔

چنانچہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی رقمطراز ہیں:

> "تفسیر نویسی تیسرے مرحلے پر پہنچ کر حدیث نبوی سے الگ ہوئی اور اس نے ایک مستقل علم کا روپ اختیار کرلیا۔ اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر آیت کی تفسیر مرتب ہونے لگی۔ یہ کام علماء کرام کی ایک خاص جماعت کے ہاتھوں مکمل ہوا۔ جیسے ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ) ابن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) ابو بکر بن منذر نیشاپوری (م ۳۱۸ھ) امام حاکم (م ۴۰۵ھ) اور ابو بکر بن مردویہ (م ۴۱۰ھ) وغیرہ۔"[1]

مذکورہ بالا علمائے مفسرین کے کام کو تفسیر بالماثور گردانا جاتا ہے۔ اور یہاں سے ہی تفسیری اسالیب و مناہج، یا تفسیری رجحانات اپنے ترقی پذیر مراحل طے کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ صورت میں داخل ہوتے ہی، اسی صدی میں باقاعدہ طور پر فنی نوعیت سے ان پر کام ہوا۔ اور آگے چل کر پھر یہی رجحانات، تفسیر کے باب میں وسعت کا باعث بنے چنانچہ نتیجۃً کئی اسالیب منصہ شہود پر آئے۔

چنانچہ شاہ صاحب نے الفوز الکبیر میں سات اور علامہ محمد حسین الذہبیؒ نے التفسیر والمفسرون میں تفصیلاً بیان کیا ہے علامہ رشید رضا مصری نے بھی تفسیر المنار، کے مقدمہ میں ان اسالیب کو تفسیر کی آٹھ صورتوں میں پیش کیا ہے۔

---

[1] التفسیر والمفسرون، ۱/۱۴۲

علاوہ ازیں تخلیق انسانی کا مقصد اللہ تعالیٰ نے خود، اپنی مبارک کلام میں یہ بیان فرمایا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [۱]

یعنی جن و انس کو میں نے صرف اور صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

لہذا اپنے معبود حقیقی کو پہچانے، اس کی صفات اور اوامر و نواہی کا علم حاصل کیے بغیر بندگی و معبودیت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ظاہر ہے جب انسان کو پتہ ہی نہ ہو کہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اس کے مالک حقیقی کی رضا پر عملدر آمد کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔

بلاشبہ انسان جب دنیا کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو وہ لاعلمی کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔ پھر معرفت الٰہی کو وہ علم کے ذریعے سے، اسی طرح دیگر اشیاء کے علوم سے آہستہ آہستہ ان علوم پر عبور حاصل کرتا چلا جاتا ہے پھر جتنی وضاحت خود مالک حقیقی نے اپنے بارے میں کی ہے، کسی اور کے بس کی بات نہیں کہ وہ اتنی وضاحت کرسکے۔ مزید برآں اگر خالق اور مخلوق کی زبان اگر ایک نہ ہو تو تب بھی انسانوں کو اپنے خالق حقیقی، رب السموت والارض کی ہدایات اوامر و نواہی سے واقفیت میں نہ صرف مشکل پیش آئے گی بلکہ، عین ممکن ہے خالق ایک چیز سے روک رہا ہے اور مخلوق وہ کام اس کی رضا سمجھ کر اس عملی جامہ پہنا رہی ہو۔

اب چونکہ قرآن مجید نہایت، فصیح اور بلاغت کا عدیم المثال شاہکار ہے۔ لہذا یہ تو بذات خود اہل زبان کے لیے ایک چیلنج تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس فہم کو عالم کائنات کے ہر ہر فرد کے لیے آسان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [۲]

''اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے حصول کے لیے آسان بنا دیا ہے کیا ہے کوئی نصیحت کا طلب گار۔''

اس کے باوجود اصحاب رسول پر بسا اوقات قرآن کی تفہیم مشکل ہوجاتی تھی جیسا کہ

﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ [۳]

کی تفسیر و مفہوم میں صحابہ کو یہ غلطی ہوئی کہ اس سے مراد سفید اور کالا دھاگہ ہے بعد میں حضورؐ نے صبح کاذب اور صبح صادق کی تفسیر بیان کر کے اس آیت کی تفہیم و توضیح فرمائی۔

الغرض مفسرین کرام کے اسی سلسلے کی کڑی نواب صدیق حسن خانؒ ہیں، جنھوں نے، قرآنی مشکلات اور مجملات کی تشریح و توضیح کے لیے ترجمان القرآن بلطائف البیان جیسی عظیم تفسیر لکھی، جس میں، نبی کریمؐ کے فرامین اور آثار صحابہ سے بھرپور استفادہ کیا۔

مزید برآں جس طرح ہر کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی محرک اور سبب ہوتا ہے، جو کہ اس کام کے کرنے پر اکساتا ہے،

---

۱ الذاریات ۵۱:۵۶ ۲ القمر ۵۴:۲۲

۳ البقرہ ۲:۱۸۸

بالکل اسی طرح ترجمان القرآن بلطائف البیان کا بھی ایک سبب ہے، جس کا تذکرہ نواب صاحب نے اس طرح کیا ہے:

''سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے 'فتح الرحمٰن' کے نام سے اس کا فارسی ترجمہ لکھا، پھر ان کے بعد ان کے فرزند بزرگوار شاہ عبدالقادر دہلویؒ اردو زبان میں موضح القرآن کے نام سے ایک ترجمہ لکھ گئے اس ترجمے سے بندوں کو بہت فائدہ حاصل ہوا جیسا کہ ترجمہ فارسی سے علماء نے کثیر فوائد حاصل کیے اور تفاسیر کی تعداد ویسے تو شمار سے زائد ہے تیرہ سو تفاسیر کا تذکرہ کتاب میں ملتا ہے۔ پھر وہ تفسیریں عربی میں زیادہ ہیں اور دو چار فارسی میں ہیں۔ ایک دو اردو میں، اس لیے ایک مدت سے اہل دین کی جماعت مجھ سے اصرار کر رہی تھی کہ میں اردو زبان میں ایک ایسی تفسیر لکھ دوں جو نہ بہت لمبی ہو نہ بہت مختصر بلکہ درمیانہ درجے کی ہو...... جو کلام پاک کے معانی کی وضاحت کر دے اور کم علم دلوں کو صراط ہدایت پر چلائے لیکن میرے پاس فرصت نہ تھی کہ اس کام کا ارادہ کرتا، لیکن جب احباب کا تقاضا بڑھتا گیا تو بہر حال رمضان ۱۳۰۳ھ بروز دوشنبہ کو میں نے تفسیر لکھنے کا آغاز کر دیا۔ ......اس سے قبل موضح قرآن کو اس کے مؤلفؒ نے ۱۲۰۵ھ میں لکھا جس کو تین برس کم سو سال ہونے کو ہیں۔ وہ فقط ترجمہ تھا یہ تفسیر ہے۔''[1]

نواب صاحب اس تفسیر کے زمانہ تالیف کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کو رمضان المبارک میں اس لیے لکھنا شروع کیا کہ سب سے پہلے آسمان دنیا سے نزول قرآن اسی بابرکت مہینے میں ہوا جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا۔ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ اس تفسیر میں آیات کا ترجمہ مع فوائد موضح القرآن کی عبارت کو روز مرہ حالات کے موافق تبدیل کر لیا ہے اصل کے بالکل موافق نہیں رکھا اس لیے کہ تین کم سو سال میں کئی محاورے اردو زبان میں تبدیل ہو چکے ہیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ عوام الناس قرآن کے مفہوم و مطالب اپنی زبان میں سمجھ لیں۔''[2]

اسی بنا پر نواب صاحب نے بہت زیادہ دقیق اور انتہائی علمی عبارت مثلاً صرف ونحو اور قراءت کے طریق اور علم المعانی کی طویل ابحاث کو اپنی تفسیر میں جگہ نہیں دی تا کہ عامۃ الناس پر مبہم میں دشواری نہ ہو۔ اور دشواری کی بنا پر وہ اس تفسیر کی قراءت سے راہ فرار تلاش نہ کریں بلکہ انہوں نے نہایت آسان اور سادہ اسلوب اختیار کیا ہے تا کہ اس تفسیر کو عوام میں

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۵/۱ [2] ایضاً، ۶/۱

قبولیت حاصل ہو۔

مثلاً انہوں نے اپنی تفسیر میں آیات کی وہ تفسیر نقل کی ہے جو حدیث نبوی، صحابہ کرامؓ تابعین عظام وتبع تابعین اور عربی لغت سے بیان کی گئی ہے، کیونکہ جس طرح ان آیات کے مطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرون ثلاثہ مشہود عنہا بالخیر سمجھتے تھے، کسی اور کے بس کی بات نہیں کہ وہ ان سے بہتر مطالب بیان کرے علاوہ ازیں اپنی رائے کو یا غیر کی رائے کو یا علوم عقلیہ کو اپنی مرضی سے اس میں اس طرح ملانا کہ ترجمہ وتفسیر میں کوئی فرق نہ رہے۔ بہت بڑا گناہ ہے لہذا اس کی وہی تفسیر معتبر ہے جو منقول عن السلف ہو۔

مزید یہ کہ صاحب کتاب نے افراد امت کو اس بات پر زور دے کر ابھارا کہ وہ اپنی اولاد کو جونہی وہ زبان کی سوجھ بوجھ رکھنا شروع کر دیں تو موضح قرآن کی تعلیم دیں تا کہ کتاب اللہ کے لفظی معانی ان کے قلوب و اذہان میں منقش ہو جائیں۔ تعلیم القرآن کی تکمیل کے بعد وہ احادیث کی چھ مستند کتابوں کی تعلیم سبقاً پڑھیں جن کا اردو زبان میں بھی ترجمہ آچکا ہے تا کہ فقط احکام دین کی معرفت عام آدمی کی دانش کے لیے کافی ہو۔ البتہ جس کو اللہ تعالیٰ ہمت وتوفیق عطا فرمائے وہ علوم درسیہ پڑھ کر عالم بننے کے بعد عربی لغت میں صحاح وسنن کو پڑھے اور علماء کا درجہ حاصل کر سکے۔ علماء کی تعریف میں انہوں نے قرآنی آیت کا تذکرہ وترجمہ پیش کیا ہے۔

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [۱]

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [۲]

بعد ازاں انہوں نے حصول الٰہی کی معرفت کے باب میں تین چیزیں بیان کی جن میں

(۱) کلام اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) علم الفرائض، اور ان کے ماسوا جو بھی ہے اس کو کم فائدہ قرار دیا ہے۔

یعنی دین ودنیا کی فلاح وکامیابی کے لیے قرآن وحدیث اور فرائض کے علم پر ہی اکتفاء کر لیا جائے تو کافی ہے مگر جس شخص نے قرآن مع ترجمہ وتفسیر پڑھ کر حدیث رسول سے آگاہی ومعرفت تامہ حاصل کی وہ اس آیت کا مصداق بن گیا۔

﴿وَ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [۳]

ہم نے اس کو دنیا میں اچھائی دی اور وہ آخرت میں نیکو کاروں میں سے ہے۔

اسلام، کا سارا دارو مدار اخلاص اور صواب پر ہے۔ نواب صاحب نے اپنے دور کی اردو زبان کے اعتبار سے تفسیر ہذا کو سہل ترین اُسلوب اور شستہ زبان میں تصنیف فرمایا اور اس کا تاریخی نام ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' رکھا۔

جس طرح شاہ عبدالقادر دہلوی کی موضح القرآن' نامی تفسیر کی زبان کو (جو کہ ایک صدی قبل کا تحریری سرمایہ ہے) نہایت آسان وسہل بنانے کی ضرورت محسوس کی بالکل اسی طرح مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ، لہجات ونطق الشنہ میں تغیر وتبدل رونما ہونے کی وجہ سے ان کی اپنی تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان بھی اس بات کی شدید محتاج ہے کہ اس کی زبان کو دور

---

۱ الزمر ۹:۳۹ ۲ فاطر ۲۸:۳۵

۳ النحل ۱۲۲:۱۶

حاضر کی رائج شدہ آسان اردو زبان کے قالب میں ڈھالا جائے تا کہ جس مقصد کے لیے وہ تفسیر تالیف ہوئی وہ پورا ہو، کہ عوام میں قبولیت ملے۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب اس کی اپنی زبان سہل ترین اور جدید اسلوب میں شائع کی جائے۔

ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تعارف

عمومی تعارف:

نواب صاحب کی یہ تفسیر مکمل قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ ابتداء قرآن (سورہ فاتحہ) سے لے کر (سورۃ الکہف) اور آخری دو پارے، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ باقی آٹھ جلدیں یعنی تکملہ، ان کے شاگرد خاص جناب ذوالفقار احمد نقوی بھوپالوی نے ان کی وفات کے بعد لکھنا شروع کیا، اس تفسیر کی تالیف کا آغاز ۱۳۰۲ھ میں ہوا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک طرف لگائے گئے بے بنیاد الزامات کی وجہ سے "انتزاع خطابات و اختیارات" ہو چکا تھا دوسری طرف حیات مستعار بھی پوری ہونے کے قریب تھی، لیکن اس کے باوجود آپ نے عوام الناس کے پر زور اصرار پر تفسیر کا آغاز کیا۔ چنانچہ "ترجمان القرآن بلطائف البیان" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> "رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ بروز دوشنبہ (سوموار) کو میں نے تفسیر لکھنے کا آغاز کر دیا ہے۔ رمضان المبارک میں لکھنا اس لیے شروع کیا کہ سب سے پہلے آسمان دنیا سے نزول قرآن اسی بابرکت مہینے میں ہوا۔"[۱]

چھٹی جلد ۲ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۳۰۶ھ کو تحریر فرمائی۔ اس طرح نواب صاحب کی تحریر کردہ سات جلدیں عرصہ چار سال میں مکمل ہوئیں جلد کے آخر میں لکھتے ہیں:

> "اس ترجمے کی لکھنے کا عجیب حال رہتا ہے ایک زمانے تک تحریر اس کی بند ہو جاتی ہے پھر قدرے تحیص کے کبھی عجالۃً اور کبھی تدریجاً لکھنا اس کا شروع کیا جاتا ہے اور لحاظ ترتیب کا بھی بخوبی نہیں رہتا۔ دو پارہ کی تفسیر (یعنی آخری دو پارے) قبل اس کے لکھی جا چکی ہے اور ہر جلد کے آخر میں تاریخ مسودہ ضبط ہوتی ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ تقدیم تاخیر تاریخ کی نفس الامر میں غلطی ہے۔ بلکہ صحیح ہے۔"[۲]

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں تذکرہ ہوا کہ نواب صاحب نے تفسیر کی سات جلدیں لکھیں، جو کہ سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الکہف اور آخری دو پاروں کی تفسیر پر مشتمل ہے، جبکہ باقی ۸ جلدیں آپ کے شاگرد اور رفیق خاص جناب ذوالفقار علی نقوی بھوپالی نے لکھیں۔ اور اس طرح سے یہ تفسیر یں مکمل ہوئی، ذوالفقار علی نے ۲ صفر ۱۳۰۸ھ کو اسکا آغاز کیا جیسا کہ وہ خود راقمطراز ہیں:

> ۲ صفر روز چارشنبہ یازدہ ساعت شب پنجشنبہ ۱۳۰۸ھ سے تفسیر کا لکھنا شروع کیا،

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳/۱ ۲۔ ایضاً، ۳۸/۱۶

اللہ پاک کے بے حساب احسانات ہیں کہ اس نے محض اپنی حول قوت سے آٹھ
جلدیں لکھوادیں۔"[۱]

اسی طرح جناب ذوالفقار علی نقوی نواب صاحب کی کمزوری صحت اور اپنے نکماء کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

"نواب صاحب فرماتے تھے کہ اب میں ضعیف ہو گیا ہوں تفسیر کا لکھنا مجھ پر شاق گزرتا ہے ذرا ذرا سے رسالے لکھنے میں جی لگتا ہے اس لیے کہ وہ جلد تمام ہو جاتے ہیں۔۱۵ ذی قعد ۱۳۱۴ھ کو یہ تکملہ آٹھ جلدوں میں تمام کر دیا (تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ علوم القرآن میں نواب صاحب کی خدمات) اس وقت تفسیر کا تعارف پیش کیا جاتا ہے کہ ہر ایڈیشن کی جلدوں میں سے ہر ایک میں، قرآن کریم کے کس حصہ کی تفسیر پیش کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ اس تفسیر کا پہلا ایڈیشن پندرہ (۱۵) جلدوں میں مطبع مفید عام الکائن آگرہ ہندوستان ۱۳۰۲ھ تا ۱۳۱۴ھ میں شائع ہوا اور جلد کے حساب سے درج کیا جاتا ہے۔

پہلی جلد	سورۃ الفاتحہ	تا	سورۃ البقرہ
دوسری جلد	سورۃ آل عمران	تا	سورۃ النسآء
تیسری جلد	سورۃ المائدہ	تا	سورۃ الانعام
چوتھی چہارم	سورۃ الاعراف	تا	سورۃ التوبۃ
پانچویں جلد	سورۃ یونس	تا	سورۃ یوسف
چھٹی جلد	سورۃ الحجر	تا	سورۃ الکہف
ساتویں جلد	سورۃ مریم	تا	سورۃ انبیاء
آٹھویں جلد	سورۃ الحج	تا	سورۃ المؤمن
نویں جلد	سورۃ نور	تا	سورۃ الشعراء
دسویں جلد	سورۃ	تا	سورۃ روم
گیارہویں جلد	سورۃ لقمان	تا	سورۃ فاطر
بارہویں جلد	سورۃ یٰسٓ	تا	سورۃ غافر
تیرہویں جلد	سورہ حم السجدہ	تا	سورۃ الحجرات
چودہویں جلد	سورۃ ق	تا	سورہ تحریم
پندرہویں جلد	سورۃ الملک	تا	سورۃ الناس

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۰/۴

سولہ جلدوں پر مشتمل طبع کا تذکرہ مختلف رسالوں میں موجود ہے۔ راقم کے پاس جو نسخہ موجود ہے وہ سولہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد پر ۱۳۰۶ھ رقم ہے۔ جبکہ آخری جلد ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوئی۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلی جلد	سورۃ الفاتحہ	تا	سورۃ البقرہ
دوسری جلد	سورۂ آل عمران	تا	سورۃ النسآء
تیسری جلد	سورۃ المائدہ	تا	سورۃ الانعام
چوتھی جلد	سورۃ الاعراف	تا	سورۃ التوبۃ
پانچویں جلد	سورۂ یونس	تا	سورۂ یوسف
چھٹی جلد	سورۂ رعد	تا	الحجر
ساتویں جلد	سورۂ نحل	تا	سورہ طٰہٰ
آٹھویں جلد	سورۂ انبیاء	تا	سورۃ الحج
نویں جلد	سورۃ المؤمنون	تا	سورۃ الفرقان
دسویں جلد	سورۃ الشعرآء	تا	سورۃ العنکبوت
گیارہویں جلد	سورہ روم	تا	سورۃ الاحزاب
بارہویں جلد	سورۂ سبا	تا	سورہ صٓ
تیرہویں جلد	سورہ الزمر	تا	سورہ شوریٰ
چودہویں جلد	سورۃ الزخرف	تا	سورہ طور
پندرہویں جلد	سورۃ النجم	تا	سورہ تحریم
سولہویں جلد	سورۃ الملک	تا	سورۃ الناس

ابتدائی چھ جلدوں کے بعد ساتویں اور آٹھویں جلدیں ان کی وفات کے بعد مولانا محمد بن ہاشم کھڈیاں والا نے لکھیں۔ ساتویں جلد بقیہ سورۃ المریم کے آخر میں وہ اس کا یوں اظہار کرتے ہیں:

> ''خاکسار محمد بن ہاشم رہنے والا قصبہ کھڈیاں ضلع لاہور کا کہ اس عاجز پر اللہ پاک کا بڑا انعام ہوا کہ ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کے پورا کرنے کا خیال دل میں سمایا مگر چند در چند اس کا پورا کرنا میسر آیا۔ پھر بھی اس اثنا میں تفسیر سورۂ مریم کی اللہ پاک نے لکھوائی اب بتوفیق الٰہی اس اضعف العباد کو اس امر اہم اور تکمیل تسہیل القاری شرح صحیح بخاری کی مشغولی نصیب ہوئی اللہ پاک اپنی عزیز کتاب

کی تفسیر اور جناب شاہ رسالت علیہ التحیۃ والتسلیم کی کتاب کی شرح کی تکمیل اپنی توفیق اور عنایت سے اختتام کو پہنچا دے۔ تکمیلها لیس علیه بعزیز لانه قدیر وبالاجابة جید اب ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ جل جلالہ کے آگے میری دارین کی عافیت کے واسطے عاجزی کرے اور ہاتھ اٹھائے کہ مجھ ضعیف نحیف کو دنیا میں ہر طرح کی عافیت دیوے اور آخرت میں محض اپنے فضل سے بخش دے۔ عاجز نے تفسیر کو اسی ڈھنگ پر شروع کیا ہے جیسے نواب صاحبؒ مرحوم نے لکھی بلکہ اتنا کام اور بھی کیا ہے کہ جو آیات معرض استدلال میں بیان کی گئی ہیں ان کا ترجمہ بھی متن بھی درج کر دیا بخلاف نواب صاحبؒ مرحوم کے کہ انہوں نے ان کا ترجمہ حاشیے پر لکھوایا اور وہ احادیث جو آیات کی تفسیر میں بیان کی گئی ہیں ان کا ترجمہ بھی متن بھی لکھ دیا بخلاف نواب مرحوم کے کہ انہوں نے احادیث کا ترجمہ لکھا بھی نہیں۔"[1]

علماء نے اپنے سلف کے تفسیری کام کو عوام الناس تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہے اسی سلسلہ میں وقت کی ضرورت سمجھتے ہوئے نواب صاحب کی تفسیر کی تسہیل کا کام شروع کیا گیا۔ ۱۹۹۲-۱۹۹۳ء میں انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے شعبہ علوم اسلامیہ کے پروفیسر اسرائیل فاروقی، حافظ محمد ایوب اور پروفیسر عبدالحفیظ چودھری نے تحقیقی وعلمی (سہ ماہی) رسالہ 'محدث' ماڈل ٹاؤن لاہور میں تسہیل کا سلسلہ شروع کیا، لیکن یہ اصحاب نصف سورۃ البقرہ تک کام کر سکے، بعد ازاں بعد مکتبہ اصحاب الحدیث "مچھلی منڈی" کے سربراہ عبداللطیف ربانی کے حسن اہتمام سے ایک جلد شائع ہوئی جو کہ سورۃ البقرہ اور کچھ حصہ آل عمران یعنی تین پاروں پر مشتمل ہے، لیکن یہ کام بھی نامکمل رہا۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروق رئیس ادارہ احیاء التراث اہل السنۃ الہ آباد وزیر آباد، ضلع گوجرانوالہ، جو کہ حافظ عبدالمنان محدث پنجاب کے اخلاف میں سے ہیں نے تسہیل کروانے، ارادہ کیا اس ارادہ کی تکمیل ان کے قریبی دوست محمد یحییٰ قریشی ولد محمد امین قریشی کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ یحییٰ قریشی جو کہ ایک سرکاری ادارہ میں ملازم تھے انہوں نے پوری تفسیر کو اپنے ہاتھ سے لکھا قدرے تسہیل بھی کی۔ راقم، قریشی کے اس کام کے اعتراف میں دوبار ملاقات کر چکا ہے۔

قریشی صاحب فرماتے ہیں:

"تفسیر کا لکھنے کا کام اپنے دوست ڈاکٹر یوسف، حکیم عتیق الرحمٰن کے کہنے پر ۲۰۰۵ء تا ۲۰۰۷ء میں مکمل کیا صفحات کی تعداد تقریباً ۵۸۰۰ بنتی ہے مزید فرماتے

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۱۲/۷

ہیں کہ میرے پاس مکمل ایک مطبع کی جلدیں نہ تھیں کچھ مطبع صدیقی لاہور اور کچھ مطبع مفید عام الکائن آگرہ کی تھیں۔ اس کام کو منظر عام پر لانے کا ذمہ مکتبہ قدوسیہ لاہور نے لیا ہے اور کمپوزنگ کے مراحل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مکتبہ کے مالکان کو توفیق دے کہ وہ اس تفسیر کو منظر عام پر لا سکیں اور اہل علم کو اس سے نفع ہو اور نواب صاحب کی روح کو آرام ملے۔"

نواب صاحب کے پیش نظر تفاسیر

نواب صاحب نے سابقہ مفسرین اور ان کی کتب تفسیر سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ ان میں سے اہم مصدر و ماخذ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ و حواشی ملقب 'موضح قرآن' اور باقی مطالب ،حافظ ابن کثیر کی 'تفسیر القرآن العظیم' امام شوکانیؒ کی فتح القدیر، اپنی عربی تفسیر، فتح البیان فی مقاصد القرآن ،سے لے کر لکھتے ہیں۔ [۱]

ان میں 'تفسیر ابن جریر' 'تفسیر ابن حاتم' 'تفسیر کبیر' 'تفسیر کشاف' قابل ذکر ہیں مگر وہ صرف ان کے تفسیری اقوال ذکر کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان پر جا بجا نقد بھی کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایک رائے کو راجح اور باقی کو رد کر دیتے ہیں کبھی سب کے درمیان تطبیق دیتے ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر میں انہوں نے سب سے زیادہ استفادہ 'ابن کثیر، ابن جریر، فتح القدیر، اور فتح البیان فی مقاصد القرآن سے کیا ہے مگر اس کے باوجود 'تفسیر ابن جریر' میں موضوع اور اسرائیلی روایات درج کرنے پر ابن جریر کا نہ صرف زبردست تعاقب اور ان پر نقد کیا ہے بلکہ ان کے بعض تفسیری اقوال کو بھی رد کیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [۲]

جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہر خیر سے نا امید کر دیا اور شیطان رجیم کو بنا دیا۔

یہ اس کی معصیت کا انجام ہوا۔ پھر حضرت آدمؑ کو سب چیزوں کے نام بتا دیے پھر سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور آدمؑ سے ان چیزوں کے نام گنوائے۔ سب نے خود پر اللہ تعالیٰ کا غصہ محسوس کیا تو علم غیب سے برأت ظاہر کر دی۔ نواب صاحب ابن کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ 'اس اثر کا سیاق غریب ہے اس میں کئی ایک مقامات محل نظر ہیں۔'' [۳]

مزید برآں نواب صاحب نے علامہ زمخشری کی تفسیر الکشاف سے بھی خوب استفادہ کیا ہے مگر عموماً جہاں علامہ زمخشری نے اپنے اعتزال کے ثبوت کے لیے آیات کریمہ کا جھوٹا سہارا لینے کی کوشش کی ہے وہاں انہوں نے ان کی

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان ،۵/۱ ۲ البقرہ۲: ۳۴

۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان ،۱۰۲/۱

زبردست گرفت کی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت ﴿خَتَمَ اللهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے علامہ زمخشری کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ”بعض اہل علم نے کہا کہ اس آیت میں اس چیز کی خبر دی گئی ہے کہ وہ حق بات سننے سے تکبر واعراض کرتے تھے ابن جریرؒ نے کہا یہ قول ٹھیک نہ ہے۔ اس لیے اللہ کریم نے تو یہ فرمایا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ امام زمخشری نے پانچ طرح ابن جریر کا رد کیا ہے مگر وہ سب وجوہ ضعیف ہیں۔ اعتزال نے اسے یہ جرات دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مہر لگانا اس کے عقیدہ میں ایک برا امر ہے۔ اگر وہ اس آیت میں غور کرتا کہ ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (الصف۶۱:۵) کہ جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اس آیت میں غور کرتا ﴿وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ﴾ (الانعام۶:۱۱۰) اور ہم نے ان کے دل اور آنکھیں اُلٹ دیں۔ تو مذکورہ رد نہ کرتا اور یہ بات جان لیتا کہ اللہ کریم ان کے دلوں پر مہر لگا کر ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہو گیا ہے اور انہیں حق سے اندھا کر دیا ہے اور یہ حق ٹھکرانے کی پوری جزاء ہے“[1]

کتب تفاسیر سے اخذ واستفادہ کے سلسلہ میں مزید تفصیلات باب سوم کے آغاز میں پیش کی جائیں گی۔

نواب صاحب نے تفسیر کے شروع میں تقریباً اٹھائیس صفحات پر مشتمل ایک اہم مقدمہ ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے قرآن کریمہ اور اس کی تفسیر سے متعلق انتہائی علمی مباحث پر روشنی ڈالی ہے۔

حمد وثنا کے بعد تلقین کرتے ہیں کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے معبود حقیقی کو پہچانے اس کی صفات کو جانے، اس کے حکم معلوم کرے، اس کی پسند اور ناپسند کو سمجھے، کیونکہ اس کے بغیر اس کی بندگی کرنا ممکن نہیں اور جو بندگی بجا نہ لائے وہ بندہ الہٰ نہیں اللہ تعالیٰ کی پہچان بتانے سے آتی ہے۔ آدمی محض نادان پیدا ہوتا ہے جوکہ ہر چیز سکھائے جانے سے سیکھتا ہے۔ بتائے جانے سے جانتا ہے سو بتانے والے کتنی بھی تقریریں کریں، لیکن پھر بھی انسان وہ بات اس طرح نہیں جان سکتا جس طرح خود اللہ پاک نے بتائی ہے۔ وہ ہدایت جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے دوسرے کے کلام میں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی۔

بعد ازاں بعد شاہ ولی اللہ ور ان کے بیٹے شاہ عبدالقادر کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے اہل ہند کے لیے فارسی اور اردو میں قرآن کریم کے تراجم کیے جس سے خاص طور پر اہل علم اور عمومی طور پر عوام کو بہت نفع ہوا پھر اپنی تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان کا سبب تالیف اور تفسیر کے ماخذ بیان کرتے ہیں۔

آخر پر اپنی تفسیر کے تاریخی نام کا تذکرہ کرتے ہیں مقدمہ کے آغاز میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۵۶/۱

اور آئمہ کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اور قرآن پاک ہی تمام علوم کا عطر اور نچوڑ ہے۔ حضرت عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں "اگر اونٹ پاؤں کی باندھنے والی رسی بھی گم ہو جائے تو میں اسے کتاب اللہ میں پالوں گا۔

صحابہ و تابعین کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"پھر ہمتیں گھٹ گئیں، عزیمتیں سست پڑ گئیں امنگیں جاتی رہیں اور اہل علم کم ہو گئے ان علوم کا جو بوجھ صحابہ و تابعین نے اٹھایا تھا وہ ان سے نہ اٹھ سکا، چنانچہ انہوں نے علم کو کئی قسموں میں تقسیم کر دیا اور ہر گروہ کسی ایک خاص فن کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ کسی نے ضبط لغات، تحریر کلمات، معرفت مخارج، حروف، تعداد کلمات کی شناخت اسی طرح آیات، سور و اجزاء، انصاف و ارباع، عدد و سجدات کے شمار کرنے اور تعلیم اعشار آیات، جو کلمات متشابہ اور آیات متماثلہ کی طرف توجہ کی انہوں نے معانی سے کچھ سرکار نہ رکھا نہ مطالب کی تدبیر سے کچھ واسطہ ان کو 'قرآء' کہا جاتا ہے۔"[۱]

اسی طرح کے چودہ گروہوں کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں یہ ان علوم و فنون کا بیان ہے جن کو ملت اسلامیہ نے قرآن سے اخذ کیا ہے ان فنون کے علاوہ وہ علوم بھی ہیں جن پر فرقان عظیم مشتمل ہے۔ جیسے علم طب، ہیت، ہندسہ، جدل، جبر و مقابلہ نجامت وغیرہ۔ طب کا دارو مدار نظام صحت کی حفاظت اور استحکام قوت وغیرہ پر ہے یہ امور اعتدال مزاج سے متضاد کیفیتوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ سو اللہ کی کتاب کی ایک آیت ان سب کو جامع ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾[۲]

پینے کی چیز، جس کے کئی رنگ ہیں اس میں لوگوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے پھر جسمانی طب پر دلوں کی طب کو اور بڑھا دیا اور فرمایا

﴿وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ﴾[۳]

اور سینوں کے روگوں کے لیے اس میں شفا ہے۔

پھر ان علوم کا تذکرہ کرتے ہیں جو قرآنی آیات سے ثابت ہیں مثلاً ہیت، ہندسہ، جدل کے براہین، جبر و مقابلہ، نجامت وغیرہ۔ قرآن پاک میں جس طرح تمام علوم و فنون کے اصول موجود ہیں۔ اسی طرح صنائع اور اسمائے آلات کے اصول بھی۔ جن کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مثلاً اپنی صنعتوں میں سے خیاطت یعنی درزی کا کام جس پہ یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

﴿وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾[۴]

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۰ — ۲ النحل ۱۶:۶۹

۳ یونس ۱۰:۵۷ — ۴ الاعراف ۷:۲۲

اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے' اس آیت سے کفش دوزی، (جوتے بنانے) کا کام بھی سمجھا جاتا ہے۔ عربی میں نصف جوتے گانٹھنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح بائیس (۲۲) مختلف علوم کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا ذکر علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں کیا ہے۔ اس بحث کے آخر پر لکھتے ہیں:

''یہاں تک مرسی کا قول نقل کیا ہوا ہے جسے امام سیوطیؒ نے بیان کیا۔ البتہ اس میں کفش دوزی (جوتے گانٹھنے) کے فن اور علم الاسناد کا اضافہ ہماری طرف سے کیا گیا ہے اسی طرح آیت کریمہ

﴿وَ اَجۡلِبۡ عَلَیۡهِمۡ بِخَیۡلِکَ وَ رَجِلِکَ﴾[۱]

اور کھینچ لا ان پر سوار اور پیادے، سے لشکر کی تقسیم اور اس کے انتظام کا فن ثابت ہوتا ہے اور آیت ﴿وَ یَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾[۲]

اور وہ بناتا ہے جو تم نہیں جانتے' میں ساری جدید صنعتیں داخل ہیں جو قیامت تک دنیا میں پیدا ہوں گی۔''[۳]

الغرض کوئی شخص قرآن کریم میں جتنا زیادہ غور کرتا ہے، اتنا ہی اس بات کو جان لیتا ہے کہ اللہ پاک کی کتاب میں ہر چیز کا تذکرہ ہے۔ خواہ دلالۃ النص کے طور پر ہو یا اشارۃ النص کے طور پر اسی طرح علوم کی تمام انواع و اقسام بھی موجود ہیں الغرض کسی علم کا کوئی باب و مسئلہ ایسا نہیں جس کی بنیاد قرآن میں موجود نہ ہو علم کے باب اور مسئلہ میں قرآن پاک سے کوئی نہ کوئی رہنمائی ضرور ملتی ہے لیکن ہمارے علم کی گرفت میں نہ آنا، ہمارے علم و فہم کا قصور ہے نہ کہ کتاب اللہ کا فتور۔

کائنات میں پائے جانے والے علوم انبیاء کے قصص و واقعات اس کے علاوہ اہم واقعات، پھر ہر قصے میں اس قدر مواعظ و حکم ہیں جن کی تفصیل کے لیے کئی دفتر درکار ہیں پھر آپؐ کی زندگی کے اہم پہلو تمام سیر و مغازی کی کتابیں انہی حالات و واقعات اور مقالات کی شرح ہیں۔

اس کے بعد نواب صاحب نے انسان کی پیدائش سے لے کر وفات ،جنت و دوزخ، قیامت اور علامامت قیامت کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ یہ تو کتاب اللہ کے خصائل کا اجمالی تذکرہ جس کو بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے جس علم و فن کو بھی دیکھو، خواہ صریح ہو یا بطور اشارہ عجب کشش رکھتا ہے، لیکن ۔ قرآن و حدیث کی لذت سے وہی شخص بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ جس کو علم نافع کے ساتھ اخلاص نیت اور اعمال صالح کی بھی توفیق حاصل ہو۔ اس کے بعد علوم القرآن پر کی گئی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہیں پھر آپ کی بحث عمومی پر تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہیں اور بعد ازاں قرآن پاک کی تفسیر کرنے کا صحیح طریقہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

'' قرآن کی تفسیر سب سے پہلے قرآن ہی سے کی جائے۔ اس لیے کہ جو بات

---

۱ بنی اسرائیل ۱۷:۶۴ ۲ النحل ۱۶:۸

۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۴

ایک جگہ قرآن میں مجمل طور پر آئی ہے وہ دوسری جگہ مفصل بیان ہوئی۔ اگر قرآن کریم میں آیت کی تفسیر نہ ملے تو حدیث نبوی سے اس کی تفسیر کی جائے، حدیث میں بھی تفسیر نہ ملے تو صحابہ کے اقوال سے تفسیر کی جائے اگر صحابہؓ کے اقوال سے بھی مدد نہ ملے تو اقوال تابعین سے تفسیر کی جائے اس کے بعد انہوں نے محض رائے کے ساتھ یعنی بغیر علم کے تفسیر کرنے کے حق میں نہ ہیں اس پر انہوں نے کئی احادیث و آثار سے استدلال کیا ہے کچھ آگے جا کر انہوں نے فرمایا کہ لغت وغیرہ پر مبنی رائے اگر شریعت کے ساتھ متصادم نہ ہو تو اس کے ساتھ تفسیر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''[1]

اس کے بعد انہوں نے قرآن اور اہل قرآن کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کیا ہے۔ قرآن پاک کو پڑھنے اور سمجھنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن پڑھنے والا اگر چاہتا ہے کہ اسے قرآن کریم کا پورا اجر ملے تو یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ پہلے سارے قرآن کے معانی سمجھے، اس لیے قرآن پڑھنے کا نتیجہ یہی ہے پھر جو شخص معانی سمجھ لے گا وہ عمل بھی کرے گا، کیونکہ معانی سمجھے بغیر عمل نہیں ہوسکتا۔ یہ بات بڑی شرمناک ہے کہ سارا قرآن تو زبان کی نوک پر حفظ ہو، رات دن طوطے کی طرح اسے رٹے مگر اس کے معانی معلوم نہ ہوں۔ حرام کی خبر ہو نہ حلال کی، محکم کی پہچان ہو نہ متشابہ کی، مجمل کی شناخت نہ ہو نہ مفصل کی۔ ترغیب کو جانے نہ ترہیب کو پہچانے صرف عبارت پڑھنا اور منہ سے الفاظ ادا کرنا آتا ہو اس لیے جو شخص قرآن کریم کے لفظ یاد کر لیتا ہے مگر معنی نہیں سمجھتا وہ بلا شبہ اس اجر عظیم اور نمایاں ثواب سے محروم ہے جو احادیث میں آیا ہے۔''[2]

مقدمہ کے آخر پر نواب صاحب قرآن کریم کے حروف، کلمات اور آیات کی تعداد کے بارے میں مختلف مفسرین کی آراء نقل کرتے ہیں ان کا مقصود یہ ہے کہ مکمل قرآن پاک کی تلات سے انسان جس قدر نیکیاں ملتی ہیں اگر ان کو دس گنا کر دیا جائے تو اکتیس لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ مزید زور دیتے ہیں کہ ہر روز قرآن پاک کا کچھ نہ کچھ حصہ تلاوت کرنا چاہیے تا کہ (نامہ اعمال) میں روزانہ نیکیاں لکھی جائیں اور آخرت کے لیے ذخیرہ تیار ہو جائے۔

بلا شبہ نواب صاحب کی ہر تصنیف ایک علمی شاہکار ہے۔ مگر ان کا اصل تصنیفی کارنامہ دو کتابیں ہیں جو بلاد عرب و عجم میں برابر عمدہ شہرت کی ہیں ایک کتاب تفسیر ''فتح البیان فی مقاصد القرآن'' کے خوبصورت نام سے موسوم ہے۔ جبکہ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۱،۲۲ [2] ایضا

دوسری کتاب ''سراج الوہاج شرح مسلم بن حجاج'' ہے۔

ترجمان القرآن کو اول الذکر کا ہی اردو ترجمہ مزید اضافوں کے ساتھ قرآن پاک کی جو تفسیر جوآپ نے عمر کے آخری حصہ میں عوام کے پر زور اپیل پر لکھنا شروع کی۔ اسی کا نام ''ترجمان البیان بلطائف البیان'' رکھا الغرض علمی میدان میں تصنیف و تالیف کا میدان ہی آپ کی شہرت کا سبب بنا۔ برصغیر کے واحد کثیر الکتب مؤلف ہیں جنہوں نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔

اس وقت راقم کے زیر تبصرہ جو کتاب ہے وہ ان کی عظیم الشان تفسیر ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' ہے اس تفسیر کو تفسیر ابن کثیر کا قائم مقام سمجھا جائے، تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس تفسیر کا منہج وہی ہے جو تفسیر ابن کثیر کا۔

''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ہم عصر اور پہلے کی تفاسیر میں اسرائیلیات کی بھر مار ہے اسی طرح محدثانہ معیار پر بھی بہت کم ہیں مزید براں ان میں محدثانہ احتیاط اور احادیث کے صحیح انتخاب کی بڑی کمی تھی، نیز ان میں ضعیف اور موضوع احادیث اور اسرائیلی روایات کی بھر مار تھی۔

نواب صاحبؒ جو کہ عظیم نقاد اور پختہ کار محدث تھے، فنون حدیث اور اسماء الرجال کے سلسلہ میں نہایت گہری بصیرت رکھتے تھے۔ روایات کے نقد اور ان کے منشاء اور مقصد کی نشان دہی کرنے میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا، انہوں نے سابقہ نقلی تفاسیر کی ان خامیوں کو دیکھتے ہوئے ایک ایسی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا، جو ضعیف اور موضوع احادیث اور اسرائیلی روایات سے پاک صاف ہو، چنانچہ انہوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی یقیناً وہ ایک حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے اگر چہ وہ اس تفسیر میں اس بلند پایہ محدثانہ معیار کو پورے طور پر قائم نہیں رکھ سکے جس کی ان سے توقع تھی۔ کیونکہ عمر نے بھی ساتھ نہ دیا کہ وہ اس تفسیر کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں اور ویسے بھی انہوں نے قدرے وسعت سے کام لیا اور اسرائیلیات کے ایک حصہ کو قبول کیا جس کا تفصیلی اگلے باب میں ہوگا۔

نواب صدیق حسن خان کا اسلوب تفسیر

سورتوں کی تفسیر:

قرآن کریم کی تفسیر میں نواب صاحب کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ کسی بھی سورت کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے یہ بتاتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اگر سورت کے محل نزول میں مفسرین کا اختلاف ہو، تو اسے بھی بیان کرتے ہیں۔ نیز اگر سورت مکی ہو اور اس کی کچھ آیات مدنی ہوں یا اس کا عکس ہوں تو اس پر بھی تنبیہ فرماتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ سورت کے ناموں سے متعلق مفسرین کا مدلل اختلاف بھی بیان کرتے ہیں اسی طرح عموماً سورت کی آیات اور اس کے کلمات کی تعداد بھی ذکر کرتے ہیں۔ مزید براں سورت کے فضائل میں اگر قابل حجت احادیث ہوں تو انہیں بھی بیان کرتے ہیں اسی طرح آیات کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث ہو تو وہ بھی ذکر کرتے ہیں ساتھ ساتھ ضعیف یا موضوع احادیث پر بھی تنبیہ

دوسری کتاب ''سراج الوہاج شرح مسلم بن حجاج'' ہے۔

ترجمان القرآن کو اول الذکر کا ہی اردو ترجمہ مزید اضافوں کے ساتھ قرآن پاک کی جو تفسیر جو آپ نے عمر کے آخری حصہ میں عوام کے پر زور اپیل پر لکھنا شروع کی۔ اسی کا نام ''ترجمان البیان بلطائف البیان'' رکھا الغرض علمی میدان میں تصنیف و تالیف کا میدان ہی آپ کی شہرت کا سبب بنا۔ برصغیر کے واحد کثیر الکتب مؤلف ہیں جنہوں نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔

اس وقت راقم کے زیر تبصرہ جو کتاب ہے وہ ان کی عظیم الشان تفسیر ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' ہے اس تفسیر کو تفسیر ابن کثیر کا قائم مقام سمجھا جائے ،تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس تفسیر کا منہج وہی ہے جو تفسیر ابن کثیر کا۔

''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ہم عصر اور پہلے کی تفاسیر میں اسرائیلیات کی بھر مار ہے اسی طرح محدثانہ معیار پر بھی بہت کم ہیں مزید براں ان میں محدثانہ احتیاط اور احادیث کے صحیح انتخاب کی بڑی کمی تھی، نیز ان میں ضعیف اور موضوع احادیث اور اسرائیلی روایات کی بھر مار تھی۔

نواب صاحبؒ جو کہ عظیم نقاد اور پختہ کار محدث تھے، فنون حدیث اور اسماء الرجال کے سلسلہ میں نہایت گہری بصیرت رکھتے تھے۔ روایات کے نقد اور ان کے منشاء اور مقصد کی نشان دہی کرنے میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا، انہوں نے سابقہ نقلی تفاسیر کی ان خامیوں کو دیکھتے ہوئے ایک ایسی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا ،جو ضعیف اور موضوع احادیث اور اسرائیلی روایات سے پاک صاف ہو، چنانچہ انہوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی یقیناً وہ ایک حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے اگر چہ وہ اس تفسیر میں اس بلند پایہ محدثانہ معیار کو پورے طور پر قائم نہیں رکھ سکے جس کی ان سے توقع تھی۔ کیونکہ عمر نے بھی ساتھ نہ دیا کہ وہ اس تفسیر کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں اور ویسے بھی انہوں نے قدرے وسعت سے کام لیا اور اسرائیلیات کے ایک حصہ کو قبول کیا جس کا تفصیلی اگلے باب میں ہوگا۔

نواب صدیق حسن خان کا اسلوب تفسیر

سورتوں کی تفسیر:

قرآن کریم کی تفسیر میں نواب صاحب کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ کسی بھی سورت کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے یہ بتاتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اگر سورت کے محل نزول میں مفسرین کا اختلاف ہو، تو اسے بھی بیان کرتے ہیں۔ نیز اگر سورت مکی ہو اور اس کی کچھ آیات مدنی ہوں یا اس کا عکس ہوں تو اس پر بھی تنبیہ فرماتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ سورت کے ناموں سے متعلق مفسرین کا مدلل اختلاف بھی بیان کرتے ہیں اسی طرح عموماً سورت کی آیات او راس کے کلمات کی تعداد بھی ذکر کرتے ہیں۔ مزید براں سورت کے فضائل میں اگر قابل حجت احادیث ہوں تو انہیں بھی بیان کرتے ہیں اسی طرح آیات کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث ہو تو وہ بھی ذکر کرتے ہیں ساتھ ساتھ ضعیف یا موضوع احادیث پر بھی تنبیہ

دوسری کتاب ''سراج الوہاج شرح مسلم بن حجاج'' ہے۔

ترجمان القرآن کو اول الذکر کا ہی اردو ترجمہ مزید اضافوں کے ساتھ قرآن پاک کی جو تفسیر جو آپ نے عمر کے آخری حصہ میں عوام کے پر زور اپیل پر لکھنا شروع کی۔ اسی کا نام ''ترجمان البیان بلطائف البیان'' رکھا الغرض علمی میدان میں تصنیف و تالیف کا میدان ہی آپ کی شہرت کا سبب بنا۔ برصغیر کے واحد کثیر الکتب مؤلف ہیں جنہوں نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔

اس وقت راقم کے زیر تبصرہ جو کتاب ہے وہ ان کی عظیم الشان تفسیر ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' ہے اس تفسیر کو تفسیر ابن کثیر کا قائم مقام سمجھا جائے، تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس تفسیر کا منہج وہی ہے جو تفسیر ابن کثیر کا۔

''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ہم عصر اور پہلے کی تفاسیر میں اسرائیلیات کی بھر مار ہے اسی طرح محدثانہ معیار پر بھی بہت کم ہیں مزید براں ان میں محدثانہ احتیاط اور احادیث کے صحیح انتخاب کی بڑی کمی تھی، نیز ان میں ضعیف اور موضوع احادیث اور اسرائیلی روایات کی بھر مار تھی۔

نواب صاحبؒ جو کہ عظیم نقاد اور پختہ کار محدث تھے، فنون حدیث اور اسماء الرجال کے سلسلہ میں نہایت گہری بصیرت رکھتے تھے۔ روایات کے نقد اور ان کے منشاء اور مقصد کی نشان دہی کرنے میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا، انہوں نے سابقہ نقلی تفاسیر کی ان خامیوں کو دیکھتے ہوئے ایک ایسی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا، جو ضعیف اور موضوع احادیث اور اسرائیلی روایات سے پاک صاف ہو، چنانچہ انہوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی یقیناً وہ ایک حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے اگر چہ وہ اس تفسیر میں اس بلند پایہ محدثانہ معیار کو پورے طور پر قائم نہیں رکھ سکے جس کی ان سے توقع تھی۔ کیونکہ عمر نے بھی ساتھ نہ دیا کہ وہ اس تفسیر کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں اور ویسے بھی انہوں نے قدرے وسعت سے کام لیا اور اسرائیلیات کے ایک حصہ کو قبول کیا جس کا تفصیلی اگلے باب میں ہوگا۔

نواب صدیق حسن خان کا اسلوب تفسیر

سورتوں کی تفسیر:

قرآن کریم کی تفسیر میں نواب صاحب کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ کسی بھی سورت کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے یہ بتاتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اگر سورت کے محل نزول میں مفسرین کا اختلاف ہو، تو اسے بھی بیان کرتے ہیں۔ نیز اگر سورت مکی ہو اور اس کی کچھ آیات مدنی ہوں یا اس کا عکس ہوں تو اس پر بھی تنبیہ فرماتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ سورت کے ناموں سے متعلق مفسرین کا مدلل اختلاف بھی بیان کرتے ہیں اسی طرح عموماً سورت کی آیات اور اس کے کلمات کی تعداد بھی ذکر کرتے ہیں۔ مزید براں سورت کے فضائل میں اگر قابل حجت احادیث ہوں تو انہیں بھی بیان کرتے ہیں اسی طرح آیات کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث ہو تو وہ بھی ذکر کرتے ہیں ساتھ ساتھ ضعیف یا موضوع احادیث پر بھی تنبیہ

فرماتے ہیں۔ حدیث کے ضعیف یا موضوع ہونے کی وجہ بھی ذکر فرماتے ہیں الغرض ہر سورۃ کے شروع میں نواب صاحب کا یہی انداز ہے۔

آیت کا مختصر مفہوم بیان کرتے ہیں:

نواب صدیق حسن خان نے، ترجمان القرآن بلطائف البیان لکھتے ہوئے، آیات کی تفسیر میں جو انداز اختیار کیا ہے، وہی ان کا منہج واسلوب ہے جس کو مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے۔

نواب صاحب آیات کی تفسیر میں سب سے پہلے آیت کا مختصر مفہوم بیان کرتے ہیں مثلاً

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾[1]

تفسیر سے پہلے اس آیت کا مختصر مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یعنی مویشیوں میں ان پر اتنی چیزیں حرام ہیں لیکن اگر اضطراری کیفیت ہو جائے تو ان کی بھی گنجائش ہے، لیکن نافرمانی نہ کرے یعنی اس کی حالت اضطراری درجے تک نہ پہنچتی ہو، لیکن کھا لے اس طرح نہ کرے اور ضرورت سے زائد نہ کھائے۔"[2]

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[3]

مذکورہ بالا دو آیات کا مختصر مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پہلے یہی حکم نازل ہوا تھا کہ کوئی بیمار مسافر روزہ نہ رکھے تو جب چاہے اس کی قضا کر لے اور اگر بغیر عذر کے کوئی شخص روزہ نہ رکھے تو بالفصل ایک روزے کے بدلے ایک مسکین فقیر کو کھانا کھلا دے۔ اگر روزہ رکھ لیں تو وہ بھی بہتر ہے، لیکن بعد والی آیت نے تندرستوں اور تیموں کو اس حکم سے خارج کر دیا۔ صرف بیمار اور مسافر کے لیے رخصت باقی رہی۔[4]

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ

۱۔ البقرہ ۲: ۱۷۳ ۲۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۸/۱

۳۔ البقرہ ۲: ۱۸۲۔۱۸۳ ۴۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۵۷/۱

لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾[۱]

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾[۲]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [۳]

کبھی کبھی وہ آیت کا شان نزول بیان کرتے ہیں:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴾[۴]

اس کا شان نزول بیان کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں:

کہ مکہ شہر میں صفا و مروہ دو پہاڑیاں تھیں، عرب کے لوگ حضرت ابراہیمؑ کے دور سے ہمیشہ حج کرتے رہے ہیں لیکن زمانہ کفر میں اس میں اکثر غلطیاں آ گئی تھیں۔ ان دونوں پہاڑیوں پر دو بت نائلہ اور اساف رکھے تھے وہ لوگ ان کا بھی طواف کرتے تھے۔ جب لوگ مسلمان ہوئے تو خیال کیا کہ یہ بھی زمانہ کفر کی غلطی تھی۔ اب ہمیں وہاں (صفا و مروہ پر) نہیں جانا چاہیے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[۵]

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾[۶]

---

۱ البقرہ۲: ۱۸۷ — ۲ البقرہ۲: ۱۸۹

۳ البقرہ۲: ۱۹۴ — ۴ البقرہ۲: ۱۵۸

۵ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/ ۲۰ — ۶ البقرہ۲: ۱۷۸-۱۷۹

ابن کثیرؒ کے حوالے سے شان نزول بیان کرتے ہوئے نواب صاحبؒ لکھتے ہیں ''کہ یہ آیت بنی قریظہ و بنی نضیر کے متعلق نازل ہوئی۔ بنونظیر جاہلیت میں بنوقریظہ سے جھگڑے تھے۔ جب کسی نظری کے ہاتھ سے کوئی قرظی مارا جاتا تو وہ اس کے بدلے قتل نہ کیا جاتا۔ بلکہ سو وسق کھجور دے کر بچ جاتا تھا۔ اور جب کوئی قرظی کسی نضری کو قتل کر دیتا تو وہ اس کے بدلے قتل کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر خون بہا پر راضی ہوتا تو دو سو وسق ادا کرتا۔ یعنی قرظی کو دوگنا دیت ادا کرنا پڑتی۔ اللہ کریم نے حکم دیا کہ قصاص میں برابری کرو۔''[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾[2]

اس آیت کا نسبت نزول قیس بن صرمہؓ کا واقعہ بنا۔[3]

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾[4]

اس آیت کے شان نزول میں نواب صاحب نے ''ابن عمرؓ کی روایت کہ آپؐ سے کسی نے حج کی حالت میں کرایہ لینے کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا تو جبریل آپؐ پر یہ آیت لے کر اُترے۔ آنحضرتؐ نے اس کو بلا کر کہا اے کرایہ والو تم حاجی ہو۔''[5]

الفاظ کے معانی و مفہوم بیان کرتے ہیں

بعض الفاظ کی وضاحت نواب صاحب لغوی مفہوم سے بھی کرتے ہیں مثلاً: ارشاد ربانی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[6]

لفظ اہل کے معنی لغت میں آواز بلند کرنا ہیں۔

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۴۸
2. البقرہ۲: ۱۸۷
3. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۷۰
4. البقرہ۲: ۱۹۸
5. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۰۵
6. آل عمران۳: ۱۷۳

نواب صاحب کبھی کبھی لغوی مفہوم کو شان نزول پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً مندرجہ بالا آیت کی ہی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مفسرین سلف وخلف نے اہلال کے جو معنی میں جو ذبح کا لفظ ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت میں لوگ جس کے نام کا جانور رکھتے تھے ذبح کے وقت اس کا نام پکار کر ذبح کرتے تھے اللہ کا نام نہ لیتے تھے۔ اہل تفسیر نے شان نزول پر خیال کر کے لفظ ذبح کو اختیار کر لیا۔ لغوی معنی کو اختیار نہ کیا حالانکہ لغت مقدم ہوتی ہے۔''[۱]

اسی طرح الفاظ کی مراد بیان کرتے ہیں۔

﴿وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾[۲] البقرہ۲:۱۲۵

لفظ عہد کے معنی حکم و وحی ہے۔

رفث سے جماع مراد ہے۔

حضرت عمرؓ کا قول نقل کر کے خمر کی وضاحت کرتے ہوئے وضاحت سے لکھتے ہیں:

''جو چیز عقل میں فتور لائے وہی خمر ہے۔ اگلے صفحے پر اس لفظ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''خمر کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں طرح آیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾[۳]

نواب صاحب لکھتے: ابن عباس، طاؤس، حسن بصری اور ابراہیم کے مطابق مس کا مطلب ہے۔ جماع یعنی محض ہاتھ لگانا ہی مراد نہیں۔[۴]

نواب صاحب مفسرین کا اختلاف نقل کر کے کسی ایک رائے کو ترجیح دیتے ہیں:

نواب صاحب نے ترجیح کے لیے کا مندرجہ ذیل طرق اختیار کئے ہے۔

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۵۳۹/۱ — ۲ ایضاً، ۱۰۱/۱

۳ البقرہ۲:۲۳۶ — ۴ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۸۵/۱

حدیث سے ترجیح دیتے ہیں:

البقرہ کی آیت ۱۵۸ کی تفسیر کرتے ہوئے صفا اور مروہ کی سعی شرائع اسلام میں سے ہے یا نہیں؟ اس حدیث سے سعی کو واجب قرار دیتے ہیں جس میں آپؐ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

((اسعو فان الله کتب علیکم السعی))

صحابی کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[1]

مقام ابراہیم سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کا اختلاف نقل کرتے ہوئے چار اقوال نقل کرتے ہیں پھر حضرت عمرؓ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں جس میں مقام ابراہیم سے مراد ابراہیم کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔[2]

نظم قرآن سے ترجیح:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ...... لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾[3]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب مفسرین کے چھ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مگر نظم قرآن کے موافق کوئی معنی بھی مفید نہ ہے۔ نہ ان پر کوئی دلیل ہی ہیں۔ پھر وہ ابن جریر کی رائے کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس لیے ابن جریر نے ان سب امور میں آیت کے مطلوب کو عام رکھنا مناسب سمجھا ہے۔''[4]

جمع و تطبیق دیتے ہیں:

نواب صاحب البقرہ ۲:۱۲۶ کی تفسیر کرتے ہوئے پہلے بخاری کی وہ حدیث لکھتے ہیں جس میں ثابت ہے کہ ''اللہ نے مکہ کو اس دن سے حرمت دی جس دن آسمان و زمین کو پیدا کیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''جب ابراہیمؑ نے لوگوں کو یہ بات پہنچا دی کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے اور یہ ہمیشہ والا حرم تھا۔ تو ابراہیم کی نسبت بظاہر ہوئی یعنی اس حکم الٰہی کا ظاہر کرنے والے ابراہیم ہیں پھر وہ ابن جریر کی ایک دوسری تطبیق کا بھی ذکر کر کے سمجھتے ہیں کہ یہ جمع و تطبیق بھی مناسب ہے۔[5]

اسی طرح البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۷ کی تفسیر کرتے ہیں کہ غسل سے پہلے روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں، موافقت

---

[1] البقرہ۲:۱۳۵ — [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۲۹
[3] البقرہ۲:۱۸۷ — [4] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۷۰
[5] ایضاً، ۱/۲۳۴

اورمخالفت کی احادیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اگر سونے کی وجہ سے غسل نہ کر سکا حتی کہ فجر ہوگئی تو کچھ حرج نہ ہے، لیکن اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو روزہ نہ ہوگا۔[۱]

البقرہ۲:۱۹۶ کی تفسیر میں نواب صاحب یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ عمرہ سنت ہے یا واجب؟ مختلف آراء لکھ کر ذکر کرتے ہیں کہ آیت احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ جب عمرہ کے افعال شروع کر دے تو اب اس کا پورا کرنا واجب ہوگا۔ گویا نواب صاحب کے نزدیک عمرہ سنت ہے پھر وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''اس سے ان احادیث سے تطبیق ہو جاتی ہے جن کا مفہوم باہم مختلف ہے۔

نسخ کا ذکر کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کافرمان ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾[۲]

نواب صاحب اس آیت کی تفسیر میں سعید بن جبیرؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''اسلام کی آمد سے پہلے لڑائیوں میں لوگ ایک دوسرے کے غلاموں اور عورتوں کو قتل کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے تو اس موقع پر بعض لوگوں نے قسم کھائی کہ جب تک ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل نہ کیا جائے گا ہم راضی نہیں ہوں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی پھر آیت ''ان النفس بالنفس'' نے اس کو منسوخ کر دیا۔

﴿وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾[۳]

نواب صاحبؒ اس آیت کی شرح میں ابو العالیہؒ اور ابن زیدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ''قتال کی بابت جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ یہی آیت تھی۔ اس کے نزول کے بعد جو آنحضرتؐ سے لڑتا اس سے وہ بھی لڑتے جو نہ لڑتے اس سے درگزر فرماتے تھے حتی کہ سورۂ برأت کی آیت ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَ جَدْتُّمُوْهُمْ﴾ نے اس آیت کو منسوخ کر دیا۔

نواب صاحب البقرہ ۱۸۴ کی تفسیر میں ابن عمرؓ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ ''یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ﴾ یعنی اس سے اگلی آیت ہے۔ پھر وہ بخاری کے حوالے سے ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''یہ آیت منسوخ نہ ہے بلکہ بوڑھے مرد وعورت کے لیے ہے جس کو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو وہ ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹۲/۱ ۲ البقرہ۲:۱۷۸

۳ البقرہ۲:۱۹۰

پھر نواب صاحبؒ ابن کثیرؒ کے حوالے سے یہ نقل کرتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہوا کہ صحیح مقیم کے حق میں یہ منسوخ ہوگئی ہے۔ اس پر روزہ واجب ہے اللہ کیا س قول کی وجہ سے ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ رہا کمزور بوڑھا جو روزہ نہیں رکھ سکتا وہ افطار کرے اس پر قضا نہ ہے۔ اسی لیے اس کی کمزوری تو دن بدن بڑھتی ہے اسے اتنی صحت کہاں سے ملے گی وہ خود قضا کر سکے۔[۱]

اس تمام عبارت سے نتیجہ یہ نکلا کہ نواب صاحب کے بھی خیال میں ویسے تو البقرہ ۲:۱۸۴ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ اس سے اگلی آیت ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ ﴾ ہے۔ لیکن بوڑھے شخص کے حق میں آیت ۱۸۵ منسوخ نہیں ہے۔ بوڑھا گویا اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

نواب صاحب ناسخ ومنسوخ کا ذکر کر کے، دونوں کے احکام کو تطبیق کے ذریعے محکم قرار دیتے ہیں:

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○ وَ اقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَ أَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴾[۲]

نواب صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت محکم ہے اور ایک کے نزدیک منسوخ، ترجمان القرآن کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

''ایک جماعت نے کہا یہ آیت محکم ہے یعنی حرم میں قتل کرنا حرام ہے ہاں اگر کوئی زیادتی کرے تو جواباً مقاتلہ سے مدافعت کر سکتا ہے...... جس نے کہا یہ آیت منسوخ ہے اس کے نزدیک اس میں جمع ممکن ہے کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو مگر حرم میں یعنی وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی عام حکم کو خاص حکم سے مخصوص کر لیا۔ وہ حدیث جس میں ایک جماعت کی حلت کا ذکر ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے جو نسخ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ابن اخطل کو قتل کروایا جبکہ وہ کعبہ کے پردے سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قتل اس وقت ہوا جبکہ آنحضرت کو ایک گھڑی کعبہ کو حلال کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔''[۳]

نواب صاحب اس آیت کے متعلق کہ وہ محکم ہے یا منسوخ دونوں خیالات کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جو اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل کا حدیث کے ذریعے جواب بھی دیتے ہیں اور آخر میں تطبیق دیتے

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۶۳ ۲۔ البقرہ۲: ۱۹۰-۱۹۱

۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۸۱، ۸۲

ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اب یہ ہی حکم ہے کہ ابتداء نہ کرو، لیکن اگر وہ حملہ کریں تو مشرکین کو قتل کرو گو حرم میں ہو۔ گویا حرم کے اندر قتل و غارت کو وہ ممنوع قرار دیتے ہیں جیسے کہ آیت کا ظاہری حکم ہے۔ ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور اگر کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں تو حرم کے اندر بھی ان سے لڑنا جائز ہوگا جیسے یہ حکم ہے۔ کہ ﴿وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ [1]

نسخ کی تردید بھی کرتے ہیں:

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ [2]

نواب صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''اہل علم کی ایک جماعت نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو حرم میں پناہ گزیں ہوا اس پر حد نہ لگائی جائے۔ اللہ کا قول ''ومن دخله كان امنا'' بھی اس کی تائید کرتا ہے۔''

بعض نے کہا یہ حکم منسوخ ہے مگر درست بات یہ ہے کہ حکم محکم ہے۔ [3]

نواب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل علم کا استدلال نقل کرتے ہیں پھر یہ قول نقل کر کے کہ یہ حکم منسوخ ہے اس کی تردید بھی کرتے ہیں۔

دیکھیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ...... وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ﴾ [4]

اسی طرح نواب صاحب بعض اوقات صحابہ کرامؓ کا نام لیے بغیر بھی ذکر کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ ...... لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾ [5]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں کہ ''صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

غیر راجح قول کو بعض نے کہا، کہا جاتا ہے، کسی نے کہا سے تعبیر کرتے ہیں۔

نواب صاحب اپنی تفسیر میں غیر راجح قول کو مندرجہ ذیل طریقوں سے نقل کرتے ہیں۔

---

[1] البقرہ۲:۱۹۱ [2] البقرہ۲:۱۲۴

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۴۴ [4] البقرہ۲:۱۴۴

[5] ایضا ۲:۱۸۳

بعض نے کہا مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس میں یہ حکم بھی ہے کہ حد بھی حرم کے اندر جاری نہ کی جائے۔ اس حکم کے متعلق لکھتے ہیں کہ بعض نے کہا یہ حکم ہی منسوخ پھر وہ خود ہی لکھتے ہیں مگر درست یہ بات ہے کہ یہ حکم محکم ہے۔[۱]

اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۹ کی تفسیر میں خلع کے وقت شوہر کو بیوی سے مال لینا درست ہے یا نہیں کے متعلق ایک غیر راجح قول کو اس طرح نقل کر کے رد کرتے ہیں ''بعض اہل علم نے کہا کہ شوہر کو وہ مال لینا جائز نہ ہے اور جو لے لیا اس پر اسے مجبور نہ کیا جائے کہ یہ قول بہت ساقط الاعتبار ہے۔[۲]

کہا جاتا ہے مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ (توبہ۹:۳۶) مشرکین سے ہر صورت لڑائی کرو لکھتے ہیں'' کہا جاتا ہے کہ اس آیت سے ستر آیات منسوخ ہو گئیں۔[۳]

عربی گرامر کا ذکر:

نواب صاحب ''عموماً تفسیر ترجمان القرآن، میں نحو وصرف کی بحثوں سے مجتنب نظر آتے ہیں تاہم آیات احکام میں کہیں کہیں معانی و مفہوم کو مقرر کرنے یا ترجیح دینے کے لیے گرائمر کا سہارا بھی لیتے ہیں اگر چہ ایسی مثالیں بہت کم ہیں تاہم چند ایک درج کی جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[۴]

نواب صاحب اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت صرف نذر و نیاز کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ یہ آیت بڑی عام ہے عام ذبح اور نذر و نیاز سب کو شامل ہے۔ اسی لیے کہ عربی زبان میں لفظ ''ما'' بہت عام چیز کے لیے تعبیر ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جانور ہو یا کچھ اور جس چیز پر بھی غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہوگا کھانے کی ہے تو اس کا کھانا حرام، پینے کی چیز کا پینا حرام، پہننے کی چیز ہو تو اس کا پہننا حرام ہوگا، کیونکہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہے۔ سبب کے خصوص کا اعتبار نہ ہے مگر جس چیز کو کسی دلیل نے خاص کر دیا ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔[۵]

مذکورہ عبارت میں نواب صاحب نے 'ما' کے عموم سے ہی معانی میں وسعت اور عموم پیدا کیا ہے۔

عطف کا ذکر:

﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ......وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[۶]

نواب صاحب اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب تک قربانی کو حلال نہ کیا جائے احرام نہ کھولا جائے جیسا

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۲۴/۱ ۲۔ ایضاً، ۲۶۱/۱
۳۔ ایضاً، ۸۳/۱۔۸۴ ۴۔ البقرہ۲:۱۷۳
۵۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۹ ۶۔ البقرہ۲:۱۹۶

کہ صحیحین میں حضرت حفصہؓ کی حدیث میں ہے پھر نواب صاحبؒ لکھتے ہیں:

"غرضیکہ ولا تحلقوا کا عطف اتمو پر ہے فان احصرتم پر نہ ہے[۱]

گویا حدیث سے دلیل لی اور گرائمر سے عطف کا مرجع بنا کر مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسم اشارہ کا ذکر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ ...... وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾[۲]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب امام قرطبی کی ایک عبارت نقل کر کے گرائمر کے اصول سے استدلال کرتے ہوئے قرطبی کے قول کا رد کرتے ہیں اور پہلے سے مذکور قول کی تائید کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''قرطبیؒ نے کہا کہ اس جگہ جو مثل ذلک فرمایا اس میں مثلث سے عدم افراد مراد ہے۔ رضاع و انفاق مراد نہیں ہے ورنہ مثل ذلک کی بجائے مثل ھولاء ہوتا کوئی مفسرین اس طرف گئے ہیں مگر یہ قول انتہائی نا مناسب ہے، کیونکہ اسم اشارہ جس طرح واحد کو فائدہ دیتا ہے اس طرح جمع کو بھی مفید ہے۔ اس لیے پہلا قول ہی زیادہ مفید ہے۔ (یعنی اس سے رضاد و انفاق مراد ہے۔''[۳]

آئمہ نحو کا حوالہ بھی دیتے ہیں:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾[۴]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انی شئتم کا مطلب یہ ہے کہ جس طریقہ سے چاہو آؤ مگر موضع حرث میں آؤ کیونکہ عورت کی شرم گاہ کو زمین، نطفے کو بیج اور بچے کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے سیبویہ نے کہا کہ اس جگہ 'انی' سے 'کیف' مراد ہے۔[۵]

سیبویہ نحوی جو کہ مستند امام نحو ہیں ان کا حوالہ دے کر مطلب واضح کر رہے ہیں۔

لفظ قرأت کا ذکر راور علم صرف سے تاویل

﴿وَ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[۶]

اس آیت کریمہ میں مذکور لفظ یطیقونہ کی بحث میں نواب صاحب قراءت، صرف اور نحو کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹۸/۱ — ۲ البقرہ۲:۲۳۳

۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۷۸/۱ — ۴ البقرہ۲:۲۲۳

۵ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۴۹/۱، ۱۵۰ — ۶ البقرہ۲:۱۸۴

لکھتے ہیں:

لفظ یطیقونہ کو مخفف اور مشدد دونوں طرح پڑھا گیا ہے مخفف کی بنیاد پر آیت منسوخ ہے جبکہ واؤ مشدد (یطوقنہ) کی صورت میں محکم تشدید کا معنی تکلیف و مشقت ہے اگر باب افعال کا ہمزہ اس جگہ سلب کا ٹھہرایا جائے تو بھی ممکن ہے۔ پھر اس وقت لانفی کی تقدیر کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ آیت بھی محکم رہے گی ورنہ منسوخ ٹھہرے گی۔[1]

دیگر ماخذ و مصادر کی طرف مراجعت کا مشورہ

نواب صدیق حسن خان اپنی تفسیر میں احکامی آیات کی وضاحت کرتے ہوئے دیگر ماخذ و مصادر کی طرف مراجعت کا مشورہ بھی دیتے ہیں تاکہ قاری پر مسئلہ کی پوری تفاصیل واضح ہوسکیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۱۶ کی تفسیر کے آخر میں فضائل جہاد کے لیے کتاب العبرہ کی تعریف کرتے ہوئے اسے اکثر احادیث واحکام کی جامع بتاتے ہیں۔

البقرہ ۲۱۷ ﴿والفتنۃ اکبر من القتل﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے رجب کی پہلی تاریخ کو مسلمانوں کیا ہاتھوں عمرو بن حضرمی کے قتل کے واقع کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ بیہقی نے دلائل النبوہ، میں اس کا مفصل احوال لکھا ہے۔[2]

جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ کی شرح میں شراب کے احکام کا ذکر کرکے اس کے نقصانات بھی بتاتے ہیں اور چند کتب کی طرف مراجعت کا بھی اشارہ کرتے ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں

مسک الختام شرح بلوغ المرام	نیل الاوطار از امام شوکانی
حادی الارواح از ابن قیم	رسالہ بشارۃ الفساق [3]

اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۲۲ کی تفسیر میں نکاح ولی کے بغیر کیسا ہے؟ کی بحث کر کے اس مسئلے کی مزید وضاحت کے لیے ابن کثیر کی کتاب الاحکام کی طرف مراجعت کا اشارہ کرتے ہیں۔[4]

اسی طرح سوۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۰ کی شرح میں نواب صاحب حلالہ کی بحث کرتے ہوئے، ابن عبدالبر کی الاستذکار ابن قیمؒ کی اعلام الموقعین اور اغاثۃ اللھفان کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ دیتے ہیں۔[5]

اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۳ کے دوران رضاعت بچے کے خرچ کے متعلق بحث کر کے فرماتے ہیں کہ ابن جریر نے اس کو مفصل بیان کیا ہے۔

مزید برآں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۹ کی تفسیر کرتے ہوئے نواب صاحب مختلف ماخذ و مصادر کا ذکر کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

جوینی کی کتاب النہایۃ، تفسیر واحدی، ابن ابی حاتم کی فضائل شافعی، رسالہ جلب المنفعۃ، شوکانی کی شرح منتقیٰ، اور تفسیر فتح القدیر، تفسیر خازن اور تفسیر فتح البیان فی احکام القرآن وغیرہ۔[6]

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۵۷-۶۰ ۲ ایضاً، ۱/۱۳۲

۳ ایضاً، ۱/۱۳۶ ۴ ایضاً، ۱/۱۶۱

۵ ایضاً، ۱/۲۳۹ ۶ ایضاً، ۱/۱۸۸

فتح البیان کا حوالہ دیتے ہیں:

الغرض فتح البیان کا ذکر تو جا بجا اپنی تفسیریں کرتے ہیں حتی کہ بعض دفعہ تو خود فتح البیان کو فاتح قرار دیتے ہیں۔

''تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان'' قرآن دانی کے لیے ایک جامع تفسیر ہے اور اس اعتبار سے کہ اس میں نواب صاحب نے تفسیر بالماثور کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے اور اسے محدثانہ معیار پر مرتب کیا ہے۔

اگر مکتبہ قدوسیہ والے اس تفسیر کی تسہیل وتخریج کا کام جو کہ پروفیسر حافظ ایوب اور ان کے بعد یحییٰ قریشی اسلام آباد نے شروع کیا تھا کو پایہ تکمیل تک پہنچا لیتے تو یہ تفسیر موجودہ دور کی تفاسیر میں نہایت ہی قابل اعتماد اور قابل استفادہ تفسیر ہوتی۔

ترجمان القرآن بلطائف البیان اور اسرائیلیات

نواب صاحب کی سب سے بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اسرائیلیات کے بارے میں ان کا رویہ انتہائی جارحانہ ہے۔ متقدمین کی کتب تفسیر میں جو موضوع اور اسرائیلی روایات مذکور ہیں نواب صاحب بسا اوقات تو ان کا ذکر کر کے ان پر رد کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ باطل اور جھوٹی اسرائیلی روایات ہیں جو اسلامی روایت میں گھس آئی ہیں اور کبھی کبھار اسرائیلی واقعہ کا ذکر کرنے کے بجائے اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں اور اس کے متعلق اپنی رائے بیان کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ امام ابن تیمیہؒ سے بہت زیادہ متاثر ہیں بلکہ امام ابن تیمیہؒ نے ''مقدمہ فی اصول التفسیر'' میں اسرائیلی روایات سے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے نواب صاحب نے اپنی تفسیر میں اس کے مقابلہ میں زیادہ مواد اور معلومات جمع کی ہیں۔ بلا مبالغہ ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' موضوع تفسیری روایات سے متعلق ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ نواب صاحب کو روایت کی جانچ پڑتال اور اس کے منشا اور مصدر کی نشاندہی میں راسخ اور مضبوط ملکہ حاصل تھا۔

اسرائیلی روایات پر رد وقدح کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں سورۃ البقرہ کی آیت:

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾[1]

کی تفسیر کرتے ہوئے نواب صاحب حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے بنی اسرائیل کی گائے کا طویل ذکر کیا ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل نے مخصوص گائے کا مطالبہ کیا اور یہ کہ وہ گائے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے پاس پائی گئی جو اپنے والد کا بڑا فرمانبردار تھا پھر اس میں سلف سے منقول روایات ذکر کرنے کے بعد فرمایا

> ''یہ روایات جو عبیدہ ابو العالیہ سدی وغیرہ سے مروی ہیں ان میں اختلاف ہے ظاہر ہے کہ روایات بنی اسرائیل کی کتابوں سے لی گئی ہیں۔ یہ روایات ایسی ہیں کہ ان کو نقل کرنا تو درست ہے البتہ ان کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا ان پر اعتماد کرنا صحیح نہیں، سوائے ان روایات کے جو ہماری شریعت کے موافق ہوں۔''[2]

---

[1] البقرہ۲: ۶۷ [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان ۱/۲۳

فقہی منہج و اُسلوب

ترجمان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ احکام پر مشتمل آیات کی تفسیر کرتے ہوئے نواب صاحب، احکام و فقہی مسائل اور افقہاء و آئمہ کرام کے مذاہب و دلائل ذکر کرتے ہیں مگر وہ دیگر مفسرین امام قرطبیؒ، رازیؒ، آلوسیؒ وغیرہ کی طرح حد سے تجاوز نہیں کرتے۔

جہاں تک سلف کے مذہب کا تعلق ہے قرآن و سنت کی رو سے بیان کرتے ہیں اور کوئی رو رعایت نہیں برتتے لیکن پھر بھی اعتدال کے دائرے میں محدود رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿...... فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾[1]

اس آیت کے ضمن میں انہوں نے تفسیر کے چار مسائل بیان فرمائے ہیں۔

ایک شخص جو مہینے کی ابتداء میں مقیم تھا اور درمیان میں مسافر ہوا اسکے لیے افطار کی رخصت ہے یا نہیں؟

سلف کی ایک جماعت نے افطار کی رخصت کا انکار کیا۔ ان کی دلیل یہی آیات ہے اس قول کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ یہ عجیب وغریب ہے۔ ابن حزمؒ نے المحلی' میں اسے صحابہ کرام اور تابعین، سے نقل کیا ہے۔ مگر ابن حزمؒ کی اس نقل و حکایت میں نظر ہے۔ واللہ اعلم صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ رمضان میں فتح مکہ کے لیے نکلے اور راستے میں مقام کرید پر خود بھی افطار کیا اور سب کو افطار کا حکم دیا۔

سفر میں افطار واجب ہے یا اختیاری۔

صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ سفر میں افطار کرنا واجب ہے اللہ کے اس فرمان سے (فعدۃ من ایام اخر) کہ اس کی گنتی دوسرے دنوں کے میں (فرض ہے) مگر صحیح موقف وہ ہے جس پر جمہور ہیں کہ یہ امر تخییر کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ رمضان میں آپؐ کے ساتھ غزوات میں نکلتے ان میں سے کچھ روزے سے ہوتے اور کچھ بغیر روزے کے اور کوئی ایک دوسرے پر عیب نہ لگاتا اگر افطار لازم ہوتا تو ضرور ایسی حالت میں روزے پر انکار کیا جاتا بلکہ اس کے خلاف خود آنحضرتؐ سے ایسے مواقع پر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ صحیحین میں مروی ہے کہ

> ایک دفعہ ہم سخت گرمی کے دنوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ غزوہ پر نکلے گرمی کے مارے لوگ اپنے ہاتھ سروں پر رکھ لیتے تھے۔ ہم میں سے کوئی روزہ سے نہ تھا مگر

---

[1] البقرہ۲:۱۸۵

صرف حضور اکرمؐ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ روزہ سے تھے۔ اس سے افطار کا اختیاری اور غیر واجب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یا افطار؟

ایک گروہ نے کہا جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں کہ سفر میں افطار کی نست روزہ رکھنا افضل ہے۔ کیونکہ حضور اکرمؐ نے سفر میں روزہ رکھا ہے۔ لیکن دوسرا گروہ کہتا ہے کہ روزہ رکھنے سے افطار افضل ہے۔ انہوں نے رُخصت کو اختیار کیا۔ اس لیے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ سے سفر میں روزے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا ''جس نے افطار کیا اچھا کیا اور جس نے روزہ رکھا اس پر بھی کچھ گناہ نہیں ہے۔''

دوسری حدیث میں بیان ہوا ہے کہ ''تم اللہ کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھاؤ جس کی اس نے تمہیں اجازت دی ہے۔'' تیسرا قول یہ ہے کہ صوم و افطار برابر ہیں صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حمزہ اسلمی نے آنحضرتؐ سے پوچھا اے اللہ کے پیغمبر میں زیادہ روزے رکھتا ہوں کیا میں سفر میں بھی روزہ رکھوں فرمایا چاہے رکھلو چاہے افطار کرلو۔''

چوتھے گروہ نے کہا کہ اگر روزہ مشکل ہو تو افطار افضل ہے حضرت جابرؓ سے حدیث دلیل لی ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس پر چھتری سے سایہ کیا گیا تھا فرمایا یہ کون ہے؟ کہا روزہ دار ہے۔ فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اگر وہ سنت سے منہ پھیرتے ہوئے افطار کو ناپسند کریں تو اس پر افطار واجب ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے، کیونکہ مسند امام احمد میں حضرت ابن عمرؓ اور جابرؓ وغیرہما سے آیا ہے۔

((من لم یقبل رخصة الله کان علیه من الاثم مثل جبال عرفة))

''کہ جس نے اللہ کی رخصت کو قبول نہ کیا اس پر عرفہ کے پہاڑ جتنا گناہ ہے۔''

''رمضان کے روزوں کی قضاء پے در پے اور مسلسل واجب ہے یا اس میں وقفہ کرنا جائز ہے؟''

اس میں ایک قول یہ ہے کہ مسلسل روزے رکھے کیونکہ قضاء ادا کے معنی میں ہے دوسرا قول جس پر جمہور متفق ہیں کہ جس طرح دل چاہے رکھے چاہے متصل رکھے یا متفرق رکھے دلیلیں بھی اس موقف کی تائید کرتی ہیں۔ [1]

مزید براں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ [2]

مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں نواب صاحب نے کئی مسائل بیان کیے ہیں ایک مسئلہ یہ بیان فرمایا: کہ خلع طلاق ہے یا نہیں؟ اس میں انہوں نے تفصیل سے ائمہ و فقہاء کے مذاہب بیان فرمائے، دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا: کہ خلع والی عورت کی عدت عام مطلقہ عورت کی عدت کی طرح ہے یا اس سے مختلف ہے۔ اسمیں انہوں نے ائمہ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۶۲-۶۴ [2] البقرہ ۲:۲۲۹

اربعہ اور دیگر حضرات کا مسلک یہ بیان فرمایا کہ وہ تین 'قروء' کے ساتھ عدت گزارے گی دوسرا قول یہ بیان فرمایا کہ اس کی عدت ایک حیض ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ مخالع (یعنی جس مرد سے خلع لیا گیا ہے) مختلعہ (یعنی وہ عورت جس نے خلع لیا ہے) سے اس کی رضا مندی کے بغیر رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ آئمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بغیر رضا مندی کے رجوع نہیں کر سکتا عبداللہ بن اوفیؓ ، ماہان حنفی، سعید بن مسیب اور امام ابوثور کا مسلک یہ ہے کہ مرد نے اگر بدل خلع عورت کو واپس کر دیا تو اس کی رضا مندی کے بغیر بھی وہ رجوع کر سکتا ہے۔ جبکہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں "خلع اگر لفظ طلاق کے بغیر کیا تو یہ جدائی اور تفریق ہے۔ اب عورت پر اس کا کوئی اختیار نہیں رہا اور اگر لفظ طلاق کے ساتھ خلع کیا تو عدت کے اندر اندر اُسے عورت کی رضا مندی کے بغیر رجوع کا حق حاصل ہے اسی ذیل میں انہوں نے فرمایا کہ مخالع، عدت کے دوران مختلعہ، سے نکاح کر سکتا ہے جب کہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے ایک جماعت کا قول ذکر کیا ہے کہ جس طرح دوسرا شخص عدت کے دوران 'مختلعہ' سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح 'مخالع' کے لیے بھی نکاح کرنا ناجائز ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ مخالع عدت کے دوران مزید طلاقیں دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں انہوں نے تین قول ذکر فرمائے ہیں امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، ابوثورؒ، حسن بصریؒ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ مزید طلاق نہیں دے سکتا امام مالکؒ فرماتے ہیں خلع کے بعد بغیر کسی وقفہ اور خاموشی کے اس نے طلاق دی تو واقع ہو جائے گی اور اگر وقفہ خاموشی کے بعد طلاق دی تو نہیں ہوگی امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوری، اوزاعیؒ وغیرہ حضرات کا مذہب یہ ہے کہ عدت کے دوران بہرصورت وہ طلاق دے سکتا ہے۔[1]

آئمہ جرح وتعدیل پر نقد

نواب صاحب نے ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال بھی نقل کیے ہیں مگر وہ صرف نقل پر اکتفاء نہیں فرماتے بلکہ جہاں انہیں کسی کا قول پسند نہ ہو تو اس پر بلا جھجک رد بھی کرتے ہیں اور جو رائے ان کو محقق معلوم ہوتی ہے اسے ذکر کر دیتے ہیں اس سلسلے میں وہ کسی سے رعایت نہیں کرتے۔ تفصیلی تذکرہ اگلے باب میں پیش ہوگا۔

نقد حدیث کا انداز

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا کہ نواب صاحب برصغیر میں اعلیٰ پائے کے محدث تھے۔ انہوں نے اپنی تفسیر کو محدثانہ طریق پر مرتب کیا، آیات کی تفسیر سے متعلق احادیث پر انتہائی ماہرانہ اور ناقدانہ کلام کیا۔ انتہائی نپے تلے انداز میں حدیث اور اس کی سند کا حکم بیان کرتے ہیں مثال کے طور پر چند ایک تعبیرات درج ذیل ہیں۔ اس کی سند ضعیف ہے، یہ حدیث بے اصل و شاذ اور موضوع ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو تھا "ترجمان القرآن بلطائف البیان" کا تعارف اور خصوصیات، آئندہ صفحات میں، ترجمان القرآن کا تدوین کے جدید اصولوں کے مطابق جائزہ لیا جائے گا۔

---

[1] القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۶۱-۱۶۴

ترجمان القرآن بلطائف البیان

تدوین کے جدید اصول کے آئینہ میں:

تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان آج سے کم و بیش ۱۳۰ سال قبل (۱۳۰۲ھ) اس وقت لکھنی شروع کی گئی تھی، جب اردو زبان وادب تدوین کے جدید اصولوں سے قطعاً نا آشنا تھی اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے قائم کیا جانے والا ادارہ یعنی ''انجمن ترقی اردو'' (جنوری ۱۹۰۳ء) ابھی معرض وجود میں نہیں آیا تھا، جس نے بعد میں بابائے اردو مولوی عبدالحق (۱۸۹۱ء) کی سرپرستی میں اس زبان کی ترقی کے لیے بڑا کام کیا۔ اور اسے موجودہ حالت تک پہنچایا۔[۱]

نواب صاحبؒ نے ۱۳۰۲ء میں اسے لکھنا شروع کیا تفسیر کے مصادر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''موضح قرآن'' کواس کے مؤلف نے ۱۳۰۵ء میں لکھا تھا۔ جسکو تین کم سو برس ہوئے وہ ترجمہ تھا اب یہ تفسیر ہے ترجمہ آیتوں کا مع فوائد ''موضح قرآن'' سے لیا تھا۔

عبارت ''موضح قرآن'' کے مطابق روزمرہ حال کے کرلیا ہے اس لیے اتنی مدت میں بعض محاورے اردو زبان کے بدل گئے ہیں۔[۲]

بہرحال اس تفسیر کو اردو زبان میں بہت سہل اور آسان کر کے لکھا گیا ہے ''موضح قرآن'' نواب صاحبؒ سے ایک صدی قبل لکھی گئی جسکی زبان نواب صاحبؒ کو سلیس بنانا پڑی، یہی معاملہ آج کے قاری کو نواب صاحبؒ کی تفسیر کے ساتھ درپیش ہے۔

نواب صاحبؒ کی تفسیر ۱۳۰۲ھ میں لکھی گئی اور انکی وفات کا سال ۱۳۰۶ھ ہے گویا وفات کے ایک سوا صدی سے زیادہ مدت اس تفسیر پر بیت چکی ہے آج پھر وہی مسئلہ درپیش ہے کہ انہوں نے جو زبان اس دور میں استعمال کی اسے بھی سلیس بنانے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ عام اردو دان طبقے کے لیے اسے پڑھنا محال ہے۔ پھر کتاب کے لیے جو خط استعمال کیا گیا ہے وہ بھی متروک ہو چکا ہے۔ اس لیے اس تفسیر کے قارئین کو دوران مطالعہ وقدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جنھیں چند عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

قدیم رسم الخط:

کتابت کے لیے جو خط استعمال کیا گیا ہے وہ بھی متروک ہو چکا ہے بیان زبان اردو اور رسم الخط کی صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے تاکہ اندازہ ہو جائے کہ کیسی مشکل زبان، گنجلک ترکیبیں، پیچیدہ بندشیں اور محاورات استعمال کئے گئے ہیں۔ تاہم نواب صاحب کے الفاظ ہیں۔

''بہرحال اس تفسیر کو اردو زبان میں بہت سہل اور آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔''[۳]

۱۔ پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو، ۱۲، ۱۳
۲۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۵/۱
۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳/۱

اس دور میں یہ سلیس زبان ہی ہوگی، جیسا کہ لکھتے ہیں:

انسان کامل بدء خلق سے موت تک مع کیفیت موت وقبض روح کے ذکر کیا ہے پر یہ بیان کیا ہے کہ بعد عود روح کے طرف آسمان کے کیا ہوتا ہے مومنین کے لیے فتح یاب کرتے ہیں۔ اور کفار رکواوپر سے نیچے گرادیتے ہیں عذاب قبر سوال معراج اشراط ساعت کبری کاالگ ذکر ہے۔ یہ دس علامتیں ہیں نزول عیسیٰ خروج دجال ظہور یاجوج ماجوج سیر دابۃ الارض دفاع رفع القرآن طلوع شمس از مغرب بند ہونا دروازہ توبہ کاخسف کااحوال بعث جسے نفخ صور واسطہ فزع وصعق کے دوسرا نفحہ واسطے بعث حشر ونشر کے احوال موقف کاشدت حرارت آفتاب کی سایہ عرش کاصراط میزان حوض حساب ایک قوم کا ہونا دوسری قوم کا گواہی اعضاء کی دینا کتاب کا دائیں یابائیں ہاتھ میں یاپس پشت سے ذکر شفاعت وجنت کااور جو کچھ جنت میں ہو گا جیسے ابواب ہشتگانہ انہار اشجار ثمار زیور ظروف درجات رویت الٰہی ذکر نارکااور جو کہ نارمین ہے انواع ادویہ وعقاب واقسام عذاب سے جیسے زقوم وحمیم غسلین وغیرہ ذلک ان سب کا حال اگر بطریق بسط لکھا جاوئے تو کئی مجلامین آوے جس قدر کتب معتمدہ آئمہ اسلام نے سب ابواب میں لکھے ہیں وہ سب کتب گویا تفسیر ہیں قرآن کی بات ان امور کی جنکو انہوں نے سنت صحیحہ وآثار توبہ سے صراحۃ یااشارہ اجمالاً یاتفصیلاً سمجھا ہے۔[۱]

مندرجہ بالاعبارت تفسیر کاایک مختصر ساٹکڑا پیش کیا گیا ہے۔ اسکو پڑھنے سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱۔ جواردو زبان استعمال کی گئی وہ کافی پرانی اورناپید ہوچکی ہے جس کا سمجھنا کافی حد تک مشکل کام ہے۔

۲۔ اس پیرے میں کہیں قومہ (Comma) نہیں کوئی فل سٹاپ (Full Stop) نہ فقرے کاتسلسل جہاں سے ٹوٹتا ہے اور دوسرا فقرہ کہاں شروع ہوتا ہے نئے پیرے کاآغاز کہاں سے ہوا ہے کوئی سرخی نہیں ساری کتاب میں کوئی عنوان نہیں دیا گیا۔

جوالفاظ تفسیر میں استعمال ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔

اصل لفظ	استعمال ہونے والا لفظ	اصل لفظ	استعمال ہونے والا لفظ
تیار	طیار	سے	سہ
ہے	ہہ	رکھی	رکہی

[۱] ترجمان القرآن بطائف البیان، ۱/۱۱

کے	کہ	تھا، تھی، تھے	تہا، تہی، تہے
کھول	کہول	پہنچتے	پہونچتے
یعنی	یعنے	پھر	پہر
پھول	پہول	بچھاتے	بچہاتے
کہا	کھا		

تفسیر میں بغیر نمبر شمار کے آیات کریمہ کا اندراج

چونکہ تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان مرتب کرتے وقت متن میں قرآن پاک کی آیات پر عددی نمبر وغیرہ نہیں لگائے گئے جبکہ تکرار مباحثہ کی وجہ سے بعض اوقات ایک ایک دو دو آیات کی تفسیر بھی کی گئی صفحات پر ایک باریک انداز میں لکھ دی گئی ہے۔ اس لیے قارئین کو متعلقہ آیات تک پہنچے میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

باب سوم

ترجمان القرآن بلطائف البیان میں نواب صاحب کا منہج واسلوب

فصل اول

ترجمان القرآن بلطائف البیان کے تفسیری ماخذ

فصل دوم

تفسیری روایات سے اخذ و استفادہ میں نواب صاحبؒ کا منہج و اسلوب

فصل سوم

ترجمان القرآن بلطائف البیان کا فقہی و اجتہادی منہج و اسلوب

فصل چہارم

ترجمان القرآن بلطائف البیان اور اعتقادی مسائل

فصل اول

ترجمان القرآن بلطائف البیان کے تفسیری مآخذ

نواب صدیق حسن خان نے، قرآن مجید کی تفسیر کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ وہ جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی اطلاع نہیں دی، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسماء وصفات کی معرفت، لہٰذا اس سلسلہ میں بحث کرنا کسی کے لیے بھی درست نہیں ہے۔

۲۔ کتاب کے وہ اسرار و رموز جن کی اطلاع اللہ رب العزت نے صرف اور صرف اپنے نبی کو دی ہے، اب ان کے بارے میں نبیؐ کے علاوہ، کسی اور کیلئے کلام کرنا جائز نہیں سوائے، ان کو، جن کو نبیؐ خود اجازت دیں۔

۳۔ وہ علوم، جو اللہ رب العزت نے اپنے نبیؐ کو سکھائے اور ان کی تعلیم کا بھی حکم دیا، ایسے علوم کی دو اقسام ہیں:

الف۔ وہ جن کا تعلق روایت سے ہے، جیسے اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ، قراءت، پہلی امتوں کے قصص اور مستقبل کی خبریں وغیرہ۔

ب۔ وہ جو فکر و تدبر اور استنباط کے طریق سے حاصل ہوں۔

اس کی مزید دو اقسام ہیں۔

الف۔ ایک قسم وہ ہے جس کے جواز میں اختلاف ہے اور وہ ہے متشابہات کی تاویل وغیرہ۔

ب۔ وہ جس کے جواز پر سب متفق ہیں، اور وہ ہے اصل اور فروع احکام کا استنباط، اور فنون بلاغت وحکمت وموعظۃ کی باتیں وغیرہ، لیکن ان کے استنباط کی اجازت صرف اس کو ہے، جس میں یہ اہلیت موجود ہو، اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ تفسیر بالرائے ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔[۱]

مبحث اول

۱۔ تفسیر القرآن بالقرآن

ترجمان القرآن بلطائف البیان میں نواب صاحبؒ نے اپنی بیان کردہ تفسیری اقسام کا خیال رکھا ہے، چونکہ یہ تفسیر بالماثور ہے اور ایسی تفاسیر کا پہلا ماخذ قرآن ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ تفسیر القرآن بالقرآن تمام طرق سے بہتر اور علمیت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے۔ اس لیے یہ طریقہ کلام ربانی کی تفسیر کے لیے نہایت ہی عمدہ اسلوب ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ عمدہ اور صحیح ترین تفسیر کے مختلف طرق کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ان اصح الطرق فی ذلک ان یفسر القرآن بالقرآن فما اجمل فی مکان فانه قد فسر فی موضع آخر و ما اختصر فی مکان فقد بسط فی

---

[۱] فتح البیان فی مقاصد القرآن، ۱/۱۷

موضع آخر[1]

''تفسیر قرآن کا سب سے صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر، خود قرآن سے کی جائے کیونکہ قرآن کریم میں جس بات کا ایک جگہ اجمالاً تذکرہ ہے تو دوسری جگہ اس کی وضاحت کر دی گئی، اسی طرح اگر ایک بات کو کسی جگہ اختصار سے بیان کیا گیا ہے تو دوسری جگہ اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کہ قرآن کی تفسیر اور اس کے معانی و مطالب کے بیان کیلئے، صحابہ کرامؓ جس کا خیال رکھتے تھے وہ کوئی سطحی چیزیں نہیں ہیں کہ جس میں کسی غور وفکر کی چنداں ضرورت نہ ہو۔ بلکہ یہ تو ایسا عمل ہے جس کی اساس ہی غور وفکر پر رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجمل کو مبین، مطلق کو مقید اور عام کو خاص پر محمول کرنا کوئی معمولی کام نہیں جو ہر انسان انجام دے سکتا ہو۔ بلکہ یہ ایک ایسا کام ہے جس سے صرف اہل علم ہی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔[2]

یہ طریقہ چونکہ متفقہ طور پر مقبول ہے جس کی قبولیت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ذہبیؒ فرماتے ہیں:

جہاں تک تفسیر القرآن بالقرآن کا تعلق ہے تو اس کے مقبول ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نہ تو کسی طرح سے ضعف پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی شک کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔'' [3]

اسی نسبت سے نواب صاحب 'تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان' کے مقدمہ میں جہاں قرآن کی تفسیر کے طریقے بیان کرتے ہیں وہاں قرآن کریم کی تفسیر کا صحیح ترین طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' قرآن کریم کی تفسیر اس طرح ہوتی ہے کہ قرآن کی تفسیر پہلے تو قرآن سے ہی کی جائے کیونکہ جو بات ایک جگہ قرآن میں مجمل نظر آئی ہے تو دوسری جگہ تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ [4]

چنانچہ نواب صاحب، تفسیر قرآن بالقرآن کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل انداز اختیار کرتے ہیں:

مجمل کی وضاحت مفصل سے کرتے ہیں

نواب صاحب نے اپنی تفسیر میں متعدد مواقع پر، سلف صالحین کی پیروی کرتے ہوئے اس منہج کو اختیار کیا ہے اور قرآن کے مجمل مقامات کی وضاحت کیلئے، مفصل مقامات کا استعمال کیا ہے چند مقامات کا بطور مثال تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ﴾ [5]

نواب صاحب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر کرتے ہوئے، چار قسم کے لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں اور سورۃ النساء

---

1. مقدمہ فی اصول التفسیر، ۴۲
2. التفسیر والمفسرون، ۴۱/۱
3. ایضاً، ۱۵۶/۱
4. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۱/۱
5. الفاتحہ ۱:۷

کی آیت کو وضاحت کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقًا﴾[1]

''اور جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے۔ جن نبیوں، صدیقوں، شہدا اور صالحین پر اللہ نے انعام کیا اور رفاقت کے لحاظ سے یہ لوگ خوب ہیں۔''

سورۃ فاتحہ کی اس آیت مبارکہ میں ''انعمت علیھم'' میں اجمال تھا کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اس کی وضاحت سورہ نساء کی آیت میں ہے کہ وہ لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ اس طرح قرآن کی تفسیر قرآن کریم سے ہی کی گئی ہے تاکہ اجمال کی وضاحت ہو جائے۔

مزید برآں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾[2]

نواب صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جن کا طریقہ اہل ایمان کے طریقے سے جدا ہے۔ اہل ایمان کا طریقہ علم حق اور عمل صواب دونوں پر شامل ہے۔ یہود نے عمل نہ کیا اور نصاریٰ کو علم نہ ہوا اس لیے یہود کا جرم سنگین ہونے کی وجہ سے ان پر غضب ہوا اور عیسائی بہکا دیے گئے۔ کیونکہ جو عالم بے عمل ہو وہ غضب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس شخص کے خلاف کہ جسے سرے سے حق ملا ہی نہ تھا وہ جاہل رہا اور نصاریٰ نے دریافت حق چاہا، لیکن درست راہ ہاتھ نہ لگی اور گمراہ ہو کر رہ گئے اگرچہ یہود ونصاریٰ دونوں ہی گمراہ و مغضوب علیہم ہیں، لیکن یہود کا خاص وصف غضب ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ ﴿مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾، (المائدہ۵:۶۰) ﴿فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ﴾ (البقرۃ۲:۹۰) ''جس کو اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس پر ناراض ہوا وہ غصے پر غصے سے لوٹے'' اور نصاریٰ ضلال کے ساتھ اخص ہیں جیسے ارشاد فرمایا:

﴿قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ. لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ. كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾[3]

---

[1] النساء۴:۶۹

[2] الفاتحہ:۷ — [3] المائدہ۵:۷۷۔۷۹

''تحقیق وہ اس سے قبل گمراہ ہو چکے تھے اور انہوں نے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ بنی اسرائیل کے کافر لوگ حضرت داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے ملعون ٹھہرے۔ جس کے وہ خود مرتکب ہوئے تھے۔ البتہ بہت برا ہے جو وہ کرتے تھے۔''

معلوم ہوا کہ احادیث و آثار کے قطع نظر 'ضالین' اور 'مغضوب علیہم' کی یہ تفسیر قرآن سے بھی منقول و ثابت ہے۔ 'مغضوب' اور 'ضالین' سے کون لوگ مراد ہیں کہ یہ بات مجمل تھی، نواب صاحب نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۹۰ اور سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۶۰ سے یہ ثابت کیا ہے کہ 'مغضوب' سے مراد یہود ہیں اور 'ضالین' سے مراد عیسائی ہیں۔[۱]

اسی طرح اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَقُولُواْ رَاعِنَا وَقُولُواْ انظُرْنَا﴾ [۲]

مذکورہ آیت کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

یہود نبی ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور باتیں سنا کرتے تھے جبکہ کسی چیز کے دوبارہ پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو کہتے ''راعنا'' یعنی ہماری طرف توجہ کیجئے۔ ان سے سیکھ کر بعض مسلمان بھی کبھی ایسا لفظ کہہ دیتے جو اللہ کریم نے منع فرمایا کہ تم ایسا نہ کہو اگر ضرورت ہو تو ''انظرنا'' کہو۔ اس کے معنی بھی یہی ہیں۔ اور آئندہ سنو تو غور سے سنا کرو تا کہ دوبارہ سننے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ یہود کو تو دغا بازی کی عادت تھی وہ زبان دبا کر کہا کرتے تھے تو وہ ''راعینا'' ہو جاتا۔ یعنی اے ہمارے چرواہے! اور ان کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے ہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے ایمان والوں کو منع کیا کہ وہ قول و فعل میں کافروں کے مشابہ نہ ہوں۔ یہود ایسی باتیں بطریق ''توریہ'' کرتے اور اس سے ان کی مراد حقارت کرنا ہوتی تھی۔ ''اسمع لنا'' کی جگہ ''راعنا'' کہتے جو رعونت سے ہے۔ جیسے اللہ کریم نے فرمایا۔

﴿مِنَ الَّذِينَ هَادُواْ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيّاً بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْناً فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَكِن لَّعَنَهُمُ اللّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلاَ يُؤْمِنُونَ إِلاَّ قَلِيلاً﴾ [۳]

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۴۱،۴۲

[۲] البقرہ۲: ۱۰۴ [۳] النساء۴: ۴۶

''ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے وہ باتوں کو اس کی جگہ سے تبدیل کردیتے اور کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور سنی نہ سنایا جائے اور راعنا زبان کو پیچ دے کر کہتے اور دین میں طعن کرتے ہوئے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور فرمانبرداری کی اور سنیے اور ہماری طرف دیکھ (کہتے) تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور زیادہ درست ہوتا۔ لیکن اللہ کریم نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی پس وہ تھوڑا ہی ایمان لاتے ہیں۔ [۱]

الغرض سورۃ البقرۃ کی آیت میں جو اجمال تھا نواب صاحب نے اس کی وضاحت کیلئے، قرآن کے دوسرے مقام کو بلا دلیل پیش کیا ہے، مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوا مِنكُمْ فِيْ السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ. فَجَعَلْنَاهَا نَكَالاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾[۲]

'تم جان چکے ہو جنہوں نے تم میں زیادتی کی ہفتے کے دن میں، تو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر پس ہم نے ان کے آگے اور بعد والوں کے لیے اسے عبرت بنایا اور متقین کے لیے نصیحت ہے''۔

اس آیت مبارکہ میں یہ اجمال تھا کہ ہفتہ کے دن انہوں نے کیا زیادتی کی تھی؟ اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے نواب صاحب سورہ اعراف کی آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِيْ السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعاً وَيَوْمَ لاَ يَسْبِتُونَ لاَ تَأْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ. ﴾[۳]

آخر میں نواب صاحب رقم طراز ہیں:

''بہرحال اللہ نے ان سے یہ عہد و میثاق لیا تھا کہ تم ''سنیچر'' کے دن کی تعظیم کرو اس دن مچھلی کا شکار نہ کھیلو۔ انہوں نے یہ حیلہ نکالا کہ ''سنیچر'' سے ایک دن پہلے جال ڈالتے حوض بناتے، مچھلی اس میں پھنس کر رہ جاتی رات کو پکڑ لیتے۔ اللہ کو غصہ آیا انکو بندر بنادیا۔ بندر شکل و صورت میں سب سے زیادہ مشابہ انسان ہے۔ گو حقیقت میں حیوان ہے اسی طرح جبکہ انکے اعمال و حیلے ظاہر میں مشابہ حق

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۸۹/۱، ۱۹۰

[۲] البقرہ۲: ۶۵-۶۶ [۳] الاعراف ۷: ۱۶۳

تھے۔ اور باطن میں مخالف حق تو اللہ نے ان کو وہی جزاء سزا دی جو ان کے جنس
عمل سے تھی۔

ابن عباس نے کہا اللہ نے ان کو بندر بنا دیا انکی معصیت پر وہ تین دن زندہ رہے کوئی صاحب مسخ تین دن سے زیادہ نہیں جیتا، نہ کھایا نہ پیا نہ نسل چلی۔ یہ قصہ زمانہ داؤد میں واقع ہوا تھا۔[۱]

مزید برآں اللہ کا فرمان ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيْمَةُ الأَنْعَامِ إِلاَّ مَا يُتْلَى
عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ إِنَّ اللّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾ [۲]

نواب صدیق حسن خانؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

استثناء میں تحریم ہے جو کہ قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ لیکن اس اس تحریم کا یہاں اجمالاً تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل دوسری آیت میں موجود ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّهِ بِهِ ......
فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ﴾ [۳]

اس آیت میں دس حرام چیزوں کی تفصیل ہے کہ جن میں پہلی مردار اور آخری چیز بتوں کے نام پر ذبح کرنا ہے۔ پہلی آیت کے اجمال کو دوسری آیت کی تفصیل کے ساتھ ختم کر دیا گیا ہے۔ جس کا تذکرہ کر دیا گیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ [۴]

''پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کلمات پھر قبول کی اللہ نے توبہ ان کی وہی
ہے برحق معاف کرنے والا مہربان۔''

نواب صاحب نے، تفسیر ابن کثیر اور موضح قرآن کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو توبہ کی قبولیت کیلئے جو کلمات سکھائے، ان کا تذکرہ سورہ اعراف میں تفصیل سے کر دیا گیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ [۵]

اول الذکر آیت کریمہ میں، القاء کلمات اور توبہ کا تذکرہ محض اجمالی تھا، جبکہ مؤخر الذکر آیت میں ان کلمات کی صراحت موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ نواب صاحب نے، پہلی آیت کے اجمال کو بیان کرنے کیلئے سورۃ اعراف کی آیت کو بطور دلیل پیش کیا ہے، جس سے آپ کے تفسیری منہج، تفسیر القرآن بالقرآن کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ [۶]

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۴۸/۱، ۱۴۹
۲۔ المائدہ ۵:۱
۳۔ المائدہ ۵:۳
۴۔ البقرہ ۲:۳۷
۵۔ الاعراف ۷:۲۳
۶۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۱۰/۱

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ﴾[۱]

مذکورہ آیت کریمہ کی وضاحت کیلئے، نواب صاحب نے قرآن کریم کی مزید دو آیات کا ذکر کیا ہے اور پھر تخلیق قرآن کریم کی مزید دو آیات کا ذکر کیا ہے اور پھر تخلیق کے مختلف مراحل بیان کیے ہیں۔

وہ آیات مندرجہ ذیل ہیں۔

﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾[۲]

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِينٍ﴾[۳]

لفظ کی مختلف مرادیں قرآن سے بیان کرنا

نواب صاحب، تفسیر القرآن بالقرآن کے سلسلے میں ایک اسلوب یہ اختیار کرتے ہیں کہ ایک لفظ کی مختلف مرادیں قرآن سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے۔

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾[۴]

اس آیت کریمہ میں عہد سے، کون سا عہد مراد ہے اس کے متعلق وہ چھ آیات قرآنیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ 'عہد' سے مراد 'وہ عہد' ہے جو ان سے، انبیاء کے متعلق لیا گیا کہ جب وہ مبعوث ہو چکیں تو ان کی تصدیق کرنا پھر ہم بھی اپنا وعدہ پورا کریں گے اور جو بوجھ اور طوق تمہارے گلے میں گناہوں کی وجہ سے پڑ گئے تھے وہ اتار دیں گے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس عہد سے مراد یہ آیت ہے۔

﴿وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾[۵]

''اور تحقیق اللہ نے بنی اسرائیل سے مضبوط وعدہ لیا اور انہیں میں سے ان کے بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ کریم نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں کے ساتھ ایمان لاؤ گے۔ اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہاری سیئات کو دور کروں گا۔ اور ضرور تمہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔''

---

۱ الاعراف ۷:۱۱ ۲ الحجر ۱۵:۲۸
۳ المومنون ۲۳:۱۲ ۴ البقرہ ۲:۴۰
۵ المائدہ ۵:۱۲

بعض نے کہا یہ وہ عہد ہے جو تورات میں ان سے لیا گیا کہ ہم عنقریب بنی اسماعیل سے ایک عظیم نبی مبعوث کریں گے۔ سارے قبائل اس کی اطاعت گذاری کریں گے۔ اس سے مراد بعثت نبوی ہے۔ جس نے ان کی پیروی کی اللہ اس کے گناہ بخش دے گا۔ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اسے دوہرا اجر دے گا۔ اس کی تصدیق کلام پاک میں یوں فرمائی۔ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ﴾ (القصص ۲۸:۵۲) الی قولہ ﴿اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا﴾ (القصص ۲۸:۵۴)، (''وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عطا کی وہ اس کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اجور دوہرے دیے جائیں گے اس وجہ سے جو انہوں نے صبر کیا۔''

کسی نے کہا وہ عہد یہ تھا ﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۳:۸۱) کہ جب اللہ کریم نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ وہ اس کو لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔

کسی نے کہا بلکہ وہ عہد یہ تھا ﴿خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ (البقرہ ۲: ۶۳) 'کہ جو ہم نے تمہیں عطا کیا اسے قوت سے پکڑلو'

کسی نے کہا وہ عہد مراد ہے جو سورہ الاعراف میں مذکور ہے۔

﴿وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ﴾[1]

''اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ عنقریب میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گار ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو امی نبی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر خیر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

رہا وہ عہد جو اللہ نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ بعض نے کہا وہ یہ عہد ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾[2]

''جب اللہ کریم نے انبیاء سے مضبوط عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دوں گا پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس چیز کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا ذمہ لیا۔ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا گواہ رہو میں بھی

---

[1] الاعراف ۷:۱۵۶، ۱۵۷ [2] آل عمران ۳:۸۱

تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔"

اللہ کریم نے فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ [1]

" جب عیسی بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! بلا شبہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں اور اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے آگے ہے۔ تورات سے اور اس پیغمبر کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا" یہ بھی ممکن ہے کہ ان آیات سے جو عہد مراد ہیں وہ سب ہی مراد ہوں۔[2]

مزید برآں ھدی للمتقین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

" ہدایت سے کبھی ایمان مراد لیتے ہیں سو ایمان کا دل میں پیدا کرنا سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ہوسکتا۔

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [3]

﴿مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ [4]

﴿مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ [5]

اور کبھی ہدایت سے مراد رہنمائی کرنا ہوتا ہے، ﴿إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ [6] ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ [7]

رسول اللہ ﷺ سے پہلی آیت نے ہدایت دینے کی نفی کی ہے۔ اور ہدایت کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ دوسری آیت آپ ؐ کی طرف بھی ہدایت کی نسبت کر رہی ہے۔ اور یہ بھی بتارہی ہے کہ قوم کا کوئی نہ کوئی ہدایت دینے والا ضرور ہوتا تھا۔ لیکن بعد والی آیات سے ہدایت کے معنی کا تعین کیا گیا ہے۔ کہ ہدایت کا ایک معنی دلالۃ الطریق ہے یعنی راستہ دکھانا ہے جیسا کہ ہم نے ثمود کو دکھا دیا تھا انہوں نے گمراہی کے راستے کو اپنایا تو گویا راستہ دکھانا تو آپ ؐ کا کام، لیکن منزل جو کہ ہدایت کا مقتضا ہے اس تک لے جانا آپ ؐ کا کام نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف

---

۱ الصف ۶:۶۱ ۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۱۳-۱۱۶

۳ القصص ۵۶:۲۸ ۴ الاعراف ۱۸۶:۷

۵ ایضاً ۱۷۸:۷ ۶ الرعد ۷:۱۳ ۷ البلد ۱۰:۹۰

اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ان مختلف آیات کو لا کر ہدایت کے معنی کا تعین کیا گیا ہے کہ آپ ؐ کی طرف ہدایت کی نسبت کا معنی ہے "راہ دکھانا، اس حیثیت سے آپ ؐ ہدایت دیتے ہیں۔ اسی معنی میں ہدایت کو آپ ؐ کی طرف نسبت کیا گیا ہے اور جن آیات میں آپ ؐ سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس وقت ہدایت کا معنی ہے دلالۃ التوفیق۔یعنی منزل مقصود تک پہنچانا۔ یہ ہدایت آپ ؐ کے بس میں نہیں ہے۔لہذا آپ ؐ راہ دکھانے والے ہیں۔جیسا کہ قرآن کی پہلی آیت سے ثابت ہے۔آپ ؐ منزل مقصود پر پہنچانے والے نہیں جیسا کہ دوسری آیت سے ثابت ہے۔ لہذا تعارض نہ رہا۔دونوں آیات کا معنی اپنی اپنی جگہ صحیح ہوگیا۔ اور منزل مقصود پر پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ نہ کہ رسول اللہ کا۔"[1]

آیت کی تفسیر میں متعدد آیات کا ذکر کرتے ہیں

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾[2]

اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت ہے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔"

جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾[3]

"یعنی زمین ہے اللہ کی اس کا وارث کہ جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور آخر بھلا ہے ڈرنے والوں کا۔"

اور فرمایا

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾[4]

ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کے جینے میں اور جب کھڑے ہوں گے گواہ فرمایا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[5]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۴۷،۴۸

[2] الانبیاء ۲۱:۱۰۵ — [3] الاعراف ۷:۱۲۸

[4] مؤمن ۴۰:۵۱ — [5] النور ۲۴:۵۵

''وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں نیک کام البتہ
پیچھے حاکم کرے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دیگا ان
کو دین ان کا جو پسند کر دیا ان کو اور دے گا ان کو ڈر کے بدلے امن میری بندگی
کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کوئی اور ناشکری کرے گا اس سے پیچھے سو وہی
لوگ فاسق ہیں۔''

پہلی آیت میں نیک لوگوں کو زمین میں وارث بنانے کا بیان ہے۔ نیک لوگ کون ہیں؟ نیز زمین کی وراثت کیا ہے؟ ان سوالوں کی وضاحت کے لیے نواب صاحب نے دوسری آیت میں اس چیز کی وضاحت پیش کر دی ہے۔ کہ نیک لوگوں سے مراد ایماندار جو کہ ایمان کے مطابق عمل کریں۔ اور زمین کی وراثت کا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں زمین پر خلیفہ بنا دیا جائے گا۔ تمہارے دین کو مضبوط کر دیا جائے گا نیز تمہارے خوف کو ختم کر کے تمہیں چین وسکون عطاء کر دیا جائے گا۔[۱]

اسی طرح اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿أَتَى أَمْرُ اللّهِ فَلاَ تَسْتَعْجِلُوهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [۲]

''پہنچا دے حکم اللہ کا سو اس کی شتابی مت کرو وہ پاک ہے اور اوپر ہے انکے شریک بنانے سے۔''

نواب صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں چار آیات کا تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

حافظ ابن کثیر نے کہا اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے اقتراب اور اس کے نزدیک ہونیکی ماضی کے صیغہ کے ساتھ جو تحقیق اور وقوع پر لامحالہ دلالت کرتا ہے خبر دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول اللہ پاک کے اس قول کی طرح ہے

﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾ [۳]

یعنی نزدیک آگا لوگوں کو انکے حساب کا وقت اور بے خبر ٹلاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ [۴]

یعنی پاس آگئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند اور یہ جو فرمایا اس کی جلدی مت کرو یعنی جو دور تھا وہ نزدیک آگیا اور احتمال ہو کہ ﴿فَلاَ تَسْتَعْجِلُوهُ﴾ میں ضمیر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف عائد ہو یعنی اللہ سے جلدی مت مانگو اور ضمیر کا عود عذاب کی طرف بھی ممکن ہے۔ یعنی اس جلدی مت کرو اور دونوں میں تلازم ہے۔

میں کہتا ہوں یہ آیت ہی ویسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ﴾ [۵]

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۰۵/۶ — [۲] النحل ۱:۱۶

[۳] الانبیاء ۱:۲۱ — [۴] القمر ۱:۵۴

[۵] الشوریٰ ۱۸:۴۲

فرائض ان کا استعجال انتصار کے لیے قرآن میں ثابت ہے۔[۱]

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ﴾ [۲]

یہ ارشاد کہ کون اور اس کے پاس شفاعت کر سکتا ہے مگر اس کے اذن سے

اس کی وضاحت کیلئے مزید آیات ذکر کرتے ہیں:

﴿وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئاً إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾ [۳]

''یہ اللہ کا جلال و کبریا ہے کہ کوئی اس کے سامنے کسی کی سفارش و شفاعت کی جرأت و طاقت نہیں رکھتا مگر اس کے اذن و اجازت سے''

نیز فرمایا:

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفّاً لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَاباً﴾ [۴]

یہ ساری آیات ایک ہی موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی کوئی بھی شخص اس وقت تک شفاعت نہ کر سکے گا جب تک کہ اللہ تبارک وتعالی اس کو اجازت مرحمت نہ فرمادیں۔

﴿وَإِن تَكْفُرُواْ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيّاً حَمِيداً﴾ [۵]

مذکورہ چند آیات میں اللہ تعالی کی قدرت کاملہ کا بیان ہے کہ تمہارے کفر کرنے کا نقصان اللہ کو قطعاً نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا نقصان تمہیں ہی ہوگا کہ اللہ تمہیں برباد کر کے دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور ایسا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایسا کرنے کی زبردست قوت و طاقت رکھتا ہے۔ نواب صاحب ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں کچھ اور آیات بھی پیش کی ہیں کہ جو پہلی والی آیات کے ہی معنی اور مفہوم کو واضح کر رہی ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

﴿وَ قَالَ مُوسَى إِنْ تَكْفُرُوا﴾ [۶]

﴿فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوا وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ [۷]

﴿وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم﴾ [۸]

﴿وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾ [۹]

ان تمام کا وہی معنی و مراد ہے جو کہ پہلی دو آیات کا ہے۔

ظاہری طور پر متعارض آیات کو تطبیق دیتے ہیں تا کہ اشکال دور ہو جائے۔

---

۱. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۰۲۳،۱۰۲۲/۶
۲. البقرہ۲:۲۵۵
۳. النجم۵۳:۲۶
۴. النباء۷۸:۳۸
۵. النساء۴:۱۳۱
۶. ابراہیم۱۴:۸
۷. التغابن۶۴:۶
۸. محمد۴۷:۳۸
۹. فاطر۳۵:۱۶

مثلاً:

﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ [۱]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں نواب صاحب پہلے دو ایسی آیات کا تذکرہ کرتے ہیں جن سے بنی اسرائیل کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔ مثلاً

﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ [۲]

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا وَّ اٰتٰکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [۳]

ان آیات سے بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل افضل ہیں یا امت محمد یہ اس سلسلے میں وہ یوں تطبیق دیتے ہیں۔

''ابو عالیہ نے فرمایا وہ تفصیل یہ تھی کہ انہیں بادشاہی و پیغمبری دی اس وقت میں جو شخص عالم تھا اس پر کتاب نازل فرمائی۔ ہر زمانے میں ایک عالم ہوتا۔ ابن کثیر نے فرمایا اس کو اسی احتمال پر محمول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ امت ان سے افضل ہے کیونکہ اللہ کریم نے فرمایا۔

﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ......﴾ [۴]

اشکال کو دور کرنے کے لیے آیات سے تطبیق دیتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ [۵]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب فرماتے ہیں: ''یہ وہ مقام حال ہے۔ جس میں کوئی سوال نہ کیا جائیگا۔ دوسرا حال یہ ہے کہ ارشاد ربانی ہوتا ہے۔؟

﴿فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾ [۶]

مندرجہ بالا آیت کی تطبیق نواب صاحب یوں فرماتے ہیں۔

قتادہ فرماتے ہیں:

ا۔ مقرر سوال ہوا پھر قوم کے منہ پر مہر کردی گئی اور ان کے ہاتھ پاؤں بولے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

ب۔ ابن عباس فرماتے ہیں ان سے نہ پوچھے گا آیا تم نے کہا ایسا ایسا، کیوں کیا کہ وہ ان سے بڑھ کر جانتا ہے، لیکن وہ

۱۔ البقرۃ ۲: ۴۷ — ۲۔ الدخان ۴۴: ۳۲
۳۔ آل عمران ۵: ۲۰ — ۴۔ آل عمران ۳: ۱۱۰؛ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۲۴، ۱۲۵
۵۔ الحجر ۱۵: ۹۲ — ۶۔ الرحمٰن ۵۵: ۳۹

کہے گا ایسا ایسا تم نے کیوں کیا۔؟

ج۔ مجاہد نے کہا فرشتے نہ پوچھیں گے مجرم کا ان کے چہرے سے پہچان لیں گے ۔ان کو حکم کیا جائے گا جاؤ نار کی طرف۔پس یہ وہ وقت ہے کہ ان سے نہ پوچھا جائے گا ان کے گناہوں کو بلکہ نار کی طرف کھینچے جائیں گے اور اس میں ڈال دیے جائیں گے۔کما قال تعالیٰ

﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ﴾[۱]

قرآن کے عموم کو قرآن سے خاص کرتے ہیں۔

تفسیر میں قرآن کے عموم کو قرآن سے خاص کرنے کے ساتھ ساتھ عام و خاص کا بھی بیان فرماتے، چنانچہ:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[۲]

اس آیت کے عموم میں مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں ہی شامل ہیں۔لیکن اس عموم سے قرآن کی نص

﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾[۳]

غیر مدخولہ خارج ہوگی اور اس طرح قرآن کے عموم سے وہ عورتیں بھی خارج ہو جائیں گی جو حاملہ ہیں۔ اس تخصیص کی دلیل کے طور پر نواب صاحب قرآن مجید کی درجہ ذیل آیت کریمہ پیش کرتے ہیں۔

﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾[۴]

پہلی آیت میں مطلقہ عورت کی عدت تین حیض بیان کی گئی ۔اس آیت کے عموم میں مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں ہی شامل تھیں۔لیکن نواب صاحبؒ نے بعد والی آیات کی تخصیص لا کر کچھ مطلقہ عورتوں کے کچھ افراد کو خاص کر دیا ہے جیسے غیر مدخولہ پر عدت نہیں ہے۔حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔تین ماہ نہیں ہے۔ پہلی آیت کے عموم کو بعد والی آیات سے خاص کر دیا گیا۔[۵]

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴾[۶]

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ ان کے حق میں کام کی بات۔''

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اس

---

۱ الرحمٰن ۵۵:۴۱؛ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۵/۷۹
۲ البقرہ ۲:۲۲۸
۳ الاحزاب ۳۳:۴۹
۴ الطلاق ۶۵:۴
۵ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۵۹، ۱۶۰
۶ النساء ۴:۶۳

سے بخوبی واقف ہے، گویا لفظ ''ما'' عموم پر دلالت کرتا ہے، کہ جو کچھ بھی ہے، اللہ اس کو جانتا ہے، لہذا نواب صاحب نے اس عموم کی تخصیص کیلئے، قرآن مجید کی دوسری آیت بطور دلیل ذکر کی ہے کہ اس سے مراد ان کے دلوں کا نفاق ہے نہ کہ حقیقی درد۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِيْ قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيْهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُواْ عَلَى مَا أَسَرُّواْ فِيْ أَنْفُسِهِمْ نَادِمِيْنَ﴾[1]

''آپ دیکھیں کہ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ کافروں کے پاس جانے میں جلدی کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گردشِ زمانہ سے ڈرتے ہیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح یا کوئی اور امر اپنی طرف سے لائے گا تو وہ اس پر جو انہوں نے اپنے نفسوں میں چھپا رکھا ہے ندامت کرنے والے ہونگے۔''

اس مقام پر بھی نواب صاحب نے قرآن کے عموم کو قرآن ہی کی دوسری آیت سے خاص کیا ہے۔

الغرض یہ تھا نواب صاحب کا منہج تفسیر القرآن بالقرآن، جس کو مع امثلہ بیان کر دیا گیا۔ آئندہ صفحات میں، نواب صاحب کا منہج تفسیر القرآن بالحدیث پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] المائدہ ۵:۵۲

مبحث دوم

تفسیر قرآن بالحدیث

قرآن کریم کے بعد تفسیر بالماثور کا اہم ترین مصدر و ماخذ احادیث نبویہؐ ہیں جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''اگر اس میں تم کامیاب نہ ہوسکو (یعنی قرآن کریم کی تفسیر تمہیں قرآن میں نہ مل سکے) تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو جو قرآن کی شرح و تفسیر کرتی ہے۔''[1]

گویا قرآن کریم کی جو تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اس کے بعد تفسیر رسول کا درجہ ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اَنْـزَلْنَـآ اِلَیْکَ الذِّکْـرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّـاسِ مَـا نُـزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾[2]

اور ہم نے یہ قرآن آپؐ کی طرف نازل کیا ہے تا کہ لوگوں کے لیے آپؐ ان مضامین کی وضاحت کریں جو آپؐ کی طرف اُتارے گئے ہیں۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ﴾[3]

اور ہم نے یہ کتاب اسی لیے نازل کی ہے تا کہ آپؐ ان کو وہ باتیں کھول کر بتا دیں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

مذکورہ صدر آیات واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کرنا آنحضورؐ کا اہم کام تھا۔ آپ جو کچھ بھی تفسیر فرماتے وہ من جانب اللہ ہوتی تھی اس پر وحی غیر متلو (احادیث وسنن) کا اطلاق ہوتا ہے اسی لیے آپؐ نے فرمایا۔

((ألا انی أوتیت القرآن و مثله معه))[4]

''خبردار! بے شک مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ۔''

یہاں ''مثلہ معہ'' سے مراد ''حدیث وسنت'' ہے اور یہ بھی آپؐ پر قرآن مجید کی طرح بذریعہ وحی نازل ہوتی تھی۔ ان دونوں وحیوں کے نزول میں فرق صرف اتنا تھا کہ ''قرآن کی تنزیل الفاظ کے ساتھ ساتھ تھی اور سنت میں مطالب و مفاہیم اور معانی کی آپؐ پر وحی ہوتی۔ جسے آپؐ اپنے الفاظ یا اعمال سے ظاہر فرماتے۔[5]

احادیث اور سنن رسولؐ میں جن کاموں کے کرنے اور جن کاموں کے نہ کرنے کا جو حکم ہے اس کی اصل کسی نہ کسی صورت میں قرآن مجید میں موجود ہے۔

---

[1] مقدمہ فی اصول التفسیر، ۴۲   [2] النحل ۱۶: ۴۴   [3] ایضا، ۱۶: ۶۴

[4] سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، ۳۹۸۸   [5] تاریخ افکار وعلوم اسلامی، ۱/ ۲۲۶

چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"کل ما قال به رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو مما فهمه من القرآن."[۱]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم بھی دیا ہے وہ قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔''

مذکورہ بالا دلائل کی تائید میں، نواب صاحب نے حضرت معاذ والی روایت پیش کی ہے، جس کا ذکر انہوں نے ترجمان القرآن کے مقدمہ میں کیا ہے لکھتے ہیں:

''بالفرض اگر قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ملے تو حدیث پاک سے تلاش کریں جس طرح حضرت معاذ بن جبلؓ نے یمن کی طرف روانگی کے وقت کہا کہ اگر میں فیصلے کو قرآن میں نہ پاؤں تو سنت کے مطابق عمل کروں گا اور اگر سنت سے نہ ملے تو میں اجتہاد کروں گا۔ آپؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا، ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اللہ کے پیغمبر کے قاصد کو رسول اللہ کی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے کی توفیق بخشی۔''[۲]

مذکورہ بالا دلائل سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ حدیث حجت ہے اور قرآن کی تفسیر کا بنیادی ماخذ بھی ہے، نواب صاحب چونکہ حدیث میں درک رکھتے تھے اور نصوص سے واقف بھی تھے، اسی لیے انہوں نے، قرآنی آیات کی تفسیر میں جابجا احادیث کا تذکرہ کیا ہے، لہذا تفسیر القرآن بالحدیث کے سلسلہ میں ان کے منہج کو پیش کیا جاتا ہے۔

جس کسی آیت کی تفسیر متعدد احادیث ہوں تو اختصار کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا لا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ لا وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ط وَ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ لا ق وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾[۳]

نواب صاحب لکھتے ہیں:

خلود ہمیشہ باقی رہنے کو کہتے ہیں جس کی انتہا نہ ہو یا دیر تک رہنے کو کہا جاتا ہے خواہ ہمیشہ رہے یا نہ رہے۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں، کیونکہ آیات واحادیث سے اسی معانی کی تائید ہوتی ہے نہ وہ جنت سے نکالے جائیں گے نہ وہاں موت آئے گی، بلکہ بلا انقطاع اس میں ہمیشہ ایک ہی اچھی حالت میں رہیں گے شیخین وغیرھما نے ابن عمر سے مرفوعا روایت کی ہے کہ جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم

---

[۱] الرسالہ، ۹۲ [۲] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۲/۱

[۳] البقرۃ ۲:۲۵

میں جا چکیں گے تو ایک منادی یہ ندا کرے گا اے جنت اور دوزخ والو! جو کوئی جس حال میں ہے اسی میں رہے گا اس میں ہمیشگی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا مرفوع لفظ یہ ہے کہ اگر آگ والوں سے کہا جائے کہ تم جہنم میں دنیا کی ہر کنکری کی تعداد تک رہو گے تو وہ خوش ہو جائیں گے، اور اگر اہل جنت سے کہا جائے کہ تم جنت میں ہر سنگریزے کی تعداد تک رہو گے تو وہ غمزدہ ہو جائیں گے، لیکن ان سب کے لیے ابد ہے۔

اسامہ بن زید کی حدیث میں مرفوعا آیا ہے کہ کوئی جنت کے لیے کمر باندھنے والا، جنت میں کوئی خطرہ نہ ہے۔ رب کعبہ کی قسم! جنت ایک چمکتا نور ہے۔ ایک لہراتا پھول ہے۔ ایک گچ کیا ہوا محل ہے۔ ایک بہتی ہوئی نہر ہے۔ ایک پکا ہوا میوہ ہے۔ ایک حسین وجمیل بیوی ہے۔ وہاں عمدہ اور بکثرت لباس ہیں وہاں رہنا بھی ہمیشہ ہے وہ سلامتی کا گھر ہے۔ ایک ہرا بھرا سرسبز پھل ہے۔

جنت کے وصف اور جنت کی عورتوں اور نعمتوں کے ذکر میں بہت سی احادیث مروی ہیں جن کو یہاں مکمل بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حدیثیں صحیحین وغیرھما میں مروی ہیں اور بیان جنت میں ''حادی الارواح'' اور ''مثیر ساکن الغرام'' سے بہتر اسلام میں کوئی تلخیص و تالیف نہ ہے۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ خلود جنت کی خبر مکمل سعادت ہے وہ اس مقام میں اس نعمت کے ساتھ موت و انقطاع سے امن میں رہیں گے جس میں نہ انتہا ہے نہ انقطاع بلکہ ابداً ابداً ہو گی۔[1]

اسی طرح قرآنی حکم کی تاکید اور استشہاد کے طور پر احادیث ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا﴾[2]

''تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ اس کا شریک پکڑے اور بخشتا ہے اس سے نیچے جس کو چاہتا ہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں بہت سی روایات کا تذکرہ کرتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

(i) حضرت عائشہؓ نے کہا حضورؐ نے فرمایا ہے دیوان نزدیک اللہ کے تین ہیں ایک وہ جس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا دوسرا وہ جس میں سے کچھ نہیں چھوڑتا۔ تیسرا وہ جس کو نہیں بخشتا وہ ہے شرک کرنا ہے ساتھ اللہ کے۔ اللہ نے فرمایا ﴿اِنَّ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۸۳-۸۴ [2] النساء۴: ۸۴

الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴾ اور وہ دیوان جس کی پرواہ نہیں کرتا ظلم ہے بندے کا درمیان اپنے نفس اور خدا کے جیسے کوئی روزہ نہ رکھے یا نماز نہ پڑھے کہ اس کو اللہ بخش دیتا ہے۔ اگر چاہتا ہے تو تجاوز فرماتا ہے اور وہ دیوان کہ جس کو نہیں چھوڑتا ظلم کرنا ہے بعض عباد کا بعض پر اس کا قصاص یعنی بدلہ ضرور ہوگا۔

معاویہ کہتے ہیں میں نے حضرت کو سنا فرماتے تھے ہر گناہ قریب ہے کہ بخش دے اس کو اللہ مگر وہ آدمی کہ کافر مرا یا وہ آدمی جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرتا ہے۔

(ii) ابو ذرؓ سے مرفوعاً یوں آیا ہے۔ صحیحین کا لفظ یہ ہے میں نے کہا اے نبی اللہ! میں تیرا فدا ہوں تم طرف ''حرہ'' کے کس سے باتیں کرتے تھے، کیونکہ میں سنتا تھا کہ کوئی شخص آپ کو جواب دیتے ہوئے۔ فرمایا وہ جبرائیل تھے۔ ہر طرف سے ہار کر میرے سامنے آ گئے کہا اپنی امت کو بشارت دو کو جو کوئی مرے گا اور وہ اللہ کے سامنے کسی کو شریک نہ کرتا ہوگا تو جنت میں جاوے گا۔ میں نے کہا اے جبرائیل! گو اس نے زنا کیا ہو یا چوری کہا ہاں پھر میں نے ''وان زنا وان سرق'' کہا نعم میں نے کہا اگر زنا کیا ہو یا چوری کہا ہاں۔ گو شراب پی ہو۔

(iii) ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

((من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ))[1]

جو شخص مر گیا اس نے اللہ کے ساتھ کوئی شرک نہ کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

نواب صاحب نے قرآن مجید میں مذکورہ شرک کی خرابیوں اور قباحتوں کی مزید وضاحت کیلئے احادیث بیان کی ہیں، اور بتایا ہے کہ شرک ایسا ظلم عظیم ہے۔ جس کا مرتکب، مخلد فی النار ہے اور اس کیلئے کوئی نجات اور چھٹکارا نہیں ہے۔ شرک کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں، اگر اللہ چاہے گا تو معاف کر دے گا، لیکن شرک کے مرتکب پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کیلئے کوئی نجات نہیں، اللہ فرماتے ہیں

﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾[2]

''بلاشبہ مشرک پر، اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

اسی مفہوم کی وضاحت نواب صاحب نے مذکورہ احادیث کے ذریعہ سے کی ہے۔

اسی طرح، ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ﴾[3]

''جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک ہوں۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز باب ماجاء فی الجنائز، رقم الحدیث، ۱۲۳۷

[2] المائدہ ۵:۷۲ [3] البقرہ ۲:۱۸۶

نواب صاحب اس آیت کریمہ کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

> ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا ہم ساتھ تھے رسول خداؐ کے ایک لڑائی میں کسی اونچی نیچی جگہوں پر اترتے چڑھتے نہ تھے مگر پکار کر تکبیر کہتے رسول خداؐ نے ہمارے لیے فرمایا: اے لوگو! تم اپنی جانوں کو تکلیف نہ دو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو تم تو سننے والے دیکھنے والے کو پکارتے ہو وہ تمہاری اس سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔[1]

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے قریب ہونے کی خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے کتنا قریب ہے اس چیز کی وضاحت کے لیے نواب صاحب حدیث رسولؐ لاتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اس کی سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے اس قدر قریب ہوتے ہوئے بھی یہ سوچ اور فکر رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہماری نہیں سنتا قطعاً ظلم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا الزام ہے۔ معاذ اللہ گونگا بہرا ہے کہ جس کو سنائی ہی نہیں دیتا حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام نقائص سے پاک ہے۔[2]

﴿اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾[3]

کیا تم بھی چاہتے ہو کہ سوال شروع کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں۔ موسیٰ سے پہلے اور جو کوئی انکار لیوے بدلے یقین کے وہ بھولا سیدھی راہ سے۔

(۱) حدیث صحیح میں آیا ہے کہ بڑا مجرم مسلمانوں میں وہ شخص ہے کہ جس نے سوال کیا ایک شے کا جو حرام نہ تھی وہ اس کے سوال کرنے سے حرام ہوگئی۔

(۲) رسول اللہ سے پوچھا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی مرد کو اپنی جورو کے ساتھ پاوے تو کیا کرے اگر کچھ کہتا ہے۔ بڑا بول منہ سے نکالتا ہے اگر چپ رہتا ہے تو بڑی بات پر چپ ہوتا ہے آپؐ نے ان مسائل کو مکروہ جانا عیب دار سمجھا پھر اللہ نے آیت ملاعنہ بھیج دی۔

(۳) مغیرہ بن شعبہؓ سے مرفوعاً آیا ہے کہ قیل و قال اضاعت مال کثرت سوال سے منع فرمایا ہے۔

(۴) صحیح مسلم میں یوں ہے تم چھوڑ دو مجھ کو جب تک چھوڑے رہو میں تم کو تم سے پہلے لوگ اسی کثرت سوال واختلاف کے سبب سے ہلاک ہوگئے ہیں میں جس بات کا تم کو حکم دوں وہ تم جہاں تک بنے بجالاؤ جس کام سے منع کروں اس سے بچتے رہو یہ حدیث اس وقت فرمائی تھی جبکہ اللہ نے حج فرض کر دیا تھا۔

توضیح مذکورہ آیت میں بے کار کثرت سوال سے روکا گیا ہے کہ جن کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ اسی معنی کی مزید توضیح کے

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/ ۲۷ — [2] ایضاً، ۲/ ۲۷

[3] البقرہ۲: ۱۰۸

لیے حدیث رسولؐ کو پیش کیا گیا ہے، کیونکہ حدیث رسولؐ کا بھی وہی معنی ہے جو کہ قرآن کی آیت کا مفہوم ومعنیٰ ہے۔ لہٰذا یہاں بھی قرآن کی توضیح حدیث رسولؐ سے کی گئی ہے۔

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانو جس وقت بھی تم کو وہ بلائیں کیونکہ اس میں تمہاری زندگی ہے۔''

ابو سعید بن معلیؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نماز میں تھا کہ حضرتؐ کا گزر مجھ پر سے ہوا مجھ کو اپنے پاس آنے کے لیے پکارا میں آپؐ کے پاس نماز کو پوری کرنے کے بعد حاضر ہوا۔ فرمایا تجھ کو کس چیز نے میرے پاس آنے سے روکا تھا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا تھا۔ [1]

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور احادیث مبارکہ میں، نبی کریمؐ کے احکامات کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر نماز جیسی اہم ترین عبادت میں بھی مشغول ہو تو اللہ کے رسولؐ کی پکار پر لبیک کہنا زیادہ ضروری ہے، گویا نبیؐ کا حکم ماننا، ہر بات سے زیادہ ضروری ہے اور ہر حال میں ضروری ہے، اب چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ، مطہرہ تو موجود نہیں تو ہم کیسے لبیک کہہ سکتے ہیں، تو ایسی صورت میں آپ کے فرامین اور احکامات کو ماننا ہی، آپ کی آواز پر لبیک کہنا ہے اور نبی کے حکم کے مقابلہ میں کسی اور کی بات کو اہمیت نہ دینا ہی، آپ کی پکار پر لبیک کہنا ہے، نواب صاحب نے بھی یہی وضاحت فرمائی ہے۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ [2]

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مدت پوری کر لی، اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو طور پہاڑ کی جانب آگ محسوس کی۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کے مدت پورا کرنے کا تذکرہ تو موجود ہے، لیکن یہ وضاحت نہیں کہ انہوں نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی، تو نواب صاحب نے احادیث کی مدد سے اسی کی وضاحت فرمائی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے، اکثریت مدت کو پورا کیا تھا، جیسا کہ نواب صاحب نے نبیؐ کا فرمان ذکر کیا ہے:

چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرح سے مروی ہے کہ موسیٰؑ نے اکثر مدت کو پورا کیا خطیب نے اپنی تاریخ میں ابو ذر سے نکالا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے ابو ذرؓ! جب تجھ سے کوئی پوچھے ان دونوں عورتوں میں سے کس عورت سے نکاح کیا تو کہنا چھوٹی لڑکی سے اور یہی تھی جو حضرت موسیٰؑ کو بلانے کے لیے آئی اور اسی نے کہا اپنے باپ کو اے باپ اس کو

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۹۵، ۱۹۶

[2] القصص ۲۸:۲۹

مزدور رکھ لے اور ابن مردویہؒ نے ابو ہریرہؓ سے نکالا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہا مجھ کو جبریلؑ نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر تجھ سے یہود سوال کریں
کہ حضرت موسیٰؑ نے کس مدت کو پورا کیا تو فرمانا اکثر مدت کو اور اگر سوال کریں
نکاح کس لڑکی سے کیا تو فرمانا چھوٹی لڑکی سے۔ تو اکثر مدت کو پورا کرنے میں
بہت سی روایتیں ہیں[۱]

مزید برآں نواب صاحب فرماتے ہیں:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُطُ.س وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾[۲]

"کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کو کئی گنا
زیادہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہی کم کرتا ہے اور زیادہ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم
لوٹائے جاؤ گے۔"

نواب صاحب مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں حدیث پیش کرتے ہیں کہ جس سے قرض کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ابن مسعود کہتے ہیں جب یہ اُتری ابو الدحداح انصاریؓ نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! کیا اللہ ہم سے قرض لینا چاہتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! اس نے کہا تو ذرا اپنا ہاتھ تو مجھے دکھاؤ۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ دیا تو اس نے کہا میں نے اپنا باغ چار دیواری اپنے رب کو قرض میں دے دیا ہے۔ اس باغ میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں۔ ام الدحداح وہیں رہتی تھیں ان کے اہل و عیال بھی اسی جگہ میں تھے اس نے ان کو پکار کر کہا اے ام الدحداح باغ سے نکل آؤ میں نے یہ باغ اللہ رب العزت کو قرض دے دیا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں، اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کی جو ترغیب دی گئی ہے، نواب صاحب نے اسی قرض کی وضاحت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے کہ قرض سے مراد وہ اصل قرض نہیں ہے بلکہ اس سے مراد، اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا ہے، تاکہ دوسرے مسلمان بھائیوں کی ضروریات پوری ہوسکیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو کسی قرض کی محتاجی نہیں، وہ تو شہنشاہ ذات ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ و اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾[۳]

"کہ اللہ غنی ہے لیکن تم فقیر ہو۔"

لہٰذا اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے ضرورت تمہیں ہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس مال کو جس سے تم ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے ہوا پنے اوپر قرض بنا رہا ہے کہ جس کا نعم البدل تم کو ضرور عطا فرمائے گا۔

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۹۷

[۲] البقرہ۲: ۲۴۵   [۳] محمد ۴۷: ۳۸

نواب صاحب اپنے تفسیری منہج ،تفسیر القرآن بالحدیث، کے سلسلہ میں، قرآن کے حکم کی تفسیر کے لیے مختلف الفاظ پر مبنی احادیث پیش فرماتے ہیں تا کہ قرآن کے فرمان کا معنی ومفہوم بالکل واضح ہو جائے ایسے ہی اسلوب پر مبنی چند مقام تحریر کیے جاتے ہیں:

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَاۤ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْ ھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ○ وَ اخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴾[1]

اس آیت کے ضمن میں نواب صاحبؒ نے کئی ایک احادیث پیش کی ہیں۔

۱۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر تین بار آمین کہا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول آپؐ نے کس چیز پر آمین کہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس جبرائیلؑ نے آکر کہا اس آدمی کا ناک خاک آلود ہو جائے کہ جس نے اپنے والدین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو پایا اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا۔ تو میں نے اس پر آمین کہا۔

۲۔ دوسری روایت ابن مالکؓ سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جس نے اپنے والدین کو یا والدین میں سے ایک کو پایا اور وہ جہنم میں بھی داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اور دور کر دے۔

۳۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ ناک خاک آلود ہو گیا پھر ناک خاک آلود ہو گیا پھر ناک خاک آلود ہو گیا اس آدمی کا کہ جس نے اپنے والدین میں سے ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا۔

مذکورہ آیت کریمہ میں والدین کے عزت واحترام کا حکم تھا، تو نواب صاحب نے، اس آیت کی تفسیر میں بطور تائید وتاکید بہت سی روایات کا تذکرہ فرما دیا، تا کہ واضح ہو کہ والدین کا ادب واحترام کس قدر ضروری ہے، اور والدین کی اطاعت وخدمت میں جنت ہے جب کہ نافرمانی میں جہنم ہے، مزید برآں اپنے رسالہ اسعاد العباد بحقوق الوالدین والاولاد کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

﴿وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا﴾[2]

''اور رہنے والی نیکیوں پر بہتر ہے تیرے رب کی یہاں بدلا اور بہتر ہے توقع۔''

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب نے کئی روایات ذکر کی ہیں، لکھتے ہیں:

---

[1] بنی اسرائیل ۱۷:۲۳ [2] الکہف:۱۸:۴۶

۱۔ سعد بن عبادہؓ کہتے ہیں میں اسلام لایا تو حضورؐ نے مجھ کو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ﴾ سکھائیں اور یہ کلمات تعلیم کیے۔ ((سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر)) اور فرمایا یہ باقیات صالحات ہیں۔

۲۔ ابو سعیدؓ سے مرفوعاً مروی ہے باقیات صالحات کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو۔ عرض کیا گیا باقیات صالحات کیا ہیں؟ اے اللہ کے رسولؐ فرمایا ملت ہیں۔ عرض کیا گیا ملت کیا ہے؟ رسول اللہ نے فرمایا ''اللہ اکبر کہنا'' اور لا الہ الا اللہ کہنا۔ سبحان اللہ کہنا اور لا حول و لا قوة الا بالله کہنا ہے۔

۳۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اپنی ڈھال کو پکڑو۔ عرض کیا گیا کس دشمن سے کیا جو حاضر ہوا اس سے فرمایا نہیں بلکہ ڈھال بناؤ آگ سے۔ سبحان اللہ اور لا اله الا الله اور اللہ اکبر کہنے کو۔ یہ کلمات قیامت کے دن کہنے والوں کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہوں گے اور یہی کلمات باقیات وصالحات ہیں۔

الغرض نواب صاحب نے الباقیات الصالحات کی وضاحت احادیث سے پیش کردی، بعد ازاں، مسنون دعاؤں پر مشتمل اپنا رسالہ پڑھنے کا مشورہ دیا ہے جس کا نام ہے ''غراس الجنة'' [1]

علاوہ ازیں نواب صاحب، تفسیر القرآن بالحدیث کے سلسلے میں، موضوع سے متعلقہ مختلف روایات نقل کرتے ہوئے، صحت وضعف کا حکم بھی واضح کر دیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ﴾ [2]

اور جس وقت پڑ چکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور زمین سے۔

نواب صاحب، مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

حذیفہ بن اسید غفاریؓ سے مروی ہے رسول اللہ برآمد ہوئے ہم پر اور ہم باتیں کر رہے تھے قیامت کے بارے میں۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

((لا تقوم الساعة حتى تروا عشر آيات طلوع الشمس من مغربها: والدخان والدابة وخروج ياجوج و ماجوج و خروج عيسى ابن مريم عليه السلام والدجال وثلاثة خسوف: خسف بالمغرب وخسف بالمشرق وخسف بجزيرة العرب ونار تخرج من قعرعدن تسوق أو تحشر الناس تبيت معهم حيث باتوا و تقيل معهم حيث قالوا؟)) [3]

فرمایا کہ قیامت نہیں قائم ہوگی جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو سورج کا مغرب سے نکلنا، دھواں، جانور کا نکلنا یاجوج ماجوج کا نکلنا، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نکلنا، دجال کا نکلنا اور تین قسم کے ''خسف'' ایک خسف مغرب میں ہوگا ایک خسف مشرق میں ہوگا اور ایک خسف جزیرہ عرب میں ہوگا۔ قعرعدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو چلائے یا جمع کرے

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۷/۸۱۔۸۵ [2] النمل ۲۷:۸۲

[3] سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الآیات، رقم الحدیث: ۴۰۴۵

گی تو وہ آگ رک جائے گی ان کے ساتھ رات کو جہاں وہ رکیں گے اور دوپہر کو ٹھہر جائے گی جہاں وہ ٹھہریں گے۔

حذیفہ بن اسد غفاریؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی آل میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دابۃ الارض کا بیان فرمایا یعنی دابۃ الارض (زمین سے) تین بار نکلے گا زمانہ سے سوایک بار تو قصبے بادیہ سے خارج ہوگا اور مکہ میں اس کی خبر نہ ہوگی پھر ایک دراز مدت تک پوشیدہ رہے گا پھر دوسری بار اقصے بادیہ سے ورے ہوکر نکلے گا اور اہل بادیہ اور مکہ میں یہ بات پھیل جائے گی۔ فرمایا پیغمبرؐ نے پھر ایک وقت لوگ مسجد الحرام میں ہوں گے اور ان کو گھبراہٹ نہ لے گی مگر یہی کہ دابۃ الارض رکن یمانی اور مقام کے درمیان سے نکل پڑے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوگا اور لوگ اس سے بھاگ جائیں گے خواہ متفرق ہوں یا مجتمع اور وہ ایک مسلمانوں کی جماعت کو ملے گا اور وہ سمجھ لیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں تھکا سکتے تو وہ شروع ہوا انہیں سے اور روشن کردے گا ان کے چہروں کو گویا وہ تارے ہوں گے چمکنے والے اور پھرے گا زمین میں نہ پاسکے گا اس کو طلب کرنے والا اور نہ نجات پاوے گا اس سے بھاگنے والا یہاں تک کہ ایک آدمی اس سے بھاگ کر نماز کے ساتھ پناہ جو ہوگا تو دابۃ الارض اس کے پیچھے آوے گا اور کہے گا تو اب نماز پڑھتا ہے پھر اس کے سامنے ہوکر اس کے منہ پر داغ دے گا پھر چلا جائے گا اور لوگ سوال میں شریک ہوں گے اور مصارف میں ایک دوسرے کی صحبت کریں گے اور پہچانا جاوے گا مومن کافر سے یہاں تک کہ ایماندار کہے گا اے کافر! میرا حق ادا کر۔

اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

((بـادروا بـالأعـمـال ستـا الدجـال والدخـان ودابة الارض وطلوع الشمس من مغربها وأمر العامة وخويصة أحدكم))[1]

''جلدی کرو نیک اعمال کرنے کی چھ چیزوں سے پہلے ایک دجال، دوسری دھواں تیسرے زمین کا جانور چوتھے آفتاب کا پچھم سے نکلنا پانچویں صوت چھٹی قیامت یعنی جب یہ باتیں آجاویں گی تو نیک اعمال کا وقت جاتا رہے گا۔''

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا چھ چیزوں کے ظاہر ہونے سے پہلے جلدی نیک عمل کرلو ایک تو سورج کا پچھم سے نکلنا دوسرے دھواں تیسرے دابۃ الارض چوتھے دجال پانچویں خاص آفت ہر شخص کی (یعنی موت) چھٹے عام آفت (جیسے وباوغیرہ) رواہ ابن ماجہ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

((تـخرج دابة لأرض ومعها عصا موسى و خاتم سليمان عليهما السلام فيختم انف الكافر بالعصا وتجلي وجه المؤمن بالخاتم حتى تجتمع الناس الخوان يعرف المؤمن من الكافر.))[2]

یعنی ایک دابہ (جانور) زمین سے نکلے گا اس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ہوگی اور سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی تو کافر کے ناک پر عصا سے نشان لگادے گا اور مسلمان کے منہ کو انگوٹھی سے روشن کردے گا یہاں تک کہ ایک

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الفتن و اشراط الساعة: با فی بقية من احاديث الدجال،رقم الحديث:٥٢٤١

[2] سنن ابن ماجه ، كتاب الفتن، باب دابة الارض، رقم الحديث:٤٠٥٦

اکیہرے والے (موضع والے جن کے گھر ملے جلے جاتے ہیں) جمع ہوں گے اور مومن کافر سے پہچانا جائے گا۔

قرآن کی مذکورہ آیت أخرجنا لهم دابة الارض کہ ہم ان کے زمین سے ایک جانور نکالیں گے اس آیت میں موجود دابة من الارض کی وضاحت کے لیے بھی مختلف احادیث پیش کی گئی ہیں۔ جس سے دابۃ الارض کی وضاحت ہو رہی ہے۔ نیز نواب صاحب کے اس اُسلوب کا بھی پتہ چل رہا ہے کہ نواب صاحب وہ قرآن کی کسی بھی خبر کی وضاحت کے لیے مختلف احادیث بھی پیش کرتے ہیں جیسا کہ دابۃ الارض کی وضاحت احادیث سے کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''دابۃ الارض کی صفت اور اس کے نکلنے کے مقام اور اسکے کام جو وہ کرے گا اور کب خارج ہوگا بہت سی حدیثیں وارد ہوتی ہیں جن میں بعض صحیح ہیں۔ بعض حسن اور بعض ضعیف، رہا اس کا نکلنا اور اس کا برآمد ہونا قیامت کی علامات میں سے ہے۔ تو اس بارے میں جس قدر حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور بعض ان میں (صحیح) میں موجود ہیں جیسے حذیفہ کی مرفوع حدیث ''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ۱۰ نشانیاں نہ دیکھ لو اور ان دس میں ایک دابۃ الارض کو ذکر کیا اور یہ حدیث صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں بھی موجود ہے۔[۱]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ہے۔

﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾[۲]

مذکورہ بالا آیت کریمہ، میں ظن سے مراد یقین ہے، اس کی وضاحت دلیل کے طور پر حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس جگہ محاورۂ عرب اور اہل ادب کے اشعار کے مطابق ''ظن'' سے یقین مراد ہے۔ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا جہاں کلام مجید میں ''ظن'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے علم مراد ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے یہی بات کہی ہے۔ حدیث بخاری میں آیا ہے کہ اللہ کریم قیامت والے دن ایک بندے سے کہے گا ((أظننت انک ملاقی فیقول لا فیقول الله الیوم انساک کما نسیتنی)) اس جگہ بھی ظن سے مراد یقین ہے۔ [۳]

الغرض، یہ تھا نواب صاحب کا اسلوب تفسیر القرآن بالحدیث، جس کی مع امثلہ وضاحت کر دی گئی ہے، آئندہ صفحات میں، نواب صاحب نے ترجمان القرآن میں صحابہ کے اقوال سے جو استشہاد کیا ہے، اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۰/۱۹۹۔۲۰۵ ۲ البقرۃ۲:۴۶

۳ سنن ترمذی، باب ماجاء فی الارض رقم الحدیث: ۲۶۱۵؛ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۳۳،۱۳۴

مبحث سوم

ترجمان القرآن میں اقوال صحابہؓ سے استشہاد

اس سے قبل کہ ہم نواب صاحب کے اس منہج تفسیر کو بیان کریں ضروری ہے کہ صحابی کی تعریف، تفسیر صحابہ کی اہمیت اور چند مشہور مفسر صحابہ کا تذکرہ کر دیا جائے۔ اوراق ذیل میں مذکورہ نکات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

لغوی تعریف:

اصطلاح میں صحابہ اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریمؐ کو دیکھا ہو اور ایمان کی حالت میں ہی وفات پائی ہو۔ جیسا کہ سید شریف جرجانیؒ رقم طراز ہیں:

"الصحابی: ھو فی العرف من رائ النبی صلی الله علیه وسلم وطالت محبة معه وان لم یروعنه صلعم وقیل ان لم تطل"[۱]

"عرف عام میں صحابی اسے کہا جاتا ہے کہ جس نے حضور اکرمؐ کا دیدار کیا ہو اور ان کے ساتھ طویل مصاحبت کی ہو، اگرچہ ان سے روایت کی نوبت نہ آئی ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگرچہ مصاحبت طویل نہ ہو۔"

تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہمیت

تفسیر صحابہؓ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو صحابی نزول وحی کے وقت موجود ہو اس کی تفسیر حدیث مرفوع کی حیثیت کا درجہ رکھتی ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم کا نقطہ نظر بھی یہی ہے۔

امام حاکم لکھتے ہیں:

"حدیث کا طالب علم آگاہ رہے کہ جو صحابی نزول وحی کے وقت موجود ہو اس کی تفسیر شیخین (امام بخاری ومسلم) کے نزدیک حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے۔"

لیکن جس تفسیر میں عقل انسانی کو دخل ہو اور اس کو راوی صحابہؓ نے آنحضرتؐ کی جانب منسوب بھی نہ کیا ہو تو اسے موقوف قرار دیا جائے گا۔

الغرض صحابہ کرام کی تفسیر، نبی کریمؐ کی تفسیر سے انتہائی زیادہ قریب اور انتہائی قابلِ اعتماد ہے، کیونکہ انہوں نے براہ راست نبی کریمؐ سے قرآن سیکھا اور وہ تمام قرائن و احوال بھی ان کے سامنے تھے جنمیں قرآن نازل ہو رہا تھا، چند صحابہ تو تفسیر القرآن میں خاص مہارت کے حامل تھے جن میں خلفائے اربعہ، ابن عباس، ابن مسعود اور ابی بن کعب رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ شامل ہیں۔[۲]

---

۱ التعریفات، ۹۴ ۲ تدریب الراوی، ۱۶۴

۲۔ تفسیر عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق قرونِ اولیٰ کی اس مقدس ترین جماعت سے ہے جسے قرآن کریم کے معانی ومطالب براہ راست صاحب قرآن سے سیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم خود اہل زبان بھی تھے اور نزول قرآن کے ماحول سے پوری طرح باخبر بھی۔ بلکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقاً سبقاً قرآن پاک سیکھا تھا۔ اور پیغمبر عظیم نے ان کو جہاں جہاں دین اسلام کی ترویج اوراشاعت وتبلیغ کے لیے بھیجا وہ اپنے رسولؐ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

مزید برآں صحابہ کرامؓ کی اس جماعت نے پہلے اپنی زندگیوں کو پیغمبر خدا کے نام کیا تھا۔ پھر ان سے قرآن سیکھا۔ یہ لوگ اسباب نزول کے ماہر، ناسخ ومنسوخ کے عالم اور منشائے الٰہی کے رمز شناس تھے۔ گو عرب ہونے کے ناطے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن پاک کے عمومی معنی متعین کرنے میں دقت پیش نہیں آتی تھی۔ لیکن قرآن کی ایک خاص اصطلاحی زبان بھی تو ہے جس میں صوم، زکوۃ، حج، جہاد، اخلاق، بروتقویٰ، اثم وعدوان، معروف ومنکر، نکاح وطلاق کی اصطلاحات بھی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان اصطلاحات اور رموز کی تفہیم بالمشافہ حضور اکرمؐ سے حاصل کی اور آگے امت کو منتقل کیا۔[1]

صحابہ کرامؓ قرآن کی وہی تفسیر بیان کرتے، جو بالواسطہ یا بلا واسطہ رسول اکرمؐ سے سنتے یا جس آیت کا سبب نزول انہوں نے خود ملاحظہ کیا ہوتا، یا جو چیز بطریق اجتہاد واستنباط ان پر منکشف ہوتی۔

مشہور مفسر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

امام جلال الدین سیوطیؒ نے ، 'الاتقان' میں ان مشہور مفسر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام گنوائے ہیں جو قرآنی علوم اور تفسیر کے پیشوا مانے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

''ابوبکر صدیق، (م۱۳ھ)، عمر بن الخطاب (م۲۴ھ)، عثمان بن عفان (م۳۵ھ)، علی المرتضیٰ (م۴۰)، عبداللہ بن عباس (م۶۸ھ)، عبداللہ بن مسعود (م۳۲ھ)، ابی بن کعب (م۱۹ھ یا ۲۴ھ)، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، اور عبداللہ بن زبیر (م۷۳ھ) اسی طرح معاذ بن جبل (م۱۸ھ)، اور ابوالدرداءؓ کو بھی قرآنی علوم میں خصوصی امتیاز تھا۔[2]

مذکورہ صحابہ کرامؓ کے علاوہ کچھ دیگر صحابہؓ سے بھی تفسیری روایات منقول ہیں مگر وہ کم ہیں اور ان کو زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔	انس بن مالکؓ	۲۔	ابوہریرہؓ
۳۔	عبداللہ بن عمرؓ	۴۔	جابر بن عبداللہ
۵۔	عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	۶۔	عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم

---

[1] تفسیری رجحانات کا ارتقاء، ۴۷ [2] طبقات ابن سعد، ۲/۱۰۴

تفسیری روایات میں تمام صحابہ مساوی الدرجہ نہ تھے

جن دس مفسرین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ وہ تفسیری روایات کی قلت و کثرت کے اعتبار سے مساوی الدرجہ نہ تھے مثلاً ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم سے بہت کم تفسیری اقوال منقول ہیں جس کی کئی وجوہات ہیں مثلاً:

۱۔ وہ زیادہ عرصہ تک بقید حیات نہ رہے۔

۲۔ دوسری بڑی وجہ ان کی ملکی و سیاسی مصروفیات ہیں۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے سب سے زیادہ تفسیری اقوال، حضرت علیؓ سے مروی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک عرصہ امور سلطنت سے الگ تھلگ رہے۔ پھر اس زمانہ تک بقید حیات رہے۔ جب اسلام مختلف اطراف ارضی میں پھیلا، عجمی اقوام دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور اس طرح تفسیر قرآن کی ضرورت پہلے سے بہت بڑھ گئی۔

اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ سے بھی بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں۔ اس لیے کہ اس دور میں لوگ تفسیر قرآن کے محتاج تھے۔ علاوہ ازیں علی المرتضیٰ اور تینوں صحابہؓ مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل تھے:

۱۔ عربی زبان میں مہارت اور اس کے اسالیب بیان سے گہری مناسبت

۲۔ قوت اجتہاد و استنباط

۳۔ رفاقت نبوی کی بنا پر اسباب نزول سے مکمل آگاہی۔

البتہ ابن عباسؓ آنحضورؐ کی صحبت سے زیادہ مستفید نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ ان کی عمر ابھی تیرہ سال کے لگ بھگ تھی کہ آپؐ نے وفات پائی۔ البتہ کبار صحابہؓ کی صحبت میں رہنے سے انہوں نے بڑی حد تک اس کی تلافی کر لی تھی۔

سابق الذکر دس صحابہؓ میں سے باقی ماندہ تین صحابہ یعنی زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اگر چہ تفسیر میں مشہور تھے۔ مگر ان سے بہت کم تفسیری اقوال منقول ہیں۔ اور وہ شہرت میں ان چار کثیر الروایت صحابہؓ تک نہیں پہنچتے۔

کثیر الروایت صحابہؓ کا مختصر تذکرہ

جن چار صحابہؓ سے بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں وہ یہ ہیں عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعود، علی بن ابی طالبؓ ابی بن کعبؓ ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

عہد صحابہؓ میں تفسیر کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کا نام نمایاں حیثیت کا حامل ہے کیونکہ نبی کریمؐ نے ان کے دعا

فرمائی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

((اللهم فقهه فی الدین و علمه التأویل))

''اے اللہ! اس کو دین کا فہم عطا کر اور قرآن کی تفسیر سکھا دے۔''

گو حضرت ابن عباسؓ ابھی تیرہ برس کے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر آپ کا بچپن تو خاص طور پر نبی کریمؐ کی صحبت گزرا تھا۔ اور تیرہ برس تک آپؐ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے۔ پھر نبی کریمؐ کے وصال کے بعد حضرت ابن عباسؓ اکابر صحابہؓ کی صحبت میں رہے اور ان سے اکثر استفادہ کرتے رہے۔ ان سے وہ مقامات دریافت کرتے جہاں جہاں نازل ہوا تھا۔ تاریخ، تشریح اور اسباب نزول کے بارے میں واقفیت حاصل کی۔ اس طرح آنحضرتؐ کی وفات کے باعث جس چشمہ فیض سے آپ محروم ہو گئے تھے بڑی حد تک اس کی تلافی ہو گئی۔ پھر کیا تھا۔ مجاہدؒ لکھتے ہیں: ابن عباسؓ جب کسی آیت کی تفسیر کرتے تو اس سے نور کی کرنیں پھوٹتیں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ ''ابن عباسؓ گویا باریک پردے کی اوٹ میں سے غیبی حقائق کو بچشم خود دیکھتے ہیں۔''

حضرت ابن عباسؓ لغت عرب اور غریب الفاظ میں اس قدر مہارت رکھتے تھے کہ اس دور کا کوئی شخص ان کا حریف نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے آپ عہد صحابہؓ میں امام التفسیر کہلائے اور پھر عصر تابعینؒ میں بھی مفسرین کے سرخیل تسلیم کیے جاتے رہے۔ تفسیر کے لغوی پہلو پر آپ کو بطور خاص عبور حاصل تھا۔ آپ سے اس قدر تفسیری روایات منقول ہیں اور ان کے طرز و اسانید بھی متعدد و مختلف ہیں کہ قرآن حکیم کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں آپؓ سے کوئی قول یا اقوال مروی نہ ہوں۔[1]

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾[2]

اس آیت کریمہ میں موجود لفظ ''ولا تعتدوا'' کی تفسیر میں نواب صاحب نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے۔

''زیادتی سے منع کیا یعنی مرتکب مناہی نہ ہو جیسے مثلہ کرنا، خیانت کرنا نساء و صبیان وشیوخ کا مارنا جن کو عقل نہ ہمت قتال یا رہبان و اصحاب صوامع کا قتل کرنا درختوں کا جلا دینا حیوان کا بغیر مصلحت مار ڈالنا۔''[3]

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے۔

﴿وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ﴾[4]

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں موجود واقع سبت کی تفسیر کے سلسلہ میں نواب صاحب نے قرآن وسنت کے دلائل ذکر

---

[1] التفسیر والمفسرون، ۶۵-۸۳ [2] البقرہ۲:۱۹۰

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۴۷

[4] البقرہ۲:۶۵

کیے ہیں اور بعد ازاں حضرت ابن عباسؓ کے اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔

مثال کے طور پر چند اقوال حسب ذیل ہیں:

الف۔ یہ بستی "ایلہ" اور "طور" کے درمیان تھی اسے مدین کہتے ہیں۔

(ب) ان کے جوان بندر بن گئے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے۔ (ج) کہ ان کو ان کی معصیت کی وجہ سے بندر بنا دیا وہ تین دن تک زندہ رہے کوئی مسخ شدہ قوم تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہی نہ کچھ کھایا پیا نہ نسل چلی[1]

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾[2]

نواب صاحب نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں، نہ صرف قرآن کی دوسری آیات اور نبی کریمؐ کے فرامین کا تذکرہ کیا ہے بلکہ ابن عباسؓ کے تفسیری اقوال بھی نقل کیے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

(ا) کلمات سے مراد مناسک ہیں اور دوسرا لفظ یہ ہے کہ انہیں دس قسم کی طہارت کا حکم دیا پانچ قسم کی طہارت سر میں اور پانچ باقی جسم میں، مونچھیں کترانا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، مانگ نکالنا یا سر منڈانا اور بغل کے بال صاف کرنا زیر ناف بال اتارنا، استنجا کرنا اور ناخن تراشنا۔

(ب) کہ وہ دس باتیں ہیں چھ انسان کی ذات میں اور چار مناسک حج میں وہ چھ انسان میں ہیں وہ زیر ناف بال صاف کرنا، بغلوں کے بال اتارنا، ختنہ کروانا، ناخن تراشنا اور مناسک حج میں طواف، صفا و مروہ کی سعی، رمی جمار اور طواف افاضہ پھر کہا کہ وہ شخص جس کو اس کے دین میں آزمایا گیا ہو وہ اس پر پورا اترے وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام تھے۔[3]

مزید برآں نواب صاحب نے قرآنی مندرجہ ذیل آیت کریمہ

﴿اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾[4]

کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔

(ا) ابن عباسؓ نے ترجمہ کوثر کا خیر کثیر کیا ہے اور دوسرا قول یوں ہے۔

(ب) وہ ایک نہر ہے بہشت میں جس کے کنارے سونے چاندی کے ہیں وہ یاقوت و گوہر پر بہتی ہے پانی اس کا برف سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ شیریں ہے۔[5]

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۹۴ — [2] البقرۃ ۲:۱۲۴

[3] ترجمان بلطائف البیان، ۱/۲۲۲-۲۲۳ — [4] الکوثر ۱۰۷:۱

[5] ترجمان بلطائف القرآن، ۱۶/۳۵۳

بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى
طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴾[۱]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب عبداللہ بن عباسؓ کا یہ استدلال نقل کرتے ہیں کہ اصحاب کہف کی تعداد کتنی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "قال قائل منهم" یہ ایک شخص ہوا اس کے جواب میں انہوں نے کہا "لبثنا" یہ صیغہ جمع کا ہے "اقل" جمع تین ہوتے ہیں پھر کہا "قالوا" اور یہ قول دوسری جمع کا ہے۔ یہ سب سات ہوئے۔[۲]

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾[۳]

مذکورہ آیت کی تفسیر میں نواب صاحب، حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جہاں قرآن کریم میں الیم آیا ہے اس سے مراد ''موجع'' ہے وہ دردناک عذاب کہ جس کا دکھ دل میں جا گھستا ہے۔''[۴]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت ابن مسعودؓ وہ عظیم اور سب سے پہلے صحابی ہیں جنہوں نے جہراً قرآن پڑھ کر قریش کو سنایا اور اس جرم میں مار کھائی۔ اسلام لانے کے بعد آپ اکثر آنحضرتﷺ کی خدمت میں رہتے۔ آپؐ کے لیے وضو کا پانی لاتے، مسواک مہیا کرتے، جب نبی کریم کھڑے ہوتے تو عبداللہ بن مسعودؓ آپ کو جوتا پہناتے۔ جب آپ بیٹھ جاتے، تو جوتا اُتار کر اپنے پاس رکھ لیتے غرض حضورؐ سے بے پناہ محبت کرتے۔

آپ صحابہؓ میں قرآن مجید کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ رسول اللہ کبھی کبھی خود عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن کی تلاوت سننا پسند فرماتے۔ اور آپؐ فرمایا کرتے ''جو شخص چاہے کہ قرآن کی اسی طرح تروتازہ تلاوت کرے جیسے وہ اترا تھا تو وہ ابن مسعودؓ کی طرح پڑھے۔''

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ سے قرآن کے مطالب و معانی سیکھتے تھے اور پھر دوسروں کو بتلاتے تھے۔ علوم القرآن کی تحصیل کے سلسلے میں ابن مسعودؓ ہر طرح کی جانفشانی اور قربانی کے لیے تیار رہتے۔ حضرت ابن عباسؓ کے بعد سب سے زیادہ تفسیری روایات عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے منقول ہیں۔ آپ کا اعزاز ہے کہ حدیث وتفسیر میں بکثرت روایات ابن مسعودؓ پر ہی جا کر ختم ہوتی ہیں۔[۵]

اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾[۶]

مذکورہ آیت کریمہ میں موجود صراط مستقیم کی تفسیر میں نواب صاحب مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

---

۱ الکہف ۱۹:۱۸ — ۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۰۸/۷

۳ البقرہ ۲:۱۰ — ۴ ترجمان القرآن بلطائف القرآن، ۵۹/۱

۵ ایضاً، ۸۳/۱-۸۸ — ۶ الفاتحہ ۱:۴

''مفسرین سلف وخلف کی مختلف عبارتیں ہیں لیکن سب کا حاصل ایک ہی بات ہے وہ کتاب وسنت ہے۔ اسی بات کی تائید میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ''صراط مستقیم وہ راہ ہے جس پر ہم کو رسول اللہ نے چھوڑا ہے۔''[۱]

مزید برآں اللہ کے فرمان:

﴿وَ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ﴾[۲]

کی تفسیر میں مختلف آئمہ مفسرین کے اقوال نقل کیے ہیں کسی نے زکوۃ کی ادائیگی مراد لی ہے کسی نے نماز اور زکوۃ کی ادائیگی مراد لی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اس سے مراد''اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے''۔[۳]

﴿الٓمّٓ﴾[۴]

ان حروف مقطعات کے سلسلہ میں نواب صاحب عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کرتے ہیں یہ حروف مقطعہ قرآن کے اسرار ہیں جیسا کہ ہر کتاب الٰہی میں کچھ اسرار ہیں۔ قرآن کے اسرار حروف مقطعہ ہیں اور یہ ایسے متشابہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ہمیں صرف ان پر ایمان لانا واجب ہے، ان میں بحث وتمحیص کی بالکل ضرورت نہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ صرف جلیل القدر صحابی ہیں بلکہ رسول اللہ کے چچا زاد ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے داماد ہونے کا بھی شرف عظیم رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ علم کا سمندر تھے۔ زور بیان، قوت استنباط، فصاحت و بلاغت اور شعر و خطابت میں عدیم المثال تھے۔ قوت فیصلہ میں آپؓ ضرب المثل تھے۔ بہترین مفتی و قاضی ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے اسرار و رموز کے بھی عظیم عالم تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ انہوں نے تفسیر قرآن سے متعلق جو کچھ بھی سیکھا حضرت علیؓ سے سیکھا۔

بلا شبہ آپ سے بے شمار تفسیری اقوال منقول ہیں، لیکن یہ حقیقت بھی محتاج بیان نہیں کہ حضرت علیؓ سے جو تفسیری اقوال منقول ہیں ان میں اقوال صحیحہ کی نسبت موضوع روایات زیادہ ہیں۔ اس کی بڑی وجہ غالی شیعہ کا وجود ہے جنہوں نے حب علیؓ کے زعم میں یہ اقوال گھڑ کر ان کی طرف منسوب کر دیے حالانکہ ان کا دامن اس سے پاک ہے۔ یہ اقوال یا تو اپنے عقیدہ کی تشہیر و اشاعت اور استحکام کے لیے وضع کیے گئے یا اس ظن فاسد کی بنیاد پر کہ جس قدر علمی اقوال کو حضرت علیؓ کی جانب منسوب کیا جائے گا اسی قدر ان کی رفعت شان میں اضافہ ہوگا۔[۵]

اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔

﴿وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ‌ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَۙ﴾[۶]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں کہ جب آپ کو کوئی پریشانی ہوتی تو آپ نماز پڑھتے اور دعا کرتے پھر حضرت علی کا قول نقل کیا ہے، کہ لکھتے ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں بدر کی رات جو کوئی بھی تھا سو رہا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے رہے ساری رات نماز پڑھتے اور دعا کرتے رہے۔''[۷]

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴۰/۱ ۲۔ البقرہ۲:۳
۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۵۲/۱ ۴۔ البقرہ ۲:۱
۵۔ اسماء الصحابۃ الرواۃ، ۴۴ ۶۔ البقرہ۲:۴۵ ۷۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۲۲

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾[۱]

حضرت موسیٰ جب تورات لینے کے لیے کوہ طور پر گئے تو بعد میں قوم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ ان کے دلوں میں رچ بس گئی اس سلسلہ میں نواب صاحب حضرت علیؓ بن ابی طالب کا قول نقل کرتے ہیں واپسی پر حضرت موسیٰ نے اس بچھڑے کو ریتی سے رگڑ کر ریت بنایا اور اس برادے کو دریا میں پھینک دیا اس دن جو دریا بہتا تھا اس میں سے اس کے اندر جا ملا۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اس کا پانی پیو سب نے پانی پیا پھر جس کے دل میں بچھڑے کی محبت تھی اس کی مونچھوں پر سونے کا اثر ہوا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے دلوں میں اس کی محبت پلائے گئے جس کسی نے وہ پانی پیا وہ بچھڑے سے محبت کرتا تھا۔ اس کا چہرہ سونے کی طرح زرد ہو گیا۔[۲]

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ﴾[۳]

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کا تذکرہ ہے جن میں مراد، خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والے جانور شامل ہیں۔

نواب صاحب یہاں اہل کتاب کے ذبیحہ کے بارے میں حضرت علیؓ کا قول نقل کرتے ہیں:

> ''جب تم عیسائیوں کو "اهلال لغير الله" کرتے سنو تو نہ کھاؤ اور جب نہ سنو تو کھاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبائح تمہارے لیے حلال کیے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اگر چہ لفظ طعام عام ہے مگر آیت اہلال اس کی تخصیص کرتی رہے۔ معنی یہ ٹھہرے کہ یہود و نصاریٰ کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔''[۴]

اسی طرح اللہ کے فرمان:

﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ﴾[۵]

کی تفسیر میں، قدر و قضاء کے حوالے سے نواب صاحب حضرت علیؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے قضائے قدر کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ ایک اندھیرا رستہ ہے اس پر نہ چلو، یہ ایک گہرا دریا ہے اس میں داخل نہ ہو پھر پوچھنے پر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے تو اس کو کرید نہ کر۔''[۶]

۱۔ البقرہ۲:۹۳ ۲۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۷۶

۳۔ البقرہ۲:۱۷۳ ۴۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۴۰

۵۔ البقرہ۲:۲۵۳ ۶۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳/۵

حضرت ابی بن کعبؓ

آپ کا اسم گرامی ابی بن کعب بن قیس انصاری خزرجی تھا۔ نبی کریمؐ نے آپ کی کنیت ''ابوالمنذر'' اور حضرت عمر فاروقؓ نے ''ابوطفیل'' مقرر کی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابی بن کعبؓ آپؐ کے اولین کاتب قرار پائے۔

حضرت ابی، سید القراء تھے اور جلیل القدر کاتبین وحی میں شمار ہوتے تھے۔ آپؓ بہترین حافظ بھی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نبی کریم کو قرآن کریم سنایا کرتے تھے۔ آپ صحابہ کرامؓ میں کتاب اللہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ غالباً ان کی قرآن دانی کے عوامل یہ تھے کہ حلقہ بگوش اسلام ہونے سے قبل یہ یہود کے علماء میں سے تھے۔ اس وجہ سے آپ کتب قدیمہ کے اسرار ورموز سے بھی بخوبی آگاہ تھے، کاتب وحی بھی تھے۔ لہٰذا ان تمام اسباب کی بنا پر آپ کو اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ اور قرآن کے مقدم ومؤخر سے گہری دلچسپی ہوگئی تھی۔ ان وجوہ کی بنا پر ہی آپ کا شمار مشہور مفسرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے اور آپ کے تفسیری اقوال کو اعتماد کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔[۱]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ﴾ [۲]

نواب صاحب فرماتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ پہلے اسلام پر تھے پھر ان میں اختلاف نے راہ پائی یعنی جبکہ اللہ نے آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشت سے نکالا جب اولاد آدم کو حضرت آدم پر پیش کیا گیا تو وہ سب (فطرت) دین اسلام پر تھے پھر حضرت آدمؑ کے بعد منکر ومختلف ہوگئے جبکہ اس سے قبل اپنی عبودیت کا اقرار کر چکے تھے۔'' [۳]

مزید برآں اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [۴]

نواب صاحب اس آیت کی روشنی میں آدم وحوا کا جنت میں عیش وعشرت کے ساتھ رہنا بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ یہ اسرائیلیات میں سے ہیں بعد ازاں ابی بن کعب کا قول نقل کرتے ہیں۔

''اللہ کریم نے حضرت آدم کو لمبا قد دیا تھا۔ سر پر گھنے بال تھے جیسے کھجور کا درخت ہو جب انہوں نے ممنوع درخت سے پھل چکھ لیا تو ستر نظر آنے لگا جنت کا لباس اتر کر گر گیا جنت میں دوڑتے پھرتے تھے ایک درخت میں سر کے بال اُلجھ گئے

---

۱ ایضاً، ۳/۹۱-۹۳ ۲ البقرہ ۲: ۲۱۳

۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۲۷ ۴ البقرہ ۲: ۳۵

یہ اس سے بال چھڑانے لگے تو رحمٰن جل ذکرہ نے پکارا تو مجھ سے بھاگتا ہے۔ کہا
نہیں اے مالک بلکہ حیاء محسوس کرتا ہوں۔''[۱]

ترجمان القرآن میں اقوال صحابہؓ سے استشہاد

نواب صاحبؒ، اقوال صحابہؓ کو کس قدر، اہمیت دیتے ہیں اور اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں، ان پر کس قدر اعتماد کرتے ہیں، اس منہج کو سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل نکات ملاحظہ کیجئے:

۱۔ صحابہؓ کے صاحب عدالت ہونے پر عقیدہ اور دوسروں پر ترجیح۔
۲۔ بوقت ضرورت کئی صحابہؓ کے اقوال کو جمع کرتے ہیں۔
۳۔ قرآن اور حدیث پر صحابی کے قول کی تعبیر نہ ہوگی۔
۴۔ لغوی معانی کے ساتھ مطابقت پیدا کرتے ہیں اور کبھی ترجیح دیتے۔
۵۔ قرآن کے مبہم الفاظ کی تفسیر میں صحابہ کے اقوال کو مرفوع کا حکم دیتے ہیں۔
۶۔ عقائد میں صحابہؓ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔
۷۔ مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان میں اقوال صحابہؓ سے استفادہ کرتے ہیں۔
۸۔ مختلف قراءتوں کی پہچان میں اقوال صحابہؓ سے استفادہ کرتے ہیں۔
۹۔ اقوال صحابہؓ اور تابعین بیان کرنے کے بعد آپؐ کے فرمان کو بیان کرتے ہیں پھر فرمان نبوی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اقوال صحابہ سے استشہاد کے سلسلہ میں نواب صاحب کا منہج مزید درج ذیل مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ
وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾[۲]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب، ابن عباسؓ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ اللہ کے رنگ سے مراد دین اسلام ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

''صحابہ وتابعین کی ایک جماعت کا یہی قول ہے کسی نے تطہیر مراد لی اور کسی نے ایمان مراد لیا کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت مقصود ہے جس پر بندوں کو پیدا کیا۔'' نصاریٰ کے گھر جب بچہ پیدا ہوتا تو اس کو رنگ والے پانی میں نہلاتے تھے اور اس عمل کو محمودیہ کہتے تھے اور اسی کو وہ اپنی اولاد کی تطہیر سمجھتے تھے۔ جب وہ اس

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۰۸/۱ [۲] البقرہ ۲:۱۲۸

کام سے فارغ ہوتے تو کہتے اب یہ حقیقتاً عیسائی ہوا ہے۔اس لیے اللہ نے ان کا رد کیا فرمایا بہتر رنگ تو اللہ کا ہے جو اس کے دین کا رنگ ہے جسے حضرت آدم سے لے کر عیسیٰ بن مریم تک سب لائے تھے اس رنگ سے زیادہ تطہیر کسی چیز میں نہیں یہ رنگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا اے موسیٰ کیا تیرا رب رنگتا بھی ہے حضرت موسیٰ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اللہ نے موسیٰ کو پکار کر کہا موسیٰ، تم کہو کہ ہاں میرا رب سرخ و سفید اور سیاہ رنگ رنگتا ہے یہ سارے رنگ میرے ہی ہیں پھر آنحضرتؐ پر اسی مضمون کی یہ آیت نازل ہوئی ۔ کسی نے کہا کہ رنگ سے مراد ختنہ ہے جس کے خون میں مختون رنگ جاتا ہے مگر پہلا قول زیادہ درست ہے۔[1]

مزید برآں نواب صاحب بوقت ضرورت کئی صحابہ کے اقوال کو جمع کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۝ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ﴾[2]

مذکورہ آیات کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب، خنس، اور کنس، کی وضاحت کے لیے مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علی نے کہا ''خنس کنس'' وہ ستارے ہیں جو رات کو پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور دن کو نکلتے ہیں۔ دوسرا قول بالعکس اس کے ہے ابن عباس و مجاہد وحسن وقتادہ وسدی وغیرھم کا لفظ یہ ہے کہ مراد ان سے نجوم ہیں۔ بکر بن عبداللہ نے کہا یہ نجوم دراری ہیں جو مشرق کی طرف چلتے ہیں۔ بعض نے کہا تارے جب جھکتے ہیں تو ان کو ''خنس'' کہتے ہیں یہ اپنے فلک میں چلتے پھرتے ہیں اور جبکہ ڈوب جاتے ہیں تو ان کا نام ''کنس'' ہوتا ہے۔ عبداللہ نے کہا مراد ''خنس و کنس'' سے گاؤ وحشی ہے، ثوری نے کہا میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں ابن عباسؓ نے کہا گاؤ جب سائے میں آ کر ٹھہرتی ہے تو اس کو ''کنس'' کہتے ہیں یہی قول سعید بن جبیر کا بھی ہے۔ دوسرا قول ابن عباسؓ کا یہ بھی ہے کہ مراد ہرن ہیں۔ سعید، مجاہد وضحاک اسی کے قائل ہیں۔ جابر بن زید نے کہا کہ مراد ہرن اور گاؤ ہیں۔''[3]

ترجمان القرآن میں صحابہ کے اقوال سے استشہاد میں نواب صاحب کا ایک منہج یہ بھی ہے کہ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں صحابی کے قول کی تعبیر نہ ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۵۷ [2] التکویر ۸۱:۱۵

[3] ترجمان القرآن بلطائف القرآن، ۱۶/۱۹۲-۱۹۳

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾[1]

نواب صاحب صلوٰۃ الوسطیٰ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس میں سلف وخلف کا اختلاف رہا کہ وہ کون سی نماز ہے حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ صبح کی نماز ہے۔ صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ بھی اسی طرف گئے ہیں اس لیے کہ قنوت اسی نماز میں ہوتی ہے۔ ''وسطیٰ'' اس لیے کہ یہ دو رباعی نمازوں کے درمیان ہے۔ اس میں قصر نہ ہوتا ہے یعنی ظہر اور عشاء کے درمیان ہے یا اس طرح کہ یہ جہری وسری نمازوں میں درمیانی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے نماز ظہر مراد ہے اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ یہ نماز ظہر ہے۔ بعض صحابہ وتابعین اور امام ابوحنیفہؒ کا یہی مؤقف ہے۔

الختصر اس نماز کی تعیین میں اٹھارہ اقوال ہیں جن کو علامہ شوکانیؒ نے شرح ''منتقیٰ'' میں تحریر کیا ہے۔ ہر قول کا متمسک بیان کر کے یہ کہا کہ راجح قول وہ ہے جس طرف جمہور گئے ہیں کہ وہ نماز عصر ہے پھر تفسیر ''فتح القدیر'' میں بعض احادیث صحیحہ ذکر کر کے یہ لکھا ہے کہ ''ان احادیث میں اس مؤقف کی تائید وتصریح ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے اس باب میں صحابہؓ سے بھی بہت سے آثار مروی ہیں مگر جب آنحضرتﷺ سے ثابت ہو گیا تو اب کسی اور تائید کی حاجت نہ رہی جو آثار صحابہؓ حدیث مرفوع کے خلاف ہوں حجت نہ ہوں گے۔''[2]

اقوال صحابہؓ سے استشہاد کے سلسلہ میں، نواب صاحب لغوی مفہوم کو شرعی مفہوم پر ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾[3]

مذکورہ آیت کی تفسیر میں، نواب صاحب اقوال صحابہ اور احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''اصح'' یہ ہے کہ ایک نہر ہے بہشت میں جس کا ذکر احادیث کثیرہ میں آیا ہے تو اب اسی تفسیر مرفوع کی طرف جانا اولیٰ ہے۔ پس گو ''معنی کوثر'' کے لغت عرب میں ''خیر کثیر'' کے ہوں جس نے تفسیر کوثر کی مرفوع سے عام تر کی ہے اس نے معنی لغوی پر نظر ڈالی، لیکن رسول اللہ نے تفسیر کوثر کی ساتھ نہر کے فرمائی ہے۔ یہ معنی شرعی مقدم ہے مفہوم لغوی پر۔[4]

اسی طرح نواب صاحب کا ایک اسلوب یہ ہے کہ قرآن کے مبہم الفاظ کی تفسیر میں اقوال صحابہؓ کو مرفوع کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ

---

[1] البقرہ۲: ۲۳۸ — [2] ترجمان القرآن بلطائف القرآن، ۱/۱۹۱-۱۹۲

[3] الکوثر ۱۰۷: ۱ — [4] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۵۵/۱۶

نواب صاحب اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وکاسا دھاقا﴾ کی تفسیر میں اقوال صحابہ ؓ نقل کرتے ہیں۔

''ابن عباسؓ نے کہا مراد ''کاس دھاق'' سے لبریز پیالہ شراب طہور کا ہے۔ عکرمہؒ نے کہا بادہ صافی مراد ہے مجاہدؒ وحسنؒ وقتادہؒ نے کہا چھلکتا ساغر ہے۔ مجاہدؒ وسعید بن جبیرؒ نے کہا مراد لگاتار'' ہے کاس کی وضاحت میں ابن عباس کا مزید قول بیان کرتے ہیں ''پر اور لبریز اور لگاتار مراد ہے۔ وہ کبھی اپنے غلام سے کہتے ''اسقنا وادھق لنا یعنی ہمیں پلا اور بھر کردے جس پیالے میں شراب ہوتی ہے اس کو ''کاس'' کہتے ہیں اور خالی کو ''کاس'' نہیں کہتے [1]

نواب صاحبؒ سورتوں کے مکی اور مدنی ہونے کے بارے میں اقوال صحابہؓ سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ اخلاص کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ چار یا پانچ آیات پر مشتمل ہے مکہ میں اُتری یہی قول ہے ابن مسعودؓ حسنؒ وعطاؒ وعکرمہؒ و جابرؓ کا اور ابن عباسؓ، قتادہؒ وضحاکؒ وسدیؒ نے کہا مدنی ہے۔'' [2]

تفسیر میں اقوال صحابہؓ سے استشہاد کے سلسلہ میں نواب صاحب عقائد میں بھی اقوال صحابہ سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [3]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے نواب صاحب، ابن کثیرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''استوا علی العرش '' میں لوگوں کے مقالات ہیں یہ جگہ ان کے بسط کی نہیں ہے۔ یہاں مذہب سلف صالح پر جیسے مالک اوزاعیؒ، ثوریؒ، لیث بن سعدؒ، شافعیؒ احمدؒ اسحاقؒ وغیرہ آئمہ قدیم وحدیث مسلمین پر چلنا چاہیے وہ مذہب یہ ہے کہ آیت مبارکہ کو جس طرح پر آئی ہے کرے بغیر تکییف تشبیہ تعلیل کے اور جو طرف اذہان مشبہین کے ظاہر متبادر ہوتا ہے وہ اللہ پاک سے منفی ہے، کیونکہ کوئی شئے اور اس کی مخلوق میں سے مشابہ خدا نہیں ہے۔''

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ [4]

بلکہ بات وہ ہے جو آئمہ نے کہی ہے جیسے نعیم بن حماد خزاعی شیخ بخاری کہ جس نے تشبیہ دی اللہ کو اس کی خلق کے ساتھ وہ کافر ہوا اور جس نے انکار کیا اس بات کا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا وصف فرمایا ہے وہ بھی کافر ہوا اور جو وصف کہ اللہ و

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶/۱۶۴ [2] ایضا ۱۶/۳۶۶

[3] الاعراف ۷:۵۴ [4] الشوریٰ ۴۲:۱۱

رسول نے اللہ کے بیان کیے ہیں ان میں تشبیہ نہیں ہے سو جو کوئی آدمی اللہ کے لیے وہ بات ثابت کرے گا آثار صحیحہ و اخبار صریحہ میں لائق جلال الٰہی کے آئے ہیں اور نقائص کو اللہ تعالیٰ سے دور کرے گا وہی مسالک سبیل ھدی ہے۔

اس کے بعد نواب صاحب اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں:

''میں کہتا ہوں سلف نے آیات و احادیث صفات کو ظاہر پر جاری کیا تھا بدون خوض کے کیف و کم میں ہمراہ اعتقاد تنزیہہ کے تجسیم و تشبیہ سے وہ تشبیہ و تمثیل کے علاج ایک کلمہ اجمالیہ سے کرتے تھے۔ ﴿لیس کمثلہ شیء وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ خلف کی سعادت مندی اور نجات اخروی اسی میں ہے کہ وہ سلف کی راہ پر چلیں ہر آفت تاویل و بلائے بدعقدگی وغیرہ سے سلامت با کرامت رہیں جس امر میں ہم کو حکم خوض کرنے کا نہیں ہے نہ کوئی دلیل وجوب تاویل پر موجود ہے لیکن قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر اور آئمہ اربعہ مجتہدین اور سارے محدثین با تمکین بدون تاویل و توجیہ کے باجرائے نصوص و سنن علی ظاہر ہا گزر گئے ہیں تو بعد میں آنے والوں کو کیا خاک بہتر ان سے کوئی طریقہ اعلم یا اسلم نکال سکتے ہیں جبکہ امت اسلام نے اللہ پاک کو متصف با وصاف اور ارادہ کتب و سنت مان لیا اور تشبیہ و تمثیل مخلوقات کائنات سے پاک و منزہ یقین کر لیا تو اب اعتقاد و تجسیم کہاں باقی رہا۔ ہزار بار کوئی ظاہر صیغہ ہائے و الفاظ مذکورہ سے جس میں سمجھا کرے مگر ''لیس کمثلہ شیء'' سیف قاطع ہے واسطے نفی تشبیہ کے جس طرح ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ حجت ساطع ہے عدم تمثیل پر۔ یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآراء ہے۔ جس کے سبب سے قدیماً و حدیثاً بڑے بڑے قلاقل و زلازل دنیا میں واقع ہو چکے ہیں جہلہ متکلمین نے جو خوگر مذاق فلاسفہ تھے۔ سلف کی تکفیر تضلیل کے مقلدین مذاہب رجال نے بڑے بڑے آئمہ دین کے حق میں بے ادبی ظاہر فرمائی حالانکہ یہ کچھ ایسی مشکل بات نہ تھی جس پر یہ ہنگامہ قائم ہوا۔''[1]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۶۳/۴۔ ۶۷

مبحث چہارم

تفسیر ترجمان القرآن میں اقوال تابعین سے استشہاد

تفسیر قرآن کے سلسلہ میں تابعین عظام رحمہم اللہ کے اقوال حجت ہیں یا نہیں، اور کیا تفسیر میں تابعین کے اقوال سے استشہاد کیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ علماء اور مفسرین کی مختلف آراء ہیں، جن کا تذکرہ نواب صاحب نے اپنی عربی تفسیر، فتح البیان فی مقاصد القرآن" اور اپنی اردو تفسیر کے مقدمہ میں بھی کیا ہے، چند اقوال کا تذکرہ اوراق ذیل میں کیا جاتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"قرآن کی تفسیر قرآن، سنت رسول اور اقوال صحابہؓ میں نہ ملنے کی صورت میں اکثر آئمہ نے اقوال تابعین کی طرف رجوع کیا مثلاً مجاہدؒ نے ابن عباسؓ کی طرف، جو علم تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔ چنانچہ محمد بن اسحاقؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ مجاہدؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے مصحف قرآن کا ابتدا سے اخیر تک تین بار ابن عباسؓ سے اس طرح ورد کیا ہے کہ ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور اس کی بابت تشریح وتفسیر پوچھتا۔ اور اسی لیے سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ جب تمہیں مجاہدؒ سے تفسیر مل جائے تو وہ تمہارے لیے کافی ہے اسی طرح دوسرے تابعین ہیں مثلاً سعید بن جبیرؒ (م ۹۲ھ)، عکرمہؒ مولی ابن عباسؓ (۱۰۴ھ)، عطا بن ابی رباحؒ (م ۱۱۴ھ)، حسن بصریؒ (م ۱۱۰)، مسروق بن الاجدعؒ (م ۶۳ھ)، سعید بن المسیبؒ، ابو العالیہؒ (م ۹۰ھ) ربیع بن انسؒ، قتادہؒ (۱۱۷ھ) اور ضحاک بن مزاحمؒ وغیرہ۔ یہ وہ نامور تابعین حضرات ہیں جنہوں نے تفسیر قرآن میں شہرت پائی۔ ان کے اکثر وبیشتر تفسیری اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ماثور و ماخوذ ہیں بعض اہل کتاب سے لیے گئے ہیں دیگر اقوال ان کے اجتہاد پر مبنی ہیں[1]

علاوہ ازیں تفسیر تابعین کی قبولیت کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔

۱۔ بعض علماء کرام تابعین کے تفسیری اقوال کا اعتبار نہیں کرتے اور دلائل یہ پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضورؐ سے براہ راست فیض حاصل نہیں کیا۔ لہٰذا صحابہ کرام کے اقوال کی مانند ان کے اقوال کو آپ سے سماع پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ (ب) انہوں نے صحابہ کرام کی طرح نزول قرآن کے احوال وظروف کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا اس لیے ممکن ہے کہ مطلب کے سمجھنے میں ان سے غلطی صادر ہوئی ہو اور جو بات دلیل نہیں ہو سکتی اسے دلیل سمجھ

---

[1] مقدمہ فی اصول التفسیر، ۴۸

بیٹھے ہوں (ج) صحابہؓ کی عدالت کی طرح ان کی عدالت نص سے ثابت نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں۔

''جو بات رسول اکرم سے منقول ہو وہ سر آنکھوں پر اور جو بات صحابہؓ سے منقول ہو اس میں سے ہم اپنی پسند کا قول اختیار کرتے ہیں اور جو بات تابعینؒ سے منقل ہو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی۔

۲۔ اکثر مفسرین، تابعین حضرات کے تفسیری اقوال قبول کرتے ہیں اور انہیں تفسیر، بالماثور میں شمار کرتے ہیں اور دلائل یہ دیتے ہیں کہ (الف) وہ علم فضل کا زندہ پیکر اور بڑے دقیقہ رس تھے۔ (ب) ان کا زمانہ عہد نبوت سے قریب تھا اور عہد صحابہ نے انہیں عہد رسالت سے منسلک کر دیا تھا (ج) ان کے اکثر وبیشتر اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہیں۔

۳۔ بعض علماء، تابعین عظام رحمھم اللہ کے اقوال کو تفسیر بالماثور کے بجائے تفسیر بالرائے میں شمار کرتے ہیں۔ یعنی ان کی تفسیر کا حکم باقی مفسرین کی طرح ہے۔ جو ماثور تفسیر کا التزام کیے بغیر عربی کے قواعد کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔

چنانچہ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''شعبہ بن حجاج اور دیگر علماء کا خیال ہے تابعین کے اقوال جب فروعات میں حجت نہیں تو تفسیر میں کیسے حجت ہو سکتے ہیں؟ ان کا مطلب یہ ہے کہ تابعین کے اقوال سے مخالفت پر حجت قائم نہیں ہوسکتی۔ یہ بات درست ہے مگر جس بات پر تابعین کا اجماع منعقد ہو جائے اس کے حجت ہونے میں شک نہیں ہوسکتا جب تابعین حضرات کسی بات پر مختلف الرائے ہوں تو نہ ایک کا قول دوسرے پر حجت ہوسکتا ہے اور نہ بعد آنے والے لوگوں پر ایسی صورت میں قرآن کی زبان یا عربوں کی زبان کے عموم یا اقوال صحابہ کی جانب رجوع کیا جائے گا۔''[1]

الغرض نواب صاحب نے تفسیر القرآن میں، اقوال تابعین کا اہتمام کیا ہے اور ان سے استشہاد کا اسلوب اختیار کیا ہے، قرآنی آیات کی تشریح وتوضیح میں نواب صاحب تابعین کے اقوال پر اعتماد کرتے ہیں۔ اپنی اردو تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان'' میں نواب صاحب نے اس اسلوب کا تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

''جب کلام پاک کی تفسیر سنت صحابہ یا اقوال صحابہ میں نہ ملے تو جمہور علما کا مؤقف یہ ہے کہ تابعین کے قول سے دلیل لے مگر جو کم علم شخص ہو وہ عبارات تابعین کو ایک دوسرے کے مخالف سمجھ کر چند مختلف اقوال بنا دیتا ہے حالانکہ بات یوں نہیں

---

[1] مقدمہ فی اصول التفسیر، ۲۸

ہے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی تو کسی چیز کی تفسیر لازم سے کرتا ہے کوئی
ہم مثل سے کر دیتا ہے اور کوئی بعینہ کسی چیز پر نص سے دلالت کرتا ہے اس لیے
ان سب اقسام کے تقریباً ایک ہی معنی ہوتے ہیں سمجھ دار شخص اکثر مواقع پر ایسی
چیزیں پہچان سکتا ہے، لیکن اہل علم کی دوسری جماعت کی یہ رائے ہے جب اقوال
تابعین فروع میں حجت نہیں ہیں تو تفسیر میں کیسے حجت ہو سکتے ہیں۔
حافظ ابن حجرؒ نے کہا یہ بات ٹھیک ہے، لیکن جب سب تابعین کسی بات پر اجماع
کریں گے تو ان کی بات حجت ہونے میں کیا کلام ہے۔"[1]

نواب صاحبؒ نے اقوال تابعین سے استشہاد کے سلسلہ میں جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کو مندرجہ ذیل نکات سے سمجھا جاسکتا ہے۔

نواب صاحب، کسی آیت یا کلمہ کی تفسیر میں تابعین عظام کے بہت سے اقوال جمع کر دیتے ہیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾[2]

مذکورہ بالا آیت میں موجود لفظ "قولاً ثقیلاً" کی تفسیر میں، نواب صاحب نے نہ صرف آیات قرآنیہ اور احادیث کا تذکرہ کیا ہے، بلکہ اپنی کتاب فصل الخطب فی فصل الکتاب کا حوالہ بھی دیا ہے، بعد ازاں تابعین کے مختلف اقوال نقل کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

☆ قتادہ نے کہا "ثقیل" سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرائض وحدود ہیں۔
☆ مجاہد نے کہا حلال وحرام ہیں۔
☆ حسن نے کہا اس پر عمل کرنا مراد ہے۔
☆ ابو العالیہ نے کہا اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید ہیں۔
☆ محمد بن کعب نے کہا کہ قرآن "ثقیل" ہے منافقین وکفار پر، کیونکہ اس میں احتجاج ہے ان پر اور بیان ہے ان کی گمراہی کا اور پردہ دری ہے ان کی اور بطلان ہے ان کے ادیان کا اور برائی ہے ان کے معبودین کی۔
☆ سدی نے کہا "ثقیل" بمعنی کریم ہے۔[3]

۲۔ اسی طرح، نواب صاحب کا ایک اسلوب یہ ہے کہ اقوال تابعین میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾[4]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۴/۱-۲۵
[2] المزمل ۵:۷۳
[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹۴/۱-۹۵
[4] المدثر ۴:۷۴

نے کہا جو کام میں نے آج کیے ہیں وہ تو جانتا ہوں سو بتلایئے کل میں کیسے کام
کروں گا اور یہ بھی اضافہ کیا کہ قیامت کب آئے گی۔بعض نے کہا کہ یہ آیت
بادیہ نشینوں میں سے حارث بن عمرو بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔[1]

۵۔ مزید برآں نواب صاحب اقوال تابعین ذکر کرتے ہیں اور ان کی تعقیب کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾[2]

فساد فی البر والبحر میں نواب صاحب اقوال تابعین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں مجاہد اور عکرمہ نے کہا ''فساد بر'' سے آدمؑ کے بیٹے قابیل کا اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرنا مراد ہے اور ''فساد بحر'' سے مراد ظالم بادشاہ کا ہر کشتی کو زبردستی چھین لینا مراد ہے۔

سدیؒ نے کہا ''فساد'' سے مراد ''شرک'' ہے اور سب فسادوں سے بڑھ کر ہے۔

بعض نے کہا ''فساد'' سے مراد نرخوں کی گرانی، بے رونقی اور معاش کی قلت ہے۔

بعض نے کہا راہزانی اور ظلم مراد ہے بعض نے کہا بندوں کے اعمال کی شامت کی وجہ سے بے برکتی کا جہاں میں چھا جانا مراد ہے۔ تاکہ بندے اس سے ڈر کر عبرت پکڑیں اور توبہ کریں۔

نحاس نے کہا اس آیت میں جتنے اقوال ہیں سب سے یہ قول حسن ہے اور اس سے منقول ہے کہ ''فساد بحر'' سے مراد بنی آدم کو گناہوں کی شامت سے دریا کے شکار کا نایاب ہو جانا۔

ابن عطیہ نے کہا جب بارش باران کی قلت ہوتی ہے تو موتیوں کے نکلنے کے لے دریا میں غواصی بھی کم ہو جاتی ہے اور دریائی جانور اندھے ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ اور بھی لوگوں نے بلا دلیل تخصیص کی ہیں اور آیت سے ظاہر یہ ہے کہ جس چیز پر فساد کا نام بولا جا سکتا ہے خواہ بنی آدم کے افعال کی طرف راجع ہوں ان کے گناہوں اور بدکاریوں اور قطع ارحام اور ایک دوسرے پر ظلم اور باہم قتال وغیرہ سے یا ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جیسے قحط اور کثرت خوف اور مال مویشیوں، کھیتوں اور میووں کی کمی اور آتش زدگی اور غرقابی کی کثرت اور ہر چیز سے برکت کا سلب ہو جانا وغیرہ اور ''بر'' اور ''بحر'' مشہور ومعروف ہیں یعنی خشکی اور تری۔

بعض نے کہا ''بر'' سے مراد جنگل اور بیاباں ہیں اور بحر سے مراد وہ بستیاں ہیں جو پانی کے کنارے پر آباد ہوں عرب کے لوگ شہروں کو ''بحر'' کہتے ہیں۔

مجاہد نے کہا ''بر'' وہ شہر اور بستیاں ہیں جو دریا اور سمندر کے کنارے پر نہ واقع ہوں نواب صاحب فرماتے ہیں:

''کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان دونوں کو ''بر اور بحر'' کس دلیل نے اس تخصیص بعید
اور تعیین غریب پر دلالت کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت حضرت خاتم النبیین پر

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۱/۱۷۵
[2] الروم ۳۰:۴۱

مبحث پنجم

لغت اور کلام عرب سے استشہاد

قرآن پاک چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا اس لیے، اس کا صحیح فہم حاصل کرنے کے لیے عربی لغت کا علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ علامہ ابن خلدون بیان کرتے ہیں کہ

''صحابہ کرامؓ عرب ہونے کے ناطے اس کو بغیر کسی الجھاؤ کے سمجھتے تھے۔ اس کے مفردات کو پہچانتے تھے اور اس کے جملوں کی ترکیب اور ساخت سے آشنا تھے چونکہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ قرآن کریم کے مجملات کی تشریح فرماتے تھے اور ناسخ کو منسوخ سے الگ اور ممیز ٹھہراتے تھے۔ اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ صرف آیات کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہوتے تھے بلکہ یہ بھی جانتے تھے کہ کون سی آیت کن حالات میں نازل ہوئی اور اس کا منشا کیا ہے .... دور تدوین کے بعد جب علوم لسان نے صناعت وفن کی شکل اختیار کی اور بجائے ملکہ وذوق اور براہ راست سماع کے معانی کی تعیین کے لیے شعراء کے کلام کی احتیاج محسوس کی گئی تو قرآن کریم کے الفاظ کی تشریح و وضاحت کے لیے کتب ادب اور شعراء کے استعمالات کا حوالہ دیا جانے لگا کیونکہ قرآن کے نزول میں محاورات عرب اور اسالیب عرب کو مرعی رکھا گیا تھا۔[۱]

چنانچہ ائمہ مفسرین نے ایک مفسر کے لیے جن علوم کی معرفت لازمی قرار دی ہے اس میں علم لغت سرفہرست ہے۔ مثلاً امام راغب اصفہانی کے نزدیک ان دس علوم کے بغیر فن تفسیر مکمل نہیں ہوتا ہے۔ علم لغت، علم اشتقاق، نحو، قرأت، تاریخ و سیرت، حدیث، اصول فقہ، احکام کا علم یعنی علم فقہ، علم الکلام اور وہبی علم۔[۲]

جبکہ امام سیوطیؒ کے نزدیک ان ضروری علوم کی تعداد پندرہ ہے اور علم لغت ان میں سرفہرست ہے۔[۳]

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نواب صاحب برصغیر کے کثیر الکتب مؤلفین میں سے ہیں خصوصاً علوم القرآن پر رسائل سمیت تیرہ کتب تصنیف کی ہیں جن کا تذکرہ مستقیم سلفی نے اپنی کتاب ''جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات'' میں کیا ہے۔[۴]

لہٰذا نواب صاحب نے اپنی تفاسیر میں قرآن وسنت، اقوال صحابہ وتابعین کے بعد لغت عرب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں نواب صاحب ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کے مقدمہ میں حافظ ابن کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

۱ مقدمہ ابن خلدون، ۴۳۸-۴۳۹

۲ مقدمۃ التفسیر، مع الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ۱۸۱

۳ الاتقان فی علوم القرآن، ۱۸۰-۱۸۲

۴ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۱۸

نازل فرمائی اور آنحضرتؐ کو تخصیص بیان نہیں کی اور ''الفساد'' پر ''ال'' حرف
تعریف جنس کے لیے ہے پس وہ ہر فساد کے لیے جو خشکی اور سمندر کے بیچ میں
واقع ہو شامل ہے۔''[۱]

الغرض یہ تو تھا، تفسیر میں اقوال تابعین سے استشہاد کے سلسلہ میں نواب صاحب کا منہج، آئندہ صفحات میں، عربی لغت کی بنیاد پر نواب صاحب نے جو تفسیر کی ہے، اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۱/۳ ۷۷۔۷۷

مبحث پنجم

لغت اور کلام عرب سے استشہاد

قرآن پاک چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا اس لیے، اس کا صحیح فہم حاصل کرنے کے لیے عربی لغت کا علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ علامہ ابن خلدون بیان کرتے ہیں کہ

> ''صحابہ کرامؓ عرب ہونے کے ناطے اس کو بغیر کسی الجھاؤ کے سمجھتے تھے۔اس کے مفردات کو پہچانتے تھے اور اس کے جملوں کی ترکیب اور ساخت سے آشنا تھے چونکہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ قرآن کریم کے مجملات کی تشریح فرماتے تھے اور ناسخ کو منسوخ سے الگ اور ممیز ٹھہراتے تھے۔اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ صرف آیات کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہوتے تھے بلکہ یہ بھی جانتے تھے کہ کون سی آیت کن حالات میں نازل ہوئی اور اس کا منشا کیا ہے .... دور تدوین کے بعد جب علوم لسان نے صناعت وفن کی شکل اختیار کی اور بجائے ملکہ و ذوق اور براہ راست سماع کے معانی کی تعیین کے لیے شعراء کے کلام کی احتیاج محسوس کی گئی تو قرآن کریم کے الفاظ کی تشریح و وضاحت کے لیے کتب ادب اور شعراء کے استعمالات کا حوالہ دیا جانے لگا کیونکہ قرآن کے نزول میں محاورات عرب اور اسالیب عرب کو مرعی رکھا گیا تھا۔[۱]

چنانچہ ائمہ مفسرین نے ایک مفسر کے لیے جن علوم کی معرفت لازمی قرار دی ہے اس میں علم لغت سرفہرست ہے۔ مثلاً امام راغب اصفہانی کے نزدیک ان دس علوم کے بغیر فن تفسیر مکمل نہیں ہوتا ہے۔علم لغت، علم اشتقاق، نحو، قرأت، تاریخ و سیرت، حدیث، اصول فقہ، احکام کا علم یعنی علم فقہ، علم الکلام اور وہبی علم۔[۲]

جبکہ امام سیوطیؒ کے نزدیک ان ضروری علوم کی تعداد پندرہ ہے اور علم لغت ان میں سرفہرست ہے۔[۳]

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نواب صاحب برصغیر کے کثیر الکتب مؤلفین میں سے ہیں خصوصاً علوم القرآن پر رسائل سمیت تیرہ کتب تصنیف کی ہیں جن کا تذکرہ مستقیم سلفی نے اپنی کتاب ''جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات'' میں کیا ہے۔[۴]

لہذا نواب صاحب نے اپنی تفاسیر میں قرآن وسنت، اقوال صحابہ وتابعین کے بعد لغت عرب سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔اسی سلسلہ میں نواب صاحب ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کے مقدمہ میں حافظ ابن کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

۱۔ مقدمہ ابن خلدون، ۴۳۸-۴۳۹
۲۔ مقدمۃ التفسیر، مع الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ۱۸۱
۳۔ الاتقان فی علوم القرآن، ۱۸۰-۱۸۲
۴۔ جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، ۱۱/۸

''جب سب تابعین کسی بات پر اجماع کرلیں تو ان کی بات واجب ہونے میں کیا کلام ہے؟ لیکن باہم اختلاف ہوگا تو ان کا قول نہ بعض کا بعض پر حجت ہوگا بلکہ اس وقت لغت قرآن سنت مطہرہ اقوال صحابہ اور عام لغت عربی کی طرف رجوع کیا جائے گا...... معلوم ہوا کہ جب بھی تفسیر قرآن کی ضرورت درپیش ہو تو سب سے پہلے اس کی تفسیر قرآن مجید سے تلاش کرے۔ پھر سنت مطہرہ سے پھر اقوال صحابہ سے پھر اجماع تابعین سے پھر لغت عرب سے تلاش کرے یہ پانچ مراتب ہوئے اس سے ہٹ کر اپنی رائے سے ہرگز بات نہ کرے اگرچہ اچھی ہی کیوں نہ ہو۔''[1]

یہی وجہ ہے کہ تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان میں بھی لغات قرآن پر خصوصی بحث کی گئی ہے اور حدیث نبوی ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین اور آئمہ لغت کے اقوال و آراء سے استدلال کر کے قرآن کریم کے مشکل مقامات کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نواب صاحب کے منہج، عربی لغت کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر کی وضاحت کیلئے، ترجمان القرآن سے چند مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ﴾[2]

اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں لفظ ''امی'' پر بحث کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں ''امی'' وہ ہے جو لکھنا نہ جانتا ہو ابو العالیہ، ربیع قتادہ، ابراہیم نخعی وغیرہ کا یہی قول ہے رسول اللہ کو ''امی'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لکھنا نہ جانتے تھے جیسے ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

﴿وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾[3]

''اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے البتہ باطل پسند شک کرتے تھے۔''

پھر حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔((أنا أمة امتی لا نکتب ولا نحسب الشهر هکذا وهکذا))[4]

'کہ ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں'۔

یعنی ہم عبادات میں حساب و کتاب کے محتاج نہ ہیں اور فرمایا ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ کہ وہ ذات ہے جس نے امیون میں سے ایک نبی مبعوث فرمایا پھر ابن جریر کے حوالے سے یوں وضاحت کرتے ہیں کہ جس کو

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۵/۱ [2] البقرہ ۲:۷۸

[3] العنکبوت ۲:۴۸

[4] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی لا نکتب و نحسب، رقم الحدیث: ۱۹۱۳

لکھنا نہ آتا ہو۔ عرب اس کو ماں کی طرف نسبت کرتے ہیں ''اپنی مان کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ اپنی ماں کی طرح ان پڑھ ہے باپ کی طرف جہل میں نسبت نہ کرتے۔[۱]

﴿فَإِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ [۲]

نواب صاحب مختلف اقوال سے ''عرفات'' کی لغوی شرح کرتے ہیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عرفات کو عرفات اس لیے کہتے ہیں کہ جبرائیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کو حج کے طریقے بتائے تو عرفہ میں پہنچ کر کہا ''عرفتَ'' کہ آپ نے حج کے طریقے پہچان لیے۔

حضرت عطاؒ کا یہ لفظ ہے کہ حضرت جبریلؑ جو منسک حج ادا کرتے تو کہتے ''عرفت عرفت''

کسی نے کہا یہاں حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا تعارف ہوا تھا کسی نے کہا یہاں باہم لوگوں کا تعارف ہوتا ہے اس لیے اسے عرفات کہتے ہیں کسی نے کہا بلکہ یہ اصلی نام ہے۔ عرفات کا نام مشعر الحرام مشعر اقصی الال (بروزن ہلال) بھی ہے۔[۳] اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ [۴]

اس آیت کریمہ میں موجود لفظ حقا کی وضاحت نواب صاحب اس طرح کرتے ہیں کہ عمر بن مروہ نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ قرآن عربی زبان میں اترا ہے یہ آیت اس قول کے مثل ہے۔ ''فلان سید حقا'' حالانکہ قوم میں سادات اور بھی ہیں۔ ''فلان تاجر حقا'' حالانکہ قوم میں تاجر ہیں یا ''فلان شاعر حقا'' حالانکہ قوم میں اور بھی شعراء ہیں۔[۵]

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [۶]

نواب صاحب لفظ ''رب'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''رب'' کسی شئے کے مالک، مربی، مدبر، قائم اور مصلح کو کہا جاتا ہے۔ سو یہ سارے معانی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں موجود ہیں اور رب کا لفظ غیر اللہ کے لیے صرف اضافت سے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ''رب الدار'' ورنہ بغیر اضافت کے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے کسی نے کہا یہ اسم اعظم ہے۔ عالم ہر اس موجود کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے لفظ عالم میں ساری خلق داخل ہے کسی نے کہا ''عالم'' علامت سے مشتق ہے یہ مصنوعات گویا صانع کے وجود کی علامت ہیں۔[۷]

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ [۸]

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶/۱۶۱-۱۶۲ ۔ ۲۔ البقرہ۲: ۱۹۸

۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۱۰۶ ۔ ۴۔ الانفال ۸: ۴

۵۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳/۲۳۷ ۔ ۶۔ البقرہ۲: ۱

۷۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۳۶ ۔ ۸۔ البقرہ۲: ۳

نواب صاحب فرماتے ہیں۔......لغت میں ایمان کا لفظ محض تصدیق پر بولا جاتا ہے اللہ کریم نے فرمایا:

﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [۱]

کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور مومنین کی بات پر بھی تصدیق کرتا ہے اور جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد سے کہا تھا۔

﴿وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ﴾ [۲]

اے ابا جان! اگرچہ ہم سچے بھی ہوں، لیکن آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔ اسی طرح جب یہ اعمال کے ساتھ آتا ہے تو تصدیق کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ [۳]

مگر وہ لوگ جنہوں نے دل سے یقین کر لیا اور نیک اعمال کیے اور مطلقاً استعمال ہوتا ہے تب بھی یہ بغیر اعتقاد و قول وعمل کے نہیں ہوتا بلکہ ایمان کی شرعی تعریف و تقاضا ہی یہ ہے۔[۴]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا﴾ [۵]

نواب صاحب، مذکورہ آیت کریمہ میں موجود لفظ ''کاس'' کی تفسیر اور وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> کاس وہ ساغر ہے جس میں شراب ہو اگر شراب نہ ہوگی تو وہ ''کاس'' نہ کہلائے گا یہ ''کاس'' عام ہے اس لیے کہ کانچ یا بلور کا ہو یا سونے چاندی کا کوئی وجہ تخصیص ''کاس'' کے ساتھ ''زجاج'' کے نہیں ہے۔ عرب کے ''کاس'' کئی جنس کے ہوتے ہیں اور لفظ ''خمر'' پر بھی اطلاق لفظ 'کاس' کا آتا ہے۔[۶]

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے کہ

﴿يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا﴾ [۷]

نواب صاحب لفظ نذر کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

> ''نذر' لغت میں کسی شئے کے واجب کرنے کو کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے طاعات واجبہ کو وفا کرتے ہیں۔ قتادہؒ و مجاہدؒ نے کہا یعنی نماز و حج و نحو ہما بجا لاتے ہیں اس میں مبالغہ ہے۔ ان کے وصف کا کہ وہ موفق ہیں ادائے واجبات پر عکرمہ نے کہا منت پوری کرتے ہیں یعنی دنیا میں کلبی نے کہا تمام عہود کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

---

۱ التوبۃ ۹:۶۱ ۲ یوسف ۱۲:۱۷ ۳ العصر ۱۰۳:۳

۴ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۴۹ ۵ الدہر ۷۶:۵

۶ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶/۱۳۶-۱۳۷ ۷ الدہر ۷۶:۷

﴿وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ ...... اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ﴾

لیکن اولیٰ یہ ہے کہ نذر پوری کریں جو اپنی جان پر بغیر تخصیص کے واجب کر لی ہے۔[1]

مزید برآں اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا﴾[2]

نواب صاحب اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

قرطبیؒ نے کہا بلا خلاف 'نطفہ' کہتے ہیں ٹپکتے بوند کو مراد 'منی' ہے یعنی پیدا کیا ہم نے انسان کو ایک مادہ حقیر پسیر سے نطفہ نر و مادہ دونوں کے پانی کو کہتے ہیں اور نیز آب صاف کو بہت ہو یا تھوڑا ''امشاج'' بمعنی اخلاط ہے۔ جمع کو صفت مفرد کی ٹھہرایا اس لیے کہ یہ مفرد معنی جمع میں یا ہر جزو ''نطفہ کا'' ''نطفہ'' کہلاتا ہے۔ مشوج بمعنی مخلوط ہے اس جگہ مراد اختلاط 'نطفہ' کا خون ہے۔ بعض نے کہا ''امشاج'' سرخی ہے۔ سفیدی میں اور سفیدی سرخی میں قرطبی نے کہا یہی قول اکثر اہل لغت نے اختیار کیا ہے، کیونکہ مرد کا پانی سفید غلیظ ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد رقیق دونوں پانیوں سے مل کر بچہ پیدا ہوتا ہے۔[3]

﴿عَيۡنًا فِيۡهَا تُسَمّٰى سَلۡسَبِيۡلًا﴾[4]

نواب صاحب 'سلسبیل' کی تفسیر بیان کرتے ہیں:

''سلسبیل'' کہتے ہیں شراب طیب لذیذ کو ماخوذ ہے سلسل سے زجاج نے کہا سلسبیل لغت میں اس پانی کو کہتے ہیں جو نہایت سلسال اور تیز رو ہو حلق میں نہ اٹکے ابن الاعرابی نے کہا میں نے ''سلسل'' صرف قرآن ہی سے سنا ہے کسی نے کہا یہ نام عجمی ہے اور نکرہ ہے کسی نے کہا آب رواں منقاد ہے کہ جہاں چاہو لے جاؤ مگر اول اولیٰ ہے خازن نے کہا معنی اسم کے اس جگہ وصف ہیں اس لیے اکثر علماء اس پر ہیں کہ سلسل صفت ہے نہ اسم، مقاتل بن حبان نے کہا 'سلسبیل'' اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے راہوں اور گھروں میں جاوری اور سائل ہے۔ عرش کی جڑ سے جنت عدن میں ہو کر طرف اہل جنت کے بہہ کر آیا ہے۔''[5]

اسی طرح درج ذیل آیت کریمہ۔

﴿يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ﴾[6]

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۷/۱۶ ۲ الدہر ۷۶:۲

۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۳/۱۶ ۴ الدہر ۷۶:۱۸

۵ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۲/۱ ۶ البقرہ ۲:۳

نواب صاحب اسکی تشریح میں لکھتے ہیں:

''لغت میں ''غیب'' ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے پوشیدہ ہو۔ کسی نے کہا ''غیب'' سے مراد دل ہے کسی نے کہا غیب سے مراد وہ چیز ہے جس کی خبر رسول اللہ نے دی ہے لیکن وہ عقل سے دریافت نہیں ہو سکتی جیسے علامات قیامت، عذاب قبر، حشر ونشر، پل صراط، میزان، جنت اور جہنم یہ سب کچھ غیب کے تحت داخل ہے حدیث جبریل میں ایمان شرعی کی یہی تعریف بیان کی گئی ہے۔ فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرے اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں اور تقدیر کی خیر وشر پر ایمان لائے۔''[۱]

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ﴾ [۲]

نواب صاحب مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''طوبیٰ'' کے مختلف معانی ہیں مثلاً لغت ہند میں اس سے مراد 'بستان' ہے حبشی زبان میں اس سے مراد ''باغ' ہے جنت کا درخت یا خود جنت طوبیٰ کے معانی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے اقوال ہیں جو سلف سے مروی ہیں، لیکن راجح تفسیر طوبیٰ کی وہ ہے جو رفعاً ثابت ہے عتبہ بن عبد کہتے ہیں ایک اعرابی نے آکر کہا اے رسول خدا ﷺ جنت میں فاکھہ ہوگا فرمایا ہاں اس میں ایک درخت ہے جس کو طوبیٰ کہتے ہیں (رواہ احمد وابن جریر وابن ابی حاتم والطبرانی) اسی طرح حدیث ابو سعید خدری میں رفعاً آیا ہے۔

''شجرة فی الجنة مسیرة مائة عام''[۳]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ هُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ﴾ [۴]

نواب صاحب لفظ 'محال' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محال' محالہ سے مشتق ہے بمعنی نکایدہ با اعداد، ابن الاعرابی نے کہا محال بمعنی 'مکر' یہ ہے کہ کچی تدبیر کرتا ہے۔

ازہری نے کہا 'محال' ''محل'' سے مشتق ہے۔ بمعنی قوت و شدت اور میم اصلی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا محال بمعنی عقوبت و مکر بالجملہ اس لفظ کے آٹھ معانی ہیں۔

۱۔	عداوت	۲۔	حول	۳۔	اخذ	۴۔	حقد
۵۔	غضب	۶۔	قوت	۷۔	ہلاک	۸۔	حیلہ له دعوة الحق''[۵]

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۵۰ — ۲ الرعد ۱۳:۲۹
۳ مسند احمد، باب مسند ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۱۱۶۲۷؛ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۶/۸۷
۴ الرعد ۱۳:۱۳ — ۵ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۶/۸۵

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ [۱]

نواب صاحبؒ مذکورہ آیت کریمہ میں صراطِ مستقیم کی تشریح اس انداز سے کرتے ہیں

''راہ دکھانا، توفیق دینا، مطلب واضح کرنا الہام کرنا ،نرمی سے راہ بتانا یہ سب ہدایت کے معانی ہیں اور مستقیم ۔ اس چیز کو کہتے ہیں جو برابر سیدھی ہو ابن کثیر نے فرمایا اس بات پر علما کا اجماع ہے صراط مستقیم وہ کھلا راستہ ہے جس میں کسی طرح کا ٹیڑھ نہ ہے۔ ساری لغت عرب میں اس کے یہی معانی ہیں یہاں سیدھی راہ سے مراد ملت اسلام کا طریقہ ہے کسی نے کہا راہ حج مراد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہمیں دین حق سمجھا کسی نے کہا کہ ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھا جو جنت کے مستحق ہیں پہلا قول ظاہر تر ہے اگر سارے معانی مراد لیے جائیں تو کوئی بھی مانع نہیں ۔ ابن کثیر نے کہا کہ صراط کے معانی ہیں۔ مفسرین سلف و خلف کی مختلف عبارتیں ہیں ،لیکن سب کا حاصل ایک ہی بات ہے کتاب وسنت ہے۔'' [۲]

مزید برآں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَ قِثَّائِهَا وَ فُومِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ......﴾ [۳]

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب نے قرآنی آیات اور لغت عرب سے استفادہ کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

''فوم'' ابن مسعود کے مطابق 'ثوم' ہے''ثوم' لہسن کو کہتے ہیں ایک جماعت سلف بھی اسی طرف گئے ہیں ۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور حسن نے بھی ابن مسعود کے قول کی تائید کی ہے۔

''ثا'' کی جگہ ''فا'' کا استعمال کیا گیا ہے کسی نے کہا ''فوم'' گیہوں کو کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا بنی ہاشم کی زبان میں 'حنطہ' کو فوم کہتے ہیں۔ لغت قدیمہ میں فوموا بمعنی 'اختبزوا'' آیا ہے۔ جوہری نے بھی 'فوم' کا ترجمہ حنطہ کیا ہے۔ ابن عباس وزید نے کہا اس سے سنبلہ مراد ہے یعنی وہ بالی جن کے اندر دانے ہوتے ہیں حضرت قتادہ نے کہا کہ جس دانے کی بھی روٹی پکائی جائے تو وہ فوم ہے۔

کسی نے کہا کہ شامی زبان میں چنے کو''فوم'' کہتے ہیں نحو وفروش کوفومی کی بجائے فامی کہتے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے جتنے بھی دانے کھائے جاتے ہیں وہ سب 'فوم' ہیں۔ [۴]

---

[۱] الفاتحہ ۱:۵
[۲] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴۰/۱
[۳] البقرہ ۲:۶۱
[۴] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۴۰/۱

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قَالُوٓا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ﴾ [۱]

نواب صاحب مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ضلال'' (کا معنی) غائب ہونا ہے جب میت غائب ہو اور بے کار ہو جائے تو (محاورہ عرب میں) کہا جاتا ہے۔ ضل المیت فی التراب یعنی میت مٹی میں غائب ہوگئی اور جس وقت ایک چیز پر دوسری چیز اس طرح غالب ہو جائے کہ اس کا اثر بھی جاتا رہے تو عرب لوگ کہا کرتے ہیں۔

قد ظلّ یعنی اس کا تواتر بھی نہیں رہا قطرب نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہوگا جس وقت ہم زمین میں غائب ہو جائیں گے۔ [۲]

﴿وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا﴾ [۳]

نواب صاحب لفظ ''ثجاجا'' کی لغوی تشریح اس طرح سے کرتے ہیں۔

مجاہد، قتادہ وربیع کہتے ہیں ''ثجاج'' سے مراد آب، ریزاں ہے ثوری نے کہا مراد لگا تار پانی ہے۔ ابن زید نے کہا 'آب کثیر' ہے۔ ابن جریر نے کہا کلام عرب میں 'ثج' معنی کثرت مشہور نہیں ہے بلکہ ثج لگا تار گرنے کو کہتے ہیں۔

ومنہ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الحج العج والثج [۴] یعنی بہانا خون بدن کا ابن کثیر کہتے ہیں مگر حدیث مستحاضہ میں آیا ہے۔

((فقالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو اکثر من ذلک انما اثج ثجا)) [۵]

یعنی اس کی تو ایک دھارسی لگ جاتی ہے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ استعمال ثج ریزش پے در پے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم [۶]

﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾ [۷]

نواب صاحب نے مذکورہ آیت کریمہ میں موجود لفظ طباق کی تشریح لغت عرب سے کی ہے لکھتے ہیں:

لفظ طباق جمع طبق کی یا طبقہ کی یا مصدر یا بمعنی ''ذات طباق'' ہے کچھ بھی بعض آسمان بالائے مطبق ہیں۔ اور ہر آسمان ایک قبر ہے۔ دوسرے آسمان اور دنیا کا آسمان قبر ہے۔ زمین، بقائی نے کہا طباق ہے یعنی ہر جزو ان کا مطابق جزو دیگر ہے کوئی جزو اس سے خارج نہیں ہے۔ [۸]

---

[۱] السجدۃ ۱۰:۳۲
[۲] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۹۷/۱۱
[۳] النباء ۱۴:۷۸
[۴] مجمع الزوائد، ۲۸۵/۳
[۵] سنن البیہقی، باب المبتدئہ رقم الحدیث: ۱۶۶۵
[۶] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶۰/۱۶
[۷] الملک ۳:۶۷
[۸] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۵۰/۱۶

نواب صاحب اسی طرح ایک اور آیت کریمہ

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾[1]

کی تفسیر میں لفظ ''طہورا'' کی وضاحت 'قرآن وحدیث اور عربی لغت کے ساتھ یوں فرماتے ہیں۔

ازہریؒ نے کہا لغت میں ''طہور'' کہتے ہیں پاک پاک کندہ کو اور اس چیز کو جس سے طہارت حاصل کریں۔

ابن الانباری نے کہا 'طہور' بفتح طا اسم ہے۔ اس طرح وضو اور وقود ضمہ کے ساتھ مصدر ہے۔ اور یہی لغت میں معروف ہے اور جمہور کا یہ مذہب ہے کہ طہور معنی پاک پاک کنندہ ہے اور اس کا مؤید ہے۔ اس کا جنبی ہونا مبالغہ کے لیے اور اس پر دلالت کرتی ہے۔ وہ حدیث جو آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا دریا کے حق میں۔

((هو الطهور ماؤه والحل ميتة))[2]

یعنی دریا کا پانی پاک کنندہ ہے اور اس کا مردار حلال ہے اور ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ اس نے کہا ''طہور'' بمعنی طاہراً ہے اور اس پر دلیل لی اس نے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ سے اور بہر صورت شرع وارد ہوئی ہے۔ کہ 'ما فی نفسه'' طاہر اپنے غیر کا مطہر ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ یعنی اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ((خلق الماء طهورا)) یعنی پانی پاک کندہ بنا ہے۔[3]

علاوہ ازیں نواب صاحب، الفاظ کی وضاحت کیلئے کلام عرب سے بھی استشہاد کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا﴾[4]

نواب صاحب مذکورہ آیت کے بعد تائیداً عربی شعر لائے ہیں۔

اللیل للعاشقین ستر　　　یا لیت اوقاته ندوم[5]

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ۝ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾[6]

---

[1] الفرقان ۲۵:۴۸　　[2] مؤطا امام مالک، باب الطہور للوضوء، رقم الحدیث: ۴۲

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹/۱۱۷، ۱۱۶　　[4] النباء ۷۸:۱۰

[5] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۲/۱۵۹　　[6] القیامہ ۷۵:۲۶-۲۷

نواب صاحب لکھتے ہیں:

حرف ''کلا'' زجر ہے یعنی کافر کا ایمان لانا دن قیامت پر بعید ہے۔ پھر کہا کہ جب نفس یا روح محتضر کے مومن ہو یا کافر ''تراقی'' تک پہنچتی ہے۔ یعنی گلے کی ہڈیوں تک، ہر انسان کے دو 'ترقوہ' ہوتے ہیں۔ یہ عبارت ہے حالت احتضار سے یا 'کلا' بمعنی 'حقا' مقصود اس ذکر سے یاد دلانا شدت حال کا نزدیک نزول موت ہے درید بن اصمہ نے کہا ہے۔

ورب کـــریهة دافـعـــت عـنهـــا
وقـد بـلـغـت نـفـوسهـم التراقـی

'راق' سے مراد 'صاحب رقیۂ' ہے یعنی اب اس وقت کون ہے کہ جھاڑ پھونک کرے گنڈا تعویذ بنائے۔ قتادہؒ نے کہا اس کے لیے اطباء کی جستجو کی کسی طبیب نے بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء سے اس کو نہ بچایا یہی قول ہے ابو قلابہ کا شاعر نے کہا،

هـل لـلفتی من بنات الموت من واقی
ام هل له من حمام الموت من راقی [۱]

اللہ کے فرمان:

﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ﴾[۲]

کی تفسیر میں نواب صاحب نے لغت عرب سے استشہاد کیا ہے، لکھتے ہیں لغت عرب میں زنیم پسر خواندہ کو کہتے ہیں اسی بات کی تائید ابن جریر اور بہت سے آئمہ نے کی ہے۔ حضرت حسان بن ثابت نے بعض کفار قریش کی ''ذم'' میں یہ کہا۔

وانـت زنـیـم یـنـیـط فـی آل هـاشـم
کـمـا یـنیط فی الراکب القدح الفرد

ایک اور شاعر نے کہا

زنـیـم لیـــس یـعـــرف مـــن ابـــوه
بـــغـــی الام ذو حـســب لـئـیـم

ابن عباسؓ نے کہا ہے ''زنیم'' کہتے ہیں ''ولد الزنا'' فاحش لئیم کو پھر یہ شعر پڑھا۔

زنـیـم تـداعـاه الـرجـال زیـاده
کـمـا زیدنی عرض الادیم الا کارع [۳]

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾[۴]

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶/۱۲۸-۱۲۹ ۲ القلم ۶۸:۱۳
۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶/۲۰ ۴ بنی اسرائیل ۱۷:۱

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب رقمطراز ہیں مفسرین ،علماء ومتکلمین کا اجماع ہے اس بات پر ''عبد'' سے مراد اس آیت مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امت میں سے کسی کا اس کے بارے اختلاف نہیں ہے۔ لفظ ''عبد'' کہا نبی ورسل نہ کہا یا آنحضرت کا نام نہ لیا اس سے مقصود آنحضرت کی تکریم وتشریف ہے۔ اہل علم نے کہا اگر عبد کے سوا کوئی اور نام اس سے اشرف تر ہوتا تو اللہ تعالیٰ وہی نام اس مقام پر ذکر کرتے۔

ے اصم اذا نودیت باسمی واننی
اذا قیل لی یا عبدھا لسمیع
ے لا تدعی الا بیا عبدھا
فانہ اشرف اسمائی [۱]

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا
كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ [۲]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحبؒ فتح البیان کے حوالے سے لکھتے ہیں تو اپنے ہاتھ کو گردن سے مت باندھ اور نہ بالکل کھول یہ نہیں متناول ہے۔ ہر مکلف کو خواہ خطاب بغرض تعریض تعلیم امت ہو یا ہر صالح خطاب کو مکلفین میں سے انسان کو منع کیا ہے ایسے امساک سے جس سے وہ اپنی جان پر تنگی کرے اور اہل وعیال کو ضیق میں رکھے اور نہ انفاق میں اس قدر توسیع کرے جس کی حاجت نہیں ہے اور مسرف بن جائے۔

غرضیکہ افراط وتفریط دونوں سے منع کیا ہے اس سے مشروعیت توسط کی حاصل ہوتی ہے یہی وہ عدل ہے جس کی طرف اللہ نے ندب کیا ہے

ے ولا تک فیھا مفرطا او مقرطا
کلا طرفی قصدا الامور ذمیم [۳]

اسی طرح درج ذیل آیت کریمہ

﴿وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ﴾ [۴]

کی تفسیر میں نواب صاحب نے اصحاب کہف کی حالت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ان کو جاگتا جانے اور وہ سوتے ہیں۔ نواب صاحبؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہتے ہیں کہ گرگ جب سوتا ہے ایک آنکھ بند کرتا ہے اور دوسری آنکھ کھولے رہتا ہے پھر اس بند آنکھ کو کھولتا ہے اور کھلی آنکھ کو بند کرتا ہے اور وہ سوتا ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے۔

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴۸/۷-۴۹ [۲] بنی اسرائیل ۲۹:۱۷
[۳] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹۲/۷ [۴] الکہف ۱۸:۱۸

ینام باحدی مقلیہ ویتقی ے
باخری الرزایا فھو یقظان نائم [1]

اسی طرح اللہ کے فرمان:

﴿وَّ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ زَکٰوۃً ؕ وَ کَانَ تَقِیًّا ﴾ [2]

کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں،''ابن جریر نے ابن عباسؓ سے اپنی اسناد کے ساتھ نقل کیا کہ سعید بن جبیر نے ابن عباسؓ سے آیت ﴿وَ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ زَکٰوۃً ﴾ کی تفسیر پوچھی تو ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر نہ بتلائی۔ اور سیاق سے ظاہر ہے کہ 'حنانا'' آخر تک پہلی آیت پر معطوف ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کو لڑکپن میں سمجھ دی اور اپنی طرف سے شوق دیا اور حنان کہتے ہیں۔ شفقت اور میل میں محبت کو عرب کہتے ہیں۔''حنت الناقة علی ولدھا وحنت المرأة علی زوجھا'' یعنی اونٹنی اپنے بچے سے محبت کرتی ہے اور عورت اپنے خاوند سے ناز کرتی ہے۔ اور اسی لیے عورتوں کا نام ''حنہ'' رکھا جاتا ہے اور کہا کرتے ہیں۔

''حسن الرجل الی اھلہ'

یعنی مرد اپنے گھر کا مشتاق ہے اور حنان کے معانی تعطف اور رحمت کے بھی آتے ہیں جیسے شاعر نے کہا۔

تعطف علی ھداک الملیی ے
ک فان لکل مقام مقالا

اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ایک روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ میں ایک شخص باقی رہ جائے گا اور ہزار برس تک پکارتا رہے گا اور کہتا رہے گا ''یا حنان یا منان'' اور کبھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے گا اور بعض نے اس چیز کو کہ اس سے وارد ہوا ہے بذاتھا گردانا ہے۔

جیسے طرفہ شاعر نے کہا ہے

ابا منذر راقیت فاستبق بعضنا ے
حنانیک بعض الشر اھون من بعض

اور زکوۃ کا حنان پر عطف ہے اور زکوۃ کے معنی اثام اور خنوب کی میل کچیل سے پاک ہونے کے۔ [3]

الغرض یہ تو تھا نواب صاحب کا منہج عربی لغت کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر، اور کیلام عرب سے استشہاد، جس کا مع امثلہ تذکرہ کر دیا گیا، آئندہ صفحات میں، ترجمان القرآن جن جن کتب سے اخذ واستفادہ کیا گیا، ان کا تذکرہ کیا جائے گا۔

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۰۶/۷ [2] مریم ۱۹:۱۳

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۱۶/۷

مبحث ششم

دیگر کتب تفسیر سے اخذ واستفادہ

نواب صاحبؒ باوجودیکہ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں درک اور مہارت تامہ رکھتے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے ترجمان القرآن بلطائف البیان، لکھتے ہوئے ابن جریر طبریؒ ،امام شوکانیؒ اور امام ابن کثیر جیسے ائمہ تفسیر کی کتب بھر پور استفادہ کیا ہے

ذیل میں ان میں سے اہم تفاسیر کا تعارف اور ترجمان القرآن ' کے ، ان مقامات کا تذکرہ کیا جائے گا جو کہ نواب صاحب کے اس منہج کو واضح کرتے ہیں۔

جامع البیان عن تاویل آی القرآن

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب طبری آملی ۲۲۴ھ کے اواخر بمطابق ۸۳۹ھ صوبہ طبرستان میں آمل کے مقام پر پیدا ہوئے۔[۱]

آپ نے صغرسنی میں تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہی حاصل کی ۱۲ سال کی عمر میں علمی پیاس بجھانے کے لیے گھر سے نکلے اور محمد بن حمید رازی، ابو جریج، ابو کریب ،عباد بن یعقوب ،عبید اللہ بن اسماعیل ہباری، بشر بن معاذ عقدی، ربیع بن سلیمان اور یونس بن عبدالاعلیٰ جیسے مشائخ سے کسب فیض کرنے کے لیے مختلف بلاد و دیار کے علمی مراکز کے سفر کیے جن میں مصر،شام اور عراق وغیرہ شامل ہیں۔[۲]

ان کی تالیف کردہ تفسیر کا پورا نام'' جامع البیان عن تاویل آی القرآن'' ہے۔ جو کہ پورے تفسیری سرمایہ کا ماخذ اول ہے۔اور تمیں جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ امام طبریؒ نے اسے ۲۸۳ھ میں لکھنا شروع کیا اور سات سال کے عرصہ میں اسے مکمل کیا۔[۳]

کچھ عرصہ پہلے یہ تفسیر بالکل ناپید تھی۔ اتفاقاً امیر حمود بن الامیر عبدالرشید نجدی کی ذاتی لائبریری سے ایک کامل قلمی نسخہ ملنے پر زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ مفسرین کے نزدیک عقلی ونقلی تفاسیر میں اس کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ اس کی وجہ ابن جریر کا استنباط اور اقوال کی ترجیح وتوجیہ ہے۔[۴]

ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں:

> ''روایات و آثار کی مدد سے جو تفسیریں لکھی گئی ہیں ان میں سب سے بہتر ابن جریر طبری کی تفسیر ہے۔''[۵]

---

۱ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،۴۰۲/۱۲
۲ الفہرست، ۵۴۷
۳ سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر،۶۲۳/۲
۴ المذاہب الاسلامیہ، ۸۶
۵ علوم القرآن، ۳۱۶

بحر العلوم

تفسیر بحر العلوم کے مصنف، ابوجعفر الہندوانی کے شاگرد رشید از ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی ہیں۔ جنہوں نے (۳۷۳ھ یا ۳۷۵ھ میں وفات پائی) [۱] یہ تفسیر زیور طبع سے آراستہ نہ ہوئی جیسا کہ علامہ داؤدی لکھتے ہیں:

"یہ تفسیر ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی اور ایک مخلوطہ کی شکل میں تین ضخیم جلدوں میں دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔ اس تفسیر کے مؤلف بھی قرآن کی تفسیر صحابہؓ، تابعین و اتباع تابعین کے اقوال و آثار کی مدد سے کرتے ہیں مگر روایات ذکر کرتے وقت وہ سند بہت کم بیان کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جب وہ در مختلف اقوال و روایات ذکر کرتے ہیں۔ تو ان پر نقد و تبصرہ نہیں کرتے اور نہ ہی ابن جریر کی طرح ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔" [۲]

معالم التنزیل از امام بغوی

یہ ابو محمد بن حسین بن مسعود الفراء کی تالیف ہے جو بغ یا بغشور نسبت کی وجہ سے بغوی کہلائے اور محی السنہ، عظیم محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے عابد و زاہد بھی تھے۔ ۵۱۰ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

بغوی تفسیر و حدیث اور فقہ کے امام تھے۔ تاج الدین سبکی نے آپ کو کبار علمائے شافعیہ میں شمار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"بغوی بڑے جلیل القدر امام، عابد، زاہد، محدث، مفسر، فقیہ، علم و عمل کے جامع اور طریق سلف پر گامزن تھے۔" [۳]

نواب صاحب اپنی تفسیر "ترجمان القرآن بلطائف البیان" میں امام بغویؒ کے تفسیری اقوال نقل کرتے ہیں۔

المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز

المحرر الوجیز کے مصنف کا نام و نسب ابو محمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی ہے۔ ۴۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے عادل اور منصف قاضی تھے۔ ۵۴۶ھ میں وفات پائی۔

ابو حیان اندلسی رقمطراز ہیں:

آپ نہایت ہی بلند پایا عالم، جلیل القدر، فقیہ، محدث، مفسر، نحوی، لغوی، شاعر اور ادیب تھے۔ مفسر ابو حیان اپنی تفسیر "البحر المحیط" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے بھی تفاسیر قرآن مرتب کی ہیں ان سب میں ابن عطیہؒ کا مقام بلند تر ہے۔ [۴]

تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیر

مصنف کا نام ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمرو بن کثیر ہے۔ والد کی وفات کے بعد بھائی کی رفاقت میں دمشق

---

۱ طبقات المفسرین، ۳۲۷/۱ ۲ طبقات المفسرین، ۲۳۳/۱

۳ طبقات الکبریٰ، ۲۱۴/۴ ۴ البحر المحیط، ۹/۱

کا سفر کیا۔ ابن عساکر علامہ آمدی اور حافظ مزیؒ جیسے اجل استفادہ کیا، ابن تیمیہ سے خوب استفادہ کیا، ان سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔ اکثر معاملات میں، دونوں کے نظریات ایک دوسرے سے موافقت رکھتے تھے امام ابن تیمیہ کی موافقت کی وجہ سے ان پر بہت ظلم کیے گئے۔[1]

تفسیر ابن کثیر بلند پایہ تفسیر ہے۔ جس میں آیات کی تفسیر احادیث سے مرفوعہ اور اقوال و آثار کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اور حسب ضرورت جرح و تعدیل سے بھی کام لیا گیا ہے۔ الغرض تفسیر ابن کثیر تفسیر، عمدہ قسم کی تفسیر بالماثور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نواب صاحب نے اس قدر استفادہ کیا ہے کہ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ یہ ترجمان القرآن نہیں بلکہ تفسیر ابن کثیر ہے۔

الدر المنثور، فی التفسیر الماثور

الدر المنثور، جلال الدین ابو الفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی کی تالیف ہے۔ ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے، چھوٹی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی کمال بن ہمام کی نگرانی میں رہے جنہوں نے آپ کی تربیت کا حق ادا کر دیا۔ آٹھ سال کی عمر میں، حفظ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ بہت سی کتابوں کے متون زبانی یاد کر لیے، آپ پانچ صد سے زائد تصانیف مشرق و مغرب میں قبولیت و شہرت کا باعث ہیں۔ ۹۱۱ھ میں جہاں فانی سے رخصت ہو گئے۔[2]

سیوطیؒ لکھتے ہیں:

> ''میں نے تفسیر قرآن پر مشتمل ایک مستند تفسیر تحریر کی ہے جو کوئی ہزار احادیث کو سموئے ہوئے ہے اس میں مرفوع و موقوف ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ وہ چار جلدوں میں تکمیل پذیر ہوئی ہے میں نے اس کا نام ''ترجمان القرآن'' تجویز کیا ہے۔

سیوطی مزید لکھتے ہیں:

> ''جب میں تفسیر ''ترجمان القرآن'' کی تصنیف سے فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس میں احادیث کی اسانید بتمام و کمال مذکور ہیں۔ حالانکہ دور حاضر میں ہمت پست ہو چکی ہے اور لوگ اسانید سے قطع نظر صرف متن حدیث کا مطالعہ کرنا چاہتے اور طوالت سے گھبراتے ہیں۔ بنا بریں میں نے ترجمان القرآن کا خلاصہ ''الدر المنثور'' کی صورت میں تیار کیا اس میں صرف متن روایت پر اکتفاء کیا اور جس کتاب سے وہ روایت لی اس کا ذکر کر دیا۔[3]

---

[1] تاریخ تفسیر و مفسرین، ۲۲۱ [2] شذرات الذهب، ۵۱/۸
[3] مقدمہ الدر المنثور، ۲/۱

مفاتیح الغیب

یہ علامہ فخر الدین محمد بن حسین رازی کی تصنیف ہے۔۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے، آپ علوم عقلیہ اور علم میں مہارت رکھتے تھے، آپ نے مختلف و متعدد علوم میں کئی کتب تالیف کیں۔ جن کی وجہ سے آپ کی شہرت چار دانگ عالم پھیل گئی، آپ نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔[1]

آپ کی تالیف کردہ تفسیر حال ہی میں، مصر سے زیور طبع ہوئی، جو کہ تیرہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

قاضی ابن شہبہ کہتے ہیں:

''امام رازی اس تفسیر کو مکمل نہ کر سکے ابن خلکان نے بھی اس کی تائید کی۔''[2]

نواب صاحبؒ نے تفسیر رازی سے خوب استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں، امام رازیؒ کی علمیت کا اعتراف کیا ہے، لکھتے ہیں:

صرف فاتحہ سے امام رازی سے دس ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے۔[3]

انوار التنزیل و اسرار التاویل

یہ ابو الخیر ناصر الدین عبداللہ بن عمر بن محمد البیضاوی کی تصنیف ہے۔ جو کہ شافعی المسلک تھے اور چیف جسٹس کے منصب پر فائز رہے۔

امام سبکیؒ رقمطراز ہیں:

''بیضاوی ایک عظیم امام بہت بڑے مناظر عابد وزاہد اور شب زندہ دار تھے۔''

آپ نے ۶۹۱ھ میں بمقام تبریز وفات پائی۔[4]

مزید برآں، غلام احمد حریری آپ کی تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تفسیر بیضاوی کو امہات الکتب میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص قرآن حکیم کے مطالب و معانی اور اس کے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا یہ تفسیر معروف و متداول اور ہر جگہ دستیاب ہے۔''[5]

تفسیر الجلالین

یہ تفسیر، جلال الدین محلی اور جلال الدین السیوطیؒ کی تصنیف ہے، مؤخر الذکر کا تعارف چکا، اول الذکر جلال الدین محمد بن المحلی ہیں۔ جو کہ عظیم عالم اور امام تھے، عدیم المثال حد درجہ متقی اور صالح تھے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر آپ کا شعار تھا حق گوئی اور بے باکی آپ کا شعار تھا۔ بڑے سے بڑے ظالم حکمران کے سامنے حق کلمہ کہنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ ذریعہ آمدنی تجارت تھا، آپ کی تصانیف اختصار و تنقیح اور سلاست کا اعلیٰ نمونہ ہیں، آپ نے ۸۶۴ھ میں وفات پائی۔[6]

---

[1] شذرات الذہب، ۲۱/۵ [2] وفیات الاعیان، ۳۶۷/۲

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱ [4] طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ۵۹/۵

[5] تاریخ تفسیر و مفسرین، ۲۷۲ [6] شذرات الذہب، ۳۰۳/۷

روح المعانی از آلوسی

یہ شہاب الدین ابوالثناء سید محمود آفندی آلوسی کی تصنیف ہے جو کہ ۱۲۱۷ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے۔اپنے دور کے اکابر علماء سے کسب فیض کیا اور بہت جلد اپنے آپ کو عدیم المثال محدث اور مفسر کے طور پر منوایا۔اور ۲۵ ذوالقعدہ ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی اور محلہ بغدارف کے مشہور کرخی قبرستان میں مدفون ہوئے۔[1]

علامہ آلوسی رقمطراز ہیں:

''میں نے اس کا آغاز ۱۶ شعبان ۱۲۵۲ھ کو بوقت شب کیا اس وقت میری عمر چونتیس برس تھی یہ سلطان محمود خاں بن سلطان عبدالحمید کے عہد سلطنت کی بات ہے۔تفسیر کا اختتام منگل کی شب ۴ ربیع الآخر ۱۲۶۷ھ کو ہوا پھر میں نے اس کے نام کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔مگر کوئی پسندیدہ نام ذہن میں نہ آیا۔میں نے وزیر اعظم علی رضا پاشا کے سامنے اس مشکل کا اظہار کیا تو انہوں نے فی الفور اس کا نام ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی'' تجویز کیا۔[2]

مزید برآں غلام احمد حریری لکھتے ہیں کہ:

تفسیر روح المعانی تفسیر قرآن کا بیش قیمت گنجینہ ہے جو سابقہ مفسرین کے اقوال و آراء پر مشتمل ہے مزید برآں وہ علماء تفسیر پر آزادانہ تنقید بھی کرتے ہیں جو ان کی ذہانت و فطانت کی آئینہ دار ہے۔اگرچہ آلوسی کی علمی وسعت و جامعیت کا یہ عالم ہے کہ وہ بسا اوقات تفسیر کے دائرہ سے باہر نکل جاتے ہیں تاہم کثرت علم و فضل کے باوصف ان میں اعتدال و توازن بھی پایا جاتا ہے جو ان کے مقصد سے دور نہیں جانے دیتا۔''[3]

فتح القدیر

فتح القدیر کے مؤلف کا نام محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ شوکانی ہیں۔چھوٹی عمر سے ہی علم کا شوق دل میں جاگزین ہوتو اپنے دور کے اجل شیوخ اور اکابر علماء کرام سے کسب فیض کیا۔اہل تشیع کے فرقہ زیدیہ کی فقہ کا بھر پور مطالعہ کیا، اور خصوصی مہارت حاصل کی، ہے۔پھر تصنیف و تالیف اور افتاء میں''القول المفید فی ادلة الاجتهاد والتقلید ''نامی رسالہ مرتب کیا جس کی بنا پر علماء کی ایک جماعت ان کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور غیض وغضب کا اظہار کرنے لگی جس کی وجہ سے یمن کے شہر صنعاء میں عظیم فتنہ برپا ہوگیا، کتاب اللہ میں وارد صفات الٰہی کے قائل نہیں تھے اور اس سلسلہ میں ''التحف بمذهب السلف'' کے نام سے ایک رسالہ بھی تصنیف کیا بالآخر ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔[4]

---

[1] تاریخ تفسیر ومفسرین، ۳۰۰-۳۰۱
[2] روح المعانی، ۱/۳۰۱
[3] تاریخ تفسیر ومفسرین، ۳۰۲
[4] التفسیر والمفسرین، ۲/۲۷۳

اس کے علاوہ نواب صاحب جن تفاسیر سے اقوال و آراء نقل کرتے ہیں ان کا تعارف ''تفسیر کا ارتقاء'' کے ذیل میں گزر چکا ہے پھر ان کی ذاتی عربی تفسیر ''فتح البیان فی مقاصد القرآن'' علوم قرآن میں نواب صاحب کی خدمات کے ذیل میں پیش کیا جا چکا ہے۔

دیگر تفسیر سے اخذ واستفادہ میں نواب صاحب کے منہج اسلوب کا جانچنے کے لیے درجہ ذیل نکات ملاحظہ فرمائیں۔

☆ نواب صاحب صرف تفسیری اقوال ذکر کرتے ہیں بلکہ ان پر جا بجا نقد بھی کرتے ہیں۔

☆ بعض اوقات ایک رائے کو راجح اور باقی کو رد کر دیتے ہیں جبکہ۔

☆ کبھی سب کے درمیان تطبیق دیتے ہیں۔

☆ آیت یا سورت کی تفسیر کے آخر میں اپنی ذاتی عربی تفسیر ''فتح البیان فی مقاصد القرآن'' کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ''فتح البیان'' کا فاتح لفظ یہ ہے/یا فتح البیان میں لکھا ہے۔

☆ کبھی کبھی ''میں کہتا ہوں'' کے تحت تفسیری اقوال میں تطبیق دیتے ہیں۔یا اپنی الگ رائے پیش کرتے۔

☆ جیسا کہ جادو کے علاج کے حوالے سے نواب صاحب امام قرطبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کے اقوال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''قرطبی نے وہب سے نقل کیا ہے کہ جس مرد کو کسی نے جادو کر کے کسی عورت سے باندھ دیا ہو تو بیری کے سات پتے لے کر دو پتھروں میں پیس کر پانی میں ملائیں اور آیت الکرسی پڑھیں پھر اس پانی کے تین گھونٹ مسحور کو پلا دیں اور باقی پانی سے نہلا دیں ان شاء اللہ اس کا جادو اثر جاتا رہے گا۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

> ''سحر کا اثر زائل کرنے کا سب سے عمدہ وہ طریقہ ہے جو اللہ کریم نے اپنے پیغمبرؐ کے دور میں خاص انہی کے لیے بھیجا تھا یعنی نزول معوذتین حدیث میں مذکور ہے کہ کسی نے ان سورتوں کی طرح کسی اور چیز کے ساتھ پناہ نہیں پکڑی۔''[1]

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے دونوں مفسرین کے اقوال نقل کر دیے ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی۔

کبھی کبھی ابن کثیر کے قول کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بعض مقامات پر انہوں نے ابن کثیرؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۸۹/۱

﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ [۱]

مذکورہ آیت کریمہ میں نواب ''خلیفہ'' کی تقسیم میں قرآنی آیات کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں بعدازاں مفسرین کی آراء پیش کرتے ہیں خلیفہ سے مراد صرف آدم ہیں یا نسل آدم بھی اس میں شامل ہے۔ لکھتے ہیں:

''ابن کثیر نے فرمایا اس جگہ خلیفہ سے مراد اکیلے آدم نہ ہیں جس طرح کہ مفسرین کے ایک گروہ نے فرمایا۔ قرطبی نے اس کو ابن مسعود و ابن عباس اور تمام اہل تاویل کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اس میں نظر ہے اور اختلاف شدید ہے۔ رازی نے اس کا ذکر کیا اگر اس سے صرف آدم علیہ السلام مراد ہیں تو فرشتے یہ نہ کہتے کہ تو فساد کرنے والوں اور خونریزوں کو کیوں خلیفہ مقرر کرتا ہے بلکہ ''جنس انسان'' مراد ہے۔'' [۲]

مزید برآں مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں آئمہ تفسیر کے اقوال نقل کرتے ہیں پھر ایک کو ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ [۳]

نواب صاحب ایک تابعی کا قول نقل کرتے ہوے لکھتے ہیں:

کہ تفصیل یہ تھی کہ انہیں بادشاہی و پیغمبری دی اس وقت میں جو شخص عالم تھا اس پر کتاب نازل کی ہر زمانے میں ایک عالم ہوتا ہے۔ ابن کثیر نے فرمایا اس کو اسی احتمال پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ یہ امت (امت محمدیہ) ان سے افضل ہے اللہ کریم نے فرمایا: ﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾

اسی طرح عالمین کی تفسیر کرتے ہوئے ''فتح البیان'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

عالمین سے اس زمانے کے لوگ مراد ہیں پھر یہ لفظ ماضی اور استقبال کو شامل نہ ہو گا اور وہ تفضیل اگرچہ آباء کے حق میں ہے مگر وہ ابناء کا ہی شرف ہے۔

کشاف میں فرمایا ''عالمین'' سے ایک بڑا گروہ مراد ہے جس طرح فرمایا ''بارکنا فیھا للعلمین'' لفظ عالم بولتے ہیں جبکہ مراد کثرت ہوتی ہے۔ رازی نے اس کو ضعیف بتایا ہے۔

امام شوکانیؒ نے اس ضعف کو قبول نہیں فرمایا بلکہ کشاف کی تائید فرمائی ہے۔ اور یہی بات درست ہے۔ [۴]

---

۱ البقرہ ۲:۳۰ ۔ ۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹۵/۱

۳ البقرہ ۲:۴۷ ۔ ۴ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۸۹/۱

فصل دوم

تفسیری روایات میں اخذ واستفادہ میں منہج واسلوب

مبحث اول

اصول روایت کا التزام

روایت کا لغوی مفہوم

روایت عربی لفظ ''روی'' کے مادہ سے ہے۔ جس میں پانی سے سیرابی، دودھ یا مائع کی کثرت اور اشعار وحدیث کے نقل وبیان کے معنی پائے جاتے ہیں۔

جیسا کہ امام راغب اصفہانی رقمطراز ہیں:

''روی تقول ماء ٌرواء و روی ای کثیر''[۱]

اسی طرح ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

''روی الحدیث والشعر برویه ، روایة و ترواهه''[۲]

یعنی حدیث وشعر کو بیان کرنا روایت کہلاتا ہے۔

اصول روایت کا اصطلاحی مفہوم

روایتوں کے احوال اور ان کی شرائط ،مرویات کی اقسام اور ان کے متعلقات کی معرفت حاصل کرنا ،تا کہ حدیث پر اس کے قبول ورد کے اعتبار سے حکم لگایا جاسکے۔

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:

''روایت کی حقیقت یہ ہے کہ سنت اور اس طرح کی بات کو نقل کیا جائے۔ اور حدیث وخبر کے ذریعے اس تک ہی پہنچا جائے ،جس کی طرف اس کی نسبت ہے، اس کی شرائط ،راویوں کی ادائیگی اور ادائیگی کے مختلف انواع مثلاً سماع،عرض اور اجازۃ وغیرہ میں سے کسی نوع سے روایت کرنا ہے۔اس کی اقسام اتصال اور انقطاع وغیرہ ہیں۔اور اس کے احکام قبول ورد ہیں۔راویوں کے حالات سے مراد ان، کا عادل و مجروح ہونا ہے۔ شیخ عزالدین بن جماعہ نے کہا ہے کہ علم الحدیث ان قوانین کا علم ہے جس کے ذریعے سند اور متن کے احوال کی معرفت ہو اور اس کا موضوع سند اور متن ہے۔اور اس کی غرض و غایت صحیح و غیر صحیح کی

---

[۱] المفردات فی غریب القرآن،۲۱۳
[۲] لسان العرب،۳۴۱/۱۴

معرفت ہے۔شیخ ابوالفضل بن حجر عسقلانیؒ نے کہا ہے کہ سب سے بہتر تعریف یہ ہے کہ ''اصول روایت سے مراد ان قواعد کی معرفت ہے جو راوی اور مروی کے احوال کا پتہ دیں''۔ [1]

ڈاکٹر نورالدین نے علم روایت کی تعریف یوں بیان کی ہے:

''ھو علم یشتمل علی أقوال النبیؐ وافعاله و تقریراته و صفاته او روایتها وضبطها و تحریر الفاظها'' [2]

'' یہ علم نبیؐ کے اقوال ،افعال ،تقاریر ،صفات انکی روایت ،ضبط و الفاظ کے تحریر کرنے کو شامل ہے۔''

علم روایت کی ایک مختصر سی تعریف امام ابو یحییٰ ذکریا نے ان الفاظ میں کی ہے۔

علم الحدیث روایة : یجد بانه علم یشتمل علی نقل ذلک [3]

علم حدیث میں روایت سے مراد احادیث کی نقل ھے. [4]

اصول روایت کی ابتداء

اس اصول تحقیق روایت کی بنیاد خود قرآن مجید نے قائم کر دی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ [5]

مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے راوی کے احوال کا جاننا ضروری ہے تا کہ بات کے صحیح یا غلط ہونے کا حکم لگایا جا سکے۔

مزید برآں نبی کریمؐ کے درج ذیل فرمان سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

((کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع)) [6]

''یعنی آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی دلیل ہے کہ جو کچھ سنے روایت کر دے۔''

مزید برآں حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال کے دیباچے میں ابن سیرینؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''پہلے لوگوں سے اسناد کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا تھا پھر جب فتنہ واقع ہوگیا تو یہ احتیاط کی جانے لگی کہ جو اہل سنت میں سے ہوتا اس کی روایت تو قبول کر لی جاتی اور جو اہل بدعت میں سے ہوتا اس کی روایت کردہ حدیث ترک کر دی جاتی'' [7]

گویا قرآن وسنت کے حکم وجہ سے مسلمانوں کو ہر جانے انجانے شخص کی روایت کو قبول نہیں کرتا تھا۔ اس لیے انہوں نے رواۃ کے احوال کی تحقیق کی۔ اوران کی روشنی میں احادیث وآثار پر احکام لگائے۔ اسی وجہ سے اسماء الرجال کا عظیم

---

[1] تدریب الراوی، ۲۲/۱
[2] منہج النقد فی علوم الحدیث، ۳۱
[3] تدریب الراوی، ۴۰/۱
[4] تدریب الراوی، ۲۲
[5] الحجرات ۶:۴۹
[6] صحیح مسلم، باب ان النهی عن الحدیث بکل ماسمع، ٦٧٥
[7] تاریخ افکار وعلوم اسلامی، ۴۰/۱

فن معرض وجود میں آیا جس کے ذریعے مسلمانوں نے پانچ لاکھ افراد کے احوال و واقعات کو جمع کر دیا۔

اصول روایت کی ضرورت و اہمیت

روایت اور راویوں کی معرفت علوم الحدیث کے نہایت اہم امور میں سے ہے۔ کہ اسی کے ذریعے کھرے کھوٹے، صحیح وسقیم کے درمیان تفریق وتمیز کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جو واقعہ بیان کیا جائے اسی شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا۔ اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بالترتیب بتایا جائے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن یا دقیقہ بین عالم تھے یا جاہل؟ ان تمام باتوں کے متعلق جاننا انتہائی ضروری ہے۔ اور یہ کام اصول روایت کی معرفت اور اسماء الرجال کے علم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

الغرض محدثین احادیث کو قبول کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ راوی کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ جس سے روایت اخذ کرتے اسی آدمی کے فہم وعقل، صلاح وفساد اور ضبط وغفلت اور ضعف وغیرہ کے اعتبار سے اس کی کیفیت کو پہچانتے۔ اسی بناء پر امام عبداللہ بن مبارکؒ نے یہ کہا

''سند دین کے لوازم میں سے ہے اگر یہ نہ ہوتی تو جس کے جی میں جو آتا کہہ گزرتا''[۱]

اسی طرح حضرت ابن سیرین یہ تاکید کرتے تھے کہ

''یہ حدیث دین ہے تو دیکھو اپنے دین کو کس سے حاصل کر رہے ہو۔''

اسی وجہ سے محدثین نے روایت کو پرکھنے کے لیے رواۃ کے حالات و واقعات کو جمع کیا اور ان کی عدالت، حافظہ، چال چلن، اور مشاغل کی روشنی میں ہر ہر روایت پر حکم لگا دیا۔ کہ آیا یہ روایت صحیح ہے یا حسن، ضعیف یا موضوع، مرسل ہے۔ یا منقطع، معضل ہے۔ یا شاذ غریب، مرفوع یا موقوف، تاکہ صحیح وسقیم اور حق و باطل میں فرق کیا جا سکے۔ *

---

۱ تاریخ افکار وعلوم اسلامی، ۳۰۶

* صحیح۔ علم حدیث کی اصطلاح میں اس حدیث کو کہتے ہیں جسکی سند اول سے آخر تک متصل ہو جیسے عادل اور ضابط راوی اپنے ہی جیسے عادل اور ضابط راوی سے نقل کرتے ہوئے آئے اور اس روایت میں کوئی علت نہ ہو، نہ ہی وہ شاذ ہو۔

حسن۔ اس روایت کو کہتے ہیں جس میں صحیح کی تمام شرائط پائی جائیں مگر راوی صفت ضبط میں اس سے کم درجے کے ہوں۔

ضعیف۔ وہ خبر واحد ہے، جس میں نہ صحیح کی شرائط پائی جائیں اور نہ حسن کی

موضوع۔ من گھڑت روایت کو کہتے ہیں۔ ملا علی قاری نے بارہ علامات موضوع حدیث کی پہچان کے بیان کی ہیں۔ (ملا علی قاری، الموضوعات، ص ۱۴۱، مطبوعہ دہلی۔)

مرسل۔ مرسل وہ روایت ہے، جس کے انتہائے سند میں راوی ساقط ہو، یعنی تابعی تک تو متصل اسناد کے ساتھ ہو پھر تابعی ہی کہتا ہو کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔

منقطع۔ منقطع وہ روایت ہے، جس میں دو راوی پے درپے نہیں بلکہ متفرق مقام پر ساقط ہوں اور تاریخ سے یقینی فیصلہ ہو سکے کہ فلاں مقام پر دو راوی ساقط ہیں۔

معضل۔ اس روایت کو کہتے جس میں سند کی ابتداء اور انتہا کے علاوہ پے درپے دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہیں۔

شاذ۔ علم حدیث کی اصطلاح میں اس روایت کو کہتے ہیں جس کا راوی ہو تو ثقہ مگر دوسرے اوثق راویوں سے اس روایت میں مخالفت کرتا ہو۔ اس کے مقابل اوثق راوی کی روایت کو محفوظ کہتے ہیں۔

غریب۔ جس کی اسناد میں کسی جگہ صرف ایک ہی راوی رہا ہو جس کا کوئی شریک نہ ہو۔

مرفوع۔ جس کی سند آپ تک پہنچے۔

موقوف۔ جسکی سند صحابی تک پہنچے۔ مقطوع جسکی سند تابعی تک پہنچے۔

نواب صدیق حسن خانؒ اپنی تفسیر 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' میں محدثین کے روایات پر لگائے گئے احکامات کو بیان کرتے ہیں اور خود بھی روایات و آثار پر حکم لگاتے ہیں۔

(الف) نواب صاحب کا محدثین کے لگائے گئے احکام کا نقل کرنا

نواب صاحب، احادیث رسولؐ پر اصول روایت کی روشنی میں محدثین کے لگائے گئے احکامات نقل کرتے ہیں جس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

صحیح کا حکم

امام بیہقیؒ ۴۵۸ھ کا حکم صحیح

نواب صاحبؒ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جہراً بسم اللہ پڑھنے کے متعلق یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ

''حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز پڑھی جس میں بسم اللہ جہراً پڑھی اور نماز کے بعد فرمایا میں تم میں سب سے زیادہ رسول اللہؐ سے نماز میں مشابہ ہوں''۔

پھر وہ نسائی ۳۰۳ھ، ابن خزیمہ م ۳۱۱ھ، ابن حسان، حاکم اور دار قطنی م ۳۰۵ھ کا حوالہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بیہقیؒ نے اس کو صحیح کہا ہے۔[1]

امام ترمذی م ۲۷۹ھ کا حکم صحیح

نواب صاحب سورۃ الفاتحہ کے شروع میں حضرت ابو ہریرہؓ (م ۵۷ھ) کی روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''الحمد للہ رب العالمین، اُم القرآن، ام الکتاب، سبع المثانی اور قرآن عظیم ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ بروایت ترمذی وصححہ[2]

امام حاکم کا حکم صحیح

جیسا کہ نواب صاحب سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں بسم اللہ جہری کے متعلق یہ روایت لکھتے ہیں کہ

''ابن عباسؓ م ۸۷ھ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے''

پھر امام حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اسے صحیح کہا ہے۔[3]

امام دار قطنی م ۳۸۵ھ کا حکم صحیح

جیسا کہ نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

''حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ اپنی قرأت کو الگ الگ پڑھتے، دار قطنی نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے''۔[4]

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۳۲
2. ایضاً، ۱/۲۸
3. ایضاً، ۱/۲۳
4. ایضاً، ۱/۳۳

شیخین امام بخاری م۲۵۶ھ، امام مسلم م۲۶۱ھ کا حکم صحیح

بخاری ومسلم کی روایات چونکہ بالاتفاق صحیح ہیں۔انہیں کی روایت بیان کرتے ہیں۔

''تین خصلتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے۔ اور جس میں ایک خصلت ہے اس میں وہ خصلت نفاق کی ہے۔جب کہ اس کو نہ چھوڑ دے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بول دے۔جب وعدہ کرے تو خلاف کرے۔جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔[1]

حسن کا حکم

جس طرح نواب صاحب محدثین کے روایات پر لگائے گئے حکم صحیح کو نقل کرتے ہیں اسی طرح اس پر محدثین کے لگائے گئے حکم حسن کا بھی ذکر کرتے ہیں جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

امام ترمذیؒ کا حکم حسن

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

''جابرؓ نے مرفوعاً فرمایا کہ أفضل الذکر لا الٰه الا الله ہے اور أفضل دعا الحمد لله ہے[2]۔اس کو ترمذی نے حسن کہا ہے'' [3]

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

''حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں مرفوعاً مذکور ہے کہ جب مومن شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اگر توبہ کر لی اور باز رہ گیا تو وہ زنگ دور ہو جائے گا اور اگر زیادہ گناہ کیے تو دل پر وہ نقطہ بڑھ جاتا ہے حتی کہ مکمل دل سیاہ ہو جاتا ہے۔اسی حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے'' [4]

مزید برآں نواب صاحب رقمطراز ہیں کہ

''بخاری میں حضرت سعید بن زیدؓ سے مرفوعاً آیا ہے کہ کھمبی، من ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔اسی حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔بلکہ ابوداؤد کے سوا تمام اہل سنن نے اس کو روایت کیا ہے۔ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔''[5]

امام دارقطنیؒ کا حکم حسن

نواب صاحب، امام دارقطنیؒ کے لگائے گائے حکم حسن تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

''حضرت ابوہریرہؓ کا لفظ ہے کہ جب ولا الضالین کہتے تو آمین پڑھتے۔اول صف والے جو قریب ہوتے وہ آواز سنتے (بروایت ابوداؤد) ابن ماجہ نے اتنا زیادہ کہا ہے۔فیرتج بھا المسجد یعنی مسجد گونج جاتی۔دارقطنی نے کہا اس

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۶۹/۱

[2] سنن ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء ان دعوة المسلم مستجابة رقم الحدیث: ۳۳۸۳

[3] ایضاً، ۳۶/۱ [4] ایضاً، ۵۸/۱ [5] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۳/۱

کی سند حسن ہے۔'' [1]

امام ابن کثیرؒ م۷۷۴ھ کا حکم حسن

نواب صاحب رقمطراز ہیں کہ

''حدیث نواس ابن سمعانؓ میں بھی صراط سے مراد اسلام لیا گیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔'' [2]

ضعیف کا حکم

نواب جس طرح احکام صحیح وحسن کو ذکر کرتے ہیں اسی طرح وہ بعض روایات پر محدثین کے لگائے گئے حکم ضعف کو بھی نقل کرتے ہیں۔ جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

امام ابو داؤدؒ م۲۷۵ھ کا حکم ضعف

نواب صاحب رقمطراز ہیں کہ

> ''حضرت حسن بن علیؓ کی حدیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر چڑھ کر ہی کیوں نہ آئے۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اسے اگرچہ بعض محدثین نے سخت ضعیف کہا ہے لیکن محض یہ بے اصل ہے'' [3]

اس روایت میں نواب صاحب نے بعض محدثین کی رائے کو ضعف کے حوالے سے نقل کیا ہے اور خود ان مورخین کی اسی رائے کو بے اصل بتایا ہے۔ گویا نواب صاحب اپنی تفسیر میں اصول روایت کا التزام فرمارہے ہیں۔

امام بخاریؒ م۲۵۶ھ کا حکم ضعف

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

''ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص حائضہ کے پاس آئے یا دبر میں آئے یا کاہن کے پاس جائے اس نے اس چیز کا کفر کیا جو محمدؐ لائے۔ بروایت احمد واہل السنن۔ ترمذی نے کہا کہ بخاری نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔'' [4]

اصول روایت کی روشنی میں نواب صاحب اس روایت پر امام ترمذی کا قول نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے امام بخاری سے منسوب قول نقل کیا ہے۔ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

امام ابو حاتمؒ م۳۲۷ھ کا نقد حدیث

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

''عمرو بن شعیب ابن ابیہ عن جدہ کا لفظ یہ ہے کہ مجھے ایمان کے لحاظ سے وہ لوگ بہت پسند ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ انہیں دو لوح کے درمیان ایک کتاب ملے گی۔ وہ اس چیز پر ایمان لائیں گے جو اس صحف میں ہوگا بروایت ابن عرفہ''

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۳۲
[2] ایضاً، ۱/۴۰
[3] ایضاً، ۱/۳۶
[4] ایضاً، ۱/۳۲

پھر امام ابو حاتم کا نقد یوں نقل کرتے ہیں کہ

''ابو حاتم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند میں مغیرہ بن قیس منکر حدیث راوی ہے۔''[1]

تفسیری آثار پر مفسرین کے نقد کا تذکرہ

امام ابن جریرؒ م۳۱۰ھ کا حکم ضعف

نواب صاحب درج ذیل دو روایات نقل کرتے ہیں۔

الف: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب کوئی مسافر مکہ میں رہا تو گویا عاکفین سے ہوا۔

ب: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جو وہاں نماز پڑھتے ہیں وہ رکوع وسجود میں سے ہیں۔

پھر ابن جریر الطبری کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

''ابن جریر نے ان دونوں روایتوں کو ضعیف کہا ہے'' [2]

امام رازیؒ م۶۰۶ھ کا حکم ضعف

نواب صاحب نے سجدہ آدم کی بابت تین اقوال نقل کیے ہیں:

(الف) '' حضرت قتادہؓ نے کہا کہ اللہ نے جو آدم کو سجدہ کرایا یہ آدم کی اللہ کی اطاعت کی وجہ سے تھا۔ جب انہوں نے اللہ کی اطاعت کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عزت دی کہ فرشتوں سے ان کو سجدہ کروایا۔

(ب) کسی نے کہا کہ یہ سجدہ ادب و احترام و اکرام کے طور پر تھا جیسا کہ یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا تھا۔ (وَخَرُّوْا لَهُ سُجَّدًا) یہ سجدہ پہلی امتوں میں مشروع تھا امت محمدیہ میں منسوخ ہوگیا۔

(ج) بعض نے کہا وہ سجدہ حقیقتاً اللہ کو تھا آدمؑ قبلہ تھے۔

مذکورہ تین اقوال کے بعد نواب صاحب امام رازی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

'' رازی نے آخری دونوں اقوال کو ضعیف ٹھہرا کر پہلی بات کو درست کہا'' [3]

امام ابن کثیرؒ کا آثار و اقوال پر نقد کرتے ہوئے نواب صاحب رقمطراز ہیں:

> '' جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو اللہ نے اسے ہر خیر سے ناامید کر دیا اور شیطان رجیم بنا دیا۔ یہ اس کی معصیت کا انجام ہوا پھر حضرت آدمؑ کو سب چیزوں کے نام بتا دیے۔ پھر سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور آدم نے ان چیزوں کے نام گنوائے۔ سب نے خود پر اللہ کا غصہ محسوس کیا تو علم غیب سے برأت ظاہر کر دی''

پھر حافظ ابن کثیر کے حوالے سے یہ لکھتے ہیں کہ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۵۰ [2] ایضاً، ۱/۲۳۲

[3] ایضاً، ۱/۱۰۳

''ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس اثر کا سیاق غریب ہے۔اس میں کئی مقامات محل نظر آتے ہیں۔''[۱]

(ب) اصول روایت کی روشنی میں نواب صاحب احادیث پر خود حکم لگانا

روایات بیان کرتے ہوئے نواب صاحب احادیث پر مختلف حکم لگاتے ہیں۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تمام قسم کی روایات (صحیح وضعیف) اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں،لیکن ان کے ضعف سے،قاری کو باخبر کر دیتے ہیں۔

مرفوع اور موقوف کی وضاحت

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

ابن عمرؓ کا مرفوع لفظ یہ ہے کہ الحمد للہ شکر کا سر ہے۔

اسی طرح حضرت جابرؓ نے مرفوعاً فرمایا ہے کہ افضل الذکر لاالہ اللہ اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔[۲]

اسی طرح قصہ ہاروت و ماروت کے متعلق نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

''اس باب میں کوئی صحیح و مرفوع حدیث جس کی سند متصل ہو آنحضرتؐ سے منقول ہو کر نہ آئی ہے۔[۳]

مزید برآں قربانی کے دنوں کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ

''ان میں سب سے زیادہ عملی طور پر مشہور و معروف وہ ہے کہ یوم عرفہ کی نماز فجر سے لے کر ،ایام تشریق کی نماز عصر تک کرلے۔اس کے متعلق دار قطنی کے نزدیک ایک حدیث بھی آئی ہے۔مگر اس کا مرفوع ہونا درست نہ ہے۔''[۴]

صحیح ومتواتر کا حکم

نواب صاحب روایات پر صحت وتواتر کا حکم بھی لگاتے ہیں۔ترجمان القرآن سے چند مقامات کا بطور مثال تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

''احادیث صحیحہ میں عہد شکنی کی نفی فرمائی ہے۔اور اس پر سخت وعید فرمائی ہے۔''[۵]

''حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب فرشتے لوگوں کے اعمال لے کر چڑھتے ہیں تو باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے۔فرشتوں سے سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندہ کو کس حال میں چھوڑا۔

.... پھر اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾۔[۶]

''صحابہ کی ایک جماعت سے مرفوعاً احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نماز باجماعت تنہا نماز سے پچیس یا ستائیس درجے

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۰۳/۱ — ۲ ایضا، ۴۵/۱
۳ ایضا، ۱۸۷/۱ — ۴ ایضا، ۱۱۳/۱
۵ ایضا، ۸۹/۱ — ۶ ایضا، ۹۸۵/۱

زیادہ ہے''[۱]

''صحیح حدیث میں ہے کہ جو مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں..................

یہ صحیح الاسناد ہے۔''[۲]

''حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ تم وہ کام نہ کرو جو یہود نے کیا تھا۔ کہ ذرا حیلے نکال کر اللہ کے محارم کو حلال کر لیا۔ بروایت احمد بسند جید'' [۳]

''صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا کہ کس سے احسان کروں فرمایا اپنی ماں سے۔''[۴]

''صحیح حدیث میں مذکور ہے ((ھذا جبل یحبنا و نحبه)) [۵] کہ یہ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں اس ستون کا رونا جو بطور منبر تھا۔ متواتر سے ثابت ہے''[۶]

غریب کا حکم

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

> ''ابن ابی حاتم نے اس جگہ ایک غریب روایت نقل کی ہے کہ اسد بن وداعہ جب گھر سے نکلتے تو جو یہودی یا نصرانی ملتے اسے بھی سلام کہتے۔''[۷]

مزید برآں لکھتے ہیں کہ

> ''آپؐ نے فرمایا اللہ کہتے ہیں کہ جب میرا بندہ سچی نیت اور پاک دل سے مجھے کہتا ہے اے رب! تو میں لبیک کہتا ہوں اور اس کا کام کر دیتا ہوں۔ بروایت ابن مردویہ یہ حدیث غریب ہے۔''[۸]

ضعیف اور منقطع کا حکم

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

الف۔ ''ایک ضعیف و منقطع اثر میں استعیذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم کے الفاظ مذکور ہیں۔''[۹]

ب۔ حضرت ابو سلمہؓ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے نماز کی حالت میں سورۃ الفاتحہ میں پہلے بسم اللہ پڑھی اور اس کو اسی کا حصہ سمجھا ہے۔ بروایت ابن خزیمہ و فیہ ضعف''[۱۰]

ج۔ ''حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی لفظ قنوت ہے اس سے اطاعت مراد ہے۔ بروایت ابن ابی حاتم اسی طرح امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ قابل اعتماد نہ ہے۔''[۱۱]

د۔ حضرت ابو ذر نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے جواباً یہی آیت پڑھی۔ پھر پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا جب تو نیکی کرے تو تیرا دل اسے اچھا سمجھے اور جب تو برا کام کرے تو تیرا دل اسے برا سمجھے۔ لیکن اس

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۱۹/۱ ۲۔ ایضاً، ۱۵/۱ ۳۔ ایضاً، ۱۵۱/۱

۴۔ ایضاً، ۱۶۶/۱ ۵۔ صحیح بخاری، الجهاد والسیر، فضل خدمة فی الغزو رقم الحدیث: ۲۸۸۹

۶۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۵۸/۱۱ ۷۔ ایضاً، ۱۶۷/۱ ۸۔ ایضاً، ۶۷/۱

۹۔ ایضاً، ۳۱/۱ ۱۰۔ ایضاً، ۳۱/۱ ۱۱۔ ایضاً، ۲۱۱/۱

کی سند میں انقطاع ہے۔اسی کے لگ بھگ ابن مردویہ نے ابو ذر سے طویل روایت بیان کی ہے۔مگر وہ روایت بھی منقطع ہے۔[1]

مزید برآں لکھتے ہیں کہ

ر۔ ''ابن عمرؓ مرفوعاً بیان فرماتے ہیں کہ عورتوں سے ان کے حسن کے سبب نکاح نہ کرو قریب ہے کہ ان کا حسن انہیں ہلاک کر دے۔اور عورتوں سے ان کی مالداری پر نکاح نہ کرو شاید ان کا مال انہیں فریب میں مبتلا کر دے۔ بلکہ ان سے دینداری کی بنیاد پر نکاح کرے۔کالی لونڈی دیندار ہو تو بہتر ہے بروایت عبد بن حمید۔اس کی سند میں افریقی ضعیف ہے۔'' [2]

موضوع اور مرسل کا حکم

نواب صاحب بعض موضوع اور مرسل رویات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں

الف۔ ''بخاری نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ اشھر معلومات،شوال،ذیقعدہ،اور عشر ذی الحجہ ہیں...... اسی کے متعلق ایک حدیث مرفوع بھی مروی ہے جو بظاہر مرفوع ہے مگر حقیقت میں موضوع ہے۔'' [3]

ب۔ ''حضرت زید بن اسلم نے مرفوعاً کہا کہ سارا عرفہ موقف ہے جو بطن عرفہ سے بلند ہوا اور سارا مزدلفہ بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر وادی محسر۔یہ حدیث مرسل ہے۔'' [4]

علاوہ ازیں نواب صاحب تفسیری اقوال پر بھی حکم لگاتے ہیں

موقوف کی وضاحت

الف۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۳ کی تفسیر میں نواب صاحب نسائی کے حوالے سے تین روایات نقل کرتے ہیں۔اور تینوں پر موقوف کا حکم لگاتے ہیں۔

(ب) ''موقوف لفظ یہ ہے کہ جو شخص عورتوں کے پاس دبر کی طرف سے آیا اس نے کفر کیا۔ بروایت نسائی

(ج) جو شخص مردوں اور عورتوں کے دبر میں آیا وہ کافر ہوا۔یہ بھی موقوف ہے۔[5]

(د) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورتوں کے پاس ان کے دبر میں نہ آؤ۔ بروایت نسائی یہ بھی موقوف ہے۔

(ر) ''اثرم کا لفظ حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً ہے کہ عورتوں کی محاش حرام ہے۔مگر اس کا موقوف ہونا زیادہ درست ہے۔دوسرا لفظ یہ ہے کہ عورتوں کے اعجاز میں نہ آؤ۔اس کو ابن عدی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔مگر اس کی سند میں محمد جزری اور شیخ جراری ضعیف ہیں''[6]

اقوال پر ضعف کا حکم

اسی طرح نواب صاحب تفسیری اقوال پر ضعف کا حکم بھی لگاتے ہیں۔جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿وَ اِذِابْتَلٰی

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۲۴ ۲۔ ایضاً، ۱/۱۳۱

۳۔ ایضاً، ۱/۱۰۱ ۴۔ ایضاً، ۱/۱۰۸

۵۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۲۸ ۶۔ ایضاً، ۱/۱۲۸

﴿اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ﴾ (۲:۱۲۴) کی تفسیر میں کلمات سے مراد کیا ہے۔ بہت سے اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

''اس سلسلے میں مختلف اقوال منقول ہیں، تعیین کلمات میں اتنا زیادہ اختلاف ہے، جو بعض پر عمل کرنے سے منع کرتا ہے۔ اب پھر کس پر عمل کرے۔اور کس کو چھوڑے۔ بلکہ خود ایک صحابی جیسے حضرت ابن عباسؓ ہیں سے مختلف روایات مروی ہیں پھر کیسے ممکن ہوسکتا ہے یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جس نے اس کو عموم پر محمول کیا اور کہا کہ اس سے تمام کلمات مراد ہیں۔تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جس نے اس کو عموم پر محمول کیا اور کہا کہ اسی سے تمام کلمات مراد ہیں۔تو اس کا یہ قول بھی ضعیف ہوگا۔''[1]

مزید برآں لکھتے ہیں کہ

''عبدالرحمٰن بن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے کسی امام دین کو نہیں پایا کہ وہ اس کی (دبر میں آنا کی) حلت میں کرتے ہوں۔ یعنی سب اس کو حرام سمجھتے ہیں۔ پھر آیت پڑھ کر کہا کہ اس سے زیادہ اور کیا وضاحت ہوگی۔ بروایت الطحاویؒ، حاتمؒ، دارقطنیؒ، خطیب بغدادیؒ نے امام مالک سے کئی طریق سے ایسی روایات بیان کی ہیں جو جواز پر دلیل ہیں۔لیکن اس کی اسانید سخت ضعیف دوامی قسم کی ہیں''[2]

اقوال پر غرابت کا حکم

نواب صاحب اقوال پر غرابت کا حکم بھی لگاتے ہیں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لفظ عدل سے بدل مراد ہے۔بدل فدیہ ہوتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے بھی یہی بات کہی ہے کہ اس جگہ عدل سے فدیہ مراد ہے۔حضرت علیؓ نے فرمایا کہ صرف عدل ہے۔عدل فریضہ ہے۔لیکن یہاں یہی قول غریب ہے۔پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ [3]

اسی طرح امام ابن کثیرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

''ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن جریر کا موقف نہایت غریب ہے۔ اس سے بھی غریب یہ بات ہے کہ بقول ابن حزم انہیں جنات کے دو قبائل کہا جائے''[4]

ایک اور مقام پر نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

''اس میں اختلاف ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے کس نے بنایا۔امام محمد باقرؒ نے کہا

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۵۵ [2] ایضاً، ۱/۴۹۱

[3] ایضاً، ۱/۱۲۷ [4] ایضاً، ۱/۱۸۵

> کہ فرشتوں نے اس کو سب سے پہلے بنایا۔ لیکن اس قول میں غرابت ہے۔ عطاء بن سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ آدمؑ نے اس کو پانچ پہاڑوں، حراء، طور سینا، طور زیتا، جبل لبنان اور جودی سے بنایا، لیکن یہ قول بھی غریب ہے۔"[1]

اسی طرح "حضرت حسنؒ نے کہا جب کہ محرم کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ سر منڈا لے اور تینوں میں سے ایک کام کرے۔ دس روزے رکھے یا دس مساکین کو کھانا کھلائے۔ ہر مسکین کو دو مکول دے۔ ایک مکول کھجوروں کا اور دوسرا گیہوں کا یا بکری ذبح کرے۔ مگر یہ اقوال غریب ہیں۔"[2]

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۳۳
2. ایضاً، ۱/۹۵

مبحث دوم

درایت کا لحاظ

درایت کا لغوی مفہوم

''درایت'' دراصل دری (ض) سے اسم مصدر ہے۔ابن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں۔

دری الشئی دریاً ودریة ودراية :علمه[۱]

''کسی چیز کو جاننا فعل ''دری'' کا سب سے زیادہ مستعمل مصدر ''درایۃ'' ہے۔[۲]

''الدرایۃ'' سے مراد معرفت ہے۔ جو کسی حیلہ یا ذریعے سے حاصل کی جائے۔ چنانچہ امام راغبؒ کہتے ہیں۔

الدراية :المعرفة المدركة بضرب من الحيل[۳]

''درایت اس معرفت کا نام ہے جو کسی قسم کے حیلہ سے حاصل کی جائے۔''

مزید برآں علامہ مناویؒ درایت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الدراية: العلم بالشئی قبل مع التكلف وحيلة[۴]

''درایت سے مراد کسی چیز کا علم حاصل کرنا بلکہ تکلف اور حیلہ سے۔''

جبکہ اردو میں درایت سے عموماً عقل،دانش اور دانائی مراد لی جاتی ہے۔[۵]

گویا لغوی معنی کے اعتبار ہے درایت سے مراد کوشش اور جستجو سے حاصل کردہ علم ہے نیز لفظ درایت فہم اور دانش مندی کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

علوم القرآن اور درایت

علوم القرآن میں درایت بمعنی تاویل ہے۔ چنانچہ محمد عبدالعظیم الزرقانیؒ لکھتے ہیں۔

"التفسير بيان اللفظ عن طريق الرواية والتاويل بيان اللفظ عن طريق الدراية"[۶]

تفسیر (قرآن مجید کے) لفظ کو روایت (حدیث) کی بنا پر بیان کرنے کا نام ہے۔اور تاویل درایت (فقہی و عقلی) کی بنا پر بیان کرنے کا نام ہے۔''

نواب صاحب کی درایت سے مراد

نواب صاحب درایت سے مراد فہم حدیث اور استنباط مسائل لیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک درایت فقہ الحدیث کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"هو علـم بـامت عن المعنى المفهوم من الفاظ الحديث وعن المراد

---

۱ لسان العرب،۲۵۴/۱۴

۲ مصباح اللغات،۲۳۸

۳ المفردات فی غریب القرآن،۱۶۸/۱

۴ التوقیف علی مہمات التعاریف،۱۳۵/۱

۵ اردو لغت تاریخ اصول پر،۱۰۳/۹

۶ مناہل العرفان فی علوم القرآن،۶/۲

منها ومبنيا على قواعد العربيه و ضوابط الشرعية ومطابقاً لأحوال النبیؐ "[۱]

''درایت حدیث وہ علم ہے جس سے الفاظ حدیث کے سمجھے گئے معنی و مراد سے بحث ہوتی ہے۔ جب کہ وہ عربی قواعد اور شرعی ضوابط پر مبنی اور رسول اللہؐ کے احوال کے مطابق ہوں۔''

چنانچہ ایک جگہ نواب صاحب، درایت حدیث کو تفسیر قرآن کے مثل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"فهم المنقول ان كان من كلام الله تعالىٰ فعلم تفسير القرآن او من كلام الرسول فعلم دراية الحديث "[۲]

اگر منقول کلام اللہ ہو تو اس کا فہم تفسیر القرآن کہلاتا ہے۔ اگر رسول اللہ کا کلام الحدیث کہتے ہیں۔

الغرض درایت کا لفظ اپنے معنی مفہوم کی بنا پر، فہم حدیث کے لئے بھی مستعمل ہے۔

درایت کی اصطلاحی وضاحت

ذیل میں درایت کے مفہوم کی وضاحت کے لئے چند تعریفات درایت کے وجہ سے ہے۔

شیخ عز الدین ابن جماعہ نے درایت حدیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"علم بقوانين يعرف بها احوال السند والمتن"[۳]

''یہ ایسے قوانین کا مجموعہ ہے جن سے سند اور متن کے احوال معلوم کیے جاتے ہیں۔''

ابن حجر عسقلانی نے بھی مختصر مگر جامع تعریف بیان کی ہے:

معرفة القواعد المعرفة بحال الراوى والمروى [۴]

''یہ علم ایسے قواعد کی معرفت پر مشتمل ہے جن سے احوال راوی و مروی کی چیز معلوم ہوتی ہے۔''

ابو یحییٰ ذکریا نے بھی ابن جماعہ سے ملتی جلتی تعریف یوں بیان فرمائی ہے۔

علم يعرف بها حال الراوى و المروى من حيث القبول والرد۔[۵]

یہ وہ علم ہے جس سے راوی اور مروی کی قبولیت، تردید کا حال معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تعریفات کا مطلب اور مفہوم مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ درایت حدیث سے مراد حدیث کی تحقیق وتنقید ہے۔ تحقیق حدیث کے لیے راوی و مروی دونوں کے احوال کا جائزہ پیش نظر ہوتا ہے کہ گویا سند و متن کا ہمہ گیر مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ صحت حدیث کی خبر ہو سکے۔ اور کلام رسول تک شکوک وشبہات کے بغیر رسائی ممکن ہو سکے۔

دوسرے الفاظ میں اصول روایت سے واقعہ بیان کرنے کے احوال مراد ہیں کہ وہ خود بھی اس میں شریک ہوا تھا یا نہیں اس میں دیگر رواۃ کے حافظے، ثقاہت اور مشاغل کو بیان کیا جاتا ہے۔ جبکہ اصول درایت یہ ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا

---

۱ ابجد العلوم، ۲/۲۲ — ۲ ایضاً، ۲/۲۲۰

۳ تدریب الراوی، ۱/۴۰ — ۴ ایضاً، ۱/۱۶

۵ ایضاً

ہے کیا وہ بھی شبہات کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس پر بحث ہوتی ہے۔

درایت کا آغاز وارتقاء

قران مجید نے ایسی بنیادی تعلیمات دیں کہ جن سے با مقصد تحقیق وتنقید کا ذوق امت مسلمہ کا اختصاص بن گیا۔ کذب وافتراء کی نمو، چشم پوشی جہالت کے ماحول میں ہوتی ہے۔ جو لوگ واقعات و روایات کو تحقیقی وتنقیدی نظر سے جانچتے ہیں، ان کے ہاں حق وصداقت پر مبنی روایات ہی ٹھہرتی ہیں۔ جبکہ موضوع اور جھوٹی باتیں ان کے ہاں نہیں پھیل سکتیں۔

یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کر دیا تھا۔ حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس چیز کو مشہور کیا گیا کہ بعض صحابہؓ تک اس مغالطہ میں آگئے۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت حسانؓ بھی قاذفین میں شریک تھے۔ اور اسی بنا پر حد قذف جاری کی گئی۔ قرآن مجید میں اس کی یوں تصریح ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ﴾[1]

"جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تمہارے گروہ میں سے ہیں"

قرآن مجید کی جو آیتیں، حضرت عائشہ کی برأت اور طہارت کے متعلق نازل ہوئیں ان میں سے ایک ہے۔

﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾[2]

"اور جب تم نے سنا یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہیں سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے۔"

عام اصول کی بناء پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کیے جاتے، پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایہ ہیں یا نہیں؟ پھر ان کی شہادت لی جاتی، لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے۔

اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا جو بھی خلاف قیاس واقعہ بیان کیا جائے گا وہ غلط ہے۔

بلاشبہ اس طرز تحقیق یعنی درایت کی ابتداء خود صحابہؓ کے عہد میں ہو چکی تھی۔ فقہا میں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرتؐ سے منسوب کیا تو عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا اگر صحیح ہو تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ کو ضعیف الروایہ نہیں سمجھتے تھے، لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے تسلیم نہیں کی۔ اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہوگی۔

---

[1] النور۲۴:۱۱ [2] ایضا۲۴:۱۶

معلوم ہوا کہ اس کی ابتداء قرآن نے کی اور اصول درایت کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آگے بڑھایا۔

محدثین کے اصول درایت

جب حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے درایت کے اصول بھی منضبط کیے جن میں بعض کا ابن جوزی (۵۹۸ھ) نے یوں ذکر کیا ہے:

"وکل حدیث راعیته مخالف العقول او یناقص الاصول فاعلم انه موضوع فلا یتکلف اعتباره ای لا تعتبر رواته ولا تنظر فی مرحهم، او یکون مما یدفعه الحسن والمشاهد، او مباینا لنقص الکتاب و السنة المتواتر اوالاجماع القطعی حیث لا یقبل شیء من ذلک التاویل او یتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیره بالوعید العظیم علی الفصل الیسیر وهذالاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والصوفیة و من ذکة المعنی لاتا کلو القرعة حتی تذبحوها و لذا جعل بعضهم ذلک دلیلا علی کذب راویه وکل هذا من القرائن فی المروی و قد تکون فی الراوی کقصة مع الهدی..........)"[1]

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت نا قابل اعتبار ہوگی۔ اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں یہی اصول درایت ہیں۔

۱۔ جو روایت عقل کے خلاف ہو۔
۲۔ جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔
۳۔ محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو۔
۴۔ قرآن مجید یا حدیث متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہ ہو۔
۵۔ جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔
۶۔ معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو۔
۷۔ وہ روایت رکیک المعنی ہو۔ مثلاً کدو کو بغیر ذبح کیے نہ کھاؤ۔
۸۔ جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرے جو کسی اور نے نہیں کی۔ اور یہ راوی اس شخص ملا بھی نہ ہو۔
۹۔ جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو باایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

---

[1] فتح المغیث، ۴۶

۱۰۔ جس روایت میں ایسا قابل اعتبار واقع بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے لیکن اس کے باوجود صرف ایک ہی آدمی نے اس کو روایت کیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ قدیم وجدید، ہر دور کے مسلمان کی دلی خواہش ہے کہ اس کے پاس چند ایسے درایتی اصول ہوں جن کی مدد سے سند اور متن کی اصولی بحثوں میں پڑے بغیر، حدیث کی صحت وضعف یا وضع کا پتہ چل سکے۔

جب امام ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) سے سوال کیا گیا کہ صرف متن پر غور وفکر سے حدیث نبویؐ کی پہچان ممکن ہے یا نہیں تو انہوں نے نہ صرف ہاں میں جواب دیا بلکہ پچاس کے قریب درایتی اصولوں کی نشاندھی کردی، اسی طرح امام صنعانیؒ، ابن جوزیؒ اور جوزقانیؒ نے بھی درایتی اصولوں کو بیان کیا ہے، الغرض عقلی ودرایتی معیاروں پر نقد حدیث کا سلسلہ صحابہ کرامؓ تک جا پہنچا ہے جو کہ نہ صرف آپس میں تحقیق کرتے بلکہ تصدیق حدیث کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پوچھا کرتے تھے[1]

ترجمان القرآن بلطائف البیان اور اصول درایت

نواب صاحب نے، اپنی تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان میں درایت کے اصولوں کو بھی مدنظر رکھا جس کی کئی مثالیں ان کی مذکورہ تفسیر میں جابجا ملتی ہیں۔ جن میں سے چند مقامات کا بطور مثال تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تاریخی حقائق سے رد

اللہ تعالی کا فرمان ہے

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي......يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾ [2]

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

> ''صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے کہا کہ یضل بہ کثیرا سے منافقین مراد ہیں۔ اور پھر و یھدی بہ کثیرا ' سے مراد مؤمنین ہیں۔ کسی نے کہا 'یضل بہ کثیرا'' سے مراد اہل کفر ہیں۔ جو جاننے کے باوجود انکار کر دیتے ہیں۔ کسی نے خوارج مراد لیے ہیں اور یہ تفسیر بالمعنی ہے۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت خوارج موجود ہی نہ تھے، لیکن آیت کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں۔ اس لیے کہ خارجی اس شخص کو کہتے ہیں جو اطاعت شریعت سے نکلتا ہے۔ اور فاسق بھی اسکو کہتے ہیں۔ اور فاسق کا لفظ کافر و عاصی دونوں کو شامل ہے۔ لیکن اتنی بات ہے کہ کافر کا فسق زیادہ گہرا ہوتا ہے اور اس آیت میں فاسق سے کافر مراد ہیں۔'' [3]

گویا اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب نے اصول درایت کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ بات واضح کردی ہے کہ براہ راست تو ''یضل بہ کثیرا'' سے خوارج ہرگز مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کا وجود تو اس زمانے میں تھا ہی نہیں۔ معلوم ہوا کہ

---

[1] الموضوعات، ۳۱؛ منهج النقد عند المحدثين، ۷ [2] البقرہ ۲:۲۶

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۸۷

چونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خوارج کا خروج تو تحکیم کے وقت سے ہوا تھا۔اس لیے اس سے خوارج مراد نہیں ہو سکتے۔تاہم کردار کے اعتبار سے عموم میں شامل ضرور ہوں گے۔

مزید برآں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ...... يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾[1]

اس آیت کی تفسیر میں پہلے فائدہ کے عنوان میں نواب صاحب لکھتے ہیں کہ ''یہود نے اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ دیا تھا اور وہ سحر کے پیچھے پڑ گئے۔لوگوں میں جادو دو طرف سے آیا تھا۔ایک تو اس طرح کہ حضرت سلیمانؑ کے دور میں انسان اور شیطان اکٹھے رہتے تھے۔انہوں نے تب ان شیاطین سے سیکھ لیا......دوسرے ہاروت ماروت کی طرف سے آیا تھا......''[2]

نواب صاحب کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید سب سے پہلے جادو کا آغاز سلیمان علیہ السلام کے دور میں ہوا تھا،حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے تاریخی حقائق سے ثابت کیا ہے کہ یہ سحر و جادو حضرت سلیمانؑ کے زمانے سے پہلے بھی موجود تھا،وہ لکھتے ہیں۔

> ''یہ سحر حضرت سلیمانؑ کے زمانے سے پہلے بھی موجود تھا۔کیونکہ موسیٰؑ ان سے پہلے آئے تھے۔ اور انکے اور ساحروں کے درمیان تھا بلکہ ہوا تھا۔اسی طرح حضرت صالحؑ کی قوم نے حضرت صالحؑ سے کہا (انما انت من المسحرین) یہ صالحؑ حضرت ابراہیمؑ سے بھی پہلے کے تھے۔''[3]

نواب صاحب کی ان عبارات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وہ تاریخی حقائق کے درایتی اصول کو استعمال کرتے ہوئے سحر کے وجود کو حضرت سلیمانؑ سے پہلے کا بتاتے ہیں۔اور واضح کرتے ہیں کہ اس کی ابتداء زمانہ قدیم میں حضرت صالحؑ سے بھی پہلے ہو چکی تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ...... وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾[4]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب مساجد کو برباد کرنے والے لوگوں کی وضاحت میں،حضرت قتادہؒ کا قول نقل کرتے ہیں اور درایتی اصول کے تحت اس کا رد بھی کرتے ہیں۔لکھتے ہیں کہ

> ''حضرت قتادہ نے فرمایا کہ بربادی کی کوشش کرنے والے سے بخت نصر مراد ہے۔اس کے لشکر والوں نے بیت المقدس کو خراب کیا اور یہودیوں کی دشمنی کی وجہ سے عیسائیوں نے اس کام پر ان کی مدد کی۔ یہ بخت نصر بابلی مجوسی تھا۔لیکن

---

[1] البقرہ۲:۱۰۲ [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۱۸۳

[3] ایضاً،۱/۱۸۵ [4] البقرہ۲:۱۱۴

اس قول میں اتنی بات ہے کہ بخت نصر کا دور بالاتفاق حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کا
ہے جب کہ نصاریٰ کا دور عیسیٰؑ کے بعد کا ہے۔ پھر وہ کیسے اس کے مددگار ہو سکتے
ہیں۔''[۱]

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نواب صاحب، اقوال کے رد وقبول میں تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہیں جیسا کہ اس عبارت سے خوب واضح ہوتا ہے۔ کہ نواب صاحب کی مراد یہ ہے کہ یا تو مسجد کو خراب کرنے والے سے بخت نصر مراد نہیں ہے اگر وہ مراد ہے (جیسا کہ تاریخ میں ذکر ہے کہ اس نے بیت المقدس کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔) تو اس کی مدد نصاریٰ نے ہرگز نہیں کی ہوگی، کیونکہ بخت نصر اور نصاریٰ کے زمانے میں بہت بُعد ہے۔ گویا وہ یہاں بھی درایتی اصول کا استعمال کر رہے ہیں۔

تاویل کا درایت سے رد

نواب صاحب اگر چہ اپنی تفسیر میں، قرآن وسنت کے مطابق تاویل کے بھی قائل نظر آتے ہیں، لیکن وہ ایسی تاویل کا رد کرتے ہیں جو درایت کی مخالفت کرتی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ......وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ [۲]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

''جبائی کا قول ہے کہ پتھر کے گرنے سے اولوں کا بادلوں سے برسنا مراد ہے۔ مگر
یہ بعید ہے......اس میں اصل لفظ بلا دلیل نکالنے والی بات ہے۔ پتھر کا پہاڑوں
سے گرنا بہت لوگوں نے دیکھا، خبر متواتر سے سنا ہے۔ پھر اسی کا انکار کر کے بات
بنانا کیا ضروری ہے۔؟''[۳]

اس عبارت سے نواب صاحب کے اصول تفسیر میں سے ایک اصول کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔ کہ اگر کوئی بات مشاہدہ کے مطابق ہو، خبر متواتر سے ثابت ہو تو اس میں خواہ مخواہ دیگر معانی نکال کر تاویل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ قرآن کے جس مفہوم کی سیدھی سادھی وضاحت عقلی شہادت سے ہوتی ہو اس کی تاویل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

خلاف عقل بات کا رد

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ......﴾ [۴]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں، نواب صاحب صحابہ کرام کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

''یہاں سے یہ بھی بات ثابت ہوتی ہے کہ جس نے اس کو عموم پر محمول کیا اور کہا

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۰۳
[۲] البقرۃ ۲:۷۴
[۳] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۵۷
[۴] البقرہ ۲:۱۲۴

کہ اس سے تمام کلمات مراد ہیں تو اس کا قول بھی ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اس قول سے یہ بات لازم آتی ہے کہ قرآن کی تفسیر ضعیف اور باہم مختلف اقوال سے کی گئی ہے۔ جو حجت کے ثبوت کے بھی لائق نہ ہے۔"[۱]

نواب صاحب نے "کلمات" کو عموم پر محمول کر کے تمام کلمات (جو بھی مختلف اقوال میں مذکور ہیں) مراد لینے والے کے قول کو اس لیے رد نہیں کیا کہ ان کے قائلین خود ضعیف ہیں، بلکہ اس لیے کہ اس قول کو صحیح ماننے سے خود دین اسلام میں ضعف پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کی وضاحت مختلف مفہوم والے اقوال سے کی جائے جو باہم متعارض بھی ہوں۔ چونکہ یہ تفسیر عقل کے خلاف تھی اس لیے نواب صاحب نے اس کو رد کر دیا۔

اصول درایت کی مخالفت

تفسیری اقوال میں نواب صاحب نے بعض ایسی روایات بھی لکھی ہیں جو بظاہر اصول درایت کی مخالفت کرتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا......﴾[۲]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب نے، بغیر نقد کے آزاد بلگرامی کے رسالہ شیمہ العنبر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

"جب آدمؑ زمین پر آئے تو نور محمدی انکی پیشانی میں تھا۔ پھر نسل در نسل منتقل ہو کر مکہ معظمہ پہنچا۔"

اسی طرح فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ﴾[۳]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں پہلے وقت تین تین سو انبیاء کو قتل کرتے۔ پھر تیسرے پہر کو خرید وفروخت کا بازار لگاتے تھے۔ لین دین کرتے تھے۔"[۴]

بلاشبہ بنی اسرائیل نے انبیائے کرام کو قتل کیا جن میں زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ لیکن یہ بات بالکل خلاف عقل لگتی ہے کہ ایک دن ہی نہیں، بلکہ دن کے بھی ایک پہر میں تین تین سو انبیائے کرام کو قتل کرتے تھے۔ گویا اتنے انبیاء کو ایک دن میں قتل کرنے سے تو ایسے لگتا ہے کہ اس زمانہ انبیاء کی فوج ہوتی تھی۔

الغرض ابن مسعودؓ کا یہ قول، مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر قابل التفات نہیں لگتا۔

(الف) صحیح احادیث سے معلوم ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک وقت میں کئی انبیاء آتے تھے جیسے (ذکریا و یحیی و عیسیٰؑ، موسیٰ و

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۲۵ ۲ البقرۃ ۲: ۳۸

۳ البقرۃ ۲: ۶۱ ۴ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۳۱

ہارونؑ) لیکن اس چھوٹی سی قوم میں ایک ہی وقت میں اتنے انبیاء کا نزول تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔

(ب) کئی بار، تھوڑے سے وقت میں اتنی بڑی تعداد انبیاء کو قتل کرنا خلاف عقل ہے۔ اور اگر ایسا درست بھی ہو تو (یعنی فرض کر لیا جائے کہ انبیاء کے گروہ ان کے خلاف لڑنے لگے ہونگے) تو اس حالت جنگ میں یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ فوراً خرید و فروخت بھی کرتے ہوں۔ نواب صاحب نے بظاہر خلاف عقل قول پر بغیر نقد کے لکھا ہے۔ گویا وہ اصول درایت کی مخالفت کر رہے ہیں۔

درایت سے معانی/مفہوم مقرر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ......﴾[1]

نواب صاحب کا خیال ہے کہ آدم علیہ السلام زمینِ فلسطین سے زمین ہند میں اتارے گئے تھے۔ یہ جنت دار الخلد نہیں تھے۔ اپنے اس نظریے کو درایت سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> ''یہ زمین فلسطین میں یا فارس اور کرمان کے درمیان تھی۔ اللہ نے اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش کے لیے بنایا تھا۔ وہاں سے ان کا اتارنا یہ تھا کہ وہ زمین ہند کی طرف منتقل ہو گئے جیسے فرمایا (اھبطو مصراً) کہ 'کسی شہر میں اتر جاؤ' یعنی مصر (شہر) کی طرف چلے جاؤ۔ بلا اختلاف حضرت آدمؑ کی تخلیق اسی زمین میں ہوئی۔ اس میں ان کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا ذکر نہ ہے۔ اگر رفع وقوع میں آیا ہوتا تو یقیناً اس نعمت کا ذکر کلام پاک میں موجود ہوتا۔ اور اگر یہ جنت دار الخلد ہوتی تو ابلیس اس میں نہ جاتا۔''[2]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب درایتی طریقہ سے مفہوم کو مقرر کر رہے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا......﴾[3]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب درایتی طریقہ سے معانی مقرر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ

> ''اس جگہ سے بقعہ مراد ہے۔ یعنی اے اللہ اس خطے کو امن والا بنا دے۔ یہاں یہی مناسب ہے۔ اس لیے کہ یہ دعا بیت اللہ بنانے سے پہلے کی تھی۔''[4]

یہاں وہ بلد سے بقعۃ (زمین کا ٹکڑا) مراد لیتے ہیں، کیونکہ جب دعا کی گئی تھی اس وقت ابھی بیت اللہ نہیں تھا۔

الغرض یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ نواب صاحب نے ترجمان القرآن بلطائف البیان میں درایت کا لحاظ رکھا ہے۔

---

۱ البقرۃ ۲:۳۶ — ۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۰۶

۳ البقرۃ ۲:۱۲۶ — ۴ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۳۶

مبحث سوم

نقد روایت ودرایت

نقد روایت ودرایت کا مفہوم واقسام

نقد حدیث سے مراد حدیث نبوی میں پیش آمدہ عبارت کی اصلیت وقطعیت کے لحاظ سے جانچ پڑتال کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے یا نہیں۔ نیز یہ بات شان نبوت اور تعلیمات اسلام کے مطابق ہے یا نہیں؟ تاکہ شرح صدر سے مقبول ٹھہرا کر عمل پیرا ہوا جائے۔ یا ایمان وعمل کی سلامتی کی خاطر مردود گردانتے ہوئے بالکل لائق التفات نہ سمجھا جائے۔

نقد حدیث کا مطالعہ درج ذیل تین لحاظ سے کیا جاسکتا ہے۔

1۔ نقد بلحاظ ہیئت حدیث

2۔ نقد بلحاظ تعداد رواۃ حدیث

3۔ نقد بلحاظ نفس مضمون

1۔ نقد بلحاظ ہیئت حدیث

ہیئت حدیث سے مراد حدیث نبوی کی ظاہری شکل ہے۔ جو کہ سند اور متن پر مشتمل ہوتی ہے۔ "سند پر نقد خارجی نقد اور متن پر نقد، داخلی نقد" کہلاتا ہے۔ [1]

خارجی نقد

خارجی نقد میں درج ذیل دو پہلو زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

(الف) حدیث اگر بطور وجادہ (وجادہ سے مراد کسی محدث کی قلمبند روایات کو نقل یا بیان کرنا) نقل کی جارہی ہے تو یہ حدیث جس تحریر، صحیفہ، کتاب یا مجموعہ سے نقل ہورہی ہے۔ مصنف سے اس کی نسبت کا یقینی ہونا معلوم کیا جاتا ہے۔

اگر صاحب کتاب کی نوک قلم سے نکلی ہوئی تحریر مل جائے یا شاگردوں کی تحریر پر استاد کی تصدیقی مہر ثبت ہو یا پائے جانے والے قدیم نسخوں کی باہمی تقابل کے بعد یکساں ثابت ہو تو پھر یہ نسبت یقینی درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اس حدیث کی سند کو پرکھنا مفید مطلب ہوسکتا ہے۔ ورنہ کتاب کی نسبت کو، یقینی نہ ہونے پر اسی منقول حدیث کی سند کی پڑتال یعنی خارجی نقد انتہائی عبث کام ہوگیا۔

(ب) سند حدیث میں پائے جانے والے رواۃ کی دینداری کے حوالے سے عدالت، حفظ وضبط کے اعتبار سے ثقاہت اور اتصال سند زیر بحث لایا جاتا ہے۔ اگر کسی قسم کا ضعف ثابت نہ ہو تو سند قابل اعتبار ورنہ ضعف کی بنا پر مردود

---

[1] حدیث کا درایتی معیار، ۱۷۸

ٹھہرتی ہے۔

داخلی نقد

داخلی نقد میں ایجابی وسلبی ہر لحاظ سے عقلی ونقلی معیاروں پر متن حدیث کو پرکھا جاتا ہے۔ اگر ان معیاروں پر متن حدیث پورا اترے تو مقبول ورنہ مردود ٹھہرے گا۔ نقد حدیث کا یہ اندازہ بھی محدثین کے ہاں قدیم سے بیان کیا جاتا ہے۔

2۔ نقد بلحاظ تعداد رواۃ حدیث

رواۃ حدیث کی قلت وکثرت کے لحاظ سے حدیث کی دو بڑی اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

(الف) اگر راویان حدیث کی ایسی کثرت ہو جن کا عقلاً جھوٹ پر اجماع محال ہو تو ایسی حدیث ''حدیث متواتر'' کہلاتی ہے۔ اور کثرت رواۃ کے کذب وخطاء کے احتمال سے مبرا ہونے کی بنا پر حدیث متواتر بالا از تنقید ٹھہرائی جاتی ہے۔

(ب) اگر راویان حدیث کی تعداد محدود ہو اور عقلاً یا عادتاً ان کا جھوٹ پر اتفاق ممکن ہو تو ایسی حدیث ''خبر واحد'' ہوتی ہے۔ اور خبر واحد اور سنداً یا متناً نقد حدیث کا ہدف ٹھہرتی ہے۔

3۔ نقد بلحاظ نفس مضمون

زیر بحث متن حدیث کو نبوی یا وضعی ہونے کے حوالے سے پرکھنا اور اس کے لیے سند ومتن کے حوالے سے محدثین کی بیان کردہ فنی اصولی بحثوں میں پڑے بغیر بعض ایسے عقلی ودرایتی معیاروں پر پرکھنا جن سے ثابت ہو کہ آیا یہ متن واقعتاً حدیث رسولؐ ہو سکتا ہے یا نہیں اور کیا یہ نقد اوپر ذکر کردہ داخلی نقد ہی کی ایک شکل ہے۔ جس کے ساتھ خارجی نقد کا سلسلہ زیر بحث نہیں لایا جاتا۔

ترجمان القرآن اور نقد روایت ودرایت

نواب صدیق حسن خان صاحب ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' میں روایات پر خارجی اور داخلی دونوں طرح نقد کرتے ہیں۔ اور نقد کے بعد صحت روایت یا ضعف روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[1]

نواب صاحب مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

''حافظ ابن کثیر نے اس مقام پر اپنی تفسیر میں ایک حدیث طویل عبدالرحمٰن بن سمرہ سے رفعاً نزدیک حکم ترمذی کے کتاب نوادر الاصول میں لکھی ہے۔ جس میں بکرات ومرات اسی طرح فرمایا ہے کہ رایت رجلا من امتی الخ جو کہ روایت

---

[1] ابراہیم ۱۴: ۲۷

مذکور کسی کتاب معتمد علیہ علم حدیث سے منقول نہیں ہے۔ اس لیے اس جگہ ذکر نہیں کیا گیا۔ قرطبی نے بعد اسراد حدیث مذکور کے یوں کہا ہے کہ "هذا حديث عظيم ذكر فيه أعمالا خاصة تنجي من أحوال خاصة" لیکن قرطبی وحکیم ترمذی دونوں روایت حدیث میں مصالحت کرتے ہیں۔ لہذا حدیث مذکور ترک کی گئی ہے۔ اس حدیث سے زیادہ غریب تر دوسری حدیث طویل تمیم داری کی ہے۔ جس کو حافظ ابویعلی موصلی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔ اور ابن کثیر نے کہا ہے کہ ہذا حدیث غریب جدا وسیاق عجیب ویزید الرقاشی راویہ عن انس لہ غرائب ومنکرات وھو ضعیف الروایۃ عند الائمۃ سو اس حدیث کو بھی اس جگہ بسبب مزید غرابت چھوڑ دیا گیا ہے۔" [1]

مذکورہ عبارت سے نواب صاحب کے روایات میں نقد کے متعلق مندرجہ ذیل نکات پیش کیے جاتے ہیں:

نواب صاحب نے ابن کثیر کی ذکر کردہ روایت کو اس لیے چھوڑا ہے، کیونکہ وہ کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں۔

قرطبی نے اگرچہ ذکر کیا ہے، لیکن نواب صاحب فرماتے ہیں کہ قرطبی اور حکیم ترمذی دونوں روایت حدیث میں مصالحت کرتے ہیں۔

حافظ ابو یعلی موصلی کی روایت پر ابن کثیر کا نقد لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس غرابت کی وجہ سے میں نے یہ روایت چھوڑ دی۔

معلوم ہوا کہ نواب صاحب نقد کے بعد روایت کو ترک کر رہے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ [2]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب روایت پر اس انداز سے نقد کرتے ہیں

"حسن نے سمرہ سے، سمرہ نے حضرتؐ سے روایت کی ہے کہ جب حوا نے بچہ جنا ابلیس ان کے گرد پھرا۔ حوا کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا۔ ابلیس نے کہا تو اس کا نام عبدالحارث رکھ وہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے عبدالحارث رکھا وہ زندہ رہ گیا....."

بعد ازاں نواب صاحب اس کی تخریج کر کے لکھتے ہیں۔

"یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے۔

(الف) ایک یہ کہ اس کی سند میں عمر بن ابراہیم مصری ہے۔ ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

لیکن ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ لا یحتج بہ ہاں اس حدیث کو ابن مردویہ نے حدیث معتمر عن ابیہ عن الحسن عن سمرۃ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم

(ب) دوسری وجہ یہ ہے یہ روایت حضرت سمرہؓ سے مروی ہے۔ مرفوع نہیں۔ جس طرح ابن جریر نے کہا ہے کہ عن سمرۃ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۶/۹۲۷ [2] الاعراف ۷:۱۸۹

بن جندب قال کی آدم لبنہ عبدالحارث

(ج) تیسری وجہ یہ ہے کہ خود حسن نے تفسیر اسی آیت کی اور طرح پر کی ہے۔ اگر ان کے پاس سمرہ سے حدیث مرفوع موجود ہوتی تو کبھی اس سے عدول نہ کرتے۔"[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

(د) ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ...... ﴾[2]

اس آیت کی تفسیر میں انقطاع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"بلال کا لفظ یہ ہے کہ حضرتؐ یہ دعا کرتے: یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک. رواہ احمد، پھر لکھتے ہیں

ھذا حدیث بھذا الاسناد الا ان فیہ انقطاع وھو مع ذلک علی شرط اھل السنن ولم یخرجوہ[3]

مذکورہ عبارت میں نواب صاحب بتاتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے۔ جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(ر) ﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ...... ﴾[4]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب ایک روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرتؐ پر گزر ایک سائل کا ہوا۔ اس کو آپؐ نے ایک دانہ کھجور کا دیا۔ وہ خفا ہوا۔ اور نہ لیا پھر ایک دوسرا سائل آیا۔ اس کو چالیس درہم دلوائے رواہ احمد وفیہ ضعف۔"[5]

اسی طرح

(ح) ﴿وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ...... ﴾[6]

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں نواب ایک حدیث لکھ کر اس پر نقد بھی کرتے ہیں۔ "ثوبان نے رفعاً کہا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی۔ شرک باللہ، حقوق والدین اور لڑائی سے بھاگنا رواہ الطبرانی وھو غریب جدا۔[7]

آئمہ کی آراء پر نقد

نواب صاحب آئمہ کرام کی آراء کا تقابل کرنے کے بعد، نقد بھی کرتے ہیں جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ...... ﴾[8]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں۔

"بخاری باب شھود الملائکہ بدرا میں رفاعۃ بن رافع سے روایت کیا ہے کہ جبرائیل پاس حضرتؐ کے آئے اور کہا کہ تم اہل بدر کو کیسا جانتے ہو۔ کہا وہ

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴/۲۱۴
2. الانفال ۸:۲۴
3. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴/۲۵۴
4. ابراہیم ۱۴:۶
5. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۶/۹۰۱
6. الانفال ۸:۱۶
7. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴/۲۴۸
8. الانفال ۸:۹

افضل مسلمین ہیں۔ یا کوئی اس سے ملتا جلتا کلمہ فرمایا۔ جبرائیل نے کہا اس طرح وہ ملائکہ افضل ہیں جو حاضر بدر ہوئے۔ بخاری منفرد ہیں۔ اس روایت میں۔ اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں حدیث رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے، لیکن وہ خطا ہے۔''[1]

اس عبارت میں نواب صاحب نے امام بخاری اور طبرانی کی روایت کا تقابل کر کے بخاری کی رائے صحیح جبکہ طبرانی کی روایت کو خطا قرار دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس روایت کے راوی کا صحیح نام رفاعہ بن رافع ہے نہ کہ رافع بن خدیج۔

اسی طرح اللہ کے فرمان

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ......﴾[2]

کی تفسیر میں نواب صاحب ایام تشریق کے متعلق مختلف اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

''اس کے متعلق دار قطنی کے نزدیک ایک حدیث بھی آئی ہے مگر اس کا مرفوع ہونا درست نہ ہے۔''

مذکورہ عبارت میں نواب صاحب، دار قطنی کی رائے پر نقد کر کے بتاتے ہیں کہ ایسی کوئی مرفوع صحیح حدیث نہیں ہے۔[3]

وہم کی طرف اشارہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ......﴾[4]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب، ابن مردویہ کی روایت کو جو کہ انہوں نے مقرر بن مخرمہ سے روایت کی ہے، ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

''حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور شرط شیخین پر ہے۔ حضرت مستور کا سماع نبیؐ سے ثابت ہے۔ یہ نہیں کہ فقط روایت ہو سماع نہ ہو۔ جیسا کہ بعض احباب کو وہم ہوا ہے۔''[5]

اس عبارت میں نواب صاحب ان احباب کے وہم کو بھی واضح کرتے ہیں جن کے خیال میں حضرت مستور کو محض روایت حاصل ہوئی سماع نہیں ہوا۔

داخلی نقد

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...... اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾[6]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴/۲۴۲
[2] البقرۃ ۲:۲۰۳
[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۱۳
[4] البقرۃ ۲:۱۹۸
[5] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۰۷
[6] الرعد ۱۳:۷

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب، ایک روایت لکھ کر اس پر یوں تنقید کرتے ہیں۔

"جب ابن عباس نے کہا جب ایک آیت اتری تو حضرتؐ نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر کہا۔انا المنذر ولکل قوم هاد اور ہاتھ سے اشارہ حضرت علی ابن ابی طالب کی طرف کیا اور کہاانت الهادی یا علی بک یهتدی المهتدون من بعدی رواہ ابن جریر، لیکن اس حدیث میں نکارت شدید ہے۔"[1]

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾[2]

نواب صاحب "ضالین کے "ض" کے مخرج کی بات کرتے ہوئے ایک حدیث لکھ کر اس کو بے اصل بتاتے ہیں۔لکھتے ہیں:

"رہی یہ حدیث کہ انا افصح من نطق بالضاد" "وہ بے اصل ہے۔"[3]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۶/۸۴۰ [2] البقرہ ۱:۷

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۴۳

مبحث چہارم

اسرائیلیات کی تحقیق ونتائج

''اسرائیلیات'' جمع ہے ''السرائلية'' کی، یہ لفظ اسرائیل کی طرف منسوب ہوکر بولا جاتا ہے ''اسرائیل'' عبرانی کلمہ ہے اور یہ حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام ہے۔ یہ کلمہ دوالفاظ ''اسرا'' بمعنی ''عبد'' ''ایل'' بمعنی اللہ سے مرکب اضافی ہوکر بنا ہے۔ اور اس کا عربی ترجمہ ''عبداللہ'' بنتا ہے۔ اس طرح کے مرکب اضافی کی مثالوں میں نسبت لفظ کے آخری حصے کی طرف دی جاتی ہے۔ نہ کہ اس کے شروع کے حصے کی طرف اور اس سے مراد تمام قصص اور واقعات ہیں جو اسرائیلی ذرائع سے روایت کئے جاتے ہیں۔[1]

اسی طرح محمد حسین الذھبیؒ لکھتے ہیں:

''اسرائیلیات کا لفظ اگرچہ بظاہر اس یہودی تہذیب وثقافت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ جو تفسیر قرآن پر اثر انداز ہوئی، مگر اس کے مفہوم میں کافی وسعت پائی جاتی ہے۔ اور اس سے یہودی ونصرانی ثقافت مراد ہے۔ جس نے تفسیر قرآن کو متاثر کیا۔ اس کو اسرائیلیات کا نام تغلیباً دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہودیت کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اور پھر یہود سے بکثرت روایات نقل ہوکر مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ یہودی ثقافت کا مدار وانحصار توریت پر ہے۔ اس کو دیگر کتب موسوی کے ساتھ عہد نامہ قدیم کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر یہودی پندو مواعظ اور شروحات وغیرہ جو حضرت موسٰی سے حاصل نہیں کی گئیں تھیں، بلکہ سینہ بسینہ منتقل ہوکران کو پہنچی تھیں۔ اور پھر بعد میں مدوّن کی گئیں تالمود سے موسوم ہوئیں۔ جبکہ نصاریٰ کے ہاں جو اناجیل اربعہ معتبر سمجھی گئیں۔ انہیں عیسائیت کی دیگر کتب ورسائل کے ساتھ ملا کر عہد نامہ جدید کا نام دیا گیا۔ غرض یہ کہ ''اسرائیلیات'' اس مشترکہ نصرانی معارف واساطیر کو شامل ہیں۔''[2]

تورات وانجیل کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بکثرت ایسے مضامین پائے جاتے ہیں۔ جو کہ قرآن کریم میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً انبیاء کرامؑ کے حالات، کائنات کی تخلیق اور اس طرح کے دیگر مباحث وغیرہ، لیکن قرآن مجید اور ان دیگر کتب کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے کہ قرآن کریم واقعہ کے صرف اسی قدر جزو سے سروکار رکھتا ہے۔ جس کا موضوع سے گہرا ربط وتعلق ہوتا ہے نصوص میں اصلاح وعبرت پزیری کا پورا پورا سامان موجود ہوتا ہے۔ اس کے برعکس توریت اناجیل میں واقعہ کے جزئیات کی تفصیل اشخاص ورجال کے ناموں کی بھرمار اور غیر ضروری مواد کی تکلیف دہ حد تک کثرت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ حضرت آدمؑ کا قرآن کریم میں سورۃ البقرہ، سورۃ الاعراف میں نسبتاً تفصیلی تذکرہ ہوا ہے۔[3]

۱۔ الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، ۱۲ ۲۔ التفسیر والمفسرون، ۱/۱۶۰۔۱۶۲

۳۔ سورۃ البقرہ: ۳۱۔۳۷؛ سورۃ الاعراف: ۱۱۔۲۵؛ طٰہٰ: ۱۲۱۱۵

لیکن اس میں بھی صرف بنیادی اور اہم واقعات کو جن کا انسانی عقائد و اعمال کی اصلاح سے گہرا تعلق ہے بیان فرمایا گیا ہے۔ جبکہ غیر ضروری تفصیلات سے قطعاً اجتناب کیا گیا ہے اس کے مقابل بائیبل میں تخلیق آدم کے جزوی واقعات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ کتاب مقدس میں ہے۔

> ''اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر تخلیق کیا۔ تمام وحشی جانور اور ہوا کے پرندے جو اس سے پہلے مٹی سے بنائے گئے تھے ان کو آدمؑ کے حضور لایا گیا۔ آدمؑ نے ان سب کے نام رکھے۔ پھر آدمؑ سو گئے ان کی ایک پسلی نکال کر اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی حوا کو پیدا کیا۔ ان دونوں کو جنت میں سے لباس پہنایا گیا ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے نیکی و بدی کے پہچان والا درخت کھانے سے منع کیا تھا لیکن سانپ نے جو تمام وحشی جانوروں سے زیادہ چالاک تھا حوا کو ورغلا کر یہ درخت کھلا دیا۔ حوا نے خود کھانے کے بعد آدمؑ کو بھی کھلا دیا۔ پھر ان دونوں کا جنتی لباس اُتروا دیا گیا۔ اور انہوں نے جنت میں انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لئے لنگیاں بنائیں۔ سانپ کو گناہ کی یہ سزا ملی کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر ہمیشہ پیٹ کے بل رینگتا رہے گا۔ اور مٹی کھا کر جئے گا۔ اور نوع انسانی سے اس کی ہمیشہ دشمنی رہے گی وہ اس کا سر کچل دیں گے اور یہ ان کی ایڑی پر کاٹے گا۔ حواء کو یہ سزا ملی کہ وہ مرد کی زیر حکمرانی رہے گی۔ اور شدید دردزہ کے ساتھ جئے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔''[۱]

علاوہ ازیں اناجیل اربعہ میں حضرت عیسیٰؑ کا متضاد نسب نامہ، حضرت مریم پر تہمت، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، ان کے ہاتھوں مردوں کے زندہ ہونے کے متضاد واقعات، آسمان سے خوان کے نازل ہونے اور آپؑ کے متعلق عجیب و غریب تفصیلات دی گئی ہیں۔[۲]

> ''مزید برآں علامہ ابن خلدون نے ''مقدمہ'' میں تفسیر بالماثور کے اندر اسرائیلیات کے شامل ہونے کے اسباب و علل پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تفسیر منقول کے متعلق متقدمین نے بڑا مواد فراہم کیا ہے مگر افسوس کہ ان کی یہ تصانیف رطب و یابس اور مقبول ہر قسم کی روایات پر مشتمل ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اصلاً لکھنے پڑھنے کے عادی نہ تھے۔ بخلاف ازیں ان پر جہالت بداوۃ کا غلبہ تھا چونکہ انسانی فطرت ہمیشہ سے تکوینی اسباب اور آغاز تخلیق سے متعلق امور کی ٹوہ میں لگی رہی ہے۔ اس لئے عربوں کو جب بھی ایسی کوئی بات

---

۱ کتاب مقدس، (یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ)، ۸۔۶

۲ متی کی انجیل، ۵؛ لوقا کی انجیل، ۵۵؛ یوحنا کی انجیل، ۸۸۔۸۵

پوچھنی ہوتی، تو وہ اپنے معاصر اہل کتاب سے دریافت کرتے، دوسری طرف یہ لوگ بھی اس معاملہ میں تقریباً عربوں ہی کی طرح ان پڑھ تھے۔ اور صرف انہی باتوں سے آگاہ تھے جو ان کے مذہبی طبقہ کی زبان زد عام تھیں۔ دوسرے اکثر یہود قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ مسلمان ہونے کے بعد بھی بدستور ان امور کے معتقد رہے جن کا شرعی احکام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بنی نوع انسان کا آغاز کب ہوا۔ فلاں فلاں واقعات کے راوی وحوادث اور جنگیں کب اور کیسے رونما ہوئیں اس قسم کے دیگر امور ایسے واقعات کے راوی زیادہ تر کعب الاحبار، وھب بن منبہ اور عبداللہ بن سلام جیسے لوگ ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی نقل کردہ روایات سے کتب تفسیر بھر گئیں۔"[1]

ظاہر ہے کہ ابن خلدون کا یہ بیان اسرائیلیات کے اشاعت کے متعلق ایک عمومی بحث ہے۔ ورنہ جہاں تک قرآن اور اس کے اوّلین مخاطبین یعنی صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے۔ تو اسرائیلیات کے متعلق ان سے اس طرح کی سہل پسندی محال ہے جبکہ حضور اکرم صلعم سے اس ضمن میں اس طرح کے واضح ارشادات موجود تھے۔

عن ابی ھریرہ قال کان اھل کتاب یقرء ون التوراۃ بالعبرانیۃ و یفسرھا بالعربیۃ لاھل الاسلام، فقال رسول اللہ ﷺ لا تصدقُوا اھل الکتاب وَلاتُکَذِّبُو ھُمِ، وقولُوا: "آمنابالله وما اُنزل اِلینا"[2]

مزید برآں نبی کریمؐ نے فرمایا:

أن النبی صلی الله علیه وسلم قال بَلِّغُو اعنی ولو آیة وَحدِّ ثُواعن بنی اسرائیل ولاحرج، ومن کذب علّی متعمداً فلیتبواْ مقعده مِن النار۔[3]

صحابہ کرامؓ کا آپؐ کے ان ارشادات کی تعمیل میں اسرائیلی روایات کے قبول کرنے میں پوری احتیاط ضروری ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ اس قسم کے لایعنی امور سے دور بھاگتے تھے جن کا ان کے دین میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ رقمطراز ہیں:

"صحابہ ایسی بحثوں کو مکروہ جانتے تھے اور تضیع اوقات خیال کرتے تھے مثلاً بنی اسرائیل کی گائے کا حال کہ وہ نرتھی یا مادہ یا یہ کہ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ سرخ تھا، یا چتلا وغیرہ وغیرہ۔"[4]

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ۴۴۰۔۴۳۹

[2] صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب لایسال اھل الشرك عن الشھادۃ رقم الحدیث: ۲۶۸۵

[3] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث: ۳۴۶۱

[4] الفوز الکبیر، ۷۸،۷۷

مزید برآں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"تفسیر قرآن کے ضمن میں اسرائیلی روایات کا عمل دخل جنگ یرموک کے موقع پر اھل کتاب کی روایات کا بھاری ذخیرہ مسلمانوں کے ہاتھ پڑنے سے شروع ہوا۔ لیکن یہ اسرائیلی روایات استشہادی مقاصد کے لئے کام میں لائی جاتی تھیں۔ نہ کہ اعتقادی امور وغیرہ میں ان کو زیر بحث لایا جاتا تھا۔"[۱]

اسی طرح ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ

"صحابہ کرام کے بعد تابعین کا دور آیا، تو اہل کتاب کی روایات اخذ کرنے میں وسعت قلبی سے کام لیا گیا۔ چنانچہ اس دور میں تفسیر قرآن میں اسرائیلیات کی کثرت ہوئی۔ اور اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اس دور میں اہل کتاب بکثرت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور قرآن مجید میں یہود ونصاریٰ کے واقعات کے متعلق مجمل واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی تفصیلات جاننے کے لئے ان اقوام سے میل جول بڑھا۔ چنانچہ اس دور میں مفسرین کرام کی وہ جماعت سامنے آئی جس نے یہود ونصاریٰ کے ہاں موجود اس مواد کے ذریعے، قرآن کریم کے ان مجمل مقامات کی گھاٹیوں کو بند کرنے کی کوشش کی اور اس طرح تفسیر قرآن میں متناقض واقعات کی ایک بھر مار ہوگئی۔"[۲]

چنانچہ آئمہ محدثین کرام نے اسرائیلیات کے اس ضخیم ذخیرہ کی جانچ پڑتال اور صحیح روایات کو سقیم سے الگ کرنے کے لئے جو اصول وضوابط مقرر کئے۔ وہ ہماری اسلامی تاریخ وثقافت کا جلی عنوان ہے امام ابن تیمیہؒ نے رد وقبول کے لحاظ سے جملہ اسرائیلی روایات کو تین اقسام میں منقسم کیا ہے۔

پہلی قسم وہ روایات جو صحیح سند کے ساتھ حضور اکرمؐ سے منقول ہیں ایسی اسرائیلی روایات نہ صرف مقبول ہیں بلکہ ان کو روایت کرنا جائز اور صحیح ہے۔ مثلاً یہ روایت کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کیلیے رفیق کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ جناب خضر تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

دوسری قسم: وہ اسرائیلی روایات جن کا باطل اور دروغ ہونا ہمیں معلوم ہے، کیونکہ ہمارے پاس اس کے خلاف دلائل موجود ہیں اس قسم کی روایات بلا شبہ رد کر دی جائیں گی۔ اور انہیں کسی طرح قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے متعلق اناجیل کے ایسے بیانات جس سے انکی پیدائش کے اس حیرت انگیز واقعہ کی نفی ہوتی ہے۔ جو قرآن پاک میں ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔[۳]

تیسری قسم: ان اسرائیلی روایات کی ہے جن کی صحت کے بارے میں اعتماد، یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی ان کے باطل اور غلط ہونے کے متعلق جزم ووثوق سے کوئی بات کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایسی روایات کی نہ تو تصدیق کی جائے گی۔ اور نہ ہی ان کی تردید کی جائے گی۔ بلکہ ان کے متعلق سکوت اختیار کیا جائے گا۔ نبی کریمؐ کا فرمان ہے۔

---

[۱] مقدمہ فی اصول التفسیر، ۳۲ [۲] التفسیر المفسرون، ۱/۱۷۵

[۳] سورۃ آل عمران ۳: ۴۸-۴۵

"لا تصدقوا أهل الكتاب وَلا تُكَذّبوهم و قُولُوا: آمنا بالله وأُنزل الينا"[1]

مزید برآں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

یعنی جب تمہیں ایسی خبر دی جارہی ہو کہ وہ تحمل صدق و کذب ہو۔ تو اس کے بارے تحقیق کی جائے۔ تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ روایت نفس الامر میں سچ ہو۔ اور تم اس کی تکذیب کردو، یا وہ روایت اور تم اس کی تصدیق کر کے حرج میں پڑ جاؤ، برخلاف اس کے جو روایت جھوٹ پر مشتمل نہ ہو۔ تو اس کے متعلق وارد نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کی تصدیق کرنے سے روکا گیا ہے۔ جس کے متعلق ہماری شریعت نے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[2]

نواب صاحب نے اپنی تفسیر" ترجمان القرآن بلطائف البیان" میں اسرائیلیات کے متعلق انہی اکابر آئمہ کرام کے بیان کردہ اصول وضوابط کو بنیاد بنایا ہے۔ وہ بذات خود رقمطراز ہیں:

"اسرئیلی روایات کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ ایک وہ جس کی صحت کے متعلق ہمیں واضح علم ہے کہ یہ واقعی درست ہیں۔ دوسری وہ جن کے کذب پر ہماری شریعت دلالت کردے وہ جھوٹ ہے، تیسری قسم وہ ہے جس کے متعلق ہماری ملت وشریعت خاموش ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

ہمیں ان کے متعلق یہ حکم ہے کہ ان کی تصدیق کی جائے نہ ان کی تکذیب۔ اگر چہ اس کو نقل کرنا درست ہو، لیکن غالبًا ایسی چیزوں کو نقل کرنے سے نہ کچھ فائدہ ہے اور نہ ان کو چھوڑنے میں کچھ دینی نقصان ہے جیسے اصحاب کہف کے نام کیا تھے یا ان کے کتے کا رنگ کیسا تھا یا ان سب کی تعداد کیا تھی یا حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کس درخت کی لکڑی سے بنی تھی یا ان پرندوں کے کیا نام تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کیلئے زندہ کر دیئے تھے۔ یا وہ گائے کا کونسا حصہ تھا جو بنی اسرائیل کے مقتول کو لگایا گیا۔ جس سے وہ زندہ ہوگیا۔ یا وہ درخت کونسا تھا جس کے پاس اللہ کریم نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا وغیرہ ایسی چیزوں کو اللہ کریم نے تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ بس اجمالی سا تذکرہ کیا ہے۔[3]

لکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا ایسی چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے بیان نہیں کیا اختصار کے ساتھ اُن کا تذکرہ کر دیا ہے

"اس سے پتہ چلا کہ اُن کی مزید تحقیق میں جانے کی کوئی ضرورت نہ ہے نہ دین کا فائدہ نہ دُنیا کا یا ان کا دوسرا پہلو ذکر کرنے میں حرج نہ ہے۔ جیسے اللہ کریم نے فرمایا:

۱۔ مقدمہ فی اصول التفسیر، ۳۴۔۳۲ ۲۔ فتح الباری، ۲۰/۸

۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۴/۱

﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ......اَحَدًا﴾[1]

یعنی عنقریب وہ کہیں گے کہ وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور وہ یہ بھی کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ وہ غیب میں تیر چلاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا کہہ دیجئے میرا رب ان کی گنتی کو زیادہ جانتا ہے اور بہت کم لوگ اس کو جانتے ہیں سو آپ ان کی بحث میں نہ پڑیں بس ظاہری بحث کریں اور ان کے احوال کے متعلق ان میں سے کسی سے مت پوچھئے۔[2]

مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے نواب صاحب اسرائیلیات کے متعلق ساری بحث کا خلاصہ اخذ کر کے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس آیت میں ہمیں ایک اشارہ وادب سکھایا گیا ہے۔ کہ اللہ کریم نے اس جگہ تین اقوال ذکر فرمائے ہیں دو اقوال کو ضعیف قرار دیا۔ تیسرے سے سکوت فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ شاید دونوں میں سے یہ قول زیادہ درست ہے، کیونکہ اگر یہ باطل ہوتا تو پہلے دونوں اقوال کی طرح اس کو بھی رد کر دیتا فرمایا کہ ان کی تعداد پر واقفیت پر کوئی فائدہ نہ ہے۔ صرف اللہ کو ہی علم ہے یا جس کو اس نے بتادیا ہو پھر فرمایا آپ نے اپنے نفس کو اس کی طویل ابحاث میں مبتلا نہ کر نہ تکلیفاان کے پیچھے پڑیے، کیونکہ اس میں بحث کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس بارے میں جو وہ کہتے ہیں وہ بھی تیر تکے ہیں کچھ حقیقت نہ ہے غرضیکہ مبہم معاملے کا مخالف ذکر کر دینا ایک اچھا قاعدہ ہے اقوال کو جمع کر کے صحیح قول بتا دے اور باطل قول کی نشاندہی کر دے جس طرح تفسیر فتح القدیر اور فتح البیان میں کہا گیا ہے۔''[3]

گذشتہ صفحات میں اسرائیلی روایات کے مطابق ،آیات دلائل سے ثابت ہوچکی ہے کہ اسرائیلیات کے بارے میں نواب صاحب کا موقف وہی ہے جو کہ آئمہ سلف ،ابن تیمیہؒ ،ابن کثیرؒ اور امام شوکانیؒ وغیرہ کا تھا ،لیکن ترجمان القرآن بلطائف البیان کے ماٰخذ تفسیر کی وجہ سے بہت ساری روایات اس میں بھی آگئی ہیں ۔اور جس طرح ان میں بحث وتتبع کر کے وہاں ایسی روایات بھی ہیں ،جو بغیر کسی بحث وتمحیص کے نقل ہوگئی ہیں جن کی نشاندھی ضروری ہے اوراق ذیل میں چند ایسے مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے ،جن سے نواب صاحب کی منہج کی وضاحت ہو سکے۔ اسرائیلیات کے بارے میں نواب صاحب کا منہج جانچنے کے لئے درج ذیل نکات ملاحظہ فرمائیے۔

نواب صاحب روایات بیان کرتے ہیں ان کی تردید یا تائید نہیں کرتے۔

مثلاً ارشاد ربانی ہے:

---

۱ الکہف ۱۸:۲۲ ۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۴

۳ ایضاً، ۱/۲۴

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾[۱]

نواب صاحب لکھتے ہیں:

"(ن،ص،ق) کے ہے جو حروف ہجا اوائل سورہ میں آئے ہیں۔اللہ پاک ہی جانے ان سے کیا مراد ہے۔
کسی نے کہا ہے مراد ن سے وہ بڑی مچھلی ہے جو آب محیط عظیم پر ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے۔"

ابن عباسؓ کہتے ہیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کی کہا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں فرمایا قدر کو اس دن سے قیامت تک جو کچھ جاری ہونے والا ہے وہ سب اس نے لکھا پھر اللہ نے نون کو پیدا کیا پانی کا بخار اٹھایا اس سے آسمان بنے زمین پشت نون پر بچھا دی گئی نون نے اضطراب کیا زمین کانپنے لگی تب اس کو پہاڑوں سے جمایا سو وہ اسی لئے زمین پر فخر کرتے ہیں۔

دوسری روایت ابن عباسؓ کی یہ ہے کہ سب سے پہلے جو چیز میرے رب نے بنائی قلم ہے۔اس سے کہا لکھ اس نے جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھ لکھ دیا پھر اللہ تعالیٰ نے نون کو پانی پر پیدا کیا پھر اس پر زمین کو بچھایا۔

تیسری روایت طبرانی کی ہے سب سے پہلے اللہ تعالی نے قلم وحوت کو پیدا کیا اس نے کہا میں کیا لکھوں فرمایا جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے پھر یہ آیت پڑھی ﴿نٓ وَالْقَلَمِ﴾ سو نون مچھلی ہے اور قلم یہی قلم۔

چوتھی روایت حضرت ابو ہریرہ سے رفعاً یہ ہے پہلی چیز جو اللہ تعالی نے بنائی وہ قلم ہے پھر نون کو بنایا یہ دوات ہے۔

پانچویں روایت مجاہد کہتے ہیں کہ نون وہ ماہی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے بغوی اور ایک جماعت مفسرین کے مطابق اس مچھلی کی پشت پر ایک پتھر ہے جس کی اونچائی غلظ السماوات ولارض کی ہے اس کی پشت پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اس کی پشت پر ساتوں زمینیں ہیں مع فیہا کے ہیں واللہ اعلم [۲]

اسی طرح نواب صاحب بعض ایسی روایات بیان کرتے ہیں ،جن کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ وہ نہ تو ہماری شریعت کے موافق ہیں اور نہ مخالف۔

مثلاً ارشاد ربانی ہے:

﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا﴾[۳]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

> "کہ ابن جریج نے کہا اس کے معانی یہ ہیں بعض بعض پر دعویٰ کرنے لگے ایک دوسرے کو کہتا کہ تم نے قتل کیا بہر حال ایک گائے کا ٹکڑا اس مردے کو لگایا گیا اب اس ٹکڑے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ کس عضو کا ٹکڑا تھا کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ابن کثیر نے یہ سب اقوال ذکر کیے ہیں اور فرمایا کہ بہر حال وہ کوئی بھی ہے

---

۱ القلم ۶۸:۱ ۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱۶/۱۵،۱۶

۳ البقرہ ۲:۷۳

ایک معجزہ تو ہے اگر اس کے تعین میں کوئی دینی یا دُنیاوی فائدہ ہوتا تو اللہ کریم یقیناً کہیں واضح فرماتے ،لیکن جب وہ مبہم رکھا گیا ہے۔ اور معصومؑ کی طرف سے کسی بھی طریق سے بھی اس کا یہ ابہام ظاہر نہ ہو تو ہمیں بھی اس کو مبہم رکھنا چاہیے۔"[1]

نواب صاحب ہماری شریعت کے موافق روایات کو بطور استشہاد پیش کرتے ہیں۔

مثلاً اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ﴾[2]

مذکورہ آیت کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

عھد سے مراد وہ عھد ہے جو ان سے انبیاء کے متعلق لیا گیا کہ جب وہ مبعوث ہو چکیں تو ان کی تصدیق کرنا پھر ہم بھی اپنا وعدہ پورا کریں گے اور جو بوجھ اور طوق تمہارے گلے میں گناہوں کی وجہ سے پڑ گئے تھے وہ اتار دیں گے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس عھد سے مراد یہ آیت ہے

﴿وَ لَقَدۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۚ وَ بَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَیۡ عَشَرَ نَقِیۡبًا...... مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ﴾[3]

اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے مضبوط وعدہ لیا اور انہیں میں سے ان کے بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ کریم نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں کیساتھ ایمان لاؤ گے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہوں کو دور کرونگا اور ضرور ہی تمہیں ایسے باغات میں داخل کرونگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ بعض نے کہا یہ وہ عھد ہے جو تورات میں ان سے لیا گیا کہ ہم عنقریب بنی اسماعیل میں سے ایک عظیم نبی مبعوث کریں گے سارے قبائل اس کی اطاعت گذاری کریں گے اس سے مراد بعثت نبویؐ ہے۔ جس نے ان کی پیروی کی اللہ اسکے گناہ بخش دے گا اسکو جنت میں داخل کریگا اور اسے دوہرا اجر دے گا۔

اس کی تصدیق کلام پاک میں یوں فرمائی۔

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ هُمۡ بِهٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾[4]

﴿ اُولٰٓئِکَ یُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَهُمۡ مَّرَّتَیۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا ﴾[5]

یعنی وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے کتاب عطا کی وہ اس کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں یہاں تک کہ ان کو دوہرے اجور دے جائیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔

"علی بن عیسیٰ نے کہا کہ اس کی تصدیق یہ آیت کرتی ہے۔

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱۵۳/۱
2. البقرۃ۲:۴۰
3. المائدہ۵:۱۲
4. القصص۲۸:۵۲
5. القصص۲۸:۵۴

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ﴾[1]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت (کے اجر سے) دو حصے دے گا''۔

پھر حدیث میں جن لوگوں کے دوہرے اجر مذکور ہیں ان میں وہ کتابی ہے جو پہلے حوت عیسیٰ پر ایمان لایا۔ رازی نے اس جگہ نبی علیہ السلام کی بات انبیاء کے بشارات ذکر کیے ہیں بعض بشارات فتح البیان میں بھی مذکور ہیں ابو العالیہ نے کہا ان کا یہ عہد تھا کہ دین اسلام کی عبادت بجالاؤ۔ آخر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

یہ بھی ممکن ہے کہ ان آیات سے جو عہد مراد ہیں وہ سب عہد ہی مراد ہوں۔[2]

اسی طرح نواب صاحب، ہماری شریعت کے مخالف بعض اسرائیلی روایات کا ذکر کرتے ہیں اور عقلی ونقلی دلائل سے ان کا رد بھی کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اٰیَةَ مُلْکِهٖۤ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِکَةُ﴾[3]

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

''سکینہ نے معنی وقار و جلالت کے ہیں حضرت قتادہ کا یہی قول ہے ربیع نے کہا مراد رحمت ہے۔ حضرت عطاء نے کہا مراد اللہ کی وہ آیات ہیں جن کے ذریعے دل کو سکون حاصل ہو۔ کسی نے کہا سکینہ ایک تھال ہے جس میں پیغمبروں کے دل دھوئے جاتے تھے اللہ نے وہ تھال جو حضرت موسیٰ کو دیا انہوں نے تورات کی تختیاں اس میں رکھی تھیں۔ حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا وہ ایک روح ہفافہ ہے اس کا منہ انسان کی طرح ہوتا ہے۔ دوسری روایت کے مطابق وہ ایک متحرک ہوا تھی جس کے دو سرے تھے۔ حضرت مجاہد نے کہا اس کے دو بازو اور ایک دم ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا وہ ایک بلی کے سر کی طرح تھا جب وہ اندر سے بلی کی سی آواز نکالتا تو فتح ہو جاتی۔ دوسرا مؤقف یہ ہے کہ وہ اللہ کی روح تھی جب ان میں کسی بات کا اختلاف ہوتا تو وہ حق فیصلہ بتا دیتی تھی۔ ابن عطیہ نے کہا صحیح یہ ہے کہ اس میں آثار انبیاء کی کچھ چیزیں تھیں جس کو دیکھ کر دل مطمئن ہوتے تھے اور نفس قوی و ثابت ہوتے تھے۔ امام شوکانی نے فتح القدیر میں مذکورہ اقوال کے ذکر کے بعد سکینہ کی وضاحت میں یہ فرمایا کہ شاید

---

[1] الحدید ۵۷: ۲۸ [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۱۳-۱۱۵

[3] البقرۃ ۲: ۲۴۸

تفاسیر متناقضہ ان کو یہودیوں کے طریق سے پہنچی ہیں اللہ ان کو غارت کرے کہ انہوں نے یہ باتیں دین کو کھیل بنانے کے لیے ذکر کی ہیں ذرا دیکھو کہ سکینہ کو کبھی حیوان کہا کبھی جمادات پھر کبھی ایک لا یعقل چیز کہا اور سب منقولات بنی اسرائیل کا یہی حال ہے کہ وہ باہم مخالف ہیں اور ایسے امور پر مشتمل ہیں۔ جو عقل سے باہر ہیں۔

یہ بات کسی طرح درست نہیں ہو سکتی کہ تفاسیر متناقضہ آنحضرت سے مروی ہوں اور نہ یہ کہ کسی قائل کی رائے معلوم ہوتی ہیں ان لوگوں کا مرتبہ اس سے کہیں بلند تھا کہ وہ اس قسم کی تفسیر کی تصریح اپنی تفسیر میں کرتے اور ایسی بات کرتے جس میں اجتہاد کو بھی دخل نہ ہے۔ [1]

﴿وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ [2]

اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو معبود مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے۔

اس کا مکمل قصہ سورہ طٰہ اور اعراف میں آئے گا۔ سورہ اعراف میں فرمایا:

﴿وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ [3]

اور ہم نے حضرت موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اس کو دس کے ساتھ مکمل (چالیس) کر دیا۔

کہتے ہیں یہ ایک مہینہ ذی القعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے تھے۔ اور یہ ماجرہ فرعون سے خلاصی کے بعد پیش آیا۔ بے انصاف اس لیے کہا کہ انہوں نے شرک کیا تھا اور شرک سے بڑھ کر بے انصافی اور کون سی ہو گی۔ اور یہ بچھڑے کے پجاری آٹھ ہزار لوگ تھے بلکہ تقریباً سبھی اس میں ملوث ہوئے تھے۔ حضرت ہارون اور بارہ ہزار شخصوں کے سوا۔ اور یہی قول زیادہ عمدہ ہے۔ [4]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [5]

نواب صاحبؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ کریم کا یہ ارشاد کہ اس درخت کے قریب نہ جانا بطور آزمائش و امتحان تھا۔

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۰۴-۲۰۵
2. البقرہ۲:۵۱
3. الاعراف۷:۱۴۲
4. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۰۴-۲۰۵
5. البقرہ۲:۳۵

''ابن عباس نے کہا کہ یہ درخت انگور کا تھا۔''صحابہ کی ایک جماعت وتابعین وتبع تابعین کا یہی قول ہے۔''یہود کا خیال تھا کہ یہ گیہوں کا درخت تھا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس سے بھی ایسا ہی منقول ہوا ہے۔دوسری روایت میں بتایا کہ یہ سنبلہ کا درخت تھا۔ کا یہی قول ہے اور جس درخت کے پاس توبہ کی وہ زیتون کا درخت تھا مگر وہ گیہوں کا دانہ بہت بڑا تھا جیسے گائے کا سر ہو اور وہ مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ابو مالک نے کہا کہ وہ درخت کھجور کا تھا۔مجاہدؒ نے کہا وہ انجیر کا درخت تھا۔کسی نے کہا وہ لوز کا درخت تھا،کسی نے کہا قلم کا درخت تھا،کسی نے کافور کا بتایا۔کسی نے اترج کہا اور بعض نے کہا کہ وہ درخت کی جنس سے تھا۔ ابو العالیہ نے کہا کہ اس درخت کو جو کھاتا تھا اسے حدث کی ضرورت ہوتی جبکہ جنت حدث کا مقام نہ ہے اس لیے آدم کو وہاں سے نکال دیا گیا۔وہب بن منبہ نے کہا یہ ایک شاخ دار درخت تھا،اس پر پھل لگا کرتا تھا۔فرشتے اسے ہمیشہ رہنے کے لئے کھاتے تھے۔اللہ نے آدم علیہ السلام وحوا علیہ السلام کو اس کے قریب جانے سے بھی روک دیا،کھانے کا کیا تذکرہ۔ابن جریر نے فرمایا کہ اللہ نے بعینہ ایک خاص درخت سے ان کو روک دیا تھا،سارے جنت کے درختوں سے ممانعت نہ فرمائی تھی۔

آخر میں نواب صاحب لکھتے ہیں کہ:

ہم نہیں جانتے کہ وہ کونسا درخت ہے کیونکہ حکیم مطلق نے اس درخت کے تعین میں کچھ ذکر نہیں کیا۔نہ سنت صحیحہ میں کوئی تصریح آئی ہے۔کوئی کچھ ذکر کرتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور یہ ایسا علم ہے جس کو جاننے والے کو کچھ نفع نہ ہے اور نہ جاننے والے کو کچھ ضرر نہ ہے۔[1]

اسی طرح نواب صاحب مختلف واقعات بیان کر کے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں۔

﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾[2]

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آدمؑ جنت میں عصر سے مغرب تک رہے۔ حضرت حسن نے کہا دن میں سے ایک ساعت رہے۔جو دنیا کے ایام کے حوالے

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۱۰۶۔۱۰۷

[2] البقرہ۲:۳۶

سے ایک سو تین دن کی مقدار ہے۔ ربیع بن انس نے کہا کہ حضرت آدمؑ جنت
سے نویں یا دسویں ساعت میں نکلے۔ان کے سر پر جنت کے درختوں کا ایک تاج
تھا۔"

سدیؒ نے کہا: جب اللہ نے فرمایا کہ آدمؑ جنت سے نکل جاؤ تو حضرت آدمؑ ہند میں اتر گئے۔انکے ساتھ حجر اسود اور جنت کے کچھ پتے تھے انہوں نے وہ پتے ہندوستان میں پھینک دیے۔اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے۔عصر ہندوستان کی وہی پتے ہیں۔آدمؑ بڑی حسرت وافسوس کیساتھ مٹھی بھر پتے بطور یادگار جنت سے لیتے آئے تھے۔" ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ دہنا نامی جگہ زمین ہند میں اترے حواء جدہ میں اتریں، یہ زمین مکہ و طائف کے درمیان ہے، حضرت حسن بصری نے فرمایا: ابلیس دستمیسان اترا جو زمین بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے اور سانپ اصبہان میں اترا۔

"ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آدمؑ صفا پر اترا اور حواءؑ مروہ پر اتریں، رجاء بن سلمہ نے کہا کہ آدمؑ زانو پر ہاتھ رکھے اور سر جھکائے اترے جبکہ ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف دیکھتا ہوا اترا۔یہ تمام آثار صحابہؓ تھے۔حدیث مرفوع میں کسی معین شہر یا قصبے کی تعیین نہ ہے صرف اتنا مذکور ہے کہ وہ ہند میں اترے تھے۔ثابت یہ ہوا کہ صرف اتنا کافی ہے کہ جہاں اللہ نے چاہا اتار دیا۔اگر جگہ معلوم ہوگی تو کیا فائدہ اگر معلوم نہ ہوئی تو کیا نقصان ہے؟[1]

اسی طرح نواب صاحب کسی واقع کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کے بعد قرآنی آیات واحادیث پیش کرتے ہیں جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ [2]

اس کی تفسیر میں نواب صاحب رقمطراز ہیں:

"ابوموسیٰ نے کہا جب اللہ نے آدمؑ کو زمین پر اتارا تو سب قسم کی صنعت سکھادی
اور جنت سے کچھ پھل بطور زاد راہ ساتھ دے دئے تمہارے یہ پھل اسی سے ہیں
اور وہیں سے آئے ہیں صرف اتنی بات ہے کہ یہ گل سڑ جاتے ہیں لیکن وہ خراب
نہیں ہوتے ہیں۔"ابو ہریرہ مرفوعاً فرماتے ہیں کہ بہتر دن جس پر سورج طلوع
ہوا وہ جمعہ کا دن ہے۔اسی دن آدمؑ پیدا ہوئے اسی دن جنت میں داخل ہوئے
اور اسی دن جنت سے نکالے گئے" رازی نے فرمایا اس آیت مبارکہ میں کئی وجوہ
سے دھمکی ہے۔ایک یہ کہ جو شخص خیال کرے گا کہ آدمؑ کو ذرا سی لغزش پر اتنی
سزا دی کہ جنت سے نکال دیا تو وہ گناہوں سے بچے گا یہاں بنی آدم سے لگا تار
رات دن مسلسل گناہ ہوتے ہیں لیکن کبھی خیال تک نہیں گزرتا اس کا انجام تصور

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۰۸-۱۰۹ [2] البقرہ۲:۳۶

کیجیے کیا ہوگا؟ ان فاسقوں کی تو وہی مثال ہے:

پدرم جنت جاوید بہ گندم بفروفت
ناخلف باشم اگر من بجوئے لغزوشم

'فتح موصلی' نے کہا ہے کہ پہلے ہم جنت کی ایک قوم تھے۔ابلیس ہمیں زمین میں قید کرلایا،اورہمیں رنج وغم کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا جبکہ ہم اس گھر میں نہ پہنچ جائیں جہاں سے نکلے تھے۔سچ ہے مسافرکو جب ہی آرام ملتا ہے جبکہ وہ سفر کی صعوبت چھوڑ کر اپنے وطن ومسکن میں نہ پہنچ جائے۔انسان کے پرانے دشمن دو ہی ہیں ایک ابلیس اور دوسرا سانپ ہے اسی لیے فرمایا کہ یہاں سے نکلو تمہارا ایک، دوسرے کا دشمن ہے۔یعنی ابلیس اور بشر کے درمیان بڑی پرانی دشمنی چلی آتی ہے۔اس آیت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ:

﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾[1]

عدوان ظلم کو کہتے ہیں اور عدو اُس کو کہتے ہیں جو دوست نہ ہو۔

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی
ببین کہ آزکہ جو بدی و باکہ پیوستی

اور سانپوں کی دشمنی کا حال یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں اہل سنن وغیرہ کے نزدیک حکم ہے کہ سانپوں کوقتل کردو، بدلہ لینے سے نہ ڈرو۔قرطبی نے یہ احادیث لکھی ہیں کچھ فتح البیان میں بھی مذکور ہیں سانپ کو تو لوگ اس لیے مارتے ہیں کہ وہ دشمن جان ہے اس کے کاٹنے سے جان جاتی ہے،آدمی مرجاتا ہے مگر وہ شیطان جو دشمنِ ایمان ہے جس کے اثر سے ایمان جاتا رہتا ہے،جس کا زہرسانپ کے زہر سے کئی گنا زیادہ ہے اسے تو شاید سو میں سے دو چار آدمی خالص توحید،صادق عبادت سے مارتے ہوں تو ممکن ہے ورنہ غفلت ہی پائی جاتی ہے۔[2]

مزید برآں اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا﴾[3]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ جب حضرت آدمؑ زمین پر اتارے گئے تو فرشتوں نے کہا اے اللہ تو اس مفسد اور سفاک کو زمین میں بھیجتا ہے۔ہم تیری حمد وتسبیح بیان کرتے ہیں اللہ کریم نے فرمایا کہ جو مجھے معلوم ہے وہ تمہیں معلوم نہ ہے۔کہا ہم بنی آدمؑ سے زیادہ مطیع ہیں۔فرمایا:تم میں سے

---

[1] فاطر۳۵:۶ [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۱۰۹
[3] البقرہ۲:۱۰۲

دو فرشتے آئیں میں انہیں زمین پر بھیجتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ ہاروت وماروت حاضر ہیں۔ انہیں زمین میں بھیج دیا اوران کیلیے زہرہ کو اچھی صورت میں ظاہر کیا انہوں نے اس سے زنا کا ارادہ کیا،اس نے کہا شرک کرو نہ مانے پھر کہا:اس بچے کو قتل کرو،وہ نہ مانے پھر کہا کہ یہ شراب کا پیالہ ہے اس کو پی لو اور نشے کی حالت میں اس زنا بھی کیا اور اس بچے کو قتل بھی کردیا۔جب ہوش میں آئے تو اس عورت نے کہا لو جو کام تم نہ مانتے تھے وہ سب میں نے تم سے کرا لیے ہیں۔ان کو اختیار دیا گیا کہ یا دنیا کا عذاب لے لو یا آخرت کا۔انہوں نے دنیا کا عذاب اختیار کرلیا۔"[1]

"ابن کثیر نے اس سند کے تمام طرق جمع کرکے اس کی سند اور مرفوع ہونے میں کلام کیا،پہلے یہ لکھا تھا:(ذکر الحدیث الوارد فی ذلک ان صح سندہ ورفعہ) اور مختلف طرق ذکر کرکے لکھا کہ:(ھذا الحدیث مرجع الی کعب الاحبار)

پھر اس سلسلے میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال وآثار نقل کیے ہیں:

"حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ زہرہ ایک خوبصورت عورت تھی۔اور اہل فارس سے تھی جس کی وجہ سے ہاروت و ماروت پھنس گئے۔حضرت ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کا قول ہے کہ زہرہ بیدخت کو کہتے ہیں اس کو ایک پارسن عورت کی شکل میں ہاروت وماروت کے پاس بھیجا گیا جس سے وہ آزمائش میں مبتلاء ہو گئے۔ابن کثیر فرماتے ہیں کہ زہرہ کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں نازل کرنے والی بات بہت غریب ہے اس سے تو قصہ زہرہ میں وہ بات قریب الفہم ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ حضرت ادریسؑ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک عورت بڑی خوبصورت تھی جیسے تاروں میں زہرہ ہو یہ دونوں شراب پی کر اس سے آزمائش میں پڑ گئے (فھذا اقرب ماروی فی شان الزھرہ)۔ حضرت قتادہ نے فرمایا وہ،وہ عورت تھی جو اپنے شوہر کا جھگڑا لے کر آئی تھی اور یہ اس کے حسن میں کھو گئے۔اس کا نام عربی میں زہرہ،نبطی زبان میں بیدخت اور فارسی میں اناپید تھا۔وہ اسم اعظم سیکھ کر آسمان کی جانب اڑ گئی اور ستارہ بن گئی حضرت ابن عمرؓ جب پہلے سرخ تارے کو دیکھتے تو لعنت کرتے اور کہتے کہ اسی

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۱۸۶

آنحضرتؐ سے منقول ہو کر نہ آئی ہے اور کلام پاک کا سیاق اجمالی قصے کا اشارہ
کرتا ہے۔ کسی قدر کشادگی سے بیان نہ کیا گیا ہے۔اس لیے اللہ کی مرضی کے
موافق جس قدر اس نے واضح کیا اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔[1]

یہاں پر دوسری فصل مکمل ہوئی ،اب تیسری فصل میں ترجمان القرآن میں نواب صاحب کے فقہی واجتہادی منہج واسلوب کا جائزہ لیا جائے گا۔

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۸۶۔۱۸۷

فصل سوم

ترجمان القرآن بلطائف البیان کا فقہی واجتہادی منہج واسلوب

مبحث اول

آیات احکام کی تفسیر میں نواب صاحب کا منہج واسلوب

نواب صاحب آیات احکام کے بارے میں مؤقف:

آیت کا مختصر مفہوم بیان کرتے ہیں:

نواب صدیق حسن خان نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان میں احکامی امور کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے تمام کتب تفسیر پر بالعموم اور ان کتب پر بالخصوص اعتماد کیا ہے جو احکامی اور فقہی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ مثلاً ''احکام القرآن'' جیسے ابوبکر بصاص (م۳۷۰ھ) نے تصنیف کیا ہے اور ''احکام القرآن'' جسے ابن العربی (م۵۴۳ھ) اور جامع الاحکام جسے القرطبی (م۶۷۱ھ) نے تصنیف کیا ہے، سے استفادہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ نواب صاحبؒ نے فتح القدیر امام شوکانی، ان کی ذاتی تصانیف میں سے ''فتح البیان فی مقاصد القرآن'' اور خصوصاً ''نیل المرام من تفسیر ایات الاحکام'' کو بہت ہی زیادہ ترجیح دی ہے۔

نواب صاحب آیات احکام کی اہمیت اور تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> یہ وہ آیات ہیں جن کی معرفت اس آدمی کے لیے نہایت ضروری ہے، جو احکام شرعیہ کی معرفت میں دلچسپی رکھتا ہو، بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ پانچ سو آیات ہیں مگر یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ وہ دوسو یا اسکے قریب آیات ہیں۔

مزید لکھتے ہیں:

> ......اور میں نے ان میں سے دو قسم کی آیات کو تفصلاً بیان نہیں کیا ایک وہ قسم جس کا مفہوم ومعنی بالکل واضح ہو جائے۔ جیسے
>
> ﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾[1]
>
> کیونکہ اس کی لاعلمی سے بگاڑ کا کوئی خطرہ نہیں ہے سوائے اس آیت کے کہ وہ ایسے مسائل پر مشتمل ہو جو واضح اور بدیہی نہ ہوں بلکہ استدلال سے ثابت ہوں اس لیے میں ان کو ذکر کرونگا۔ کیونکہ وہ قابل استدلال ہیں جیسا کہ وضو اور تیمم کی آیت ہے۔

---

[1] البقرہ۲:۱۱۰

دوسری قسم وہ مسائل ہیں جن سے کسی امر معین پر استدلال کرنے میں اہل اجتہاد نے اختلاف کیا ہے۔ جبکہ اپنے تعین پر ان کی دلالت قطعی یقینی اور واضح بھی نہیں ہے کیونکہ جو شخص اس میں دلا کو نہیں مانتا اس کی معرفت اس پر واجب نہیں ہے۔ اس لیے اس کی معرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے جیسا کہ قول باری تعالی ہے۔

﴿لِتَرْكَبُوهَا وَ زِينَةً﴾ (النحل ۸:۱۶) سے استدلال کرنا کہ گھوڑوں کا گوشت حرام ہے۔ یہ ایسا مقام ہے کہ اس معرفرت اور پہچان اس مجتہد پر واجب ہے جو اس سے استدلال کرنا درست خیال کرتا ہے کیونکہ یہاں حضرت (تعین آیات) کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب بھی کوئی (مجتہد) گمان کرے یا اس کے مخفی معنی میں سے استنباط احکام کو جائز سمجھے (تو حصر ختم ہو جائے گا) اور اس کی پہچان کا کوئی ذریعہ نہیں ہے سوائے عدم ذوق کے اور وہ بھی علماء برہان (معقولین کے ہاں کمزور طریقہ ہے۔)[۱]

ترجمان القرآن بلطائف البیان کے صفحات کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں فقہ، اصول فقہ کی باقاعدہ مباحث تو نہیں بیان کیں لیکن کہیں کہیں اصول بیان کیے بغیر ان اصول کا استعمال کیا ہے۔ اور یہ بات ان کے شایان شان بھی ہے۔ کیونکہ وہ مفسرانہ حیثیت کے ساتھ ساتھ فقیہانہ حیثیت کے بھی مالک ہیں اور انہوں نے احکام اوامر کے ساتھ خوب اعتناء کیا ہے۔ اور مفسر کے لیے لازم کہ وہ فقہ کے قواعد اصول کا عالم ہو کیونکہ یہ علم ہی قرآنی آیات سے استنباط کی راہیں کھولتا ہے۔

نواب صاحب درج ذیل آیات کی تفسیر میں 'میتۃ' کے متعلق لکھتے ہیں:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنزِيرِ﴾ [۲]

''مردار وہ جانور ہے جو بغیر حلال وذبح کیے طبعی موت مرجائے۔ خواہ گلا گھونٹا گیا ہو یا پہاڑ وغیرہ سے گر گیا ہو، یا کسی لاٹھی وغیرہ سے ضرب لگایا گیا ہو۔ یا درندے نے چیر پھاڑ دیا ہو۔ لیکن جمہور کے نزدیک دریا کا مردار بھی حلال ہے۔ جیسے اللہ کریم نے فرمایا:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ﴾ [۳]

کہ تمہارے لیے دریا کا شکار کرنا اور کھانا حلال ہے۔.........

---

۱ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام ۱۲، ۲ البقرہ۲: ۱۷۳

۳ المائدہ ۹۶:۵

آپ نے فرمایا ((ھو الطھور ماء والحل میتة))
''دو مردار مچھلی اور ٹڈی اور دو خون جگر اور کلیجی ہے۔''
ابن عمر کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ ہمارے لیے دوخون او ردو مردار حلال ہیں۔اسی میتۃ پر قیاس کرتے ہوئے چربی کو بھی گوشت کی طرح حرام قرر دیتے ہیں۔
اسی طرح اس کی چربی بھی گوشت کی طرح حرام ہے۔ یہ حکم تغلیباً ہے۔ یا اس لیے کہ گوشت چربی میں شامل ہوتا ہے۔ یا قیاس کے طریقے سے رائے سے حرام ہے۔''[1]

قیاس:

لغت میں قیاس اندازہ کرنے کو کہتے ہیں مثلاً قست الثوب المتر سے مراد یہ ہے کہ آپ نے میٹر کے ذریعے کپڑے کا اندازہ لگایا۔

علماء اصول کے نزدیک قیاس یہ ہے کہ غیر منصوص معاملے کے حکم کو منصوص معاملے کے حکم پر دونوں میں پائی جانے والی مشترک علت کی بنیاد، قیاس کیا جائے اسی کے ذریعے مجتہد کے اجتہادی احکام کو قرآن وسنت کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ قیاس، مذاہب اربعہ کے علماء میں سے جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ اگرچہ اصول فقہ میں قیاس کے مرتبہ کے بارے میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے،اس کے تفصیلی دلائل کتب اصول فقہ میں موجود ہیں۔

نواب صاحب بھی علماء اصول کی طرح قیاس کو قرآن وسنت کے بعد مانتے ہیں اور اس پر جابجا عمل بھی کرتے ہیں۔لیکن ایسا قیاس جو قرآن وسنت سے متصادم ہو اسکے متعلق فرماتے ہیں۔

﴿وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ......﴾[2]
''یہ بھی معلوم ہوا کہ اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر ادنی چیز مانگنا حماقت وجہالت کی دلیل ہے۔ ایسی تبدیل کا تقاضا کرنا بھی انجام کار کا نقصان لاتا ہے۔ کتاب وسنت چیز محض ہے۔ رائے اور قیاس ادنیٰ ہیں جو لوگ اس کو چھوڑ کر تقلید وقیاس کی باتوں کو لیتے ہیں وہ چیز کو چھوڑ کر ادنی چیزوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ یہ لوگ گھٹیا اور خیر سے خالی ہیں۔''[3]

نواب صاحبؒ یہاں اسی قیاس کی مخالفت کر رہے ہیں جو قرآن وسنت سے متصادم ہو۔ کیونکہ ایک جگہ نواب صاحب نص قرآنی کے خلاف قیاس کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۳۹
[2] البقرہ۲:۶۱
[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۱۳۰

(ایسے لوگوں کی دلیل جو حج کے احرام کو سارا سال باندھنا جائز سمجھتے ہیں ان کے متعلق فرماتے ہیں):

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حج ونسک میں سے ایک نسک ہے۔ اس لیے عمرے کی طرح اس کا احرام بھی سارے سال میں باندھا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے محض ایک قیاس ہے اور جو قیاس نص قرآنی سے مخالف ہو وہ قیاس باطل ہوگا۔[۱]

ورنہ ان کی اس تفسیر میں قیاس کی جابجا مثالیں موجود ہیں

مثال نمبرا:

﴿وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ......﴾[۲]

اس آیت کی تفسیر میں قیاس واستنباط کے ذریعے مسئلہ کی مختلف نوعیتیں واضح کرتے ہوئے نواب صاحب "تحریر فرماتے ہیں:

یہ آیت ساری امت کو شامل ہے۔ اور سب مال اس میں داخل ہے۔ مگر جس پر کوئی شرعی دلیل ہو، کہ فلاں مال لینا درست ہے۔ اس وقت اسی مال کو لینا حق ہوگا۔ باطل نہ ہوگا۔ اور وہ حلال ہوگا۔ گو صاحب مال ناخوش ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے قرض دلوانا وغیرہ جبکہ قرض دار نہ دے یا زکوۃ لینا جس کو اللہ کریم سے فرض کیا یا جس کسی کا نفقہ شرع میں واجب ہے۔ حاصل یہ ٹھہرا کہ جس مال کا مالک سے لینا شرع نے مباح نہیں کیا وہ باطل طریقے سے کھانے میں شامل ہے۔ گو یہ مال دینے والے کا دل خوش بھی ہو۔ جیسے کاہن یا قیمت شراب یا رشوت یا جھوٹی گواہی یا امانت میں خیانت یا ظلم وغضب یا رہزنی وچوری اور غارت گری سے مال لے کر کھانا۔ حاکم وہ مال میں حکم دے یا خرچ میں جبکہ وہ حکم کسی جھوٹی گواہی یا جھوٹی قسم کی بنیاد پر ہوگا تو اس مال کا کھانا کسی طرح درست نہ ہوگا۔ اکل بالباطل ہی ہے۔ اسی طرح جبکہ حاکم نے رشوت لے کر فیصلہ کردیا تو وہ رشوت بھی باطل کا مال ہوگا۔[۳]

اس عبارت میں نواب صاحبؒ نے اکل بالباطل پر قیاس کرتے ہوئے درج ذیل مال کرحرام قراردیا ہے۔

۱۔ قیمت شراب ۲۔ رشوت ۳۔ جھوٹی گواہی

۴۔ خیانت ۵۔ رہزنی اور چوری اور غارت گری سے لیا ہوا مال

مثال نمبر۲:

﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾[۴]

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ا/۱۰۰؛ البقرہ۲: ۱۹۷ ۲۔ البقرہ۲: ۱۸۸

۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ا/۷۷ ۴۔ البقرہ۲: ۲۳۰

کی تفسیر میں مسئلہ حلالہ کو بیان کرتے ہوئے احادیث سے قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

غرضیکہ یہ بات ثابت ہوئی کہ فقط خلوت کافی نہ ہوگی بلکہ صحبت لازمی ہے۔ زوج ثانی سے یہ مقصود ہے یہ ہے وہ عورت میں راغب ہو، اور ہمیشہ ساتھ رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔ کیونکہ تزویج میں یہی چیز مشروع ہے۔ امام مالکؒ نے یہ بھی شرط رکھی ہے کہ جماع سے مباح ہو محرم نہ ہو یا وہ صائمہ یا معتکفہ یا حائضہ یا نفاس میں نہ ہو۔ یا زوج ثانی، صائمہ، معتکفہ یا محرم نہ ہو۔ ان صورتوں کی موجودگی میں وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اس کا دوسرا خاوند ذمی ہے تو اس کے نکاح کرنے سے وہ زوج اول مسلم کے لیے حلال نہ ہوگی کیونکہ امام مالکؒ کے نزدیک کفار کے نکاح باطل نہیں۔''[۱]

اس عبارت میں نواب صاحب نے امام مالکؒ کے قیاس کو نقل کیا ہے اور نہ ہی ذمی زوج ثانی کے نکاح کو پہلے مشورہ کے لیے حلال کرنے والا نکاح نہیں مانتے اور نہ ہی محض خلوت کو ہی کافی سمجھا گیا ہے بلکہ صحبت لازمی ہے۔

اجماع کا ذکر کرتے ہیں:

نواب صاحبؒ سورۃ البقرہ کی ۱۸۴ آیت کی تفسیر میں روزوں کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے سفر طاعت میں روزہ افطار کرنے پر اجماع نقل کرتے ہیں اور سفر مباح میں اختلاف اور آخر میں درست موقف کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب لکھتے ہیں:

''جمہور کہتے ہیں کہ وہ سفر جس میں رزہ افطار کرنے کا جواز ہے وہ اتنی مسافت ہے جس تک نماز قصر ہوتی ہے۔ قدر مسافت میں اختلاف معروف ہے اور بعض نے کچھ مقدار مسافت بیان کی ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہے، حق یہ ہے کہ جس قدر مسافت پر سفر کا لفظ بولا جاسکتا ہے۔ اس سفر میں رزہ افطار کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جس تکلیف کو بیماری کہا جاسکتا ہے اس میں بھی افطار کرنا جائز ہے۔ سفر طاعت میں روزے افطار پر اجماع ہے۔ اور سفر مباح میں اختلاف ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ اس میں بھی افطار کی رخصت ہے۔ [۲]

اختلاف آئمہ کو نقل کرتے ہیں:

نواب صاحب آیات احکام کی تفسیر میں جا بجا آئمہ کے اختلاف کو نقل کرتے ہیں۔ تاکہ قاری کو تمام آئمہ کی آراء کا علم ہو سکے۔ اس کی کئی مثالیں آیات احکام کی تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

﴿وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾[۳]

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶۹/۱

۲۔ ایضاً، ۶۰/۱ ۳۔ البقرہ۲: ۱۱۵

اس کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

امام شافعیؒ نے عام سفر میں بغرض جہاد کیے گئے ہیں سفر میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ سب میں نفل نماز سواری پر پڑھی۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ مگر مالک و مالکیہ اس کے خلاف کہتے ہیں۔ابو یوسف اورابوسعید اصطخری نے یہ اختیار کیا ہے کہ سواری پر نماز نفل نماز صرف شہر میں ہوگی۔ بحالت سفر طویل میں نہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ طبریؒ نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت ایک ایسی قوم کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہیں قبلے کا علم نہ تھا۔ ہرایک نے کسی نہ کسی سمت منہ کرکے نماز پڑھ لی۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے آگاہ کردیا کہ تمہاری نماز قبول ہوگئی۔ جو تم نے قبلہ کو تلاش کرنے کے بعد ادا کی۔گویا کہ قبلہ کی طرف ہوئی...... رہی یہ بات کہ جونماز قبلے کی طرف نہیں پڑھی اس کی قضا نہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔''[1]

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ [2]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب سعی کے متعلق اختلاف آئمہ کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں امام مالکؒ، امام احمدؒ اور شافعیؒ کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ صفا و مروہ حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ کسی نے کہا واجب ہے رکن نہیں۔ اور اگر یہ عمداً یا سہواً ترک ہوگیا تو دم (کفارہ) دینا پڑے گا۔ ایک روایت میں امام احمدؒ کا یہی قول ہے۔ ایک جماعت بھی اسی طرف گئی ہے۔ابوحنیفہؒ،ثوریؒ، شعبیؒ اور ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ [3]

آگے چل کر نواب صاحب سعی کو واجب لکھتے ہیں اور وہ اس حدیث میں استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی حدیث کے الفاظ ہیں

((اسعوا كان الله كتب عليكم السعى))

کہ سعی کرنا واجب ہے یہ اس بات بڑی دلیل واضح ہے۔ امام شوکانیؒ بھی اسی طرف گئے ہیں۔[4]

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ [5]

اس آیت کی تفسیر میں'' قروء'' کے متعلق اختلاف آئمہ اور اس کے دلائل کو یوں نقل کرے ہیں۔

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۰۸/۱ [2] البقرہ۲: ۱۵۸
[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۱/۱ [4] ایضا، ۲۱/۱
[5] البقرہ۲: ۲۲۸

لفظ قراء میں سلف وخلف آئمہ کا اختلاف ہے کہ کیا اس میں سے حیض مراد ہے یا طہر۔ مالکؒ نے فقط حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ اس سے طہر مراد ہے۔ پھر ابوبکر بن عبدالرحمٰنؓ سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا میں نے اسے فقہاء میں سے کسی کو نہیں پایا مگر وہ کہتا تھا کہ قروء سے مراد اطہار ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ صحابہؓ وتابعینؒ کی کثیر جماعت بھی اسی طرف گئی ہے۔ فقہاء سبعہ شافعیؒ اور داؤد کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور امام احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ انکی دلیل ہے کہ اللہ کریم نے فرمایا ﴿فطلقوهن لعدتهن﴾ اس جگہ عدت سے طہر مراد ہے اور وہ طہر جس میں طلاق ہوئی جب وہ بھی شمار ہوگا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ان تین قروء میں سے ایک قرء ہے۔ جن کے متعلق حکم ہے اس لیے ان لوگوں نے کہا جب تیسرا حیض شروع ہوا تو عدت تمام ہوگئی۔ بیوی شوہر سے الگ ہوگئی۔ کم از وہ مدت جس پر تمام عدت کا لفظ صادق آئے وہ بتیس ۳۲ دن اور دو لحظے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قروء سے حیض مراد ہے اسی صورت میں جب تک تین حیض سے فارغ نہ ہو تو تب تک عدت مکمل نہ ہوگی۔ کسی نے یہ بھی زیادہ کہا کہ حتی کہ وہ نہا بھی لے۔ اس عدت کی کم تر مدت تینتیس دن ایک لحظہ ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت نے آکر کہا کہ میرے شوہر نے مجھے ایک یا دو طلاق دے کر جدا کر دیا تھا۔ پھر میرے پاس آیا اور میں نے دروازہ بند کرلیا اور نہانے کے لیے کپڑے اتارے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے ابن مسعودؓ سے کہا میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بیوی ہے۔ جب تک کہ اس کے لیے نماز پڑھنا درست نہ ہو۔ انہوں نے کہا میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ خلفاء اربعہ اور صحابہؓ تابعینؒ کی ایک جماعت سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور امام احمدؒ کی صحیح روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اکابر صحابہ کرامؓ ہی کہتے تھے کہ قروء حیض ہے۔......

حضرت فاطمہ بن جحش کی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ آنحضرتؐ نے اس سے کہا تھا۔

((دع الصلوة ايام اقراء ك))

یعنی زمانہ حیض میں نماز نہ پڑھ۔

پس اگر یہ روایت درجہ صحت کو پہنچ جائے تو اس بات پر واضح دلیل ہے کہ قروء سے حیض مراد ہے۔[1]

نواب صاحبؒ کی مندرجہ بالا عبارت میں انہوں نے حیض کے متعلق دونوں آراء اور اختلاف آئمہ اور ان کے دلائل نقل کردئے ہیں۔ اور آخر میں فاطمہ بنت جحشؓ کی حدیث کی بنا پر احناف کی تائید کی ہے۔ اور قروء سے مراد حیض لیا ہے۔

اختلافی مسائل میں راہ اعتدال

فقہی احکام میں بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں امت کا مکمل اتفاق ہو۔ اکثر مسائل میں آئمہ کی مختلف آراء ہیں۔ لیکن کچھ مسائل تو اتنے شدید اختلافی ہیں کہ ان میں مسلک اعتدال اختیار کرنا ہی اسی کے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ ان مسائل میں دلائل دونوں طرف موجود ہیں۔ نواب صاحب بھی ایسے اختلافی میں تطبیق دینے کی راہ اعتدال اختیار کی ہے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مسئلہ آمین بالجہر:

فقہاء میں یہ مسئلہ کہ نماز میں فاتحہ کے بعد آمین بالجہر کہنا کیسا ہے؟ بڑا اختلافی رہا ہے۔ اس مسئلہ میں نواب صاحب نے محدثین کے موقف کو بھی واضح کیا ہے۔ کہ آمین بالجہر ہی کہنی چاہیے۔ لیکن بحث کے آخر میں آئمہ کا اختلاف نقل کر کے مسلک اعتدال بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اگر امام آمین بالجہر بھول جائے تو مقتدی ایک دفعہ امام آمین پکار کر کہے۔ اگر امام پکار کہے تو مقتدی اونچی آواز سے نہ کہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی ہر صورت پکار کر آمین کہے۔ تیسرا قول ہے کہ اگر مسجد چھوٹی ہو تو مقتدی آمین بالجہر کہے۔ لیکن اگر مسجد بڑی ہو تو اونچی آواز سے کہنے آمین کہے۔ تا کہ امام مسجد میں سامعین کی آواز پہنچ جائے یہ تعلیل کچھ نہیں ہے۔ بلکہ آمین بالجہر نہ کہے تا کہ وہ لوگ امام کا پڑھنا سنیں۔ بلکہ آمین بالجہر اور بالسر دونوں طرح ثابت ہے۔ جہر سے کہتے ہیں اس وقت جبکہ بدعت کا زور و شعور ہو تو یہ سنت کا زندہ کرنا ہے۔ لیکن اگر آمین بالجہر سے لڑائی کا خوف و خدشہ ہو تو پھر چپکے سے کہنا مصلحت ہے۔[2]

مندرجہ بالا عبارت سے صاف واضح ہے کہ نواب صاحب اتنے اختلافی مسئلہ کو، کفر یا نماز نہ ہونے کا باعث نہیں بتلاتے۔ بلکہ لڑائی جھگڑا، اگر ممکن ہو ہو تو اسے ختم کرے نے لیے آمین آہستہ کہنا مصلحت کہتے ہیں۔ اس طرح امن دمان کے درس کے ساتھ دوسرے مسالک کے بارے میں نرم رویہ کی بھی ترویج ہوتی ہے۔ نواب صاحب کی یہ روش علماء کے لیے قابل تقلید ہے۔

قروء کے نفی میں مسلک اعتدال:

پیچھے بیان کیا جاچکا ہے کہ امت کے دو بڑے گروپ ہیں۔ کہ ایک قروء کے معنی حیض جبکہ دوسرا طہر بتلاتا ہے۔ اس

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۵۶، ۱۵۷
2. ایضاً، ۱/۴۲

کے علاوہ نواب صاحب ابن جریرؒ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ

''کلام عرب میں قروء کا اصل معنی کسی مروجہ چیز کا نہیں آمدورفت کرنا ہے۔ یہ عبارت اس امر کی مقتضی ہے کہ یہ لفظ ان دونوں کے درمیان ہے۔ اس لیے اصمعی کا قول ہے کہ قروء بمعنی وقت ہے۔ اس اختلاف کونقل کرنے کے بعد مزید اس کا خلاصہ اور تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابوعمر بن العلاؒ نے کہا کہ عرب حیض کوبھی قروء کہتے ہیں اور طہر کوبھی قروء کہتے ہیں۔ اور بیک وقت دونوں کو قروء کہتے ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ عربی لغت اور فقہاء کواس میں کوئی اختلاف نہ ہے کہ قروء سے حیض وطہر مراد ہوتے ہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ اس آیت میں قروء سے کیا مراد ہے۔ سواس میں دوقول ہیں۔ فتح البیان میں دونوں قول نقل کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ اہل کوفہ قروء کوحیض کہتے ہیں۔ اہل حجاز طہر بتاتے ہیں۔ اس میں شک نہ ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے۔ پھر فریقین کے دلائل پر تنقید کرکے یہ کہا جاسکتا ہے یہ کہا جائے کہ انقضائے عدت تین حیض یا تین طہر سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اہل علم کی ایک جماعت نے لفظ کودونوں معانی میں مشترک رکھا جائے۔ (اس صورت میں جمع بین الادلہ ہوجائے گا۔ اور اختلاف ختم ہوجائے گا۔ [1]

نواب صاحب کی مندرجہ بالا عبارت میں اتنے خوبصورت انداز میں دونوں آراء میں تطبیق دے کر اختلاف کوختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جوکہ ہرعالم اور محقق کے لیے نمونہ تقلید ہے۔

جنابت کی حالت میں روزہ رکھنا:

نواب صاحب مندرجہ ذیل آیت

﴿وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ [2]

کی تشریح میں جنابت کی حالت میں سحری کھانے کے متعلق اختلاف کونقل کرتے ہیں۔ جس میں وہ مختلف احادیث مبارکہ کوذکر کرکے تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض نے اس کو یوں تطبیق دی ہے کہ اگر سونے کی وجہ سے غسل نہ کرسکا حتی کہ فجر ہوگئی تو کچھ حرج نہ ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث اس پر دلیل ہے لیکن اگر جان بوجھ کر ایسا کیا توروزہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے۔ عروہؒ، طاؤسؒ اور حسن بصریؒ کا یہی قول ہے بعض نے کہا کہ اگر روزہ فرض ہے تواس کومکمل بھی کرلے اور اس کی قضا بھی کرلے اور اگر نفلی ہے تو کچھ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۵۷/۱؛ البقرہ آیت ۲۲۹

[2] البقرہ۲: ۱۸۷

حرج نہیں...... بعض نے کہا حدیث ابو ہریرہؓ کو کمال پر محمول کرنا ہوگا۔ پھر ام سلمہؓ وعائشہؓ کی حدیث کو جواز پر دلیل ہے سے روزہ ہوگا۔ ابن کثیر نے فرمایا یہ مؤقف اقرب ہے۔[1]

بسم اللہ کو نماز میں سرا یا جہراً پڑھنا

نواب صاحب سورۃ الفاتحہ کی تفسیر اسی مسئلہ کے تمام پہلوؤں اس کی روایات آئمہ کے اختلافات نقل کر کے آخر میں اختلافات کو ختم کرتے ہوئے مسلک اعتدال کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''اگرچہ ترک بسم اللہ کی روایتیں صحیح تر ہیں لیکن اس کو پڑھنا زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ طریق وتخریج سے مروی ہے۔ اس سے اس کا اختیار کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ خصوصاً اسی صورت میں جبکہ ترک بسم اللہ کی تاویل بھی ممکن ہے۔ یعنی تاویل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بسم اللہ ذاتاً بھی ثابت ہے یعنی اس کلام پاک ہونا ثابت ہے۔ اور صفاتاً بھی ثابت ہے یعنی جس صورت میں نازل ہوئی ہے اس میں اس کو جہراً پڑھنا چاہیے۔

مندرجہ بالا عبارت سے نواب صاحب کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ

۱۔ تمام روایات کو سامنے رکھ کر مسئلہ کو بیان کرتے ہیں ۔

۲۔ فقہ الحدیث نواب کا خاص موضوع ہے۔

۳۔ اختلافی مسائل میں تطبیق کے ذریعے راہ اعتدال نکالتے ہیں۔

۴۔ اختلاف کو ختم کر کے اتفاق کا درس دیتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ سمیت سب سورتوں کی ایک آیت ہے۔ اور اس کو سرا اور جہراً کا وہی حکم ہے جو سورۃ فاتحہ کا۔ جب وہ جہراً پڑھتے تو بسم اللہ بلند آواز سے پڑھے جب آہستہ پڑھے تو اسے بھی آہستہ پڑھے، اس ترکیب وتطبیق سے تمام روایات جمع ہوجاتی ہیں اور خلاف کی بجائے اتفاق کی راہ ملتی ہے۔[2]

نواب صاحب نے مندرجہ ذیل عبارت میں شریعت کے اس اصول پر عمل کیا ہے۔ کہ

﴿لَآ اِكْـرَاهَ فِـى الدِّيْنِ﴾ (البقرہ۲:۲۵۶) اس اصول پر عمل کرتے ہوئے آسان راستہ بتلاتے ہیں۔ جس سے دونوں حدیثوں پر عمل بھی ہوسکتا ہے۔ اور امت محمدیہ کے لیے بھی آسانی ہے۔ خدا جدید علماء کو بھی اسی سوچ کو اپنانے کی توفیق بخشے۔

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۳۰۷

[2] ایضاً، ۱/۳۲

راجح مسلک کی نشاندہی

نواب صاحبؒ احکامی آیات کی تفسیر وتوضیح میں آئمہ کے اختلاف واقوال کو نقل کرکے راجح مسلک جو احادیث مبارکہ، نظم قرآن یا صحابہ کرامؓ کی رائے کے مطابق ہو اسے ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً

نظم قرآن سے ترجیح

﴿وَ ابۡتَغُوۡا مَا کَتَبَ اللّٰهُ﴾[1]

کی تفسیر میں نواب صاحب چھ اقوال نقل کرتے ہیں۔ اور پھر فرماتے ہیں۔

کہ ''مگر نظم قرآن کے موافق کوئی معنی بھی مفید نہ ہے نہ ان پر کوئی دلیل ہی ہے۔ ابن جریرؒ نے ان سب امور میں آیت سے مطلوب کو تمام رکھنا مناسب سمجھا ہے۔''[2]

حدیث سے ترجیح

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الۡمَرۡوَۃَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾[3]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب اس حدیث سے سعی کو واجب قرار دیتے ہیں جس میں آپؐ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔((اسعو فان الله کتب علیکم السعی))[4]

صحابی کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّی﴾[5]

اس آیت کی تفسیر میں مقام ابراہیم کی مراد بتاتے ہوئے چار مختلف اقوال نقل کرتے ہیں پھر حضرت عمرؓ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں جس میں مقام ابراہیم سے مراد ابراہیمؑ کے ٹھہرنے کی جگہ بتائی گئی ہے۔[6]

مختلف اقوال میں جمع وتطبیق

اس آیت کی تفسیر میں جواب صاحب ابن کثیر کی عبارت کو نقل کرتے ہوئے مختلف اقوال کو بیان کرکے ان میں جمع وتطبیق اور راجح مسلک کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔

''اس آیت میں تیسرے مقام پر زمین کے تمام اطراف سے مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔ اور اس تکرار کی حکمت میں مختلف اقوال ہیں۔ کسی نے کہا تاکید کے لیے ہے کیونکہ اسلام میں سب سے پہلا نسخ کا حکم قبلہ میں ہوا۔ کسی نے تقسیم یوں کی ہے پہلا حکم اس کے لیے جو کعبہ کو دیکھ رہا ہو۔

---

[1] البقرہ۲:۱۸۷ — [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۰۷

[3] البقرہ۲:۱۵۸ — [4] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۱

[5] البقرہ۲:۱۲۵ — [6] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۲۹

دوسرا حکم اس کے لیے جو مکہ میں موجود ہو لیکن کعبہ سے غائب ہے۔تیسرا حکم اس کے لیے جو باقی شہروں میں رہتا ہے۔ رازی نے اسی کو مناسب کہا ہے ۔ کہ یہ توجیہہ قابل التفات ہے ۔جبکہ راجح یہ ہے کہ پہلا حکم اسی کے لیے جو مکہ میں ہو اور دوسرا حکم باقی علاقوں اور سمتوں میں رہنے والوں کے لیے اور تیسرا حکم مسافر کو ہے۔[1]

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۱/۱

مبحث دوم

نواب صدیق حسن خانؒ کی اجتہادی بصیرت

اجتہاد کی تفسیر علماء اصول یہ کرتے ہیں کہ شریعت کے فروعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے کھینچے کا مقدور بھر کوشش کرنا۔ان تفصیلی دلائل کا ماخذ چار چیزیں ہیں۔ کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماع اور قیاس۔

اجتہاد کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مجتہد جن مسائل میں اجتہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ان مسائل کے بارے میں قرآن وسنت میں جو کچھ ہے اس سے پوری طرح واقف ہو۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ کن مسائل میں اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ قیاس صحیح کی کیا شرائط ہیں۔ نیز اسے یہ بھی معلوم ہو کہ کن اصول اور مقدمات کو جوڑ کر اور ترتیب دے کر اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔ عربی زبان میں کامل دسترس رکھتا ہو۔ قرآن میں ناسخ ومنسوخ کا بھی علم ہو اور راویوں کے حالات سے بھی باخبر ہو البتہ اجتہاد میں علم مقاصد شریعت اور اصول فقہ کا علم ہونا از حد ضروری ہے۔

آمدی نے تو مجتہد کے لیے سب سے پہلی شرط یہ بتلائی ہے کہ اللہ پر، رسول پر، اور یوم آخرت پر پختہ یقین رکھتا ہو۔[1]

امام بغوی (ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی، م۵۱۶ھ) کی رائے میں تو مجتہد وہ ہے جو پانچ علوم کا جامع وماہر ہو۔

۱۔ کتاب اللہ ۲۔ سنت رسول اللہ ۳۔ علماء سلف کی آراء

۴۔ قیاس ۵۔ عربی زبان

اجتہاد کی مندرجہ بالا تعریف وشرائط کو سامنے رکھا جائے تو نواب صاحبؒ ایک مجتہد کی شان میں نظر آتے ہیں۔

مثلاً قرآن مجید کی تفسیر میں **فتح البیان فی مقاصد القرآن** اور **نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام** جیسی کتب موجود ہیں۔ علم حدیث میں تو **السراج الوھاج فی شرح مختصر صحیح مسلم ابن الحجاج** جیسی مسلم کی شرح اور **عون الباری لحلا دلۃ البخاری** جیسی کتب سمیت علم وحدیث پر انکی ۱۶ کتب ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ علم حدیث کے ماہر ومحقق عالم تھے۔

آمدی کی شرط کے مطابق نواب صاحب صحیح العقیدہ سلفی المسلک اور محدثین کے پروکار ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے **الانتقاد الرجیع لشرح الاعتقاد الصحیح** اور **الدین الخالص** سمیت عقیدہ کی وضاحت میں کل دس کتب تحریر فرمائیں۔

فقہ اور اصول فقہ میں نواب صاحبؒ ماہر تھے۔ انہوں نے **الاقلید لادلۃ الاجتہاد والتقلید**، **الروضۃ الندیہ فی شرح الدرر البھیۃ** اور **حصول المامول من علم الاصول** سمیت نو کتب تحریر فرمائیں۔ عربی زبان ولغت کے ماہر ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اسی موضوع پر **الانشاء العربی** سمیت زبان وادب عربی پر آٹھ کتب تحریر فرمائیں۔ (ان تمام کتب کا مختصر تعارف پیچھے گزر چکا ہے) یاد رہے کہ مندرجہ بالا تمام کتب عربی زبان میں ہیں۔

---

[1] الاحکام، ۴/۱۶۲

ورنہ اردو لغت اور فارسی میں ان کی تالیفات تو تفسیر، حدیث، عقیدہ، فقہ لغت وادب پر بہت زیادہ ہیں۔
ان تمام شرائط کے پیش نظر نواب صاحب کے متعلق یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ نواب صاحب ایک مجتہد اور اعلیٰ پائے کے عالم دین تھے۔

سر دست ہمارے موضوع میں ان کی اردو تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان ہے۔ اس کی روشنی میں ذیل میں نواب صاحب کی اجتہادی بصیرت کو ذیل میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

آیات احکام میں تو فقہی مسائل کا استنباط واستخراج ہی کرتے ہیں جس کا ذکر آگے انشاء اللہ آرہا ہے وہ قرآن کے واقعات میں سے بھی کئی ایک احکام کا استنباط واستخراج کر کے اپنے جید مجتہد ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ واقع ذبح بقر (البقرہ۲: ۶۸۔۷۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

اس آیت سے کئی ایک احکام اخذ ہو سکتے ہیں۔

۱۔ حکم دینے والا حکم کے عموم میں داخل نہ ہوتا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ اس عموم میں داخل نہ تھے۔ اس قول کی دلیل یہ لفظ ہے۔ ﴿فَذَبَحُوْهَا﴾
۲۔ دوسرا یہ کہ گائے میں ذبح سنت ہے
۳۔ تیسرا یہ کہ کسی حکم کا اجمالی تذکرہ بھی آسکتا ہے۔ کہ اس کے بیان ووضاحت کی تاخیر ممکن ہے۔
۴۔ چوتھا یہ کہ مذاق کرنے والے کو جاہل کہہ سکتے ہیں۔
۵۔ پانچواں یہ کہ انشاء اللہ کہنے سے معاملات میں استثناء آجاتا ہے۔
۶۔ چھٹا یہ کہ حکم دینا مشیت کو لازم نہ کرتا ہے۔
۷۔ ساتواں یہ کہ حکم کرنا فوراً بجالانے کے لیے ہوتا ہے۔ اس قول سے ﴿وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾
۸۔ آٹھواں یہ کہ حیوان میں سلم جائز ہے۔[۱]

نواب صاحب کی بیان کردہ اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل کا استنباط واستخراج کرنا ان کی تحقیق کا لازمہ ہے ترجمان القرآن کے حوالے سے نواب صاحب کی اجتہادی بصیرت کو چند درج ذیل مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن میں:

۱۔ قرآن پاک سے براہ راست استنباط واستخراج کرتے ہیں۔
۲۔ تفسیری احادیث/اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔
۳۔ عقلی استدلال سے معانی کا مقرر کرتے ہیں۔
۴۔ عقلی استدلال سے تطبیق وترجیح دیتے ہیں۔

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۵۳

۵۔ قرآن کے عموم کو حدیث سے خاص کرتے ہیں۔

۶۔ صحابہؓ کے سکوت کو بمنزلہ اجماع سمجھتے ہیں۔

۷۔ ایسے قیاس کا رد جو نص قرآنی سے ٹکرا جائے۔

۸۔ قاضی کو تمام پر ترجیح

ذیل میں انہی نکات کی روشنی میں نواب صاحب کی اجتہادی بصیرت کو ترجمان القرآن کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ نواب صدیق حسن خان ایک عظیم محدث اور مجتہد تھے، انکی اجتہادی بصیرت کی وضاحت کے لیے درج ذیل نکات ملاحظہ ہوں۔

نواب صاحب آیت سے مسائل کا استنباط واستخراج براہ راست کرتے ہیں۔

مٹی کی حرمت:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾[1]

اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے ایک اصول اور ایک حکم کا استنباط کرتے ہیں۔

اصول

ہر چیز میں اصل اباحت (جواز) ہی ہے الا یہ کہ کوئی خاص دلیل اسکو اس کی اصل سے پھیر دے۔ اس میں حیوانات بھی داخل ہیں۔

حکم

مٹی پر حرمت کا حکم لگاتے ہوئے وہ یوں استدلال کرتے ہیں کہ

''اس آیت سے یہ بھی پتہ چلا کہ مٹی کھانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مافی الارض کو نافع بنایا، نفس ارض کو نہیں۔''[2]

مردار کی چربی کی حرمت

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ......﴾[3]

اس آیت کے لفظ ''المیتة'' اور '' لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ'' سے استدلال کرتے ہوتے مردار کی چربی پر یوں حرمت کا حکم لگاتے ہیں۔

۱۔ البقرہ۲:۲۹ ۲۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹۱/۱

۳۔ البقرہ۲:۱۷۳

اسی طرح اس کی چربی بھی گوشت کی طرح حرام ہے۔ یہ حکم تغلیباً ہے یا اس لیے کہ گوشت چربی میں شامل ہوتا ہے۔ یا قیاس کے طریقے سے رائے سے حرام ہے۔[۱]

یتیموں کے مال کی بیع ومضاربت کا اولیاء سے جواز

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ﴾[۲]

اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے یتیموں کے احوال میں ان کے اولیاء بیع ومضاربت کے جواز کا حکم لگائے ہوئے لکھتے ہیں:

اس آیت میں اس آیت پر دلیل ہے کہ اولیاء کو یتیموں کے مال میں بیع ومضاربت کرنا جائز ہے۔[۳]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ......﴾[۴]

اس آیت کے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

اگر مرد یا عورت نے شرک کیا تو ان کا نکاح ٹوٹ گیا۔"[۵]

وطی فی الدبر کی حرمت

اسی طرح

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ......﴾[۶]

وطی فی الدبر کی حرمت کے اقوال کی تائید ورد کرتے ہوئے، "حرث" سے براہ راست استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ

لفظ حرث سے یہ فائدہ ہوا کہ صرف فرج میں اباحت واقع ہوئی جو قبل سے خاص ہے اس لیے کہ پیداوار کی جگہ یہی ہے......اس لیے وطی فی الدبر حرام ہے۔[۷]

ایلاء صرف بیویوں کے ساتھ خاص ہوتا ہے

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ......﴾[۸]

نواب صاحب اس آیت کریمہ سے استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایلاء بیویوں کے ساتھ خاص ہے، لونڈیوں کے ساتھ نہ ہے کیونکہ نساء کا لفظ بولا گیا ہے۔[۹]

گویا نواب صاحب نے اپنے اجتہاد کے ذریعے لفظ نساء سے ایلا کو بیویوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۳۹
۲ البقرہ۲:۲۲۰
۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۴۳۸
۴ البقرہ۲:۲۲۱
۵ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۳۹
۶ البقرہ۲:۲۲۳
۷ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۳۹
۸ البقرہ۲:۲۲۶
۹ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۵۲

مجلس واحدہ میں دو طلاقیں معتبر نہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ [۱]

ایک ہی مجلس میں دو طلاقوں کے وقوع کے خلاف ''مرتان'' سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''مرتان'' سے یہ معلوم ہوا کہ طلاق مرة بعد مرة ہونی چاہیے۔ ایک ہی دفعہ دو طلاقیں معتبر نہ ہیں۔ [۲]

حرکات سے نماز ٹوٹ جاتی ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [۳]

اس آیت کریمہ سے استدلال کر کے نماز میں کسی بھی حرکت سے نماز ٹوٹ جانے کا حکم لگاتے ہیں جس سے دیکھنے والے کو یہ تاثر ملے کہ نماز کے علاوہ بندہ کھڑا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اور جو فرمایا کہ عاجزی سے کھڑے رہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس حرکت سے یہ محسوس ہو کہ آدمی غیر نماز میں ہے اسی حرکت کے ارتکاب سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ [۴]

تفسیری احادیث/اقوال سے استدلال کرتے ہیں

میلے پر ذبح کیا حرام ہے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

﴿وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ [۵]

کی تفسیر میں نواب صاحب، امام قرطبیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ یہ عجمی لوگ جو میلوں پر اونٹ ذبح کرتے ہیں پھر اس میں سے مسلمانوں کو بطور ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ فرمایا جو اس دن کے لیے ذبح کیا گیا ہو اس کو نہ کھاؤ لیکن اس کے درختوں پر لگا پھل کھالو حضرت عائشہؓ کی اس رائے سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''مطلب یہ ٹھہرا کہ جو کسی تھان یا بت پر یا اسلام کے طریقہ سے خلاف کسی جلسے، میلے پر ذبح کیا گیا ہو اس کا کھانا کھانا نہ صرف ناجائز ہے بلکہ حرام ہے۔'' [۶]

۱	البقرہ۲:۲۲۹	۲	ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۶۱
۳	البقرہ۲:۲۳۸	۴	ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۸۹
۵	البقرہ۲:۱۷۳	۶	ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۳۹

آپ کا اجتہاد بمنزلہ وحی ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

﴿وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ......﴾[۱]

کی تفسیر میں ابن عباسؓ کی مرفوع روایت کا ذکر کیا ہے جس میں آپؐ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ یہ وہ شہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق کے دن سے حرام کیا سو اللہ کی حرمت سے یہ قیامت تک حرام ہے یہاں مجھ سے پہلے کسی شخص کے لیے قتال حلال نہ ہوا۔ اور مجھے بھی صرف ایک ساعت قتال کی اجازت دی گئی ہے۔ اب وہ قیامت تک حرام ہے نہ یہاں کانٹا کاٹا جائے، نہ شکار بھگایا جائے، نہ اس کی گری پڑی چیز اٹھائی جائے مگر اس کے لیے اٹھانا جائز ہے جو اس کا اعلان کرانا چاہیے۔ نہ اس کی گھاس اکھیڑی جائے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا: اے اللہ کے پیغمبرؐ! مگر اذخر گھاس کہ وہ لہاروں کے گھروں میں استعمال ہوتی ہے۔ فرمایا مگر اذخر۔ نواب صاحب یہ حدیث لکھنے کے بعد اپنے استدلال سے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے نبیؐ کے متعلق اجتہاد کا درست ہونا ثابت ہوا کہ انکا اجتہاد بھی وحی کے حکم میں تھا۔[۲]

مجوس بھی اہل کتاب کے حکم میں ہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾[۳]

کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اہل کتاب کی عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور ابن عباسؓ کا بھی استدلال اس آیت کریمہ سے ہے۔

اسی طرح اللہ کے اس فرمان

﴿وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾[۴]

کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا مذکورہ بالا قول لکھ کر نواب صاحب فرماتے ہیں کہ "مجوس بھی اہل کتاب کے حکم میں ہے اس لیے ان کی عورتیں بھی اس استثناء میں داخل ہونگی۔"[۵]

عقلی استدلال سے معانی مقرر کرتے ہیں

اسی طرح اللہ کے اس فرمان:

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾[۶]

تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ابراہیمؑ کی دعا کہ خدایا اس گھر میں کو امن وسلامتی والا بنا۔ یہاں بلد سے مراد مکہ، مکہ ہی نہیں بلکہ "بقعۃ" مراد ہے یعنی اس اللہ اس خطے کو امن والا بنا۔ یہاں یہی معنی مناسب ہے کیونکہ دعا بیت اللہ بنانے سے پہلے

---

۱. البقرہ۲:۱۸۵ ۲. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۶۳
۳. البقرہ۲:۲۲۱ ۴. المائدہ۵:۵
۵. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۷ ۶. البقرہ۲:۱۲۶

کی تھی۔[۱]

الغرض نواب صاحب اپنے اجتہاد وروایت سے معانی مقرر کرتے ہیں۔ جس سے انکی اجتہادی بصیرت اور معتبرانہ شان عیاں ہوتی ہے۔

عقلی استدلال سے تطبیق وترجیح

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں ہی وہ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ پھر مختلف اقوال کا ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ

''میں کہتا ہوں کہ سرے سے ایسی بات میں غور وبحث ہی بے فائدہ ہے۔ اس لیے کہ فضائل حرمین شریفین علیحدہ علیحدہ مذکوہ ہیں۔ جو جس کی فضیلت ہے وہ اپنی جگہ ثابت وساکن ہے۔ ایک کی دوسرے پر تفصیل میں کوئی مرفوع حدیث مروی نہ ہے۔ جس پر اعتماد کیا جائے۔ مکہ میں اگر اللہ تعالیٰ کا گھر ہے تو مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے۔ سب سے بڑی ذات اللہ کی ہے پھر اسکے رسول کا مقام ہے۔[۲]

اس عبارت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب پہلے تو اس مسئلے کو زیر بحث لانا ہی اچھا نہیں سمجھتے اور اسی بحث کو بے فائدہ قرار دیتے ہیں۔ اور آخر میں اپنی رائے کو اشارتاً بیان کرتے ہیں کہ ''مکہ مدینہ سے افضل ہے۔'' کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ سب سے بڑی ذات اللہ کی ہے پھر اس کے رسول کا مقام ہے بڑی ذات کا گھر بھی بڑا ہوگا کیونکہ اشارتاً نواب صاحب نے تطبیق بھی دی ہے جبکہ درایتاً ترجیح بھی دی ہے۔

قرآن کے عموم کو حدیث سے خاص کرتے ہیں

مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ......﴾ [۳]

نواب صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مسلمان کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ بخاری شریف میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے مرفوعاً آیا ہے کہ ((لایقتل مسلم بکافر))، اب اس حدیث کے خلاف کوئی تاویل قابل قبول نہ ہوگی۔

مزید لکھتے ہیں کہ

سورۃ مائدہ کی آیت ﴿وَ کَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ (المائدہ۵:۴۵) عام ہے گویا کہ وہ عام ہے مگر صحیح حدیث سے عام کی تخصیص ہوسکتی ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ بلاشک ایک حدیث کو بے معنی چھوڑ دیا جائے۔[۴]

گویا نواب صاحب اپنی اجتہادی بصیرت سے اپنی تفسیر میں اس اصول کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں کہ قرآن کے عموم کو حدیث صحیح سے خاص کیا جاسکتا ہے۔

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۳۶ [۲] ایضاً، ۱/۲۳۶

[۳] البقرہ۲:۱۷۸ [۴] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۴۹

صحابہ کو سکوت بمنزلہ اجماع ہے

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں نواب صاحب ایک شخص کے عوض ایک جماعت کو قتل کرنے کے جواز کے لیے دلیل دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سات اشخاص نے ایک لڑکی کو قتل کیا (انکو قصاص میں قتل کیا گیا) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر پورے صنعاء والے بھی اس قتل کی واردات میں ملوث ہوتے تو میں سب کو قتل کروادیتا۔

''ان کے زمانے میں کسی صحابی نے ان سے مخالفت نہ کی۔ گویا یہ حکم بمنزلہ اجماع ہے۔''

گویا نواب صاحب نے اپنی اجتہادی بصیرت سے ایک فقہی اصول کا استخراج کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا سکوت بمنزلہ اجماع ہے جو کہ قرآن وسنت کے بعد سب سے بڑا ماخذ شریعت ہے۔[1]

قیاس کے بارے میں نواب صاحب کا موقف یہ ہے کہ قیاس قرآنی سے ٹکرا جائے تو مردود ہوگا۔

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ......﴾ [2]

اس آیت کی تفسیر میں بعض لوگوں کا یہ نظریہ بیان کرتے ہیں کہ حج کا احرام تمام سال باندھا جاسکتا ہے اس نظریہ کی دلیل یہ نقل کرتے ہیں کہ

''حج دونسک میں سے ایک نسک ہے اس لیے عمرے کی طرح اس کا احرام میں سارے سال باندھا جاسکتا ہے۔''

اس دلیل کا رد کرتے ہیں اور ایک اصول بھی بیان کرتے ہیں کہ:

''اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض ایک قیاس ہے اور جو قیاس نص قرآنی سے (ٹکرا جائے) مخالف ہو وہ قیاس باطل ہے۔''[3]

ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں کہ کتاب وسنت چیز محض ہے برائے اور قیاسی ادنیٰ ہیں جو لوگ اس کو چھوڑ کر تقلید وقیاسی باتوں کو لیتے ہیں وہ چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ چیزوں کے پیچھے پڑتے ہیں، یہ لوگ گھٹیا اور خیر سے خالی ہیں۔[4]

خاص کو عام پر ترجیح دیتے ہیں

اسی آیت کی تفسیر میں ان لوگوں کے نظریات کا ذکر کرتے ہیں کہ جس کے خیال میں سارا سال احرام باندھا جاسکتا ہے۔ پھر ان کی دلیل بھی آیت قرآنی سے نقل کرتے ہیں۔

﴿هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ﴾ [5]

اس سے معلوم ہوا کہ سارے چاند مواقیت حج ہیں۔ ان تینوں کو کوئی خصوصیت نہ ہے اس دلیل کا جواب دیتے ہیں اور اصول کا استخراج بھی کرتے ہیں کہ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۰۷ — [2] البقرہ۲:۱۹۷

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۰۰ — [4] ایضاً، ۱/۱۲۱

[5] البقرہ۲:۱۸۹

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت ﴿هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ﴾ عام ہے جبکہ آیت باب (الحج اشھر معلومات) خاص ہے اور خاص کو عام پر ترجیح ہوتی ہے۔[1]

نواب صاحب نے یہاں خاص کو عام پر ترجیح دے کر اپنی اجتہادی بصیرت کے گوہر افشاں کیے ہیں۔

الغرض نواب صاحب قرآنی آیات کے مطابق استدلال کر کے مسئلے کی وضاحت اور اصول بیان کرتے ہیں:

مذکورہ اقتباس سے نواب صاحب کی اجتہادی بصیرت عیاں ہوتی ہے کیونکہ

☆ آیت سے براہ راست استدلال کرتے ہیں۔

☆ نسخ کا ذکر کرتے ہیں۔

☆ مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں۔

☆ اصول بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو آسانی مطلوب ہے نہ کہ تنگی۔

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۹۷

مبحث سوم

ترجمان القرآن بلطائف البیان میں سلفی آراء کی ترجمانی

نواب صدیق حسن خان مسلکاً سلفی المشرب تھے۔سلفی مسلک کا مطلب ہے کہ مسلک محدثین کے پیروکار۔یعنی وہ کسی خاص امام کی تقلید واقتداء نہیں کرتے بلکہ جو حکم انہیں حدیث کے صحیح مفہوم کے قریب تر لگتا ہے۔اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ تفسیر ترجمان القرآن بالطائف البیان میں عقائد (جس کا ذکر عقائد کی فصل میں ہے)اور فقہی آراء میں مسلک اہلحدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔فقہی آراء میں آئمہ اربعہ کے ساتھ ساتھ ذی رائے آئمہ کے اقوال بھی بیان کرتے ہیں۔تمام مسالک کا فرداً فرداً یا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں اور سلفی المسلک کو بدلائل ترجیح دیتے ہیں مثلاً

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ۱

کی تفسیر میں جبریہ اور قدریہ کا رد بھی کرتے ہیں اور اہل حدیث اور اہل سنت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس میں جبریہ اور قدریہ دونوں فرقوں کا رد ہے جمع کا صیغہ اس لیے ہے کہ گویا اس جملے کو کہنے والا تمام موحدین لوگوں کی طرف سے خبر دیتا ہے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ وہ جماعت کو تھامے رہے۔جماعت سے اہل سنت مراد ہے اور سنت حدیث کو کہتے ہیں۔'' ۲

اسی طرح ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ۳

کی تفسیر میں مصنف ابن ابی شیبہ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔کہ

''حضرت عوف بن مالکؓ نے مرفوعاً فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا،صحابہ نے عرض کیا کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں،فرمایا،ہاں ہو،لیکن تمہارے بعد ایک قوم آئے گی جو مجھ پر تم جیسا ایمان لائیں گے اور تم جیسی تصدیق کریں گے اور تم جیسی مدد کریں گے کاش میں ان سے ملتا اور ان سے ملاقات کرتا۔''

اس حدیث کو لکھنے کے بعد اس سے مسلک اہل حدیث کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس حدیث کے مکمل مصداق اہل حدیث گروہ ہے۔ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بھائی کہا ہے۔ان کی پہچان بتائی ہے کہ ایمان وتصدیق اور نصرت نبوی میں صحابہؓ کی طرح ہوں گے سو یہ وصف صرف اہل حدیث (محدثین کی جماعت) میں پایا جاتا ہے۔کیونکہ یہ اسی طریقہ پر گامزن ہیں۔جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام قائم تھے۔احیائے سنت سے ہمیشہ دین کی محبت

---

۱ الفاتحہ ۱:۴ ۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۸/۱

۳ البقرہ ۲:۳

کرتے ہیں اور بدعات کے قلع قمع کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدد گار رہتے ہیں۔''[۱]

اسی طرح اس اگلی آیت کی تفسیر میں ﴿وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾[۲]

تو مسلک اہل حدیث کو مکمل طور پر ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس مقام پر نماز سے پانچوں نمازیں مراد ہیں۔حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ محافظت سے مراد وقت ،وضو ،سجود کی محافظت ہے۔کسی نے کہا اقامت سے مراد رکوع وسجود اور خشوع وتلاوت مراد ہیں۔بہرکیف ان تمام اقوال کا ماحاصل یہ ہے کہ اس طرح نماز پڑھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے یا جیسے حدیث مبارکہ میں مذکور ہے فرمایا:

((صلو کما رأیتمو نی اصلی)) [۳]

اس طرح کی نماز میں رفع الیدین ،آمین بالجہر ،سینے پر ہاتھ باندھنا ،جلسہ استراحت کرنا رکوع کے بعد کچھ اعتدال کرنا وغیرہ سب شامل ہیں''[۴]

نواب صاحب سورۃ البقرہ کی آیت ۶۵ کی تفسیر میں پہلے مسند احمد کی ایک حدیث اور پھر فقہاء پر محدثین کی برتری ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں مرفوعا آیا ہے کہ تم وہ کام نہ کرو جو یہود نے کیے تھے۔کہ انھوں نے مختلف حیلے بہانے نکال کر اللہ کی تمام حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا تھا۔''

'جامی نے اپنی نظم میں فقہاء کے حیلوں کا خوب شکوہ کیا ہے اور انہیں حیلہ گر اورشعبدہ باز کہا ہے۔کیونکہ یہ لوگ دنیا کے لالچ کے لیے امراء کی خوشامد کرنے کے لیے ناجائز معاملات کو حیلوں کے ذریعے سے بظاہر جائز بنا لیتے تھے۔ابن قیم نے اعلام الموقعین میں حیلے کے ابطال کا مفصل ذکر کیا ہے۔اللہ کریم نے حدیث وقرآن والوں کو اس حیلو بازی سے ہمیشہ بچایا ہے اور بچائے گا۔[۵]

نواب صاحب مسلک محدثین (اہل سنت و اہل حدیث) کو قرآن اور احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔اور اس فقہاء کی حمایت پر فوقیت دیتے ہیں۔چونکہ وہ خود اس سلفی مسلک کے پیروکار ہیں۔اس لیے ان کی تفسیر میں جابجا ایسے مقامات ہیں جہاں پر وہ اجتہاد وتقلید ہو یا عقائد ،معاملات ہوں یا عبادات سب میں سلفی مسلک کی بھرپور ترجمانی کرتے

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۵۱ ۲۔ البقرہ ۲:۵

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافرین، رقم الحدیث: ۶۳۱

۴۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۵۲ ۵۔ ایضا، ۲/۱۵

ہوئے نظر آتے ہیں۔جس کی چند مثالیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

ترک نماز کفر ہے

سورۃ بقرہ کی آیت ﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيمَانَكُمْ﴾[1]

کی تفسیر میں نواب صاحبؒ اس مسئلہ کے متعلق اپنی رائے حدیث پاک سے اخذ کر کے لکھتے ہیں۔اور اس رائے کو اہل حدیثوں کی رائے کہتے ہیں۔"اللہ کریم نے یہاں ایمان کہہ کر نماز مراد لی ہے اس سے معلوم ہوا جو مسلمان نمازی ہے وہ مومن ہے،لیکن جو دعوے اسلام کے باوجود نماز نہیں پڑھتا یا کبھی کبھی پڑھتا ہے وہ مومن نہیں ہے۔اس لیے صحیح حدیث میں ہے کہ جس نے جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑی وہ کفر کا مرتکب ہوا ہے۔(من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر)

اہل حدیث کے نزدیک یہی قول درست ہے۔نماز کو اس لیے ایمان کہتے ہیں کہ اس میں ایمان کے تینوں بنیادی اصول،نیت قول وعمل جمع ہیں،گویا صفت ایمان ہی نماز ہے"۔[2]

اس عبارت سے نواب صاحب کا سلفی آراء کی ترجمانی کرنا۔اور حدیث کے مطابق رائے کو اہل حدیث کا مسلک قرار دینا۔اسکی ایک مثال ہے۔

فاتحہ خلف الامام

فاتحہ خلف کا مسئلہ اہل حدیث علماء اور احناف میں معرکۃ الاراء اختلافی مسئلہ چلا آرہا ہے۔نواب صاحبؒ چونکہ سلفی المسلک (اہل حدیث) ہیں۔اس لیے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں آئمہ کی آراء کا بھی ذکر کرتے ہیں۔اور اپنے دلائل کے طور پر چند روایات کو بھی مختصرا بیان کرتے ہیں۔

جن سے فاتحہ خلف الامام کے جواز کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا کچھ متعین ہے بلکہ کوئی چیز کسی مقام سے پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔لیکن ان کے سوا باقی تینوں ائمہ اور جمہور کے نزدیک اس سورت کا پڑھنا لازم ہے۔اس کے بغیر نماز قبول نہ ہے۔اس لیے کہ حدیث عبادہ بن صامت میں مرفوعا فرمایا کہ جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوگی کہ حدیث صحیحین:

حضرت ابو ہریرہؓ کا لفظ ہے کہ اس شخص کی نماز کافی نہیں ہے کہ جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کو ابن خزیمہؒ اور ابن حبانؒ نے اپنی اپنی صحاح میں روایت کیا ہے۔[3]

پھر نواب صاحبؒ اسی موقف کو ابن کثیرؒ کے حوالے سے درست بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہی درست مذہب سنت کے موافق ہے،اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مقتدی بھی ضرور فاتحہ پڑھے ورنہ نماز نہ ہوگی اس مسئلہ میں اگرچہ تین اقوال ہیں،لیکن درست قول یہی ہے کہ مقتدی پر بھی سورۃ الفاتحہ کی قراءت واجب ہے اس امر

---

1. البقرہ،۲:۱۴۳ ۔ ۲. ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۲۴۳
3. ایضاً،۲/۳۰

کے دلائل بڑی تعداد میں اور بڑے صاف ستھرے ہیں ۔ جولوگ اس کو واجب قرار نہیں دیتے ان کے دلائل قوی نہ ہیں بلکہ مخفی اور ضعیف ہیں۔"

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب سلفی المسلک ہونے کی بنا پر اپنے مسلک کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں۔لیکن مخالف مسلک یا رائے کے دلائل نقل کیلیے ،اور بغیر انی طرف اشارہ کیے انہیں مخفی اور ضعیف قرار دیتے ہیں اور فاتحہ کے بغیر پڑھی نماز کو درست قرار نہیں دیتے ہیں چنانچہ انکا قول ہے۔

"جو شخص سورہ فاتحہ پڑھنے کی قدرت رکھتا ہو لیکن نہ پڑھے تو اس کی نماز درست نہیں ہوتی "[1]

اسی طرح نواب صاحب ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [2]

کی تفسیر میں فاتحہ خلف الامام کو ثابت کرتے ہوئے مختلف آراء کو نقل کرتے ہیں اور انکا جواب دے کر سلفی رائے کا اثبات کرتے ہیں۔

"نہ تو قراءت حضورؐ کے ساتھ یہ امر خاص ہے۔......رازی نے کہا یہ خطاب کفار کے ساتھ خاص ہے کہ جب حضرتؐ معرض احتجاج میں ان پر قرآن پڑھیں اور اسکو اپنے صدق نبوت پر معجزہ ٹھرائیں تو انصات واجب ہے اس ساری بنیاد پر حجت حضور کیساتھ اس آیت کی ہر طرح سے ساقط ہوجاتی ہے۔پھر کئی وجوہ سے حمل آیت کو اس مدعا پر تقویت بخشی ہے۔پھر کہا ہے کہ اگر ہم اس آیت کو حمل کریں منع ماموم پر قراءات خلف الامام سے تو نظم فاسد،تربیت مختل ہوجائے گی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حمل معنی مذکور پر اولی تر ہے۔اس آیت میں کوئی دلالت حالت نماز پر نہیں ہے۔قاضی نے اشارہ کیا ہے کہ احتجاج انکا اس آیت کے ساتھ ضعیف ہے۔بعض محشین قاضی نے کہا کہ یعنی مردود ہے بحدیث صحیحین۔((لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب)) [3]

اس باب میں اور بھی بہت سی حدیثیں آئی ہیں سب دلیل میں اسی بات پر کہ پڑھنا سورۃ فاتحہ کا ہر رکعت نماز میں متعین ہے۔یہی مذہب مالک شافعی وجمہور علماء کا تابعین ومن بعدہ سے گویا حدیث دال ہے اسیر کہ فاتحہ شروط صحت نماز سے ہے نہ صرف واجبات نماز سے"[4]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۹/۱ [2] الاعراف ۷: ۲۰۴

[3] صحیح بخاری ، کتاب الاذان ،باب وجوب القراءۃ للامام،رقم الحدیث،۷۵۶

[4] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۲۸،۲۲۷/۳

غائبانہ نماز جنازہ

نواب صاحب سورۃ البقرہ کی آیت ۱۱۵ کی تفسیر کرتے ہوئے اس کا شان نزول بیان کرنے کے دوران فرماتے ہیں۔

> یہ آیت نجاشی کے حق میں اتری۔ جب آنحضرتؐ نے نجاشی کی موت کی خبر سنی تو پھر فرمایا نماز جنازہ پڑھنی چاہی۔ تو لوگوں نے کہا کہ وہ تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ آنحضرتؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔[۱]

اس سے غائبانہ نماز جنازہ کا جواز ثابت ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ نماز آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ خاص تھی میں کہتا ہوں کہ خصوصیت پر کوئی لائق اعتبار دلیل ہے۔ جب ایسا نہ ہو ہر غائب پر نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے۔
اور یہی بات زیادہ درست ہے۔[۲]

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب سلفی مسلک کے اثبات کے لیے ضمناً بھی اگر کوئی دلیل انہیں ملتی ہے تو اسکا ذکر کر کے اپنے مسلک کا اثبات کرتے ہیں۔

نکاح بغیر ولی

﴿وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ...... وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[۳]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب نکاح بغیر ولی کے مسئلہ میں اپنے مسلک کی ترجمانی اور اثبات کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''یہ حکم عورت کے ورثاء کو ہے کہ ایسی صورت میں انکی خوشی کو نکاح میں ملحوظ رکھیں اگر چہ اعتباری نظر میں کوئی اور مقام مناسب ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس شخص کے حق میں اتری ہے جس نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں۔ پھر عدت گزرنے پر چاہا کہ دوبارہ اسی سے نکاح کرلے۔ اور وہ عورت بھی اس بات کو پسند کرتی ہو۔ تو عورت کے ولیوں کو یہ چاہیے کہ عورت کو اس سے منع کردیں، مسروق، نخعی زہری اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا ظاہر یہی ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی، ولی کا ہونا لازم ہے۔ ترمذی اور ابن جریر نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرلے تو وہ زانیہ ہے دوسرے اثر میں اس طرح ہے کہ ولی،

---

[۱] البخاری، الجامع، کتاب مناقب الانصار، باب موت النجاشی علم، ۱۳۱۸؛ ابن ماجہ، السنن، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصلوۃ علی النجاشی (۱۵۳۴، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸)

[۲] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱ر۲۰۸ [۳] البقرہ۲:۲۳۲

مرشد اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔[۱]

اس سے آپ آیت نمبر ۲۳۴ نواب صاحب امام ابوحنیفہ کے نظریہ کو بیان کرتے ہیں اور اس کا عقلی رد بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بغیر ولی نکاح جائز ہے۔ کیونکہ فعل کی فاعل کی طرف نسبت کرنا مباشرت پر محمول ہوتا ہے(۱) فاذا بلغن اجلھن الخ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اولیاء کو خطاب ہے۔ اگر بغیر ولی کے نکاح ہوسکتا ہے تو اولیاء کو خطاب نہ ہوتا۔[۲]

اس مثال سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب اپنے سلفی مسلک کی 'ترجمان القرآن بلطائف البیان' میں بھرپور ترجمانی کرتے ہیں۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ......﴾ [۳]

سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''مرتان سے معلوم ہوا کہ طلاق مرۃ بعد مرۃ ہونی چاہیے ایک ہی دفعہ دو طلاقیں معتبر نہ ہیں۔ ایک جماعت مفسرین کی بھی یہی رائے ہے۔''[۴]

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ

'' اس میں اختلاف ہے کہ ایک ہی دفعہ میں دی گئی تین طلاقیں ہوں گی یا ایک جمہور کے مذہب کے مطابق وہ تین ہوں گی جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور انکے شاگرد حافظ ابن قیم اور قاضی محمد بن علی الشوکانی اور محققین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ وہ ایک طلاق ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے کسی مصلحت کے تحت اس کو تین طلاق ٹھہرا دیا تھا ورنہ حضرتؐ اور ابوبکرؓ کے زمانے میں ایسی طلاق ایک ہی شمار ہوتی تھی۔[۵]

نواب صاحب سلفی المسلک ہونے کی بنا پر اپنی رائے ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی پیروی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کے فتوے کے مطابق رکھتے ہیں۔

حلالہ

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ ......﴾[۶]

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۷۳/۱
۲۔ ایضا، ۱۸۱/۱
۳۔ البقرہ ۲:۲۲۹
۴۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۱۶۱/۷
۵۔ ایضا، ۱۶۲/۱
۶۔ البقرہ ۲:۲۳۰

نواب صاحبؒ حلالہ کی حرمت کو ثابت کرتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں فائدہ کے تحت ذکر کرتے ہیں۔

''اگر نکاح تو کرلیا مگر جماع نہ کیا تو بھی پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔ بہت
سے فقہاء میں یہ بات مشہور ہے کہ ابن مسیب کا یہ قول ہے
کہ وہ صرف نکاح ثانی سے زوج اول کے لیے حلال ہوجائے گی۔ اس قول کی صحت میں نظر ہے۔
(اس کے بعد مختلف احادیث جن میں اختلاط وجماع کا ذکر ہے بیان کرتے ہیں)

غرضیکہ بات یہ ثابت ہوئی کہ فقط خلوت کافی نہ ہوگی بلکہ صحبت لازمی ہوگی۔ زوج ثانی سے یہ مقصود ہے کہ وہ عورت میں راغب ہو اور ہمیشہ ساتھ رہنے کی غرض سے نکاح کرے۔ کیونکہ تزویج میں یہی چیز مشروع ہے۔ احمد نسائی نے حضرت عائشہؓ سے مرفوعا روایت کیا ہے۔ **((الاان العسیلة الجماع))**[1]

کہ شہد سے صحبت مراد ہے انزال مراد نہ ہے۔ پھر اگر دوسرے خاوند نے اس نیت سے نکاح کیا کہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہوجائے تو محلل ٹھہرا۔ احادیث میں محلل کی بہت مذمت آئی ہے۔ اس پر لعنت کی گئی ہے۔ اور اگر بوقت نکاح اس امر کی وضاحت کرے گا تو جمہور آئمہ کے نزدیک اسکا نکاح ہی نہ ہوگا۔ باطل ہوگا۔

اس کے بعد لعنت کی احادیث ذکر کرتے ہیں جیسے:

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل له.))[2]

---

1. مسند احمد، باقی المسند الانصار، باب حدیث السیده عائشه، رقم الحدیث: ۲۳۱۹۵
2. سنن ترمذی، کتاب النکاح عن رسول اللہ، باب ماجاء فی المحلل والمحلل له رقم الحدیث: ۱۰۳۸

مبحث چہارم

ائمہ اربعہ کے اقوال و فتاویٰ و اجتہادات سے اخذ و استفادہ

اہل سنت والجماعت کے معدوم فقہی مسالک کو چھوڑ کر چار مکاتب فکر ایسے ہیں جن پر امت مسلمہ کی اکثریت شروع سے اعتماد کرتی آ رہی ہے ان مکاتب ان بانیان امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

ان چاروں آئمہ کے فتاویٰ و اجتہادات امت مسلمہ کی اکثریت میں بڑے مقبول ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ نواب صدیق حسن خان نے نہ صرف آئمہ کرام کی آراء پر اعتماد کیا بلکہ ان کے اقوال و اجتہادات سے بھر پور استفادہ بھی کیا۔

اس سلسلہ میں نواب صاحب نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کو مندرجہ ذیل نکات اور مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔

آئمہ اربعہ کے اقوال کی تائید و مخالفت

نواب صاحب کسی بھی مکتب فکر کی من و عن ترجمانی نہیں کرتے بلکہ ان سب فقہاء کی آراء کو قبول کرتے ہیں جو حدیث نبویؐ کے مطابق ہوں۔ اس طرح وہ تمام آئمہ سے اتفاق بھی کرتے ہیں جبکہ ان کی بات کی تائید حدیث کرتی ہو اور سب سے اختلاف بھی کر سکتے ہیں جبکہ ان کی رائے کے خلاف کوئی صحیح حدیث مذکور ہو۔

نواب صاحب کا تو احادیث کے بارے میں یہ موقف ہے کہ مرفوع حدیث کے مقابلہ میں صحابیؓ کا قول بھی آجائے تو قابل قبول نہ ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾[1]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

''جو آثار صحابہؓ حدیث مرفوع کے خلاف ہوں وہ حجت نہ ہوں گے۔''[2]

ذیل میں آئمہ اربعہ کی آراء کی تائید و مخالفت کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

احناف کی تائید

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

---

[1] البقرہ۲: ۲۳۸ [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان ۱/۱۹۲

شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾[1]

اس آیت کی تفسیر میں، محصر، کی وضاحت کرتے ہوئے احناف کی تائید اس طرح کرتے ہیں:

''حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ محصر وہ شخص ہے جو احرام باندھنے کے بعد کسی مرض یا دشمن کی وجہ سے مکہ نہ جا سکے۔ جبکہ شافعی اور اہل مدینہ کہتے ہیں کہ حصر صرف دشمن سے ہوتا ہے۔ اس مقام پر حنفیہ کا مذہب صریح حدیث کے موافق ہے۔ صحیح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ ضباعہ بنت زبیر کے پاس آئے انہوں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! میں حج کرنا چاہتی ہوں مگر بیمار ہوں، فرمایا تو اس شرط پر حج کرلے کہ میرے لیے حلال ہونے کی جگہ وہی ہے جہاں اللہ مجھے روک دے۔''[2]

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا کہ نواب صاحب ہر اس امام کی رائے قابل قبول سمجھتے ہیں، جس کی تائید حدیث رسولؐ سے ہو رہی ہو۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾[3]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب نے یہ سوال اٹھایا کہ قاتل کو کس چیز سے قصاصاً قتل کیا جائے، پھر اس سلسلہ میں وہ ائمہ کی آراء ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی رائے کی تائید کی ہے۔

''شافعی اور مالک کے نزدیک قاتل کو اسی چیز سے قصاصاً قتل کیا جائے جس سے اس نے مقتول کو قتل کیا۔ ابوحنیفہؒ اور احمدؒ کے نزدیک ایک روایت میں یوں ہے کہ صرف تلوار سے قتل کیا جائے اور چیز سے نہیں یہی مذہب قوی ہے۔''[4]

مذکورہ بالا عبارت میں نواب صاحب امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی رائے کی تائید کرتے ہیں اگرچہ وہ پچھلی مثال کی طرح تائید کے لیے کوئی حدیث نقل نہیں کرتے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کے پیش نظر وہ حدیث ہوگی جس میں آپؐ نے مذبوح کو سکون پہنچانے اور تیز ہتھیار سے ذبح کرنے کا حکم فرمایا جب رسول اللہ عام جانور کے متعلق ایسا حکم دیتے ہیں تو انسان جسے قصاصاً قتل کیا جائے اسے تو بالاولیٰ تلوار کے ساتھ ہی قتل کیا جانا چاہیے تاکہ اس کی جان بھی جلدی سے نکل

---

1. البقرہ۲:۱۹۶
2. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹۳/۲
3. البقرہ۲:۱۷۸
4. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۵۰/۲

جائے۔[۱]

احناف کی تردید

﴿وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ کِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُکَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِکَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَکُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾[۲]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب، نے پہلے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مدت رضاعت دو سال چھ ماہ ہے بعد ازاں قرآن پاک کے الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لفظ حولین کاملین میں ابوحنیفہ اور زفر کے موقف کا رد ہے۔''[۳]

امام زفر کا موقف یہ ہے کہ جب تک دودھ پیتا رہے دودھ پلانا جائز ہے۔ لیکن نواب صاحب نے دونوں آراء کا قرآن سے رد کیا ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب قرآن اور حدیث کو ہر قسم کے قیاس پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ ایسے قیاس کو جو نص قرآنی کے خلاف ہو مردود سمجھتے ہیں۔[۴]

﴿وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِیْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ یَّعْفُوْنَ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾[۵]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب خلوت کو 'مس' کے حکم میں شمار کرنے کے احناف کے موقف کو دیگر تابعین کے اقوال سے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب خلوت ہو چکی تو گویا مس کے حکم میں ہے حقیقت یہ ہے کہ مس کا اعتبار ہوگا صرف خلوت کو مس میں شمار نہ کریں گے گو کہ ہزار پردوں میں ہو۔''[۶]

مذکورہ بالا عبارت میں احناف کے موقف کا رد نواب صاحب نے ابن عباس، طاؤس، ابراہیم اور حسن بصری کے

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۱۷۰ ۲۔ البقرہ ۲:۲۳۳

۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۱۷۶ ۴۔ ایضاً، ۲/۱۰۰

۵۔ البقرہ ۲:۲۳۷ ۶۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۱۸۷

اس موقف سے کیا ہے جس میں ان صحابہ وتابعین کا خیال ہے کہ مس سے جماع مراد ہے۔[۱]

امام مالکؒ کی تائید

اللہ رب العزت کے فرمان:

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾[۲]

کی تفسیر میں نواب صاحب حلالہ کے مسئلے کا تذکرہ کرتے ہوئے امام مالک کی رائے کا ذکر کرتے ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کے بعد فقط خلوت کافی نہ ہوگی بلکہ صحبت لازمی ہوگی۔[۳]

نواب صاحب، امام مالک کی اس رائے کی تائید ان روایات سے کرتے ہیں جو امام احمد، شیخین ،نسائی اور مالک سے مروی ہیں جن میں حضرت عائشہ سے مروی مرفوع روایت کے الفاظ ہیں "الا ان العسیلة الجماع"[۴]

گویا نواب صاحبؒ اس حدیث مبارکہ اور اسی مفہوم کی دیگر احادیث کی وجہ سے امام مالک کی رائے کی تائید فرماتے ہیں۔

امام مالکؒ کی مخالفت

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾[۵]

خلوت دخول کے قائم مقام ہے یا نہیں اور ایسے میں کتنا مہر ملے گا؟ مکمل یا نصف؟ نواب صاحب ایسی صورت میں دو موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اول مذہب جس پر جمہور علماء ،خلفائے اربعہ کوفیین اور امام مالکؒ ہیں وہ یہ ہے کہ اسی کو کامل مہر ملے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی اور دوسرا موقف یہ ہے کہ نصف مہر ملے گا۔ آیت کا ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ مس سے مراد جماع ہے۔''[۶]

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب امام مالکؒ کی قرآن کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے مخالفت کرتے ہیں۔

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۸۳/۱
[۲] البقرہ۲: ۲۳۰
[۳] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶۹/۲
[۴] ایضا، ۱۶۹/۲
[۵] البقرہ۲: ۲۳۷
[۶] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۸۷/۲

﴿لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾[1]

نواب صاحب اس آیت کی تفسیر میں اس مسئلے کا ذکر کرتے ہیں کہ جب ایلاء کی مدت (چار ماہ) گزر جائے اور مرد رجوع نہ کرے تو حاکم، مرد کو دو آپشن دے گا چاہے تو رجوع کرے چاہے تو طلاق دے۔ اگر پھر بھی طلاق نہیں دیتا تو حاکم طلاق دے گا۔ یہ طلاق رجعی ہوگی۔

نواب صاحب اس مسئلے کے متعلق امام مالکؒ کی رائے لکھتے ہوئے اس کا رد کرتے ہیں کہ

''اگر مالکؒ اس رجعت کو ناجائز سمجھتے ہیں حتی کہ اسی عدت کے اندر جماع کرلے ان کا یہ قول سخت ضعیف ہے۔''[2]

اس آیت سے نواب صاحب خود استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آیت اس بات پر دلیل ہے کہ فقط چار ماہ کی مدت گزرنے پر طلاق واقع نہ ہو گی۔ جمہور متاخرین کا یہی قول ہے دوسرے گروہ کا قول یہ ہے کہ ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے۔''[3]

الغرض نواب صاحب ایلاء کی مدت کے اختتام پر ہی، طلاق کے وقوع کے قائل نہیں تاہم اگر طلاق واقع ہو بھی جائے یا حاکم کرہی دے تو بھی رجعی ہوگی بائن نہیں ہوگی جیسا کہ امام مالک کا خیال ہے۔

امام شافعی کی تائید

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ﴾[4]

اس آیت کی تفسیر میں یہ مسئلہ کہ حج کے مہینوں کے علاوہ بھی احرام حج باندھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ میں امام شافعی کی رائے تائید کرتے لکھتے ہیں کہ:

''حج کے مہینوں کے علاوہ احرام حج درست نہیں (اگرچہ مالکؒ، ابو حنیفہؒ، احمدؒ، اسحٰقؒ، نخعیؒ، ثوریؒ اس کے قائل ہیں۔[5]

نواب صاحب درج ذیل احادیث مرفوعہ کی موافقت کی وجہ سے امام شافعیؒ کی تائید کرتے ہیں۔

((لا ینبغی لاحد أن یحرم بالحج الا فی الشهر الحج))[6]

ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ سنت ہے کہ آدمی اشہر حج سے پہلے محرم نہ ہو۔

---

[1] البقرہ۲:۲۲۶ [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۵۴/۱ [3] ایضا، ۱۵۴/۱

[4] البقرہ۲:۱۹۷ [5] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۰۰/۲

[6] تفسیر القرآن العظیم، ۳۸۹/۱

''اور اہل علم کے نزدیک صحابی کا لفظ عن السنہ کہنا مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے
بروایت ابن خزیمہ باسنادہ صحیح اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ گویا نواب صاحب تمام مخالف
وموافق آراء کو نقل کرتے ہیں اور امام شافعیؒ کی رائے کو حدیث کی موافقت کی وجہ
سے قبول کرتے ہیں۔اور ضمناً ابن خزیمہ کی حدیث پر صحت کا حکم بھی لگاتے ہیں
اور مرفوع حدیث کی ایک قسم بھی بیان فرماتے ہیں۔

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾[1]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب مباشرت کے مسائل کو بیان کرتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ''مافوق الازار حلال ہے۔'' امام شافعیؒ کے اس مؤقف کی تائید میں وہ احادیث ذکر کرتے ہیں۔

حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ حیض کی حالت میں آپؐ اپنی بیوی سے مباشرت کا ارادہ فرماتے تو فرماتے کہ ازار پہن لے۔

عبداللہ بن سعد انصاری نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ جب کسی شخص کی بیوی حائضہ ہو تو اس کے ساتھ کیا درست ہے۔فرمایا ((مافوق الازار))[2]

تطبیق

امام شافعیؒ کی رائے کی تائید کرتے ہوئے اس موقف کے مخالف حضرت عائشہؓ سے مروی روایت ہے کہ جب میں حائضہ ہوتی تو چار پائی سے اتر کر چٹائی پر بیٹھتی اور جب تک پاک نہ ہو جاتی آنحضرتؐ کے پاس نہ جاتی۔
نقل کرتے ہیں اور پھر تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث احتیاط پر مبنی ہے۔
گویا نواب صاحب، امام شافعیؒ کی رائے اگر حدیث کے مطابق ہو تو قبول فرماتے ہیں۔

امام شافعیؒ کی مخالفت

اس کی مثالوں کے لیے دیکھئے اس بحث کا عنوان 'امام ابوحنیفہؒ کی تائید) پہلی مثال میں امام شافعی اور اہل مدینہ کی اسی رائے کا رد کرتے ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ حصر صرف دشمن سے ہوتا ہے۔

دوسری مثال میں امام شافعیؒ اور مالکؒ کے اسی قول کی مخالفت کی ہے۔جس میں انہوں نے کہا ہے کہ قاتل کو قصاصاً اسی چیز سے قتل کیا جائے گا جس سے اس نے مقتول کو مارا تھا۔

---

[1] البقرہ۲:۲۲۲

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی المذی، رقم الحدیث:۱۸۲

امام احمد بن حنبلؒ کی تائید

اس کی ایک مثال کے لیے دیکھئے اسی بحث کا عنوان 'امام ابوحنیفہؒ کی تائید میں دوسری مثال۔جس میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی رائے کو قوی کہا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی مخالفت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[1]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب ذکر کرتے ہیں کہ آئمہ اربعہ اور جمہور کے مذہب کے موافق ایک شخص کے عوض ایک جماعت کو بھی قتل کیا جائے گا۔ پھر وہ امام احمد بن حنبلؒ کی ایک اور رائے بھی نقل کرتے ہیں کہ ''ایک شخص کے بدلے ایک جماعت کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ ایک نفس کے بدلے ایک نفس ہی قتل ہوگا۔'' امام احمد کی اسی دوسری رائے کی مخالفت وہ حضرت عمرؓ کی رائے سے کرتے ہیں کہ ''ان کے دور خلافت میں سات اشخاص نے ایک لڑکی کو قتل کیا۔ (ان کو قصاصاً قتل کر دیا گیا) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر پورے صنعاء والے بھی اس قتل کی واردات میں ملوث ہوتے تو میں سب کو قتل کروا دیتا۔ بعد ازاں نواب صاحب لکھتے ہیں ''ان کے زمانے میں کسی صحابی نے اس سے مخالفت نہ کی گو یہ حکم بمنزلہ اجماع ہے۔[2]

آئمہ کی آراء کا دفاع

نواب صدیق حسن خان، ترجمان القرآن میں نہ صرف ائمہ کی آراء کو نقل کرتے ہیں بلکہ کہیں کہیں ان کا دفاع بھی کرتے ہیں اور دفاع کے لیے دو قسم کا انداز اختیار کرتے ہیں۔

دفاع بذریعہ حسن ظن

نواب صاحب ائمہ اربعہ کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں کہ وہ علم رکھنے کے باوجود احادیث کی مخالفت نہیں کر سکتے۔جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ

---

[1] البقرہ۲:۱۷۸ [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۵۱

اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾[۱]

مذکورہ آیت کی تفسیر میں نواب صاحب یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل ہوگا یا نہیں پھر امام ابوحنیفہؒ کی رائے نقل کرتے ہیں کہ ''مسلمان کافر کے عوض قتل کیا جائے گا، کیونکہ سورۃ المائدہ کی آیت عام ہے۔''

نواب صاحب حضرت علیؓ کی مرفوع روایت ''لا یقتل مسلم بکافر'' نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ''غالباً امام صاحب کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی ورنہ وہ ہرگز اس کے خلاف نہ کہتے۔''[۲]

گویا نواب صاحب کا امام ابوحنیفہؒ کے متعلق یہ حسن ظن ہے کہ حدیث کو جانتے ہوئے امام صاحب کبھی اس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴾[۳]

کی تفسیر میں نواب صاحب، امام شافعیؒ کی دو آراء نقل کرتے ہیں کہ صلوۃ وسطی فجر ہے یا عصر پھر امام شافعیؒ کی ان آراء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میں کہتا ہوں کہ جس طرح امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ حدیث کے خلاف میری بات کو تسلیم نہ کرو اسی طرح آئمہ ثلاثہ سے بھی مروی ہے۔ آئمہ مجتہدین کے موقف خصوصی رسالہ جلب المنفعة میں لکھے گئے ہیں۔ اسی بنیاد پر کتاب وسنت کے موافق موقف کے متعلقہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا یہی موقف ہے۔ چونکہ وہ اسی سے پہلے روایات سے عصر کی تائید کر چکے تھے اس لیے ان کے خیال میں امام شافعیؒ کا نماز فجر کے متعلق موقف درست نہیں۔ تاہم وہ اس عبارت میں ائمہ اربعہ پر بھرپور حسن ظن کا اظہار کرتے ہیں۔''[۴]

مذکورہ عبارت میں درج ذیل نکات مستنبط ہوتے ہیں:

- ☆ آئمہ اربعہ کے متعلق متابعت سنت کا حسن ظن
- ☆ حدیث کی بنا پر ائمہ کی آراء کو رد کرنے کی خود ان کے بیان سے دلیل
- ☆ مزید ماخذ ومصادر کی طرف مراجعت کا مشورہ
- ☆ ائمہ اربعہ کی اتباع کے متعلق سلفی رائے کا اظہار

علمی طریقے سے ائمہ کا دفاع

نواب صاحب کا ائمہ کے دفاع کا دوسرا انداز علمی ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

---

۱ البقرہ۲: ۱۷۸ ۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۳۹

۳ البقرہ۲: ۲۳۸ ۴ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۹۳

﴿وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[1]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب یہ مسئلہ اٹھاتے ہیں کہ حاکم کے غلط فیصلہ سے مال کھانا جائز ہو جائے گا یا نہیں۔ نواب صاحب تو ایسے مال کے عدم جواز کے قائل ہیں، کیونکہ احادیث اور صحابہ و تابعین کی آراء اس کی تائید کرتی ہیں۔ جبکہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے کا اس انداز سے تذکرہ کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ سے مروی ہے کہ حاکم کے حکم سے جواز ثابت ہو جاتا ہے۔

پھر امام صاحب کا یہ قول نقل کر کے اس کا دفاع یوں کرتے ہیں "یہ روایت ان سے ثابت نہ ہوگی اگر انہی سے ثابت ہے تو مردود ہے۔"[2]

مذکورہ عبارت میں درج ذیل نکات انتہائی اہم ہیں۔

☆ امام صاحب پر حسن ظن کا اظہار کرتے ہیں کہ ان سے حدیث کے خلاف رائے ثابت نہیں ہوگی۔
☆ علمی طور پر اس قول کے عدم ثبوت کا اظہار
☆ کسی بھی قول کی تائید و مخالفت سے سلفی طریقہ کی ترجمانی

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾[3]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب "اتیان فی الدبر" کی حرمت کے متعلق احادیث و اقوال نقل کر کے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی جواز کی آراء نقل کرتے ہیں اور علمی طور پر ان کا دفاع کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "خطیب بغدادی نے امام مالکؒ سے کئی طریق سے ایسی روایات بیان کی ہیں جو جواز پر دلیل ہیں۔ لیکن اس کی اسانید سخت ضعیف دوامی قسم کی ہیں۔ ہمارے شیخ ذہبی نے اس باب میں ایک جز جمع کیا ہے۔ پھر طحاوی نے ابن عبدالحکم سے روایت کیا کہ اس نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے سنا کہ اس کی تحریم و تحلیل میں کوئی بات درجہ صحت کو نہیں پہنچی قیاس یہ ہے کہ حلال ہو۔ مگر ربیع نے قسم کھا کر کہا باللہ الذی لا الہ الا ھو کہ ابن عبدالحکیم نے امام شافعی پر جھوٹ باندھا ہے انہوں نے تو چھ کتب میں اس کی تحریم کی نص کی ہے۔"[4]

نواب صاحب، مذکورہ عبارت میں امام مالک اور امام شافعیؒ سے منسوب اقوال کو علمی طور پر رد کرتے ہوئے ان

---

1. البقرہ۲:۱۸۸
2. ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۷۷
3. البقرہ۲:۲۲۳
4. ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۱۳۸

سے، ان اقوال کی عدم نسبت کو ثابت کرتے ہیں، اس سلسلہ میں درج ذیل نکات اہم ہیں۔
کئی ماخذ و مصادر کا ذکر کرتے ہیں۔
اسی طرح دیگر ائمہ کے اقوال سے، امام شافعیؒ کی صحیح رائے کا بیان اور ان سے منسوب غلط روایت کو جھوٹ قرار دینا۔

اختلاف آئمہ میں تطبیق

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾[1]

نواب صاحب ﴿وَ مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ﴾ کی تفسیر میں نصاریٰ کے بنام مسیح کے نام پر کیے ہوئے ذبیحہ کے بارے میں مکحول، شعبی اور حسن کی آراء نقل کرتے ہیں، کہ اس کا کھانا جائز ہے جبکہ امام مالکؒ، شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ اس کو حلال نہیں سمجھتے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب انہوں نے ذبح پر مسیح کا نام لے لیا تو وہ ﴿وَ مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ﴾ ہو گیا جب یہ ہوا تو حرام ہو گیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ "جب تم عیسائیوں کو اہلال لغیر اللہ کرتے سنو تو نہ کھاؤ جب نہ سنو تو کھاؤ۔"

نواب صاحب حضرت علیؓ کی تائید کرتے ہوئے مذکورہ دونوں طرح کے اقوال میں یوں تطبیق ذکر کرتے ہیں:

> "اگرچہ لفظ طعام عام ہے مگر آیت اہلال اسی کی تخصیص کرتی ہے معنی یہ ٹھہرے کہ یہود و نصاریٰ کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے جو بھی اللہ کے نام سے پکارا جائے مگر جو حضرت عیسیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (وہ درست نہیں ہوگا)[2]

مذکورہ عبارت اہم ترین نکات یہ ہیں:

- ☆ اختلاف آئمہ کا مع دلائل ذکر کرتے ہیں۔
- ☆ حضرت علیؓ کی تطبیق کو قبول کرتے ہیں۔
- ☆ قرآن کے عموم کو قرآن ہی کی آیت سے خاص کرنے کا اصول ذکر کرتے ہیں۔

بعض آراء کو ترجیح دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ﴾[3]

صفا و مروہ، حج کے ارکان میں سے ہے یا واجب یا مستحب اس سلسلہ میں، نواب صاحب ائمہ کے اختلاف کو ذکر

---

[1] البقرہ۲:۱۷۳ [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۵/۳
[3] البقرہ۲:۱۵۸

کرنے کے بعد ترجیح بھی دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

''حبیبہ بنت ابی ......نے کہا میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ آپؐ صفا ومروہ کا طواف کرتے آپؐ دوڑتے اور صحابہ کو بھی فرماتے تیز دوڑو اللہ نے تم پر دوڑنا لکھا ہے۔ اس حدیث میں امام مالک، احمد اور شافعی کے اسی مسلک کی دلیل ہے کہ صفا ومروہ حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ کسی نے کہا واجب ہے رکن نہیں ہے اگر یہ عمداً وسہوا ترک ہوگیا تو دم (کفارہ) دینا پڑے گا ایک روایت کے مطابق یہ امام احمد کا قول ہے ابوحنیفہ، ثوری، شعبی اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ قرطبی نے اس پر ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ (البقرہ۲:۱۸۴) کہا ہے[1]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۰، ۲۱

فصل چہارم

اعتقادی مسائل اور ترجمان القرآن بلطائف البیان

تفسیر ترجمان القرآن کے مطالعہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ مؤلف نے نہ صرف تشریعی احکام بیان کیے ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر اعتقادی امور کا بھی اہتمام کیا ہے۔ کوئی سورت ایسی نہیں ہے جس میں اجمالاً یا تفصیلاً ان کا ذکر نہ کیا ہو، کیونکہ اسلام کی ساری تشریعی اور قانونی عمارت عقیدہ وایمان پر استوار ہے۔ چنانچہ جس طرح پھل درخت کے ساتھ مربوط ہوتا ہے بالکل اسی طرح انسان کے اعمال بھی عقیدہ وفکر سے مربوط ہیں۔

اوائل اسلام میں عقیدہ وایمان مضبوط وراسخ تھا۔ چنانچہ اس کے آثار اعمال میں نمایاں ہوئے اورامت مسلمہ نے ایسے ثمرات پائے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فکر وعقیدہ کی یہ حالت تادیر باقی نہ رہی نفوس میں عقیدہ کی گرفت ڈھیلی پڑگئی اور ایمان کا تسلط لوگوں کے اعمال وتفرقات پر ایسا نہ رہا جیسا مطلوب تھا عقیدے کی کمزوری ابتداء سے پیدا ہونے والے پے در پے فتنوں کا نتیجہ تھی پھر عقیدے میں عدم رسوخ کی یہ کیفیت دینی مسائل میں فلسفہ کے دخول کا باعث بنی۔ پھر یہ فلسفیانہ دخل اندازیاں امت میں ایسے فرقوں کا باعث بنیں جن میں ہر ایک کا رخ دوسرے سے مختلف تھا اور ہر فرقہ اپنے آپ کو برسر حق گردان کر دوسروں کو باطل کا علمبردار قرار دینے لگا۔ عقیدے کا یہ بگاڑ اپنی شدت میں اس وقت فزوں تر ہوگیا جب مادہ پرستی، حیات انسانی کے مختلف گوشوں میں عقول وقلوب پر چھاتی چلی گئی۔ امت مسلمہ کا دیگر امتوں سے امتزاج واختلاط بھی کسی دوسرے خطرے سے کوئی کم خطرہ نہ تھا۔ استعماری قوتوں نے اس صورت حال میں اپنا کردار ادا کیا مسلمانوں میں فساد، عقیدہ انحراف فکر اور دین سے دوری کی وہ فضا پیدا کی جس کا محرک ان کی اسلام اور مسلم دشمنی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس پالیسی سے سب سے زیادہ برصغیر کے مسلمان متاثر ہوئے اور بہت سے گروہوں میں بٹتے چلے گئے۔ تجربے کی یہ کیفیت ماضی کی طرح آج بھی قائم ہے۔[۱]

ایسی صورت حال میں اس بات کی ضرورت تھی کہ نواب صاحب تفسیر میں اعتقادی مسائل کا اہتمام اور زیادہ شدت اور قوت سے کرتے اور یہی انہوں نے کیا بھی، انہوں نے اعتقادی مسائل میں چند کتب بھی تالیف کی ہیں جن کو میں نے ان کے علمی آثار میں ذکر کیا ہے۔ اس مقام پر صرف ترجمان القرآن کے حوالہ سے ہم یہ عرض کریں گے کہ انہوں نے عقیدہ وایمان سے متعلقہ امور پر بھی قلم اٹھایا۔ چنانچہ عقیدہ توحید شرک اور اس کی مختلف انواع توحید کے منافی اور معارف ہونے والے بعض تصورات مثلاً مسئلہ علم غیب کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اسلام سے منسوب بعض فرقوں کے عقائد میں یہ عقیدہ بھی شامل ہے کہ انبیاء وصالحین امت، عالم الغیب ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ تو کلیات وجزئیات میں ہر چیز کا علم رکھتے ہیں جو کچھ ہو چکا ہو رہا ہے آئندہ ہوگا وہ سب کچھ علم رسول میں داخل ہے۔[۲]

اسی طرح کائنات اور اس کے جملہ امور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست قدرت میں ہیں اور حسب منشا ان

۱۔ باکستان ماضیها وحاضرها، ۵۹

۲۔ البریلویہ، عقائد وتاریخ، ۸۵۔۸۷

امور میں تصرف فرماتے ہیں۔[۱]

علاوہ ازیں غیر اللہ کو نذر و نیاز پیش کرنا ان پر قربانیاں پیش کرنا اور ان کو سجدے کرنا بھی، ان کے عقائد میں شامل ہے۔[۲]

نواب صدیق حسن خانؒ صاحب نے اپنی تفسیر میں ایسے امور کی تردید میں کہیں تفصیل سے اور کہیں اجمال سے کام لیا ہے ہم اختصار کے ساتھ چند ایسے مقامات کو پیش کرتے ہیں۔

توحید

نواب صاحب نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں توحید کی تعریف، اہمیت، وضاحت اور اس کے اثرات اور عقیدہ توحید میں قوت وضعف کے عملی زندگی پر اثرات کا ذکر بھی کیا ہے۔ جسے اجمالاً پیش کیا جاتا ہے سورۃ الاخلاص کی تفسیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ کا لفظ اس بات پر دلیل ہے کہ جمیع صفات ثبوتیہ کمال پر جیسے علم و قدرت و ارادہ اور احد دلیل ہے جمیع صفات جلال پر صفات سلبیہ ہیں جیسے قدم و بقا صمد وہ جس کا قصد حاجات میں کریں۔ اس لیے کہ وہ ان کی قضاء حاجات پر قدرت رکھتا ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ صمد وہ سید ہے جس کے اوپر کوئی سید نہ ہو۔ یا معنی صمد کے دائم باقی ہیں۔ ازل سے ابد تک یا وہ جو کسی کا محتاج نہ ہو اس کے سب محتاج ہوں۔ یا وہ جو غائب میں مقصود اور مصائب میں مستعان یا وہ جو چاہے سو کرے اور اپنے ارادہ کے موافق حکم دے.........وہی استحقاق الوہیت ہے۔ لم یلد کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اس کا بیٹا نہیں جس طرح کہ مریم کا بیٹا تھا لم یولد کے معنی یہ ہیں وہ کسی کا بیٹا نہیں جس طرح کہ عیسیٰؑ وعزیرؑ پیدا ہوئے یہ اس لیے کہ کوئی اس کا ہم جنس نہیں ہے اور نسبت عدم کی سابقاً ولاحقاً طرف اس کے محال ہے۔ قتادہ نے کہا کہ مشرکین عرب کہتے تھے کہ ملائکہ دختران خدا ہیں۔ یہود نے کہا کہ عزیر فرزند خدا ہیں۔ نصاریٰ نے مسیح کو ابن اللہ کہا اس کی تردید ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ سے کی۔ پھر فرمایا کہ اس کے جوڑ کا کوئی نہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ ابن عباسؓ نے کہا کوئی مثل اس کے نہیں۔ الغرض کلام کا حاصل یہ ہے کہ اشراک وتشبیہ وتعطیل کو رفع کرنا۔''[۳]

بلاشبہ عقیدہ توحید کا جاننا سب سے پہلے واجب ہے یہی وہ اساسی مقصد ہے جس کی خاطر انبیاء مبعوث ہوئے اور

۱۔ البریلویہ، عقائد وتاریخ، ۱۹

۲۔ سنت وبدعت، ۷۶۔۷۷

۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶/۳۷۰، ۳۷۱

کتابیں نازل ہوئیں۔ یہی وہ پہلا عقیدہ ہے جو فی الواقع انسان کو انسان بناتا ہے۔ یہی جملہ رسل کا وظیفہ ہے کوئی نبی نہیں آیا مگر اس لیے کہ وہ عقیدہ توحید کی طرف دعوت دے۔ عقیدہ توحید کے معقول حقیقت ہونے پر نواب صاحب سورۃ البقرہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''پہلے لوگ ایک ہی دین پر تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اسلام پر تھے پھر ان میں اختلاف نے راہ پائی یعنی جبکہ اللہ نے آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشت سے نکالا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ جب اولاد آدم کو حضرت آدمؑ پر پیش کیا گیا تو وہ سب (فطرت) دین اسلام پر تھے پھر آدمؑ کے بعد منکر و مختلف ہو گئے جبکہ اسی سے پہلے اپنی عبودیت کا اقرار کر چکے تھے حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اس سے صرف حضرت آدمؑ مراد ہیں اور انہیں اناس اس لیے کہا کہ وہی سب لوگوں کی اصل تھے بعض نے کہا کہ آدم و حوا علیہما السلام مراد ہیں کسی نے کہا کہ حضرت آدم و نوح کے درمیان جو دس صدیاں گزری تھیں ان کے لوگ مراد ہیں...... کسی نے کہا کہ عرب مراد ہیں وہ سب دین ابراہیم پر تھے پھر عمرو بن لحی نے اس کو بدل دیا کسی نے کہا کہ وفات آدم سے حضرت نوح تک یہ لوگ کفر پر تھے، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابو المسعود نے کہا کہ کلام پاک کے نظم کے مطابق پہلا قول ہی درست ہے مگر کوئی صحیح دلیل اسی بات پر نہ کہے کہ وہ کفر پر تھے یا ایمان پر...... بینات سے واضح دلائل مراد ہیں۔ جو نبوت خاتم المرسلین کی رسالت پر دلیل ہیں یا وہ واضح ...... مراد ہیں جو توحید پر دلالت کرتے ہیں۔[1]

سورۃ البقرہ کی ایک اور آیت ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾[2] کی تفسیر میں نواب صاحب توحید کے عقلی دلائل کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''یہ آیت توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس کو تنہا معبود بنانا چاہیے مفسرین نے اس آیت سے وجود صانع عالم پر دلالت کی ہے جسے امام رازی وغیرہ جس طرح یہ آیت وجود صانع پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح یہ آیت توحید ربانی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جو شخص ان سفلیہ و علویہ موجودات اور اختلاف الوان و اشکال اور طبائع پر غور کرے گا کہ ان تمام منافع کو کس عمدگی سے ان کے بہتر مقامات پر رکھا گیا ہے تو وہ ضرور ہی

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۶۲
2. البقرہ۲:۲۱

اس کے ترکیب دینے والی ہستی کی قدرت وحکمت اور عظمت سلطانی کو جان لے گا۔ جس طرح ایک دیہاتی سے کسی نے پوچھا کہ اللہ کی ذات کے معبود پر کیا دلیل ہے اس نے جواب دیا کہ تعجب ہے کہ مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور قدم چلنے پر دلالت کرتے ہیں تو کیا آسمان ستاروں والا، زمین داڑوں والی اور دریا موجوں والے ایک لطیف وخبیر پر دلالت نہیں کرتے۔''[۱]

اسی طرح مزید لکھتے ہیں:

''رازی نے امام سے حکایت کی کہ رشید نے ان سے پوچھا کہ وجود ربانی پر کیا دلیل ہے تو فرمایا کہ زبانوں، رنگوں اور آوازوں کا اختلاف اس بات پر بڑی دلیل ہے۔''[۲]

شرک

اس توحید کا متضاد شرک ہے۔ اور شرک دراصل عقیدہ توحید میں اختلال وفساد کا نام ہے۔ ''مشرک یہ ہے کہ مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور انہیں خصائص اور صفات میں مقدس جانا جائے ایسی صفات میں جو صرف خدا واحد ہی کے لائق ہیں جیسے نفع ونقصان، منع وعطا اور خوف ورجاء ہے جو ایسا کرتا ہے وہ مشرک ہوگا۔[۳]

یہ عقیدہ انسان کو ظاہری معاملات کی وجہ سے بعض اوقات مخلوقات میں خدائی صفات کمال کو ماننے کا کہتا ہے اسی وقت انسان ذلت کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾[۴]

نواب صاحب سورۃ الانعام کی آیت ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الانعام۶:۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''جس نے غیر اللہ سے محبت رکھی اس سے خوف وامید رکھی اس کے لیے خشوع وخضوع کیا جیسے خدا سے محبت خوف امید اور خضوع ہوتا ہے اس نے شرک کیا یہی وہ شرک ہے جسے خدا کبھی معاف نہیں کرے گا۔''[۵]

نواب صاحب شرک کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے تین اسباب بیان کرتے ہیں:

۱۔ آباؤ اجداد کی تقلید

۲۔ خیر وشر کا منبع مختلف خداؤں کو سمجھنا۔

۳۔ اپنے معبودوں کو اللہ کے ہاں سفارشی سمجھنا۔[۶]

نواب صاحب علم غیب کے مسئلہ کے متعلق ﴿وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف القرآن، ۱/۱۴۷ — ۲ ایضا

۳ فتح المجید شرح کتاب التوحید، ۲/۷ — ۴ البقرہ۲:۱۶۵

۵ فتح البیان فی مقاصد القرآن، ۳/۱۲۷ — ۶ ایضا، ۸/۲۲۹

السُّوٓءُ﴾[1] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ تم سب اپنے کام ہمارے سپرد کر دو اور اپنے حال سے لوگوں کو یوں خبر دو کہ میں کسی غیب مستقل کو نہیں جانتا۔ نہ مجھ کو کسی شئی پر غیوب سے کچھ اطلاع ہے۔ کما قال تعالیٰ:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا﴾[2]

مزید لکھتے ہیں:

''اگر میں (محمدؐ غیب جانتا ہوتا تو بہت سا مال جمع کر لیتا ایک ابن عباسؓ کا یہ بھی لفظ ہے اگر وقت خرید کرنے کسی شئی میں جانتا کہ مجھ کو اس میں کیا نفع ہوگا تو میں کوئی شی بیچ نہ کرتا مگر اس میں نفع حاصل کرتا۔ مجھ کو محتاجی نہ لگتی۔ بعض نے کہا کہ اگر میں غیب دان ہوتا تو سال قحط کے لیے سال پیداوار سے اور گرانی کے لیے زمانہ ارزانی سے بندوبست کر لیتا اور شر سے قبل وقوع سے بچا رہتا........ معلوم ہوا کہ انبیاء کو کسی طرح کا علم غیب نہیں ہوتا تو جزئی نہ کلی مگر اتنا ہی جو خانے صاف صاف بتا دیا ہے جیسے اشراط ساعت وغیرہ۔[3]

نواب صاحب ان مغیبات کو جو آپؐ نے صحیح احادیث میں بتلاتی ہیں، معجزات میں سے شمار کرتے ہوئے اسی آیت کی تفسیر میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''رہے وہ مغیبات جن کی خبر حضرتؐ نے صحیح احادیث میں دی ہے سو وہ قبیل معجزات میں سے ہیں نہ باب علم بالمغیبات سے جس نے یہ کہا کہ حضرتؐ نے آیات بطور تواضع و ادب کہی ہے وہ بہت دور گیا بلکہ یہ قول حضرت کا بطریق اعتقاد دلی تھا، کیونکہ علم غیب کے ساتھ اللہ ہی خاص ہے۔ معجزات کے اس عموم سے مختص ہیں۔ لقولہ تعالیٰ

﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾[4]

مخلوقات میں سے کسی کے متعلق ایسا اعتقاد رکھنے والے کے متعلق قرآن پاک کی آیت سے خوبصورت استدلال کرتے ہوئے نواب صاحب اسے مشرک قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''جو کوئی سوا اللہ کے کسی اعلیٰ ادنیٰ مخلوق کے حق میں اعتقاد غیب دانی کا رکھتا ہے وہ بے شبہ مشرک ہے گو کلمہ گو مسلمان ہو۔ اس لیے کہ ایمان کیساتھ کبھی شرک بھی

۱۔ الاعراف ۷: ۱۸۸ ۲۔ الجن ۷۲: ۲۶

۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳/۲۱۲ ۴۔ الجن ۷۲: ۲۷

جمع ہو جاتا ہے جس طرح قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ﴿وَ مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾[۱] بلکہ اسی آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اکثر مومنین مشرک ہوتے ہیں۔ اہل توحید اصحاب ایمان مدعیان اسلام میں بہت کم نکلتے ہیں۔[۲]

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۵۳ کی میں تفسیر شفاعت کا صحیح مفہوم اور شرک فی العبادت کے نقصانات بتاتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں:

''اہل بدعت جن کو یہ گھمنڈ ہے ہم بیرونی بزرگوں کی نذر و نیاز کرتے ہیں کسی کا عرس کسی کی قبر کا طواف بجا لاتے ہیں کسی کے نام کا جانور ذبح کرتے ہیں کسی سے استعانت استغاثہ طلب کرتے ہیں۔ عطا ولد کر کے قبور پر پیشکش لاتے ہیں وہ اولیاء، علماء، مشائخ، صوفیا قیامت کو ہماری شفاعت کر کے ہم کو عذاب دوزخ سے بچا کر بہشت میں لے جائیں گے۔ یہ محض ان کا خیال باطل گمان دروغ وہم باطل ہے بے شبہ۔ سوا نبیاء کے اور یہ صلحاء، شہداء، علماء، عرفاء، اطال ملائکہ شفیع مذنبین ہوں گے، لیکن شفاعت اسی کے واسطے ہوگی جس نے کسی کو اللہ کی عبادت و ربوبیت میں شریک نہیں کیا ہے۔ اگر باوجود اقرار ایمان و اسلام و نماز روزہ حج و زکوٰۃ و جہاد کے وہ عقیدہ یا عمل میں مشرک تھا گو وہ ذرہ برابر شرک کیوں نہ ہو تو اس کی شفاعت ہونا معلوم ہے کہ یہ تو شیطان کا ایک دھوکا ہے۔''[۳]

صفاتِ باری تعالیٰ

نواب صاحب کا صفات باری تعالیٰ کے بارے میں مؤقف بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ان اسلامی فرقوں کا مختصر تعارف دے دیا جائے جن کا اہل سنت کے ساتھ صفات باری تعالیٰ میں نزاع پیدا ہوا ہے۔ ان کی تعداد چار ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

جہمیہ:

یہ لوگ جہم بن صفوان کے متبع ہیں یہ بنو راسب کا مولی تھا اس کی کنیت جبکہ ابو محرز ایضال اور المبتدع کے القاب سے معروف ہوا جعد بن درہم کا شاگرد تھا اور اس کا تعلق خراسان سے تھا مرو کے مقام پر ۱۲۸ھ کو قتل ہوا۔[۴]

جہمیہ کا صفات باری تعالیٰ کے بارے میں یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے متصف کرنا جن کا مخلوق پر اطلاق ممکن ہے جائز نہیں۔ یہ لوگ بہت سی صفات کے انکاری ہوئے۔

---

۱ یوسف ۱۲: ۱۰۶ ۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴/ ۲۱۲

۳ ایضا، ۴/ ۱۶۶ ۴ میزان الاعتدال، ۱/ ۴۲۷

المعتزلہ:

ان کی نسبت واصل بن عطاء کی طرف ہے ان کا یہ نام اس لیے پڑا کہ واصل اپنے استاد حسن بصری کی مجلس سے اس وقت علیحدہ ہو گیا جب ان سے کبیرہ گناہ کے متعلق سوال ہوا تو واصل نے جواب دیا کہ وہ منزلہ بین المنزلتین ہو گا یہ کہہ کر وہ اپنے شیخ کی مجلس سے جدا ہو گیا اس لیے ان کے پیروکاروں کو معتزلہ کہتے ہیں۔ معتزلہ کا صفات باری تعالیٰ کے بارے میں یہ موقف ہے کہ وہ اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں جیسے حیاۃ، علم، ارادہ، قدرت وغیرہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے صفات جیسے قادر، عالم وغیرہ ثابت کی ہیں وہ اس کی کیفیت میں اختلاف کرتے ہیں اس طرح انہوں نے صفات باری تعالیٰ کو 'صفات ذاتیہ' اور صفات خبریہ میں تقسیم کر دیا۔[1]

الفلاسفۃ:

تیسرا گروہ فلاسفرز کا ہے وہ نفی صفات باری تعالیٰ پر متفق ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صفات سے متصف کرنے سے ترکیب (مجموعہ) لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تو واحد ہے مرکب نہیں۔ انہوں نے صفات کو ذات سے جدا سمجھا ہے وہ خدا کو موجود مطلق سمجھتے ہیں۔

الاشاعرہ:

اشاعرہ ذات باری تعالیٰ کے علاوہ سات صفات کے قائل ہیں وہ یہ ہیں حیاۃ، العلم، القدرۃ، الارادۃ، السمع والبصر اور کلام۔ خبری صفات کے متعلق متقدمین جیسے باقلانی اور جوینی نے سلفی مسلک کو اختیار کیا ہے اور صفات خبریہ جیسے استواء اور نزول وغیرہ کو ثابت کیا ہے۔ اور متاخرین اشاعرہ خبری صفات کو ثابت نہیں کرتے اور جو ایسی صفات نصوص میں وارد ہوئی ہیں ان کی تاویل کرتے ہیں۔[2]

صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں نواب صاحب کا ترجمان القرآن میں موقف

چار فرقوں کے تعارف کے بعد، نواب صدیق حسن خان کا موقف بیان کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نواب صاحب نے صفات باری تعالیٰ کو بالکل اسی طرح تاویل، تعطیل اور کیفیت کے بیان کیا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کو ثابت کیا ہے۔ یہی مذہب سلف کا ہے اور یہی درست ہے۔

نواب صاحب قرآن کی اس آیت

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ﴾ [3]

کی تفسیر میں صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ آیت آیات صفات میں سے ہے اسی باب میں علماء کے دو مذاہب ہیں ایک یہ کہ ان کے ظاہر پر محض ایمان لانا اور اس کا عقیدہ رکھنا اور اللہ کریم کو تشبیہ و تمثیل

۱۔ شرح الاصول الخمسہ، ۲۲۶

۲۔ شرح المقاصد، ۱/۶۷

۳۔ البقرہ۲: ۲۱۰

وتحریف وتبدیل وتعطیل سے بالاتر سمجھا۔ سلف امت اور آئمہ ملت اسی طرف گئے ہیں۔ کلبی نے کہا کہ اس کی تفسیر نہیں کی جاتی ہے۔ ابن عیینہ، زہری، اوزاعی، مالک ابن مبارک، لیث، امام احمد اور ابن راہویہ کا یہ قول ہے کہ آیات صفات جس طرح آئی ہیں انہیں بغیر تکییف وتشبیہ وتعطیل وتاویل کے پڑھنا اور جاری کرنا چاہیے۔ علماء سنت اسی عقیدہ کے حامل ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ ہر مقام کی مناسبت سے ایسی تاویل کرنا چاہیے جس سے تنزیہ باری تعالیٰ ثابت ہو جمہور متکلمین واصحاب نظر کا یہی مسلک ہے۔ مثلاً آیت باب میں کہتے ہیں کہ اللہ کے آنے سے مراد اس کی آیات، یا امر یا عذاب کا آنا مراد ہے۔ سو یہ مذہب آئمہ ملت کے مذہب کے خلاف ہے اسکی توضیح رسالہ 'انتقاد رجیح' اور رسالہ 'فتح الباب' میں کی گئی ہے۔ جبکہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (شوریٰ ۴۲:۱۱) بنیادی عقیدہ ثابت ہوا تو اب ظاہر عبارت میں تشبیہ وتمثیل کا لازم آجانا کچھ نقصان دہ نہ ہوگا۔ یہ اجمالی کلمہ تشبیہ وتمثیل کے معالجہ کے لیے کافی ہے۔ نفی میں یہ کلمہ اور اثبات میں، ﴿الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ﴾ (طٰہٰ ۲۰:۵) کہ رحمان عرش پر مستوی ہوا ہے۔[۱]

اسی طرح نواب صاحب صفات الٰہیہ کے بارے میں اپنے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے سورۃ الاخلاص کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اللہ ایک ہے کوئی اس کا نظیر وزیر ہمسر مانند برابری والا نہیں ہے۔ اسی لفظ کا اطلاق کسی پر سوائے اللہ کے نہیں ہوتا، کیونکہ وہی اپنی ساری صفات وافعال میں کامل ہے...... لفظ اللہ دلیل ہے جمیع صفات ثبوتیہ کمال پر جیسے علم وقدرت وارادہ اور احد دلیل ہے جمع صفات جلال پر۔ صفات سلبیہ میں جیسے قدم وبقا...... الغرض کلام کا حاصل اشراک وتشبیہ وتعطیل ہے اور یہ سورت اس کی نفی کرتی ہے۔''[۲]

اب ذیل میں چند صفات الٰہیہ کے بارے میں نواب صاحب کے موقف کو واضح کیا جاتا ہے۔

ا۔ صفۃ الاستواء

نواب صدیق حسن خان اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت استواء کو اسی طرح ثابت کرتے ہیں جیسے کلام پاک اور رسول اللہ کی احادیث میں بیان ہوا ہے اس میں کسی قسم کی کوئی تحریف اور تبدیلی اور نہ ہی تعطیل وکیف، وتمثیل کرتے ہیں کہ جیسے اللہ

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۲۱

۲۔ ایضاً، ۱۶/۳۷۰

تعالیٰ نے اپنے لیے اس صفت کو بیان کیا ہے اسی طرح عقیدہ سلف کی نمائندگی کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾[1]

کی تفسیر میں مسئلہ استواء میں اختلاف کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عقیدہ سلف کی ترجمانی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''مسئلہ استواء علی العرش میں چودہ اقوال ہیں احق اولی بالصواب وہی مذہب سلف صالح کا ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے بلا کیف جس طرح پر کہ لائق اس کے شان عظیم کے ہے۔ ہمراہ منزہ ہونے کے اس چیز سے جو اس پر جائز نہیں ہے۔''[2]

مزید لکھتے ہیں:

> ''استواء لغت عرب میں بمعنی علو و استقرار ہے معتزلہ نے کہا یعنی استلا وظہور ہے ایک جماعت متکلمین کی اسی طرف گئی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا اس جگہ معنی استواء کے علو و ارتفاع کے ہیں۔ شوکانی نے اثبات اجراء صفات علی ظواہر ہا میں کہا من جملہ ان کی ایک صفت استواء پر ایک رسالہ مستقلہ لکھا ہے۔ اس میں تفویض کو مختار تاویل کو غیر مختار ٹھہرایا ہے حتی کہ معیت وقرب وغیرہ کی تاویل سے بھی منع کیا ہے۔ مطلق ظاہر کے ساری صفات پر ایمان لانے کو واجب لکھا ہے۔ بڑی تالیف وتصنیف کمال تحقیق و تدقیق مسئلہ استواء میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ و حافظ ابن قیمؒ ان کے تلمیذ رشید نے کی ہے۔ اثبات علو وفوقیت باری تعالیٰ میں کتب و رسائل مستقلہ لکھی ہیں۔ ایک عجیب طرح کا شغف ان کو ساتھ اثبات صفات الٰہیہ کے تھا۔ حافظ ذہبی نے بھی ایک کتاب العلو دوسری کتاب العرش اس باب میں لکھی ہے آیات واحادیث واردہ کو تتبع کے ساتھ جمع کیا ہے۔ ......حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں استواء کچھ مجہول نہیں ہے کیف معقول نہیں اقرار استواء کا ایمان ہے اور انکار اس کا کفر ہے۔[3]

مالک بن انس سے اسی طرح مروی ہے اتنا زیادہ کیا ہے سوال کرنا استواء کے حال سے بدعت ہے۔ سو قول ام سلمہؓ وقول مالک اقوی اقوال واصح مذاہب ہے۔ سارے سلف ایسے عقیدہ پر گزر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ پوچھنا یا کہنا بدعت ہے۔ نسفی نے کہا تفسیر عرش ہے ''سریر'' یعنی تخت اور تفسیر استواء ہے۔ ''استقرار'' جس طرح مشبہ (تشبیہ دینے والے)

---

[1] الاعراف ۷:۵۴

[2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۶۵/۴

[3] ایضاً ۶۶/۴، ۶۷

کہتے ہیں باطل ہے۔

ان بیچارے مسکین کو یہ نہیں معلوم کہ لغت میں عرش سر پر ہی کو کہتے ہیں اور استواء بمعنی استقرار آتا ہے۔ حبر الامت ترجمان القرآن ابن عباسؓ نے تفسیر عرش واستواء کی یہی کی ہے جس کو تشبیہ ٹھہرانے والے غریب و باطل کہتے ہیں۔

چنانچہ یہ تفسیر ابن عباس بخاری شریف میں موجود ہے۔ اس تفسیر میں ہرگز تشبیہ نہیں۔ تشبیہ تو بیان کیفیت میں ہوتی ہے بلکہ انکار اس تفسیر کا ایک تعطیل، مخالف مقصود تنزیل و مذہب سلف امت و آئمہ ملت کے ہے۔ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اصرار واجراء صفات کے ظواہر پر اس طرح جوں کا توں کرنا چاہیے۔ جس طرح کہ وہ وارد ہیں نہ تکییف ہو نہ تاویل نہ تشبیہ ہو نہ تمثیل نہ جمود ہو نہ تعطیل احادیث میں صفت عرش کی آئی ہے اس کا محیط ہونا سموت و الارض و ما بینهما کو مذکور ہے۔[1]

۲۔ صفة الکلام

نواب صاحب کی رائے ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حقیقی متکلم ہے اور وہ ایسی آواز کے ساتھ کلام کرتا ہے جو سنی بھی جا سکتی ہے اور اس کی کلام اس کی قدرت ومشیت کے تابع ہے اور کلام، اللہ تعالیٰ کی ان قدیم صفات میں سے ہے جو اس کی ذات مقدسہ کے ساتھ قائم ہیں اور وہ اپنی مرضی وقدرت سے گفتگو فرماتا ہے۔ یہی مذہب حق ہے اور اسی پر اہل توحید متفق ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے کلام کے ساتھ متکلم ہوتے ہیں جو سنی جا سکے۔ اسی کا مفہوم سمجھا جا سکے اور اسے لکھا بھی جا سکے۔

نواب صاحب نے صفة الکلام کے بارے میں اپنی رائے، بہت سی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کی ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا......﴾[2]

کی تفسیر میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''فتح البیان کا بیان فاتح اسی جگہ تفسیر آیت باب میں یہ ہے کہ موسیٰ وقت موعود پر آئے۔ اس دن پنج شنبہ (جمعرات) عرفہ کا دن تھا۔ جمعہ کے دن اور وہ نحر کا روز تھا صبح کے وقت موسیٰؑ کو تورات دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام بغیر واسطہ و بلا کیفیت کے ان کو سنایا۔ اپنے کلام اور ان کے درمیان میں کوئی پردہ نہ رکھا۔ موسیٰ نے اس کلام کو سنا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ نے کوئی بات ایجاد کی جس کو موسیٰ نے سنا ہو اس لیے کہ اللہ کا کلام قدیم ہے۔ تفاسیر میں یہ بات نظر نہ آئی کہ موسیٰ نے اس کلام مقدس الٰہی سے کیا سمجھا بوجہ حدیث جابرؓ میں آئی ہے حضرت نے فرمایا جب اللہ نے موسیٰؑ سے دن طور کے بات کی تو وہ بات سوا اس بات کے تھی جو دن

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴/۶۶، ۶۷

[2] الاعراف ۶: ۱۴۸

ندا کے کی تھی۔ موسیٰؑ نے کہا اے رب! کیا یہ تیرا کلام ہے جو تو نے مجھ سے کہا فرمایا: اے موسیٰ! میں نے گفتگو کی ہے۔ تجھ سے دس ہزار زبانوں کی قوت سے مجھ کو ساری زبانوں کی قوت ہے۔ اس سے بھی زیادہ طاقت جب موسیٰؑ بنی اسرائیل کے پاس آئے کہا ہم سے حال کلام رحمٰن کا بیان کرو۔ کہا تم کو طاقت نہیں کیا پھر تم نے آوازیں کڑک کی نہیں سنی۔ أخرجه بزار وابن أبي حاتم وأبو نعيم في الحلية والبيهقي في الاسماء والصفات یہ حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ اللہ پاک کی بات چیت موسیٰ سے دو بدو ہوئی۔ زمخشری کا یہ کہنا کہ ایک کلام منطوق بہ کو بعض اجرام میں پیدا کر دیا تھا جس طرح الواح میں محفوظ پیدا کیا ہے۔''[۱]

اس کے بعد نواب صاحب معتزلہ کا رد اور محدثین کا موقف صحیح بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مذہب معتزلہ فاسد ہے اور کتاب وسنت اس مذہب کا رد کرتے ہیں اسی درخت وجرم کا کیا حوصلہ ہے کہ وہ ﴿اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ﴾ (طٰہٰ۲۰:۱۴) کہنے، سادات حنابلہ اور اہلحدیث کا مذہب یہی ہے کہ اللہ کا کلام با حروف واصوات مقطعہ ہے اور قدیم ہے اور یہی ان کا مذہب حق ہے۔ سنت مطہرہ بھی اسی کے ساتھ ناطق ہے۔ جمہور متکلمین کہتے ہیں کہ کلام الٰہی ایک صفت مغایرہ ہے ان حروف واصوات سے مراد ان کی کلام نفسی ہے، لیکن سنت مطہرہ سے کہیں ہوا تک اس کلام نفسی کی معلوم نہیں ہوتی۔...... ایک جماعت سلف وخلف نے خوض کرنے سے تاویل صفت کلام الٰہی میں خاموشی اختیار کی ہے فقط اتنا کہا ہے کہ اللہ پاک متکلم بکلام قدیم ہے اور اس کا کلام حرف واصوات ہے مگر لائق اس کی ذات رفیع الصوت کے مشابہ کلام مخلوق کے نہیں ہے ﴿لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ، وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی﴾''[۲]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا﴾ [۳]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب رقم طراز ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا موسیٰ سے بات کرنا بطور تشریف کے تھا۔ اسی لیے ان کو کلیم کہتے ہیں۔ بعض معتزلہ نے بعض مشائخ پر یوں پڑھا تھا وکلم اللہ موسیٰ تعلیما انہوں نے کہا اے حرام زادے بھلا تو اسی آیت میں کیا کرے گا ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴/۱۳۵

۲ ایضا، ۴/۱۳۵

۳ النساء ۴:۱۶۴

لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ یعنی اس میں تو احتمال تحریف وتبدیل کا نہیں ہے۔"[۱]

﴿مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ﴾[۲]

کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

"اللہ کریم نے حضرت موسیٰ سے کوہ طور پر بلا واسطہ کلام کیا اور آنحضرتؐ شب معراج میں گفتگو فرمائی حدیث میں ہے کہ آدم نبی متکلم تھے۔"[۳]

صفة العلم

نواب صاحب نے اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا اثبات قرآن پر استدلال کرتے ہوئے کیا ہے مثلاً

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾[۴]

اللہ کے علم میں اسرار و جہر یکساں ہے۔تم اپنی بات پیغمبر کے حق میں چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ (اللہ) سب جانتا ہے۔ سر کو جہر پر اسی لیے مقدم رکھا کہ وہ رسوا ہوں......کوئی راز مخفی اور سر اسی سے پوشیدہ نہیں رہتا۔

نواب صاحب نے اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو واضح کرتے ہوئے ایسے لوگوں کے خیال کا بھی اپنی تصانیف میں رد کیا ہے جن کا یہ خیال ہے کہ اللہ کا علم حادث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس بات کو درست تسلیم کرلیا جائے تو یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ ماضی سے ناواقف تھا۔ اسی طرح اللہ پاک کی ذات میں نقص آئے گا جبکہ اس کی ذات اس سے مبرا ہے۔ علم اللہ کو حادث سمجھنے سے یہ بھی لازم آئے گا اللہ تعالیٰ کا علم بڑھتا بھی ہے اور کبھی کم بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات تو ایسے نقائص سے بہت بلند ہے۔ فرماتے ہیں:

"اللہ کی ذات ایسی عالم ہے کہ اس کی صفت علم ازلی ہے۔ اسی پر معلومات مکمل طور پر منکشف ہوتی ہیں وہ اپنی ذات اور صفات میں ہمیشہ سے عالم ہے اور علم اس کی مخلوقات میں سے نہیں ہے، کیونکہ مخلوقات کو اس ذات نے پیدا فرمایا جبکہ علم اس کی ذات کے ساتھ ہی موجود تھا۔ اس پر ایسا علم منکشف ہوتا ہے جو ہمیشہ کا علم ہے اور نہ ہی اس سے کوئی سابقہ چیز مخفی ہے اور اس کی ذات علم کی زیادتی اور نقصان سے بھی مبرا ہے۔"[۵]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ﴾[۶]

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے ہر چیز سے واقف ہونے میں اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا علم

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۷۹ — ۲ البقرہ۲:۲۵۳

۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۱ — ۴ الملک ۶۷:۱۴

۵ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹/۱۶ — ۶ البقرہ۲:۲۹

ساری مخلوقات پر حاوی ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ﴾ معلوم ہوا کہ خالق کو تمام مخلوقات کا علم ہونا لازم ہے، کیونکہ اس میں کلیات و جزئیات تمام علوم داخل ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ صفت علم تمام صفات کی امام ہے۔[1]

اس موقف کی تائید قرآن کی دیگر آیات مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿قَدۡ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا﴾ [2]

﴿وَ لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ [3]

﴿وَ عِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ [4]

﴿وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا﴾ [5]

صفۃ القدرۃ

نواب صاحب نے صفت قدرت کو مختلف آیات مبارکہ کی تفسیر میں ثابت کیا ہے۔ مثلاً

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ [6]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عام ہے کوئی بھی چیز ہو اور کیسی مشکل کیوں نہ ہو، لیکن وہ ہر چیز کو بنانے پر قادر ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وقت کو حدوث دینے والا اپنی بقا کے ساتھ حدوث کے وقت امکان میں بھی مقدورات میں داخل ہے۔ جبکہ معتزلہ کا خیال ہے کہ استطاعت فعل سے پہلے ہوتی ہے یہ کوئی درست بات نہ ہے۔'' [7]

نواب صاحب اپنی ایک اور تصنیف میں صفت قدرت کی یوں بھی وضاحت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام اشیاء پر نافذ ہونے والی ہے وہ کوئی عاجز نہیں ہے اگر اس خدا کی قدرت کو بعض کاموں میں نافذ ہونے والی نہ کہا جائے جیسا کہ فلاسفہ اور معتزلہ کا خیال ہے تو عجز لازم آئے گا ایسے خیال کا رد کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں نکل سکتی کیونکہ اس سے عجز لازم آتا ہے جو کہ ایک نقص ہے اور وہ ذات ہر نقص سے مبرا

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹۱/۱
2. الطلاق ۶۵:۱۲
3. البقرۃ۲:۲۵۵
4. الانعام۶:۵۹
5. الاحزاب۳۳:۴۰
6. البقرۃ۲:۲۰
7. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۹/۱

ہے بہت سی نصوص قطعیہ صفت قدرت پر دلیل ہیں انہی میں سے ﴿عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت پر یہ آیت مبارکہ میں دلالت کرتی ہے۔

﴿اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ بَلٰی وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ﴾[2]

رویت باری تعالیٰ

عقائد کے ضمن میں رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ اہم ترین ہے کیونکہ ہر حوض اس بات کی امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دیگر نعمتوں کے ساتھ ساتھ اس نعمت سے بھی نوازا جائے۔اور یہی قیامت کے دن سب سے بڑی نعمت ہوگی جو مومنوں کو عطا کی جائے گی۔

نواب صدیق حسن خانؒ مومنوں کے لیے قیامت کے دن رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں، کیونکہ احادیث متواترہ میں اس کا ثبوت ہے اور اسی موقف پر صحابہ وتابعین اور آئمہ امت اور سلف صالحین متفق نظر آتے ہیں۔اسی مسئلہ کو ترجمان القرآن میں واضح کرنے کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

﴿وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ﴾[3]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب جمہور اہل علم کی رائے رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

''جمہور اہل علم کے مطابق مراد اس سے......احادیث صحیحہ متواترہ رویت الٰہی ہے دن قیامت کے جس طرح چاند کو دیکھتے ہیں۔ابن عباس نے کہا کہ اپنے خالق کی طرف نظر کریں گے حدیث انسؓ میں فرمایا ہے کہ نظر کریں گے طرف اپنے رب کے بلا کیف و بلا حد محدود و بلا صفت معلوم رواہ ابن مردویہ۔ادلہ کتاب وسنت و اجماع صحابہ ومن بعدھم سلف امت واثبات رویت پر متظاہر بیس (۲۰) صحابہ کرامؓ کے قریب کا یہ موقف معلوم ہے۔اور تقریباً اتنی ہی مرفوع روایات ہیں اور آیات قرآن اس بارے میں مشہور ہیں اور اعتراضات معتزلہ وخوارج وبعض مرجیہ وغیرہ مبتدع کا جواب کتب عقائد اہل سنت وغیرہ میں تفصیل سے وارد کیا گیا ہے۔ احادیث متواترہ رویت اس قدر ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک مستقل تصنیف بن جائے اور نفی رویت کرنے والوں کے پاس قرآن وسنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔''[4]

---

1. الانتقاد الرجیع فی شرح الاعتقاد الصحیح، ۵
2. یٰسٓ ۸۱:۳۶ — 3. القیامہ ۲۲:۷۵
4. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۶/۱۶

اسی آیت کی تفسیر میں چند احادیث بھی نواب صاحب نے نقل کی ہیں جن میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں۔

بخاری میں ہے کہ ((انکم سترون ربکم عیان)) [1]

مومنین کا اللہ عزوجل کو دار آخرت میں دیکھنا...... حدیث ابوسعید اور ابو ہریرہؓ میں آیا ہے اور یہ حدیث صحیحین وغیرہما میں ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا اے رسول خدا! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے۔ فرمایا: کیا تمہیں سورج چاند دیکھنے میں کوئی شک ہوتا ہے جبکہ بادل کی آڑ نہ ہو کہا نہیں فرمایا تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے صہیب نے رفعاً کہا جب اہل جنت جنت میں جا چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم اس دن کچھ اور زیادہ چاہتے ہو وہ کہیں گے کیا تو نے ہمارے منہ سفید نہیں کیے؟ کیا ہم کو جنت میں داخل نہیں فرمایا آگ سے نجات نہیں دی تب اللہ تعالیٰ حجاب اٹھاوے گا ان کو اپنے رب کی طرف دیکھنے سے زیادہ کوئی چیز محبوب تر نہ ہوگی پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

﴿للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ﴾

ابن عمرؓ رفعاً کہتے ہیں اہل جنت میں منزلت کے اعتبار سے ادنیٰ وہ شخص ہوگا جو اپنے ملک و عملداری میں دو ہزار برس تک کی مسافت کو دیکھے گا اس میں افضل وہ شخص ہوگا جو ہر دن دو بار اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔[2]

مندرجہ بالا احادیث سے استدلال کرتے ہوئے نواب صاحب صحابہ و تابعین و ائمہ سلف کا اجماع نقل کرتے ہیں اور معتزلہ وجہمیہ کا سختی سے رد فرماتے ہیں اور ابن قیمؒ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس بات پر تمام انبیاءؑ، تمام صحابہؓ و تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور آئمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ رؤیت خداوندی قیامت کے روز ہوگی جبکہ اہل بدعت، جہمیہ اور باطنیہ اس کے منکر ہیں اور ایسے رافضی بھی اس کے منکر ہیں جنہوں نے اللہ کی رسی کو چھوڑ کر شیطان سے تعلق بنا رکھا ہے اور یہ ایسے لوگ ہیں جو رسول اللہ اور صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں اور اہل سنت سے جھگڑتے ہیں یہ سب خدا کے دشمن ہیں یہ سبھی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دیدار نہیں کرائے گا۔ اللہ فرماتے ہیں:
>
> ﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ [3]

سورۃ المطففین کی مذکورہ بالا آیت نمبر ۱۵ کی تفسیر میں نواب صاحب امام شافعی کا استدلال ابن کثیر کی استدلال کی تعریف اور اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اس آیت میں اسی بات پر دلیل ہے کہ مومنین اس دن اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام صاحب کا یہ قول بہت ہی حسین ہے کیونکہ اس میں بہترین استدلال ہے۔ آیت کے مفہوم سے جس طرح کہ اس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ وجوہ یومئذ، رقم الحدیث: ۷۴۳۵

[2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۲۳/۱۶

[3] المطففین ۸۳: ۱۵؛ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۲۵/۱۶

آیت کریمہ ﴿وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَۃٌ﴾ القیامہ۷۵:۲۲۔۲۳
کے مفہوم سے منطوق ہے۔اور احادیث صحیحہ متواترہ دربارہ رؤیت مومنین دار
آخرت میں برؤیت ابصار ثابت ہیں۔ اہل ایمان رب العالمین کو قیامت کے دن
اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے وللہ الحمد حسن نے کہا کہ ایک بار پردہ اٹھادیا جائے گا
مومن وکافر سب لوگ اللہ کو دیکھیں گے پھر کافر محجوب ہو جائیں گے اور مومن صبح
شام اس کو دیکھا کریں گے۔''[1]

نواب صاحب نے ان لوگوں کے استدلالات کو بھی ذکر کیا ہے جو رؤیت کے منکر ہیں اور ان کے عقلی ونقلی دلائل سے رد کیا ہے مثلاً

﴿قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ﴾[2]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب نے معتزلہ کا رد اور رؤیت کو ان دلائل سے واضح کیا ہے۔

۱۔ حضرت موسیٰ کو دیدار کا شوق اگرچہ وہ دیکھ نہ سکے، لیکن ان کا اشتیاق کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہوسکتا ہے۔

۲۔ حرف 'لن' اس جگہ معتزلہ کے نزدیک دنیا وآخرت میں رؤیت کی نفی کی دلیل ہے۔ لیکن یہ قول اضعف اقوال میں سے ہے، کیونکہ احادیث متواترہ میں آنحضرتؐ سے ثابت ہے کہ مومنین اللہ پاک کو آخرت میں دیکھیں گے۔[3]

۲۔ ایمان کی زیادتی ونقصان کی کمی

نواب صدیق حسن خان اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اطاعت وعبادات اور ذکر الٰہی سے اور ہر اس عمل سے جو اللہ تعالیٰ کی قرب کا باعث ہو اسی سے ایمان بڑھتا ہے۔ اور معاصی ونافرمانی سے اور منکرت پر عمل کرنے سے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ تفسیر ترجمان القرآن میں وہ اپنے اس موقف کو درج ذیل آیات میں بیان کرتے ہیں۔

﴿وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا﴾[4]

اس آیت مبارکہ سے نواب صاحب ایمان کی زیادتی اور کمی کو ثابت کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مثل اس آیت کے ہے۔

﴿وَ اِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَۃٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ اَیُّکُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِیۡمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا وَّ هُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ﴾[5]

پھر نواب صاحب آئمہ کا اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بخاری وغیرہ آئمہ نے س آیت اور اشباہ اسی آیت سے استدلال کیا ہے زیادت

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶/۲۰۷ — [2] الاعراف۷:۱۴۳
[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴/۱۳۰ — [4] الانفال۸:۲
[5] التوبہ۹:۱۲۴

وتفاضل ایمان پر، جمہور امت کا یہی مذہب ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور ابوعبیدؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔[۱]

اس عبارت سے نواب صاحبؒ امت کا اجماع بھی نقل کرتے ہیں جن میں وہ بخاری کی ایک حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ حدیث کچھ یوں ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ایمان کے ستر اور کچھ حصے ہیں سب سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ پڑھنا ہے اور کم ترین ایمان یہ ہے کہ آدمی راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے اور حیا بھی ایمان میں سے ہے۔'' امام احمدؒ کی جس رائے کی طرف اشارہ نواب صاحب نے کیا ہے وہ یوں ہے: ''ایمان قول وعمل کا نام ہے اور یہ گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ نماز، حج، زکوۃ اور تمام نیکیاں ایمان کو بڑھاتی ہیں جبکہ معاصی ایمان میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔''

﴿وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا﴾ [۲]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اور جو لوگ ایماندار ہیں ان کا ایمان زیادہ ہو جائے اور جان لیں کہ حضرتؐ سچے ہیں اور کسی طرح کا شک نہ رہے اور منافق وکافر یہ کہیں کہ اللہ کو اس مثال کو بیان کرنے کا کیا مقصد تھا سو اللہ تعالیٰ اس طرح کسی کو گمراہ اور کسی کو راہ یاب کرتا ہے۔ بعض کے دلوں میں ایمان متاکد ہوتا ہے اور بعض تنزلزل ہو جاتے ہیں۔''[۳]

مسئلۂ قضا وقدر

(الف) افعال اللہ و افعال العباد

نواب صدیق حسن خانؒ کا اس بارے میں یہ مؤقف ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل اور مختار کل ہے اور اپنی حکومت میں مشیت وحاکمیت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جسے انسان اپنی ملکیت میں بغیر حرج کے تصرف کرتے ہیں نواب صاحبؒ کے اس مؤقف کی وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

﴿وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ [۴]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۳۶/۴
۲۔ المدثر۷۴: ۳۱
۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۱۳/۱۶
۴۔ آل عمران۳: ۲۶

''اس آیت میں تنبیہ کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی ذکر ہے کہ اللہ عزوجل نے جو نبیؐ اور اس کی امت پر جو احسانات کیے ہیں ان کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے بنی اسرائیل سے نکال کر محمد عربیؐ ہاشمی مکی کو خاتم الانبیاء مقرر کیا۔.......... مخلوق میں تصرف وغیرہ کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ قریش کا رد بھی اس طرح فرمایا کہ انہوں نے کہا کہ ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔''[1]

نواب صاحبؒ اس عبارت سے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ تمام افعال میں مختار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو بنی اسرائیل کی خواہش کے برخلاف خاتم النبیین بنا دیا اگر انسانوں کے بس میں کچھ ہوتا تو نبی کا دین دنیا میں کبھی نہ چھاتا۔ کیونکہ بدر میں تین سو تیرہ کا فتح یاب ہونا اور احزاب میں تمام کفر کو مشترکہ شکست سے دوچار کرنا سبھی اس بات کے دلائل ہیں کہ تمام افعال واعمال کا مختار اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[2]

اس آیت میں لکھتے ہیں:

''ہدایت چاہنا (اے محمدؐ) تمہارے بس میں نہیں ہے کہ جو شخص چاہے ہدایت یاب ہو یا گمراہ ہو جائے بلکہ یہ سب تابع مشیت رب العالمین ہے وہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

''لیکن یہ بات بغیر مشیت خدا کے فقط تمہارے چاہنے سے نہیں ہوسکتی ہے توفیق ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

﴿وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾[3]

﴿وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾[4]

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾[5]

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾[6]

اس آیت میں معتزلہ اور خدا کی بندوں کے افعال میں مشیت کی نفی کرنے والوں کی بظاہر دلیل ہے۔ اس کے

1۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۸۷   2۔ التکویر ۸۱: ۲۸، ۲۹

3۔ یونس ۱۰: ۱۰۰   4۔ الانعام ۶: ۱۱۱

5۔ القصص ۲۸: ۵۶   6۔ الکہف ۱۸: ۲۹؛ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۶/۱۹۶

متعلق جواب دیتے ہوئے نواب صاحب ترجمان میں صرف اتنا لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاکؐ کو فرماتا ہے کہ تم اے محمدؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ یہ جو میں تمہارے پاس لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے یہ حق ہے۔ اس میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے۔ اب جس کا جی چاہے وہ اس کو مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے یہ ارشاد بطور تہدید و وعید شدید ہے۔''[1]

نواب صاحب کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وعید کے لیے ایسا کہہ رہے ہیں ورنہ اس سے مراد یہ نہیں کہ جو بھی چاہے گا ہدایت پالے گا اور جو بھی چاہے گا خدا کی نافرمانی سے بچ جائے بچ سکے گا۔ آپ کے خیال میں اس کی وہی تفسیر معتبر ہے جو احادیث مبارکہ میں صحابہؓ و تابعینؒ اور تفسیری اقوال مذکور ہیں۔ یعنی خدا ہی کی مشیت سے سب کچھ ہوتا ہے۔

ب۔ ہدایت و گمراہی

نواب صدیق حسنؒ نے سورۃ البقرہ کی اس آیت

﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۚ ۛ فِیْهِ ۚ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾[2]

کی تفسیر میں وضاحت کی ہے کہ ہدایت کی دو اقسام ہیں۔

(۱) کبھی تو ہدایت سے مراد ایمان ہوتا ہے سو دل میں ایمان پیدا کرنا اللہ کے سوا کسی سے ممکن نہیں کہ اس کا وقوع عمل میں آئے جیسے فرمایا ﴿اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾[3]

کہ آپؐ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اور فرمایا ﴿لَیْسَ عَلَیْکَ هُدٰاهُمْ﴾[4] اور مزید فرمایا ﴿من یضلل اللہ فلا ھادی لہ﴾[5] کہ جس کو اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہ ہے۔ اور فرمایا ﴿مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا﴾[6] کہ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے جس کو گمراہ کر دے تو آپؐ اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا ساتھی نہ پائیں گے۔

(۲) کبھی ہدایت سے بیان حق مراد ہوتا ہے اور یعنی حق کو کھول کر بیان کرنا۔ اس کی طرف راہنمائی کرنا جسے فرمایا

﴿وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (الشوریٰ ۴۲:۵۲) ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾[7]

مراد نواب صاحب کی یہ ہے کہ انبیاء کی ذمہ داری دعوت و تنبیہ ہے۔ ہدایت کی طاقت صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس ہے۔

﴿وَ عَلَی اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىکُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾[8]

اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''اگر چاہتا تو سب کو ایسی راہ دیتا کہ وہ طریق واضح و صحیح تک پہنچا دیتا یہ سب کر

---

۱. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۲۲/۷
۲. البقرہ ۲:۲
۳. القصص ۲۸:۵۶
۴. الرعد ۱۳:۷؛ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴۸/۱
۵. النحل ۱۶:۹

سکتا تھا، لیکن اس نے نہ چاہا بلکہ اس کی مشیت ارادۃ الطریق اور اس کی دلالت کی ہے جیسے فرمایا ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾[1] رہا بالفعل اس تک پہنچانا تو یہ اس سے لازم آتا ہے کہ عباد میں کوئی کافر نہ ہو اور نہ مسلمانوں میں کوئی مستحق نار رہو حالانکہ مشیت ربانی اس امر کی مقتضی ہے کہ بعض مومن ہوں اور بعض کافر۔"[2]

اس وضاحت سے نواب صاحب یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کو اختیار کی آزادی دی گئی ہے کہ وہ فعل کرے یا نہ کرے ہدایت اور گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور انسان کو ہدایت وضلالت پر مجبور نہیں کیا جاتا۔

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾[3]

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"سبیل سے مراد طریق ہدایت وضلالت ہے۔ یعنی ہم نے س کے لیے راہ خیر و شر کی اور سمع وعقل سے کھول دیے۔ مجاہد نے کہا یعنی راہ شقاوت وسعادت بھی بتادی یا منافع ومضار سمجھا دیے۔ وہ اپنے کمال عقل سے اس طرف راہ یاب ہو سکتا ہے۔"[4]

۴۔ عصمت انبیاء

عصمت کا مفہوم عربی کلام ومحاورہ میں منع ومحفوظ ہونے کا ہے مثلاً بندے کو اللہ کی عصمت یہ ہے کہ اس کو ہلاکت سے بچایا جائے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿سَاٰوِىْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِىْ مِنَ الْمَآءِ﴾ (ہود ۱۱:۴۳) یعنی میں ایسے پہاڑ کو ٹھکانہ بنالوں گا جو پانی سے مجھے بچالے گا اور محفوظ رکھے گا۔ اسی طرح العاصم بچانے والے کو کہتے ہیں اور استعصام خود بچ جانے کو کہتے ہیں۔[5]

عصمت ایک ایسا ملکہ ہے جو نفس کو گناہوں اور معاصی سے بچاتا ہے۔[6]

لغت میں عصمت "منع کرنے" کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ "عصمته عن الطعام ای منعته عن تناوله"[9] میں نے اسے کھانے سے معصوم رکھا یعنی کھانا کھانے سے باز رکھا۔ عصمت انبیاء یہ ہے کہ یہ ملکہ انہیں معصیت سے باز ہے۔ یا اسے یوں بھی کہا جاتا ہے۔ کہ

"اللہ تعالیٰ کا انبیاء ار رسل کو گناہوں اور نافرمانیوں میں گر پڑنے سے محفوظ رکھنا اور محرمات ومنکرات سے باز رکھنا۔ ان کی عصمت ہے۔"[7]

نواب صاحب عصمت کے تین اسباب کا ذکر یوں کرتے ہیں:

ا۔ انہیں فطرت سلیم پر پیدا کیا جاتا ہے اعتدال اخلاق میں انہیں کمال ہوتا ہے۔ ان کی گناہوں کی طرف کوئی رغبت

۱۔ البلد۹۰:۱۰	۲۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۰۴۰/۶، ۱۰۴۱		
۳۔ الدھر۷۶:۳	۴۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۳/۱۶		
۵۔ لسان العرب، ۴۰۳/۱۲	۶۔ معجم مقاییس اللغۃ، ۱۲۴/۴	۷۔ النبوۃ والانبیاء، ۵۰	

نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے نفرت کرتے ہیں۔

۲۔ انبیاء کی طرف وحی کردی جاتی ہے کہ معاصی ان کا تعاقب کر رہے اس طرح وہ گناہوں سے بچ جاتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ خود انبیاء اور معصیت کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جس سے انبیاء گناہوں سے بچ جاتے ہیں۔[1]

اس امر میں علماء کا اختلاف واقع ہوا ہے کہ آیا نہ عصمت، انبیاء کو زمانہ قبل از نبوت، حاصل ہوتی ہے یا بعد از نبوت، نیز یہ کہ وہ کیا کبائر سے محفوظ ہیں یا صغائر سے؟ نیز یہ کہ عصمت کا دائرہ اثر کیا ہے۔ اس سلسلے میں نواب صاحب کی رائے یہ ہے:

> ''انبیاء کرام کبائر سے معصوم ہوتے ہیں ان سے جو غلطیاں نقل کی جاتی ہیں وہ بشری طبائع کی وجہ سے ہیں وہ اس پر برقرار نہیں رہتے بلکہ اس پر متنبہ کر دیے جاتے ہیں۔ اس میں وہ آدمؑ کا ممنوعہ درخت کا کھانا کی مثال بھی دیتے ہیں۔''

نواب صاحب کا یہ عقیدہ ہے:

> ''انبیاءؑ کی عصمت تمام گناہوں سے عقلاً اور نقلاً ثابت ہوئی جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم و محفوظ ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صغیرہ گناہ ان سے سرزد ہو سکتے ہیں جمہور امت کے نزدیک صحیح نہیں۔''[2]

نواب صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ:

وجہ یہ ہے کہ انبیاءؑ کو لوگوں کا مقتداء بنا کر بھیجا جاتا ہے اگر ان سے بھی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف، خواہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ صادر ہوں گے تو انبیاء کے اقوال و افعال سے ایمان اٹھ جائے گا اور وہ قابل اعتماد نہیں رہیں گے۔ جب انبیاء کرامؑ پر اعتماد ہی نہ رہا تو دین کا کہاں ٹھکانہ ہے۔[3]

۱۔ الانتقاد الرجیح، ۹

۲۔ ایضاً، ۵۰

۳۔ ایضاً

باب چہارم

تفسیری ادب میں ترجمان القرآن بلطائف البیان کا مقام ومرتبہ

فصل اول

ترجمان القرآن بلطائف البیان کا علمی مقام و مرتبہ

فصل دوم

منتخب اردو تفاسیر کے ساتھ موازنہ

فصل اول

ترجمان القرآن بلطائف البیان کا علمی مقام ومرتبہ

جب ہم نواب صاحب کی تفسیر کا دقت نظری سے مطالعہ کرتے ہیں تو بعض ایسے علمی نکات منصۂ شہود پر آتے ہیں جن سے نواب صاحب کی تفسیر کی علمی قدر ومنزلت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے۔ان نکات کو چند شہہ سرخیوں کے پیرائے میں ذیل کی سطور میں بیان کیا جارہا ہے۔

اقوال مفسرین کی تفتیش وترجیح:

نواب صاحب کے تفسیری انداز کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے کبار مفسرین کے اقوال کی جانچ پڑتال کرتے ہیں بعد ازاں ایسے قول کو جو آیت کے ظاہری معنی ومفہوم پر دال ہو، ترجیح دیتے ہیں۔جیسا کہ قول الٰہی

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ......﴾ [1]

کی تفسیر میں اپنے نقطۂ نظر کو بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

''اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

☆ سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ طاؤسؒ، حسنؒ اور سدیؒ کے نزدیک ''میثاق انبیاء'' کا مطلب یہ ہے کہ بعض انبیاء دیگر انبیاء کے ایمان کی نہ صرف تصدیق کریں بلکہ ان کو ایک دوسرے پر ایمان لانے کا حکم بھی دیں۔ یہ اس آیت کا ظاہری معنی ومفہوم ہے۔اور اسکا ماحاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائی طور پر انبیاء سے یہ وعدہ لیا کہ جب کوئی بھی نبی کسی چیز کے ساتھ پہلے مبعوث ہو تو بعد والے نبی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اس چیز کی تصدیق کرے بلکہ اگر وہ پہلے نبی کو پالے تو جہاں تک ممکن ہوسکے اس کی مدد ونصرت کرے تاہم اس نبی کی عدم موجودگی میں اگر اس کی قوم کو پالے تو اپنے آپ کو اس بات پر مامور کرے کہ وہ اس نبی کی قوم کی نصرت واعانت کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے عیسیٰؑ پر اور عیسیٰؑ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وعدہ لیا۔

☆ امام کسائیؒ کا نقطہ نظر اس آیت کے بارے میں یہ ہے کہ میثاق انبیاء سے مراد، انبیاء کے ساتھی ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ساتھیوں سے وعدہ لیا۔ اور اسکی تائید کے لیے انہوں نے ابن مسعودؓ کی قراءت سے استشہاد کیا ہے۔

☆ ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ یہ وعدہ خاص طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لیا گیا ہے۔ اس نقطہ نظر کے حامل مفسرین میں حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، قتادہ اور سدیؒ شامل ہیں۔

☆ ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ انبیاء کے ساتھ ساتھ ان کی امتوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وعدہ

---

[1] آل عمران۳:۸۱

لیا گیا ہے۔ کیونکہ عہد، متبوع اور اُتباع دونوں کومحیط ہوتا ہے۔ اس نقطہ نظر کے حامل علیؓ بن ابی طالب ہیں۔
لیکن مذکورہ تمام نقطہ ہائے نظر میں سے پہلا زیادہ راجح ہے کیونکہ اکثر مفسرین اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں۔[1]

جمہور مفسرین اور محدثین کی پیروی

نواب صاحب کے دیگر اسالیب بیان میں سے ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین اور محدثین کی رائے کوترجیح دیتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان کے اقوال و آثار، احادیث صحیحہ اور آثار صحیحہ کے موافق ہوں۔ مثال کے طور پر قول الہی

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾[2]

کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

> احادیث صحیحہ اور جمہور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں اس آیت میں "عبداً" سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور جس کا نقطہ نظر اس کے برعکس ہے گویا اس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حسب ذیل حدیث کی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: حضرت خضرؑ کو اسم خضر اس لیے موسوم کیا گیا تھا کیونکہ وہ ایک دفعہ چٹیل میدان میں تشریف فرما تھے کہ اچانک زمین نے سبزہ اُگا دیا۔
>
> جمہور علماء کے نزدیک حضرت خضرؑ نے چونکہ آب حیات نوش فرمایا ہے اس لیے وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ تا قیامت زندہ رہیں گے۔ لیکن صحیح اور راجح بات جمہور محدثین کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت خضرؑ زندہ نہیں ہیں۔ جمہور مفسرین کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ جیسا کہ ابوحیانؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو نبی اکرمؐ پر ایمان لاتے اور آپکی اتباع میں سر تسلیم خم کرتے۔ جیسا کہ خود نبی اکرم کا فرمان گرامی ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انکے پاس میری اتباع کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔
>
> ابو یعلیٰ حنبلیؒ، ابوالفضل بن ناصرؒ، قاضی ابوبکرؒ اور ابن الجوزیؒ جیسے کبار محدثین بھی اسی موقف کے حامل ہیں کہ حضرت خضرؑ غیر موجود یعنی فوت ہو چکے ہیں۔ اور انہوں نے بطور ستدلال نہ صرف مذکورہ حدیث پیش کی ہے بلکہ حسب ذیل

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۳۱/۱
[2] الکہف ۶۵:۱۸

مبارکہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

﴿وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾[1]

'' آپ سے قبل ہم نے کسی بشر کو بھی دوام حیات نہیں بخشا اگر آپ فوت ہو جائیں گے تو کیا وہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں؟۔''

لہٰذا حق بات قرآن وحدیث اور جمہور مفسرین ومحدثین کی ہے کہ حضرت خضرؑ وفات پا چکے ہیں۔[2]

آراء الرجال سے اعراض

نواب صاحبؒ کی تفسیری عادات میں سے ایک عادت یہ ہے کہ وہ قرآن کی کسی بھی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آراء الرجال، فاسد قیاسات اور بے جا عقلیات سے پہلو تہی اختیار کرتے ہیں اور اسکے برعکس جمہور مفسرین کی اتباع کرتے ہیں۔ اور ان کے موقف کو ترجیح دیتے ہیں مثال کے طور پر قولِ الٰہی

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾[3]

''ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا تو انہوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔''

کی تفسیر میں نواب صاحب رقمطراز ہیں:

مذکورہ آیت میں ''امانت'' کی تفسیر میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے، امام قرطبیؒ کے مطابق صحیح اقوال کی روشنی میں اس 'امانت' سے مراد، دین کے تمام وظائف و فرائض ہیں۔ اور یہی جمہور مفسرین کا موقف ہے۔ بعض مفسرین نے اسکی تفسیر میں مختلف آراء سے کام لیا ہے۔ لیکن ان کی آراء، بیت عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور نظر آتی ہیں ۔ چنانچہ جو لوگ کتاب اللہ کو آراء الرجال کے ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے لیے سخت وعید ہے ۔ لہٰذا حق کے طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب اللہ کی تفسیر میں کسی ایسی تفسیر کو منتخب کرے جو نہ صرف عربی زبان کے تقاضوں کو پورا کرے بلکہ وہ احادیث صحیحہ، آثار صحیحہ اور اہل لغت کے اقوال کو محیط ہو۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کے بارے میں ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر جو امانت پیش کی گئی اس کا وقوع حضرت آدم علیہ السلام سے

---

[1] الانبیاء ۲۱:۳۴   [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان؛ ۷/۲۰۱۔۲۰۴

[3] الاحزاب ۳۳:۷۲

ہوا تھا۔ چنانچہ وہ امانت کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکے اور امانت اپنگیر اس باری کی وجہ سے قابل ترجیح ٹھہری۔ یہ کہنا کہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت کی پیش کا وقوع پذیر ہونا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے اسی طرح امانت کو عقلسے تعبیر کرنا بھی آراء الرجال میں سے ایک رائے ہے۔
راجح بات وہی ہے جسکو ہم نے پہلے نقل کر دیا ہے کہ جمہور مفسرین کینز دیک اس امانت سے مراد وظائف وفرائضہیں۔اس تفسیر کے علاوہ جو آراء ہیں وہ قابل تردید ہیں کیونکہ ایک تو وہ عربی زبان سے مطابقت نہیں رکھتیں اور دوسرا یہ کہ وہ شریعت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں۔ لہذا ان دونوں وجوہات کی موجودگی میں امانت اور اس کی تفسیر میں عدم مطابقت برقرار ہی رہے گی۔ [1]

شرعی معنی کی لغوی معنی پر تقدیم

نواب صاحب کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ لفظ کے شرعی معنی کو اس کے لغوی معنی پر مقدم کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قول الٰہی:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ [2]

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

''فطرت'' سے مراد یہاں پر اسلام ہے اور یہی جمہور سلف کا مذہب ہے۔ حالانکہ بعض دیگر مفسرین نے ''فطرت'' کو بداءت (ابتداء) سے تعبیر کیا ہے یعنی جس پر لوگوں کی ابتدا کی، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حیات، موت، سعادت اور شقاوت کیلئے ابتداء کی۔ اور کلام عرب میں بھی ''فاطر'' کو ''مبتدی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چونکہ اہل شریعت کے اتفاق کے ساتھ شرعی معنی ہمیشہ لغوی معنی پر مقدم ہوتا ہے تاہم اس بات میں مفسرین کے ہاں اختلاف نہیں ہے کہ کتاب وسنت میں بعض مقامات پر 'فطرت' کے لغوی معنی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جس کہ فرمان الٰہی ہے ﴿وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ (لیس ۳۶:۲۲) اس مقام پر لغوی معنی کے بارے میں مفسرین کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہاں لغوی معنی ہی مراد ہے جھگڑا صرف ''فطرت'' کے شرعی معنی مراد لینے سے پیدا ہوا ہے لہذا اس

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان: ۱۱/۴۲۸، ۴۲۹ [2] الروم۳۰: ۳۰

بارے میں ہمارا موقف وہی ہے جو جمہور سلف کا ہے۔ جس کو ہم نے پیچھے بیان کر دیا ہے۔[۱]

معانی الحروف کے بیان کا اہتمام

نواب صاحبؒ کے تفسیری اسالیب میں ایک اچھوتا اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر وارد ہونے والے کلمات وحروف کے معانی کو نہ صرف الگ بیان کرتے ہیں بلکہ ایک جگہ پر جمع بھی کر دیتے ہیں مثال کے طور پر فرمان الٰہی:

﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾[۲]

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

امر "امور" کی واحد ہے اور یہ کلمہ قرآن مجید میں چودہ مقامات پر وارد ہوا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دین کے معنی ومفہوم میں جیسے ﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ......﴾ (التوبۃ ۹: ۴۸)

۲۔ قول کے معنی میں۔ جیسے ﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا......﴾ (المومنون:۲۷:۲۳)

۳۔ عذاب کے معنی میں۔ جیسے ﴿لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ (ابراھیم۱۴: ۲۲)

۴۔ عیسیٰ کے معنی میں۔ جیسے ﴿فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا﴾ (الغافر۴۰: ۶۸)

۵۔ قتل کے معنی میں۔ جیسے ﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ......﴾ (مؤمن۴۰ : ۶۸)

۶۔ فتح مکہ کے لیے۔ جیسے ﴿فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (التوبۃ ۹: ۲۴)

۷۔ بنو قریظہ کے قتل اور بنو نضیر کی جلاوطنی کے معنی میں۔ جیسے

﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (البقرہ۲: ۱۰۹)

۸۔ قیامت کے لیے۔ جیسے ﴿اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ﴾ (النحل۱۶: ۱)

۹۔ قضاء وقدر کے معنی میں۔ جیسے ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ......﴾ (الرعد۱۳: ۲)

۱۰۔ وحی کے معنی میں۔ جیسے ﴿يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ......﴾ (الطلاق ۶۵ : ۱۲)

۱۱۔ مخلوقکے معاملات کیلیے۔ جیسے ﴿اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ......﴾ (الشوریٰ۴۲: ۵۳)

۱۲۔ نصرت واعانت کے معنی میں۔ جیسے ﴿هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ......﴾ (آل عمران ۳: ۱۵۴)

۱۳۔ گناہ کے معنی میں۔ جیسے ﴿فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا......﴾ (الطلاق ۶۵: ۹)

۱۴۔ شان (حالت) کے معنی میں۔ جیسے ﴿وَ مَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ......﴾ (ھود۱۱: ۹۷)[۱]

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۵۵/۱۱ [۲] البقرہ۲: ۱۱۷

لغت میں مصادر اُصلیہ کی طرف رجوع

نواب صاحب کی ایک علمی عادات میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ لغوی معنی کے استنباط میں لغت کے مصادر اُصلیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہر قول کو اسکے قائل کی طرف منسوب کرتے ہیں جن سے ان کی علمی امانت ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر قولِ الٰہی

﴿كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ [۲]

کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''اِلًّا'' کے معنی ومفہوم کے بارے میں اہل لغت مختلف ہیں صحاح میں ''اِلًّا'' کے معنی عہد اور قرابت رقم کیا گیا ہے۔ زجاجؒ کے مطابق ہیں ''اِلًّا'' کے معنی حد مقرر کرنے کے ہیں لغت بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے چنانچہ لڑائی کے لئے حد مقرر کرنا بھی اسی سے ہے۔ امام فراء کے نزدیک اس سے مراد ''قرابت'' ہے۔ ابن زیدؒ، سدیؒ اور ابوعبیدہؒ کے نزدیک ''اِلًّا'' سے مراد عہد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمہ اور ندیم ہے۔

امام ازھریؒ فرماتے ہیں کہ عبرانی زبان میں اللہ کو 'اِلٌّ' کہاجاتا ہے۔ جس کی اصل ''الالیل'' ہے جس کا معنی چمکدار چیز ہے۔ جیسا کہ عام طور پر کہاجاتا ہے کہ ''اَلَّ لونہ'' یعنی اس کا رنگ صاف اور چہرہ چمکدار ہے۔ [۳]

مقامات مشکلہ کی آسان توضیح

نواب صاحبؒ کے انداز بیان کا ایک اچھوتا پہلو یہ ہے کہ تفسیر کرتے ہوئے مشکل مقامات کی آسان مگر مختصر وضاحت کردیتے ہیں۔ جیسا کہ قول الٰہی ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (المائدہ: ۵:۱۱۸) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ'' یعنی جس نے کفر کی راہ اختیار کی پس تو اگر ان کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے ان کو عذاب سے دوچار کرے گا تو تجھ سے پوچھنے والا کون ہے اور تیرے فیصلے پر اعتراض کرنے والا کون ہے بہرحال وہ تیرے بندے ہی رہیں گے ''وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ'' یعنی وہ لوگ جنہوں نے کفر کے بعد ایمان کی راہ اختیار کی، اگر تو ان کو معاف فرمادے گا تو تجھ سے تب بھی کوئی کوئی پوچھنے والا نہیں ہے

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان: ۱/ ۲۱۲، ۲۱۴ ۲ التوبۃ ۹:۸

۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۵/ ۲۳۱

کیونکہ تو اپنے فیصلہ پر صاحب قدرت ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

اللہ کا بندہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیرے عذاب کو اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے اوپر واجب کر چکا ہوں پس اگر تو مجھے معاف کردے گا، مجھے عذاب سے بچالے گا اور میری عمر دراز کردے تو تجھ سے کس نے پوچھنا ہے؟ اے اللہ! تو عزیز اور حکیم ہے۔ [1]

آیات کی حکمتوں کا تذکرہ

نواب صاحب کے اسالیب بیان میں سے ایک اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس میں پنہاں حکمتوں کا بھی تذکرہ کردیتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ (آل عمران۳:۱۲۵) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ۔

''علامہ سبکیؒ سے فرشتوں کی لڑائی کے متعلق اور حضرت جبرائیلؑ کا اکیلے ہی اپنے پروں سے کافروں کو ختم کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسا اس ارادہ سے ہوا تھا تا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی فضیلت ثابت ہو سکے۔ اور فرشتے کے گروں کو ظالم لشکروں کے گروں پر اس لے حاوی کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ تمام تر اسباب کا خالق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تمام تر معاملات وافعال اسی کے حکم سے ترتیب پاتے ہیں۔'' [2]

تفسیری فوائد کا بیان

نواب صاحبؒ کی تفسیری عادات میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ آیات قرآنیہ سے مترشح ہونے والے مختلف فوائد و خزائن کا تذکرہ بھی کرتے ہیں فرمان الٰہی ''يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نبی اکرمؐ کو اسم (مزمل) سے موسوم کرنے میں دو فائدے ہیں۔

ا۔ نرمی: اہل عرب کی یہ عادت تھی جب وہ کسی کو نرمی پکارنے کا ارادہ کرتے تھے تو مخاطب کو اس نام سے پکارتے تھے جو نام اس کی حالت کو واضح کر رہا ہوتا ہو، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ سے ناراض ہو کر مسجد میں جا کر لیٹ گئے اور آپ کی ران مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا اور اس پر مٹی پڑ رہی تھی تو نبی اکرمؐ نے اسی حالت کو بنیاد بنا کر آپ کو ''ابو تراب'' یعنی مٹی کا باپ کہا تھا۔ یہ الفاظ نرمی پر دلالت کناں تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مزمل'' سے موسوم کرنے میں محبت، نرمی اور شفقت کا پہلو نمایاں اور واضح

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۸۸/۲
[2] ایضا، ۳۹۹/۲

فرمان: ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا﴾ (الکہف۱۸:۸۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''یعنی وہ دونوں اپنے معاملات کو سمجھ لیں اور ان کے مالک بن جائیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے لفظ ''رب'' کو ''ک'' ضمیر جو کہ موسیٰ کی طرف ہے سے مضاف کیا ہے۔ تا کہ موسیٰ کے مقام و مرتبہ کو شرف سے نوازا جائے۔

اسی طرح نواب صاحب فرمان الٰہی: ﴿وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ﴾ النحل ۱۶:۶) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ:

''اراحت (شام کے وقت جانوروں کو چرا کر گھر لانا) کو ''تسریح'' یعنی صبح کو

ہوتا ہے اور آپ کو یہ باور کروانا مقصود تھا کہ آپ کا رب آپؐ سے ناراض نہیں ہے۔

۲۔تنبیہ: یعنی ''مزمل'' کہہ کر ہر اس شخص کو خبردار کر دینا مقصود ہے جو غفلت کی وجہ سے چادر اوڑھ کر لیتا رہتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ قیام اللیل اور ذکر الہی کا اہتمام کرے۔ [1]

سیاق وسباق سے متعلقہ تفسیری لطائف کا بیان

نواب صاحبؒ کی تفسیر ترجمان القران ایسے بہت سارے تفسیری لطائف اور محیرالعقول نکات سے بھری ہوئی ہے جن کا قرآنی سیاق وسباق اور قرآنی عبارت وکلمات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ مثال کے طور پر نواب صاحبؒ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا﴾ (الکہف ۱۸:۸۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

> ''یعنی وہ دونوں اپنے معاملات کو سمجھ لیں اور ان کے مالک بن جائیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے لفظ ''رب'' کو ''ک'' ضمیر جو کہ موسیٰؑ کی طرف ہے سے مضاف کیا ہے۔ تاکہ موسیٰؑ کے مقام ومرتبہ کو شرف سے نوازا جائے۔

اسی طرح نواب صاحب فرمان الٰہی: ﴿وَ لَکُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَ حِیْنَ تَسْرَحُوْنَ﴾ النحل ۱۶:۶) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ:

> ''اراحت (شام کے وقت جانوروں چرا کر گھر لانا) کو'' تسریح'' یعنی صبح کے وقت جانوروں کو چرانے لے جانا'' پر مقدم کیا گیا ہے حالانکہ ایسا کرنا خلاف واقعہ ہے۔ لیکن یہاں شام کے منظر کو صبح کے منظر پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ شام کو جب چوپائے اپنے کھانے اور پینے کی تمام تر ضروریات پوری کر چکے ہوتے ہیں۔ اور واپس اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو ان کا حسن وجمال قابل دید ہوتا ہے کیونکہ ان کے پیٹ نمایاں، تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے مالک ان کو دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سمارہے ہوتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس جب ان کو صبح کے وقت چرانے کیلئے ہانکا جاتا ہے تو اس وقت انکے پیٹ خالی ہوتے ہیں اور ہڈیاں نمایاں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے صبح کے وقت اتنے قابل دید نہیں ہوتے جتنے کہ شام کے وقت ہوتے ہیں۔''
>
> صبح وشام کے دونوں اوقات کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ دیکھنے والے انہی دو وقتوں میں چوپایوں کو دیکھ سکتے ہیں کیونکہ دوپہر کے وقت تو چوپائے اپنی باڑوں میں ہوتے ہیں اور جب اس وقت انکو چراگاہ مین چرایا جاتا ہے تب بھی وہ

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۵۰/۲۷

متفرق ہوتے ہیں چنانچہ جس طرح صبح وشام کے وقت ان کو اجتماعی شکل میں
دیکھا جاتا ہے کسی دوسرے وقت میں اس اجتماعیت کو نہیں دیکھا جاسکتا۔اسی طرح
موسم بہار میں جانوروں کو چرانے کا منظر بھی قابل دید ہوتا کیونکہ بارش کے
برسنے کے باعث انگوری اور سبزہ عام ہوجاتا ہے اس وقت سب سے حسین
ترین منظر یہ ہوتا ہے۔ کہ اونٹ بلبلارہے ہوتے ہیں گائیں ڈکار رہی ہوتی ہیں
اور بکریاں وبھیڑیں ممیارہی ہوتی ہیں۔ گویا وہ ایک دوسرے سے محوگفتگو ہوتی
ہیں۔[1]

اقوال مفسرین کی تلخیص

نواب صاحبؒ کے تفسیری انداز کاایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں مفسرین کے بیشتر اقوال کو جمع کرنے کے بعد، خلاصۃً اس کا ماحاصل بیان کردیتے ہیں تاکہ قاری کیلئے مختلف وجوہات میں سے کسی خاص وجہ کو سمجھنے کے لیے آسانی برقراررہ سکے۔ اور وہ زیادہ بہتر طریقے سے آیت کی تفسیر کے بارے میں معلومات اخذ کرسکے۔ جیسا کہ نواب صاحب نے فرمان الٰہی ﴿وَ مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِکُوْنَ﴾ (یوسف۱۲: ۱۰۶) کی تفسیر میں مفسرین کے بارہ اقوال نقل کیے ہیں: جومختصراً حسب ذیل ہیں:

i۔ اس سے مراد جاہل بت پرست ہیں۔

ii۔ منافقین مراد ہیں۔

iii۔ اہل کتاب مراد ہیں جو اپنی کتابوں پرتوایمان رکھتے تھے مگر ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے تھے۔

iv۔ ابن عباسؓ کے قول کے مطابق عربوں کا تلبیہ مراد ہے جس میں ایمان کی شہادت کے ساتھ شرک کی غلاظت کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔

v۔ امت مسلمہ کے ریاکارلوگ مراد ہیں کیونکہ ریاکاری بھی شرک اصغر ہے۔

vi۔ وہ لوگ مراد ہیں جوغمی کے وقت اپنے پروردگار کو یادرکھتے تھیں مگرخوشی میں بھول جاتے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

﴿فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِکُوْنَ﴾[2]

vii۔ وہ مشرک لوگ مراد ہیں جوایمان لانے سے پہلے شرک کیا کرتے تھے۔

viii۔ اس سے مراد وہ ایمان دار لوگ ہیں جن کو ایمان کی حالت میں شرکیہ خطرات واحوال کا سامنا ہوتا ہے۔

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان: ۷/ ۲۷۱-۲۷۲ [2] العنکبوت۲۹: ۶۵

vx۔ وہ لوگ مراد ہیں جو مخلوق کو خالق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں۔

x۔ اس سے مراد قدریہ ہیں جو کہ مخلوق کے لیے قدرت کا اثبات کرتے ہیں۔ نسفیؒ نے یہ موقف مدارک التنزیل میں اپنایا ہے۔

xi۔ وہ لوگ مراد ہیں جو غیر اللہ پر تو ایمان رکھتے ہیں مگر اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

xii۔ ابن کثیرؒ کے مطابق بڑھاپا بھی شرک خفی ہے مگر اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ دم کروانا، تعویذ لٹکانا اور بدشگونی پکڑنا بھی شرک ہے۔ مذکورہ امور کے حامل افراد مراد ہیں۔[1]

یہ وہ چند نکات ہیں جن سے یہ بات نصف النہار کی طرح روشن ہوجاتی ہے کہ نواب صاحبؒ کی تفسیر کو دیگر تفاسیر میں بلند پایاں مقام حاصل ہے۔

---

[1] ترجمان القران بلطائف البیان، ۱۰/۱۷۵

فصل دوم

منتخب اردو تفاسیر کے ساتھ موازنہ

مبحث اول

''ایمان'' پر مفسرین کی تفسیری آراء

لغوی مفہوم

☆ امام لغت، امام راغب اصفہانیؒ لفظ ''ایمان'' کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایمان، اصل لغت میں نفس کے اطمینان اور زوال خوف کا نام ہے، چنانچہ جب انسان حالت امن میں ہوتا ہے، تو اس کے لیے ''امان'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور کبھی یہ لفظ، اس شریعت کے طور پر بولا جاتا ہے، جسے حضور اکرمؐ لے کر آئے۔[1]

☆ ابن منظور الافریقی کے مطابق ایمان، اظہار خضوع اور قبول شریعت کا نام ہے۔ جسے حضور اکرمؐ لے کر آئے، اس پر اعتقاد کرنا اور دل سے تصدیق کرنا، پس جو آدمی اس صفت سے موصوف ہو، وہ مومن ہے۔[2]

اصطلاحی مفہوم

☆ علامہ سید الشریف الجرجانیؒ فرماتے ہیں کہ

"الایمان فی اللغة"، التصدیق بالقلب ، وفی الشرع ، الاعتقاد بالقلب والاقرار باللسان" [3]

☆ امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب عقائد کی کتاب ''فقہ اکبر'' میں مرقوم ہے۔

"الایمان هو الاقرار والتصدیق" [4]

اسی سے ملتی جلتی تعریف عقائد نسفی، میں بھی بیان کی گئی ہے۔[5]

جبکہ امام طحاویؒ، ایمان کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"الایمان هو الاقرار باللسان و التصدیق بالجنان وجمیع ماصح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من الشرع والبیان کله حق...... "[6]

یعنی ایمان اقرار لسانی، تصدیق قلبی اور حضور اکرمؐ سے صحت کے ساتھ منقول شرع وبیان کو حق ماننے کا نام ہے۔

1۔ المفردات فی غریب القرآن، ۳۵، ۳۶ 2۔ لسان العرب، ۱/ ۲۲۳ 3۔ التعریفات، ۳۲
4۔ شرح علی الفقہ الاکبر، ۸۵ 5۔ شرح العقائد النسفیہ، ۱۱۹۔۱۲۱ 6۔ شرح عقیدہ طحاویہ، ۳۳۱

ایمان کے بارے میں فقہاء کے اختلاف کی نوعیت

اگر چہ امام ابوحنیفہؒ ایمان کے لیے اقرار وتصدیق دونوں لازمی قرار دیتے ہیں۔ تاہم ملا علی القاری کے مطابق ان دونوں ارکان میں تصدیق تو ایسا رکن ہے، جو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا اور جہاں تک اقرار لسانی کا تعلق ہے تو وہ خوف جان کی صورت میں ساقط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جمہور محققین اس طرف گئے ہیں کہ ایمان فقط تصدیق قلبی ہے اور اقرار اس کے واسطے شرط ہے کہ ایمانی احکام اس پر جاری اور اس کے ساتھ برتاؤ کئے جائیں۔ پس جس نے دل سے تصدیق کی اور زبان سے اقرار نہ کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے۔ اگر چہ دنیاوی احکام میں مومن نہ ہو، اور جس نے زبان سے اقرار کیا اور دل سے تصدیق نہ ہوئی تو وہ منافق ہے۔ اگر چہ ظاہراً میں احکام دنیاوی میں مومن کا برتاؤ کیا جائے۔ اور اسی کو شیخ ابو منصور ماتریدی نے اختیار کیا۔[1]

اسی طرح ایمانیات کے حوالے سے ایک اہم بحث یہ ہے کہ ایمان کی تعریف میں اعمال بھی شامل ہیں یا نہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان فقط اقرار وتصدیق کا نام ہے اور اعمال اس سے علیحدہ چیز ہیں۔ جبکہ آئمہ ثلاثہ اور امام بخاریؒ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان و اقرار وتصدیق اور عمل بالارکان، تینوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں دونوں مذاہب کے متعلق کتاب وسنت کے دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ محققین علمائے کرام نے پوری تحقیق کے بعد ان دونوں مذاہب کے اس باہمی اختلاف رائے کو لفظی نزاع سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے کوئی اعتقادی فساد واقع نہیں ہوتا ہے۔[2]

معاصر مفسرین کا نقطہ نظر

سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے 'مواہب الرحمٰن' میں ایمانیات کے موضوع پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، اور جمہور آئمہ حنفیہ کے مذہب کے ترجیحی پہلوؤں کو اس طرح نمایاں کیا ہے۔

> ''واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانا آئمہ حنفیہ کے نزدیک دل کی تصدیق سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ''قلبہ مطمئن بالایمان'' 'صریح ہے کہ ایمان کا محل دل ہے، اور زبان کا اقرار اس واسطے ہوتا ہے کہ ظاہر میں اس کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ کیا جائے کہ اس پر جہاد نہ ہو اور مؤمنہ عورت سے نکاح کرے اور اسکے جنازہ پر نماز پڑھی جائے اور مانند اس کے احکام اس کیساتھ برتے جائیں، لہذا اگر کسی نے دل میں یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے، اس طرح کہ جیسے اس کے رسول، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اور دل میں اتر آیا، مگر اس نے ظاہر میں اقرار نہ کیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے مگر ظاہر میں اس کے ساتھ کافروں کا برتاؤ کیا جائے گا، اور برتاؤ کرنے والوں پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔''[3]

۱۔ شرح علی الفقہ الاکبر، ۸۶، ۸۷ ۲۔ شرح العقیدہ الطحاویہ، ۳۳۲، ۳۳۳

۳۔ مواہب الرحمٰن، ۱۴/ ۲۰۶

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ایمانیات کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے سید امیر علی ملیح آبادی نے جہاں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی ترجیح ثابت کی ہے۔ وہاں حتی الامکان ان اکابرین یعنی امام ابوحنیفہؒ اور آئمہ ثلاثہ وغیرہ کے درمیان اختلافی آراء میں تطبیق دینے کی کوشش بھی کی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ

﴿وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾[۱]

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ

''ابن کثیرؒ نے کہا کہ ایمان کا گھٹ بڑھ جانا جمہور امت کا قول ہے۔ بلکہ بمانند امام شافعی و امام احمد رحمہم اللہ عنہم کے بہتیروں نے نقل کیا کہ اس قول پر اجماع امت ہے اور بڑا استدلال ان کا اسی آیت سے ہے کیونکہ ایمان بڑھنا منصوص ہے۔ اور جب بڑھنا ثابت ہوا۔، تو گھٹنا بالاستلزام ثابت ہوا۔ اور کمالین نے کہا کہ جو لوگ ایمان کے حق میں گھٹنے بڑھنے کے قائل نہیں۔ یعنی جیسے امام ابوحنیفہؒ وغیرہ تو وہ کہتے ہیں کہ آیت میں ایمان بڑھ جانے کے یہ معنی ہیں کہ جن باتوں پر ایمان پہلے تھا۔ اب ان میں کچھ باتیں اور بڑھ گئیں، قلت یعنی یہ نہیں کہ ایمان کی حقیقت بڑھ گئی، اس لیے کہ وہ تصدیق کا نام ہے۔ یعنی دل میں یقین رکھنا، مثلاً اللہ تعالیٰ واحد ہے، اسی پر یقین ہے، تو مومن ہے اگر یقین میں کمی ہے تو وہ مذبذب اور ڈھلمل یقین ہوا، پس منافق ہوا۔ وہ مومن نہ ہوا اور اس پر زیادتی بھی متصور نہیں ہے۔ کرخیؒ نے کہا کہ حقیقت ایمان کی یعنی یقین تو اکثر کے نزدیک نہ بڑھ سکتی ہے گھٹ نہ سکتی ہے۔ ہاں امام شافعیؒ سے جو گھٹنا بڑھنا منقول ہے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ تصدیق قلب قوت وضعف ہے پس اسی کی زیادتی و کمی سے تعبیر کیا، کیونکہ بالیقین معلوم ہے کہ جو یقین انبیاء علیہم السلام وارباب کشف مشہود کو حاصل ہوتا ہے اس میں اور تمام امت والے کے یقین میں ضروری فرق ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا یقین قوی ہوتا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ بعد تحقیق کے ظاہر ہوا کہ دونوں فریق میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ لفظی بحث ہے۔''[۲]

اسی طرح

﴿هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِىْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾[۳]

---

۱ الانفال ۸:۲ ۲ مواہب الرحمٰن، ۱۸۶/۹، ۱۸۷

۳ الفتح ۴۸:۴

کی تفسیر میں آپ رقمطراز ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ وایک جماعت نے کہا ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے، کیونکہ وہ یقین ہے اور اگر یقین میں قصور ہوگا، تو نفاق ہوگا، اور ان آیات میں مراد یہ ہے کہ جن چیزوں پر یقین کیا جاتا ہے۔ وہ بڑھ جاتی ہیں، قولہ تعالیٰ ﴿لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ﴾ یعنی سکینت جو اللہ تعالیٰ نے اتاری، تو پہلے ایمان سے یہ سکینت ملا کر ایمان بڑھ گیا۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ یعنی ان کی تصدیق میں تصدیق بڑھ گئی، ابن عباسؓ نے کہا کہ بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا کہ لوگ دل سے اقرار کریں کہ "لاالہ الااللہ"۔ پھر جب مومنوں نے اسی کلمہ طیبہ کی تصدیق کی، تو اللہ تعالیٰ نے روزہ ان پر بڑھایا، پھر جب روزہ کی بھی تصدیق بڑھائی، تو ان پر زکوۃ زیادہ کی۔ جب انہوں نے زکوۃ تصدیق بڑھائی، تو ان پر حج زیادہ کیا۔ جب انہوں نے اس کی تصدیق کی، تو ان پر جہاد بڑھایا، پس ان کا دین کامل کردیا۔''[1]

نواب صاحبؒ کے معاصر مفسرین کرام میں سے غالباً مولانا عبدالحق حقانی نے ایمانیات کے موضوع پر سب سے زیادہ بحث کی ہے، اور نہایت ہی مدلل انداز میں اسکے متعلق جملہ امور کی وضاحت کی ہے۔ چنانچہ اپنی تفسیر میں ایمان کے لغوی اور شرعی معنی بیان کرتے ہوئے آپ نے کبار آئمہ حنفیہ کے مسلک کو نہایت ہی جامع اور عام فہم انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

لغت میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کو سچا ماننا اور یقین کرنا، اور یہ ''امن'' سے مشتق ہے کہ گویا ایمان لانے والے نے جس پر وہ ایمان لایا ہے اس کو مخالفت اور تکذیب سے امن میں کردیا۔ اور شرع میں ایمان ان چیزوں کا صدق دل سے یقین کرنا ہے کہ جن کا دینی ہونا قطعی طور پر ثابت ہوگیا ہو، یعنی قرآن مجید کی ظاہری عبارت یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی سے جو بات ثابت ہو، اس پر یقین کرنا، جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کریمہ، علم قدرت اور ملائکہ اور آسمانی کتابیں اور انبیاء کرام اور مرنے کے بعد حساب وکتاب، جزا سزا کو برحق ماننا۔ پھر اس ایمان کے دو مرتبے ہیں۔ ایک ایمان اجمالی کو مجملا بلاتفصیل جزئیات دین محمدی کو برحق سمجھنا جس کا خلاصہ صدق دل سے "لاالـہ الا الـلـه

[1] مواہب الرحمٰن، ۲۶/۹۸

محمد رسول الله '' کہنا ہے۔ دوسرا ایمان نہ لاوے گا، انکار یا تکذیب کرے گا، کفر شرعی ثابت ہوگا کہ جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔''[1]

تفسیر حقانی کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی سید امیر علی کی طرح ''ایمانیات'' کی اس بحث میں جمہور آئمہ حنفیہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور حقیقی ایمان صرف تصدیق کو قرار دیتے ہیں۔ البتہ اقرار لسانی کو اس کی ایک لازمی شرط مانتے ہیں، جیسا کہ آپ قرآن کریم کی متعدد آیات سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ایمان کی ماہیت میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ صرف تصدیق ہے البتہ ترتیب احکام شرعیہ کے لیے زبان سے اقرار کرنا بھی شرط ہے، اور کمال ایمانی کے لیے اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں۔ پس جو شخص دل سے تصدیق بھی کرتا ہو، اور زبان سے اقرار بھی او راس کے ساتھ اعمال صالحہ بھی عمل میں لاتا ہو، وہ بالاتفاق مومن کامل قرار دیا جائے گا، کیونکہ تصدیق بالجنان اور اقرار باللسان اور عمل بالارکان سب پائے گئے اور جو دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اعمال اس کے خراب ہیں، تو وہ جمہور اہل سنت کے نزدیک مومن فاسق ہے۔ اور خوارج کے نزدیک کافر ہے اور معتزلہ بلکہ شیعہ کے نزدیک کافر تو نہیں ایمان سے خارج ہے۔''[2]

اسی طرح ایمان کی کمی وبیشی اور اس نوع کے دیگر مباحث میں آپ نے بھی دوسرے اعتدال پسند علماء کی روش اختیار کرتے ہوئے ان مباحث سے بچنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ بحث کہ ایمان کم وزیادہ بھی ہوتا ہے یا نہیں او اس قسم کی دیگر ابحاث محض نزاع لفظی ہیں، ان کے بیان کرنے سے بجز اس کے کہ سامع کا دماغ پریشان ہو، اور کچھ نتیجہ نہیں......''[3]

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی آیات کی تفاسیر میں آپ نے بالعموم کسی بحث میں پڑنے کی بجائے صرف تفسیری ترجمہ کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ جنہیں متعلقہ مقامات پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔[4]

ایمان اور اسلام کے مابین فرق پر اختلاف کی نوعیت

ایمانیات کے متعلق مباحث میں ایک اہم بحث یہ ہے کہ آیا ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہیں یا ان کے درمیان کچھ فرق بھی ہے۔ امام بوحنیفہؒ کا مسلک ان دونوں الفاظ کے لغوی معانی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اگرچہ تفریق کا نقل کیا گیا ہے۔ لیکن تفریق ایسی نہیں ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ کیا جاسکے۔

---

1. تفسیر حقانی، ۱/۳۰۵، ۳۰۶
2. ایضاً، ۱/۳۰۵، ۳۰۶
3. ایضاً
4. تفسیر حقانی، ۲/۴۵۲

☆ جیسا کہ فقہ اکبر میں مرقوم ہے۔

"ففی الطریق اللغة فرق بین الایمان والاسلام ولکن لایکون ایمان بلاسلام ولا اسلام بلاایمان فھما کالظھر مع البطن والدین اسمٌ واقع علی الایمان والاسلام والشرائع کلھا......"[1]

یعنی اگر چہ لغت وغیرہ کی رو سے ایمان واسلام میں فرق ہے۔ لیکن حقیقت میں ایمان کے بغیر اسلام کا اور اسلام کے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پس ان دونوں کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ جاندار جسم کے پیٹ اور پیٹھ کا معاملہ ہے۔ جس کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے، اور لفظ دین کا اطلاق ایمان واسلام اور پوری شریعت پر کیا جاتا ہے۔

☆ شرح العقیدہ الطحاویہ میں مرقوم ہے کہ

''اسلام کا مقام ایمان کے ساتھ وہی ہے، جو شہادتین کی دونوں جزوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ہے، ظاہر ہے کہ رسالت کی گواہی اور توحید کی گواہی بلحاظ اعیان ایک نہیں ہیں۔ اگر چہ معنوی لحاظ سے ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ ربط ہے اور وہ متحد ہیں، یہی حال اسلام اور ایمان کا ہے، جس شخص میں اسلام نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں ایمان نہیں اس میں اسلام نہیں، اس لیے کہ مومن میں اسلام کا تحقق ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے تحقق سے ایمان متحقق ہو اور مسلمان میں ایمان ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے تحقق سے اسلام متحقق ہو، اور اس کی مثالیں کلام الٰہی، کلام رسولؐ اور لوگوں کے کلام میں کثرت سے موجود ہیں۔ یعنی یہ دونوں الفاظ الگ الگ استعمال ہوں تو معنی اور ہے۔ اور جب ایک جگہ استعمال ہوتے ہیں تو معنی اور ہے یہی حال لفظ کفر اور نفاق کا ہے۔'' [2]

☆ سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے اس ضمن میں اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہوئے اکابر آئمہ مجتہدین کے مذاہب میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ جیسا کہ آپ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران ۳:۱۹) کے تحت رقمطراز ہیں کہ

''جمہور علماء کے نزدیک اسلام یہاں بمعنی ایمان ہے، اگر چہ لغت میں دونوں متغائر ہیں۔ اور اختلاف حنفیہ وشافعیہ کا بایں طور پر کہ اسلام وایمان بمعنی واحد ہے عند الحنفیہ۔ اور متغائر ہے عند الشافعیہ۔ یہ اختلاف محض لفظی ہے۔ اصل معنی میں کچھ اختلاف ہے، کیونکہ اسلام شرعی بالاتفاق یہی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے

---

[1] شرح علی الفقہ الاکبر، ۸۹،۹۰ [2] شرح عقیدہ طحاویہ، ۳۴۸

بیان فرمایا ہے، اور اسی پر انبیاء سابقین علیہم السلام کو بھیجا، اور یہی ابراہیمؑ نے کہا
کہ، ﴿اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ اوراسی کی وصیت ابراہیمؑ ویعقوبؑ نے اپنے
بیٹوں کوفرمائی ہے۔ اور یہ بمعنی ایمان ہے اور رہا بمعنی انقیاد، تووہ کسی کے نزدیک
مراد ایمان نہیں ہے۔"[۱]

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے حسب معمول اس موضوع پر نہایت مختصر گفتگو کی ہے، جیسا کہ آپ سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ﴾ کے تحت ارشادفرماتے ہیں کہ

"اسلام کے لغوی معنی فرماں برداری کرنا، اور شرع میں ایمان واسلام سے ایک
معنی مراد ہیں ہاں کبھی لغوی معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہوتا ہے، جیسا کہ
﴿قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰـکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا﴾ تب ایمان سے مرادتصدیق قلبی اور
اسلام سے انقیاد ظاہری مراد لی جاتی ہے۔"[۲]

سورۃ الحجرات کی مذکورہ آیت کے تحت یہی مضمون ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے۔

"عرف شرع میں ایمان واسلام دونوں لفظوں سے ایک ہی مراد ہے وہ کیا؟ دل
سے اللہ اور اسکے رسولؐ کی باتوں کی تصدیق کرنا اور احکام شرع کو قبول کرنا، اس
جگہ "اسلمنا" کے لغوی معنی مراد ہیں، جس لیے ایمان سے جدا سمجھا گیا، اس آیت
سے یہ سمجھ لینا کہ ایمان اور چیز ہے اور اسلام اور چیز بڑی غلطی ہے۔"[۳]

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ کی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس موضوع پر مختصراً بات کی ہے۔ اور اسلام شرعی اور ایمان کو بمعنی واحد قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپ سورہ الحجرات کی اس مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ

"یہاں اسلام سے مراد اسلام لغوی ہے شرعی نہیں، پس اس آیت سے ایمان
واسلام کے تغایر پر استدلال کرنا غیر صحیح ہے۔[۴]

☆ مولانا شبیراحمد عثمانیؒ نے بھی اس بارے میں اپنے نقطہ نظر پر مختصرا لکھا ہے کہ

"تنبیہ، اس آیت سے ایمان واسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہ ہی بات حدیث
جبریل وغیرہ سے ثابت ہوتی ہے۔"[۵]

فضل الباری میں آپ نے اس موضوع پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے اور اسلام کے لغوی اور شرعی معنی کی بحث میں پڑے بغیر نہایت بلیغ انداز میں اکابر آئمہ جمہور کی ترجمانی کا حق ادا کردیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"ایمان نام ہے تصدیق کا اور اسلام نام ہے اعمال کا خواہ جوارح کے ساتھ ہوں

---

۱ مواہب الرحمٰن، ۳/۱۳۸ ۲ تفسیر حقانی، ۲/۴۳ ۳ ایضا، ۴/۳۳۸
۴ تکمیل بیان القرآن، ۱۱/۴۹ ۵ تفسیر عثمانی، ۶۸۷

یا زبان کے، چنانچہ حدیث جبرائیل اس کی صریح دلیل ہے۔ جبرئیلؑ نے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آنحضرتؐ اس امر سے بالکل خالی الذہن ہیں کہ سائل کچھ دیر بعد مجھ سے اسلام کے بارے میں سوال کرے گا، ایمان کی جو بھی حقیقت تھی وہ بیان کردی، قطع نظر اس کے کہ اسلام کا کیا مفہوم ہے، پھر جب اسلام کے بارے میں سوال کیا گیا، تو ایسی نوعیت سے صرف اسلام کی حقیقت جو تھی، وہ بیان کردی۔ احناف کو اس باب میں اسی حدیث کو مستدل بنانا چاہیے۔ کیونکہ یہاں ایک ہی جگہ دونوں کا بیان ہے اور یہاں بھی دونوں کی اصل حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔ ایمان اور اسلام اگر متحد المعنی ہوتے تو جبرئیل دو علیحدہ علیحدہ سوال نہ کرتے...... باقی وفد عبدالقیس، سو ابن رجب حنبلی کے قول ''اذا اجتمعا تفرقا واذا تفرقا اجتمعا'' سے اسکا جواب ظاہر ہے۔ ابن رجب حنبلیؒ کے اصول کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان و اسلام کے الفاظ کا استعمال ایک ہی جگہ ساتھ ساتھ ہو، تو ان کے مدلول میں اتحاد نہ ہوگا، جیسا کہ جبرئیل کے سوالات کے سلسلہ میں ہے اور اگر ایمان و اسلام کے لفظ کے الفاظ کا استعمال ساتھ ساتھ نہ ہو، صرف لفظ ایمان یا صرف لفظ اسلام استعمال کیا جائے تو وہاں ایک دوسرے کے لیے ان کا استعمال بطریق توسع ہے۔''[ا]

☆ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے ایمان و اسلام کے اس باہمی تعلق کو مرتبہ احسان کی روشنی میں نہایت بلیغ انداز میں اس طرح واضح کیا ہے۔

''اسلام کے برعکس ایمان دل سے جوارح کی طرف درجہ بدرجہ بڑھتا ہے۔ پس یہ دونوں آمدورفت کے لحاظ سے ایک جیسی مسافت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اگر ایمان جوارح ہوجائے اور اسلام قلب میں راسخ ہوجائے تو یہ دونوں ایک ہیں۔ اور اگر ایمان دل میں باقی رہے اور اسلام صرف جوارح تک محدود ہوجائے۔ تو پھر دونوں متغائر یعنی علیحدہ علیحدہ ہوں گے۔ یہاں پر اتحاد مسافت اور اسلام کی باطن کی طرف سرایت کرنے سے میری مراد احسان کی نسبت سے ہے جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے پس اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے رویت کرنا، جو کہ قلب کی صفت ہے، جب خشوع جوارح سے مل جاتی ہے تو اس صورت میں ایمان و اسلام کی

ا فضل الباری، ۵۲۵

مسافت ایک ہوجاتی ہے۔ اور اس وقت اس کا ایمان عین اسلام اور اس کا اسلام عین ایمان ہوتا ہے۔ اور ان کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا، ورنہ بصورت دیگر اسلام جوارح پر ہوگا اور ایمان دل میں۔ اس طرح نہ تو اسلام اس کے قلب کی طرف سرایت کرے گا۔ اور نہ ہی ایمان اس کے ظاہر پر نمودار ہوگا۔[1]

اکابر علماء کرام کے مندرجہ بالا اقتباسات کے تقابلی مطالعہ سے جو اہم بات واضح ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ جمہور آئمہ حنفیہ کے مسلک کی ترجمانی کے لیے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اس میں دینی مسائل کو سہل الفہم بنانے کے لیے طوالت کلام کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور تکرار کلام سے مضامین کو دلنشین بنانے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ نواب صاحبؒ کے معاصر مفسرین کرام کے یہاں اس موضوع پر حد سے زیادہ اختصار پایا جاتا ہے۔ البتہ اس سلسلے میں علامہ انور شاہ کاشمیریؒ، نواب صاحبؒ کا نقطہ نگاہ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے دقیق اور پر مغز مباحث ان سب پر حاوی ہیں۔

ایمان کے بارے میں نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر

نواب صدیق حسن خان اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اطاعت وعبادات اور ذکر الٰہی سے اور ہر اس عمل سے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہو، ایمان بڑھتا ہے۔ اور معاصی و نافرمانی سے اور منکرات پر عمل کرنے سے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ تفسیر ترجمان القرآن میں وہ اپنے اس موقف کو درج ذیل آیات کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔

﴿وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾[2]

اس آیت مبارکہ سے نواب صاحب ایمان کی زیادتی اور کمی کو ثابت کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مثل اس آیت کے ہے۔

﴿وَ اِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾[3]

پھر نواب صاحب آئمہ کا اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام بخاریؒ وغیرہ آئمہ نے اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات سے استدلال کیا ہے زیادت وتفاضل ایمان پر، جمہور امت کا یہی مذہب ہے امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ابو عبیدہؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔''[4]

اس عبارت سے نواب صاحبؒ امت کا اجماع بھی نقل کرتے ہیں جن میں وہ بخاری کی ایک حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ حدیث کچھ یوں ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ایمان

---

1. فیض الباری علی صحیح البخاری، ا/ ۲۸، ۲۹
2. الانفال ۸: ۲
3. التوبہ ۹: ۱۲۴
4. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴/ ۲۳۶

کے ستر اور کچھ حصے ہیں سب سے افضل شعبہ "لا الہ الا اللہ" پڑھنا ہے اور کم ترین ایمان یہ ہے کہ آدمی راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے اور حیا بھی ایمان میں سے ہے۔" امام احمدؒ کی جس رائے کی طرف اشارہ نواب صاحب نے کیا ہے وہ یوں ہے: "ایمان قول وعمل کا نام ہے اور یہ گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ نماز، حج، زکوٰۃ اور تمام نیکیاں ایمان کو بڑھاتی ہیں جبکہ معاصی ایمان میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔"[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾[2]

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اور جو لوگ ایماندار ہیں ان کا ایمان زیادہ ہو جائے اور جان لیں کہ حضرتؐ سچے ہیں اور کسی طرح کا شک نہ رہے اور منافق و کافر یہ کہیں کہ اللہ کو اس مثال کو بیان کرنے کا کیا مقصد تھا سو اللہ تعالیٰ اس طرح کسی کو گمراہ اور کسی کو راہ یاب کرتا ہے۔ بعض کے دلوں میں ایمان متاکد ہوتا ہے اور بعض متزلزل ہو جاتے ہیں۔"[3]

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نواب صاحبؒ دیگر معاصر مفسرین کے موقف کے برعکس نقطہ نظر کے حامل ہیں معاصر مفسرین اسلام اور ایمان میں نہ صرف فرق کے قائل نظر آتے ہیں بلکہ ایمان میں نقص وزیادتی کے بھی منکر نظر آتے ہیں جبکہ نواب صاحبؒ کا موقف ہے کہ اسلام وایمان ایک دوسرے سے لازم ملزوم ہیں اور ایمان میں کمی وزیادتی کا عنصر ہمیشہ سے قائم رہتا ہے اور درحقیقت یہی سلف صالحین کا موقف ہے۔

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۳۶/۴ [2] المدثر ۷۴: ۳۱ [3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۱۳/۱۶

مبحث دوم

عبادات

عربی لغت، لسان العرب میں، ''عبادات'' کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

''العبادة: فی اللغة، الطاعة مع الخضوع ومنه طریق معبد اذا کان مذلا بکثرة الوطء''[۱]

یعنی عبادات لغت میں خضوع کے ساتھ اطاعت کو کہتے ہیں، اسی سے ''طریق معبد'' کہا جاتا ہے۔

یعنی عبادات ایسا راستہ جو زیادہ آمدورفت کی وجہ سے ہموار ہو گیا ہو۔ جبکہ امام لغت، امام راغب اصفہانیؒ اس لفظ کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''العبودیة، اظهار التذلل والعبادة ابلغ منها لانها غایة التذلل ولا یستقها الا من له غایة الافضال وهو الله تعالیٰ.''[۲]

یعنی عبودیت اظہار تذلل کو کہتے ہیں۔ ''عبادت'' اس سے بلیغ تر ہے۔ کیونکہ یہ انتہائی درجے کی تذلل اور عاجزی ہے۔ اور اس کا مستحق وہی ہوسکتا ہے جو فضیلت کے انتہائی مقام پر فائز ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اقدس ہے۔ اسی طرح امام جرجانی ''التعریفات'' میں لکھتے ہیں:

''العبادة هو فعل المکلف علی خلاف هوی نفسه تعظیما لربه''[۳]

عبادت لغت میں خضوع کی وجہ سے اطاعت، کو کہتے ہیں۔ جبکہ شریعت میں یہ کمال محبت، خضوع اور خوف سے مجموعہ عبارت ہے۔ علامہ مہائی کے مطابق چونکہ عبادت کا مطلب دوسرے کے لیے اس کی انتہائی تعظیم کی وجہ سے تذلل اختیار کرنا ہے۔ اس لیے تسخیر، سحر، قیام اور جھکنا (تعظیم کی ایک قسم ہونے کی وجہ) عبادت سے خارج ہو گئے۔ تفسیر مواہب الرحمٰن میں ''عبادت'' کے موضوع پر بحث کے دوران، سید امیر علیؒ نے اس لفظ کے معنی و مفہوم پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور عبادت و توحید کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے تقریباً ہر جگہ عبادت کے توحیدی پہلو کو نمایاں کیا ہے۔ مثلاً

''عبادت وہ فعل ہے جو نہایت تعظیم کو شامل ہے۔ اور نہایت تعظیم اسی کو لائق ہے جس نے عابد کو پیدا کیا، اور لائق عبادت کیا۔ اور ہر طرح کا انعام و افضال عطا کیا اور منعم سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہے۔ پس سوائے اس کے کوئی بھی لائق عبادت کے نہیں ہے۔''[۴]

لغت میں عبادت کے معنی انتہا کی ذلت برداشت کرنا بمقابلہ معبود کے، اور دل سے اس کے لیے عاجز ہونا اور کامل انقیاد و فرمان برداری کرنا۔ پھر یہ دو طرح پر ہے اول یہ کہ ارادہ الٰہی کے لیے سر جھکایا۔ یہ اہل توحید و اہل اسلام کا مسلک

---

۱ لسان العرب، ۱۲/۹
۲ المفردات فی غریب القرآن، ۳۲۲
۳ التعریفات، ۱۰۵
۴ مواہب الرحمٰن، ۱۵/۲، ۷

ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک الوہیت والا ہے۔ جب یہ معنی پہنچانے تو اس کے واسطے مطیع ومنقاد ہو۔ اور یہ فقط اہل اسلام کے واسطے ثابت ہے۔ برخلاف اہل شرک کے مثلا یہو ونصاری وغیرہ کہ یہ ایسی چیز کے مطیع ومنقاد ہیں، جس کے واسطے بیٹا وجورو ہے، یا جیسے ساجھی ہیں۔ اورتم خوب سمجھتے ہو کہ یہ کوئی چیز ہو، یاخیالی ہو۔ بہرحال وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے سوائے کوئی چیز ہے۔ جس کے واسطے قصداً اطاعت کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھنکار ہے۔ تو مشیت الٰہی عزوجل کے واسطے مطیع ہیں۔ لہذا دوسرا طریقہ انقیاد بطور مشیت ہے۔ یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے۔ اسکے واسطے ہرچیز چارونا چار مطیع ہے۔[1]

لغت میں عبادت کے معنی عاجزی وفرمان برداری ہے۔ اور جن وانس میں سے کوئی مخلوق اس سے خالی نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق اسکے حکم قضاوقدر کے تحت میں مقہور نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا فرمایا: حتی کہ آدمیوں کے لڑکے لڑکیاں ان کی خواہش کے موافق نہیں ہوتی ہیں۔ کہ جس شکل وصورت سے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، پیدا فرمایا ہے...... اللہ تعالیٰ نے ہر ایک جن وانس کو اس واسطے پیدا کیا کہ عبادت کرے۔ یعنی اس میں عبادت کی استعداد فرمائی ہے۔ پھر جس نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت چھوڑ دی، وہی نافرمان ہے۔''

اسی طرح

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ......﴾ [2]

کی تفسیر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

''اے لوگو توحید کرو اپنے رب کی، اور اسکے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرو، نہ اعتقاد میں، نہ صفت میں، نہ فعل میں۔ پس اسی کے واسطے عبادت کرو۔ کیونکہ وہی خالق اور وہی منعم ہے۔''[3]

''عقائد میں مذکور ہے کہ کسی شخص کو یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق اس کی عبادت کرسکے۔ کیونکہ مخلوق سے جو عبادت پیدا ہو، وہ بھی مخلوق ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ عزوجل کی شان خالق ہے۔ تو اس کی بارگاہ کبریائی کے لائق جب خود آدمی نہیں ہے۔ تو اس آدمی سے جو چیز پیدا ہوئی یعنی عبادت، وہ کہاں اس کی بارگاہ کے لائق ہوسکتی ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنی رحمت سے جو کچھ بندوں سے ممکن تھا۔ یعنی حکم کی فرمان برداری کرنا، اسی پر اکتفا فرمایا۔ چنانچہ جس بندے نے موافق حکم کے روزہ نماز ادا کیا۔ وہ مقبول ہے۔ اور اس پر مزید رحمت یہ ہے کہ یہ اعمال صالحہ بھی بندوں ہی کو دے دیے۔ حتی کہ ہر ایک شخص اپنے اعمال کے

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۸/۱ [2] البقرہ۲: ۲۱

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۴۲/۱

موافق آخرت کے درجات پائے گا۔''[۱]

ایک اور جگہ آپ لکھتے ہیں:

آئمہ اہل سنت بالا جماع متفق ہیں ۔ کہ بندوں سے ایسی عبادت نہیں ہوسکتی۔ جو جناب باری تعالیٰ کے لائق ہو۔مگر یہ ہوسکتا ہے کہ جن نیک کاموں کا وہ حکم فرمائے وہ نیک کام بجالاویں۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر شخص کے لائق وہ چیز ہوتی ہے، جو اسکی شان سے مناسبت رکھتی ہو۔اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مناسب ایسی عبادت ہے۔ جو اس کی الوہیت کے لائق قدیم ہو۔لیکن بندے بالکل حادث ہیں۔تو بندوں کی ذات اس لائق نہیں ہے کہ اس کی بارگاہ کے مناسب ہو۔تو اس کی عبادت اس مخلوق کے اندر سے مخلوق ہے۔تو جب مخلوق خود بارگاہ خالق کے لائق نہ ہوا۔تو مخلوق المخلوق بالضرور لائق نہ ہوگی۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ

"لا أحصی ثناء علیک أنت کما أثنیت علی نفسک"

انسان کے مقصد تخلیق کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [۲]

اس آیت کے ذیل میں نواب صاحبؒ نے خلقت انسانی اور عبادت سے باہمی تعلق کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں چند ایک مقامات ہیں۔جن کو غور سے سمجھنا چاہیے۔

اول: یہ کہ آیت میں کیا معنی مراد ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے عبادت مقصود رکھا۔تو اس کے ارادہ کے خلاف کیونکر ہوسکتا ہے۔ حالانکہ بہت کثرت سے کافر ومشرک ہیں۔

دوم: عبادت سے حقیقی معنی مراد ہیں یا تعمیل حکم۔

سوم: مؤمنوں کے کل کام جو دنیاوی معاملات کہلاتے ہیں، کیا معصیت ہیں۔جبکہ پیدائش کے مقصود کے خلاف ہیں۔تو اس میں کیا معنی اور کیا تحقیق ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ جس شخص نے اس آیت قدسی کو غور کے ساتھ اچھی طرح سمجھ لیا۔تو وہ دین میں اچھا عالم عارف ہوگیا۔[۳]

ان مقامات کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

مقام اول: یہ کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا فرمایا۔

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱؍۲۷ [۲] الذاریات ۵۱:۵۶

[۳] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۴؍۱۸۲

لفظ 'کے لیے' دو معنیٰ میں بولا جاتا ہے۔ ایک اس کام کی غرض جیسے بولتے ہیں کہ میں نے اس تخت کو بیٹھنے کئے لیے بنایا ہے۔ یعنی میری غرض یہ ہے کہ اس پر بیٹھوں۔ دوم محاورہ اس کی حکمت بیان کرتا ہے۔ جیسے میں نے فوج کو انتظام کے لیے بھیجا، یعنی وہاں فوج جانے میں یہ حکمت ہے کہ انتظام قائم ہو۔ اور ان دونوں معنوں میں فرق دقیق ہے...... اب غور کرو کہ حق تعالیٰ کے کاموں میں اول بات غیر ممکن ہے یعنی حق تعالیٰ کو کسی چیز سے کوئی غرض متعلق نہیں ہے۔ اس واسطے کہ الوہیت ذاتی میں کمال کامل ہے۔ اور محتاج ناقص ہوتا ہے۔ وہ اپنے نقص کو اس نتیجہ سے پورا کرتا ہے، اور جو چیز کسی غیر کی محتاج ہو، وہ کامل نہیں ہے۔

اور الوہیت فقط اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اور الوہیت بھی صفت کمال ہے۔ جس میں کسی طرح کی محتاجی نہیں ہے۔ اور نہ کسی محتاج چیز سے اس کو لگاؤ ہے...... اب توجہ کرو کہ کمال ذاتی میں کسی طرح محتاج یا محتاج سے لگاؤ غیر ممکن ہے۔

تو معلوم ہوا کہ جن وانس کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض نہیں ہے۔ اور تمام جہان کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ تو معلوم ہوگیا کہ (عبادت کے لیے) پیدا کرنے سے یہ مراد ہے کہ ان کا نتیجہ یہی عبادت ہے...... جب یہ سمجھ گئے کہ آیت میں یہ معنی ہیں کہ جن وانس کو پیدا کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی عبادت کریں۔

اس سوال کے جواب میں اگر جن وانس کو تخلیق کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی عبادت کریں تو پھر کفار کیوں ذات اقدس کی عبادت سے عملاً انکار کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''جواب میں علماء نے اپنی اپنی سمجھ کے موافق کلام کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ آیت میں جن وانس سب مراد نہیں ہیں۔ بلکہ خاص مسلمان جن وانس مراد ہیں۔ تو معنی یہ ہوئے کہ ہم نے مسلمانوں جن وانس کو اس واسطے پیدا کیا تاکہ ہماری عبادت کریں۔ واحدی نے تفسیر میں لکھا ہے کہ مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں جن وانس میں سے فقط بندگی کرنے والے خاص ہیں۔ اور یہ کلبی وضحاک کا قول ہے۔ اور اسی کو فراء نے پسند کیا۔ اور ابن قتیبہؒ نے اسی کو لیا ہے۔ قشیری نے ایک دلیل بھی بیان کی کہ آیت میں خاص جن وانس مراد ہیں۔ اس لیے کہ مجنون واطفال کو عبادت کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ نے مجنونوں سے عبادت شاہی۔ تو ظاہر ہوا کہ کل جن وانس مراد نہیں ہیں۔ بلکہ دوسری آیت سے نکلتا ہے کہ بہت سے جن وانس کو جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی قولہ تعالیٰ:
>
> ﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ......﴾[1]

---

[1] الاعراف ۷:۱۷۹

اسی سلسلے میں آپ آگے لکھتے ہیں:

''خطیب نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ﴿لِیَعْبُدُوْنِ﴾ تا کہ میرے حکم قضا کے لیے مطیع ومنقاد ہوں۔ یہ سب اس صورت میں بیان ہوا کہ ''یعبدون'' میں عبادت لغوی مراد ہے لیکن ایسے مواقع پر لغت عرب کو لینا اصلی معنی کے واسطے مفید نہیں ہے۔ اس لیے کہ عرب اپنی بول چال میں سوائے بت پرستی کے کوئی معنی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ عبادت ورسالت والوہیت کچھ نہیں پہچانتے تھے۔ تو عبادت کے معنی کیونکر استعمال کرتے۔ پس عبادت کو معرفت سے لینا چاہیے۔ چنانچہ مجاہدؒ سے صحیح روایت ہے کہ ''یعبدون ای یعرفوننی'' تا کہ مجھے پہچان لیں۔ یہ معنی پسندیدہ ہیں۔'' پھر جب یہ امر متعین ہوا کہ حق عبادت ادا نہیں ہوسکتا ہے۔ تو یہاں آیت میں کیا معنی ہیں۔ کیونکہ صریح فرمایا کہ میں نے عبادت ہی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حق عبادت ادا نہیں ہوسکتا ہے، تو یہاں مراد یہ ہے کہ میرے احکام امرونہی کی تعمیل کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں۔ ان کی موافقت ممکن ہے۔ مثلاً حکم دیا کہ ظہر کے وقت چار رکعت بایں طریقہ ادا کرو۔ یا شراب مت پیو، تو ان احکام کی فرمان برداری ممکن ہے۔ پس اس آیت میں ﴿اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ سے یہی مراد ہیں کہ میں جن وانس کو حکم دوں اور نہی کروں۔ پس اسی حکم ونہی کی فرمان برداری کرنا بندے کی عبادت ہے۔''[۱]

تفسیر ترجمان القرآن کی ان طویل ترعبارات اور دقیق مباحث کی نہ بنسبت معاصر اردو تفاسیر میں اس مقام پر مختصر بحث کی گئی ہے۔ چند ایک تفاسیر کے اقتباسات درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر حقانی میں اس پوری بحث کو فقط ایک آدھ جملہ میں اس طرح سمیٹا گیا ہے۔

''ایمانداروں کو نصیحت کرتے رہو۔ کہ ان کو اس سے فائدہ ہوگا۔ اور وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے بنایا ہے۔ اور وہ اس بات کو سمجھ کر خدا کی عبادت میں مصروف رہیں گے۔''[۲]

یعنی ان کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لیے ان میں خلقتاً ایسی استعداد رکھی ہے۔ کہ چاہیں تو اپنے اختیار بندگی کی راہ پر چل سکیں۔ یوں ارادہ کونیہ قدریہ کے اعتبار سے تو ہر چیز اس کے حکم تکوینی کے سامنے عاجز وبے

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲۷/۲۰،۱۹ ۲۔ تفسیر حقانی ۴/۳۴۹

بس ہے۔ لیکن ایک وقت آئیگا۔ جب سب بندے اپنے ارادہ سے تخلیق عالم کی اس غرض شرعی کو پورا کریں گے۔ بہرحال آپ سمجھاتے رہیے، کہ سمجھانے ہی سے یہ مطلوب شرعی حاصل ہوسکتا ہے۔[1]

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس مقام پر جامع اور مختصر بحث کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے جن وانسان کو (دراصل) اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ (اور تبعاو تکمیلا للعبادة) خلقت جن وانس پر دوسرے منافع کر مرتب ہونا اسکے معانی نہیں۔ اور اسی طرح بعض جن وانس سے عبادت کا صادر نہ ہونا بھی اس مضمون کے منافی نہیں، کیونکہ حاصل اس ''لیعبدون'' کا ارادہ تشریعیہ ہے نہ کہ ارادۂ تکوینیہ۔ اور تخصیص جن وانس کی اس لیے کہ عبادت سے مراد عبادت بالاختیار ابتلاء ہے۔ اور ملائکہ میں ابتلاء نہیں ہے۔ اور دوسری مخلوقات میں اختیار نہیں۔ حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ مجھ کو مطلوب شرعی ان سے عبادت ہے۔''[2]

مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے بھی اس آیت کے تحت بڑی دقیق بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ غایت کی دو قسمیں ہیں۔ غایت خلقت نوع اور غایت خلقت اشخاص۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ نوع جن وانس کی تخلیق کی غایت عبادت الٰہی ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو ان کی تخلیق بھی نہ کی جاتی ۔ اور اشخاص دیگر اغراض کے لیے بھی ہوسکتے ہیں۔ جیسے دنیا کی تعمیر وغیرہ۔ آپ اپنی بحث میں ابوالبقاء کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''جن وانس کی تخلیق عبادت الٰہی کے لیے کی گئی ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے کہا جائے کہ مدرسہ تعلیمی مقصد کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ پس لوگوں کو وہاں تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ اور یہی ان سے مطلوب بھی تھا۔ پس اگر لوگ تعلیم حاصل نہ کریں۔ تو اس اصل حکم میں تو کہیں مضرت نہ ہوگی۔ البتہ یہ لوگ الٹا اپنا نقصان کریں گے۔''[3]

تفسیر ترجمان القرآن کی ان طویل ترین عبارت کا مندرجہ بالا اقتباسات سے تقابلی مطالعہ جہاں اس تفسیر کے وسعت معلومات پر روشنی ڈالتا ہے وہاں 'عبادت' کو اس کے کلاسیکی مفہوم کے ساتھ ساتھ، اس کو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر منطبق کر کے، اس لفظ کے معنی و مفہوم کو عالمگیریت عطا کرتا ہے اور ایک طرح سے حق تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندے کے تعلق عبدیت کو مضبوط کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں:

مسلمان کے یہی معنی ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار ہو۔ تو ایسے بندے کا سونا

---

۱ تفسیر حقانی، ۴۹۴ ۲ تکمیل بیان القرآن، ۶۴،۶۳/۱۱

۳ مشکلات القرآن، ۲۳۶

دکھانا بھی عبادت میں محسوب ہے۔ اس سے سمجھ دار کو یہ معلوم ہوگیا کہ جو شخص
جاگنے کی حالت میں اپنے رب عز وجل کے احکام بجالانے میں اسلام پر نہیں رہا۔
یعنی مطیع احکام نہیں رہا۔ تو جب اس نے اختیار وقت کو ضائع کیا، تو بے اختیاری
وقت یعنی خواب کا وقت بھی بدرجہ اولیٰ ضائع ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ مثلاً
خواب کا وقت جو نیک بندوں کے واسطے عبادت میں محسوب ہوتا ہے۔ وہ ان کے
واسطے اسی قدر مقدر ہے، جس قدر کہ مقتضائے طبیعت کے واسطے ضروری ہے۔
یعنی اگر وہ اس قدر سونے میں صرف نہ کریں۔ تو بیماری میں مبتلا ہوں۔ اسی طرح
جو وقت کھانے میں صرف ہوتا ہے۔ اس میں بھی یہی لحاظ ہے کہ اگر اس نے
کھانا اس نیت سے کھایا کہ اس نے نفس کی اصلاح اس قدر کرنی ہے کہ وہ اپنے
جسم کو عبادت میں لگادے، یا اس کے دماغ کی اصلاح رہے کہ پڑھنے پڑھانے
میں کام آئے۔ غرض کہ فرمان برداری کی نیت ہو۔ تو یہ کھانا مع وقت کے اسی نیت
سے داخل عبادت ہے۔[1]

الف: نماز

ضرورت، اہمیت اور فرضیت

بندہ مومن پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فریضہ ادائیگی نماز ہے جس کا کتاب وسنت کے نصوص میں نہایت ہی کثرت سے حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حکم خداوندی ہے۔

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ [2]

یوں تو ضمناً اور اطاعت وعبادت کے عنوان سے قرآن مجید میں سینکڑوں مرتبہ نماز کا ذکر موجود ہے۔ لیکن صراحت کے ساتھ بھی تقریباً ایک سونو (۱۰۹) مقامات پر نماز کا حکم ملتا ہے۔[3]

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

بنی الاسلام علی خمسن شهاده ....بخاری

نماز کے متعلق کتاب وسنت کے متعدد نصوص سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ اس فریضہ کی حیثیت محض ایک حکم اور اس کی رسمی بجا آوری کی نہیں، بلکہ اس کا تعلق کائنات کی گہری فطرت اور عمق و باطن سے ہے اور یہ حضرت انسان کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ صمدیت میں ایک ایسا عمل ہے جس کی خیر و برکت کی وسعتیں اس کارخانہ عالم کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ بقول ایک مغربی سکالر'' جس طرح اس کائنات کے تین ابعاد (three Dimensions) ہیں۔ اسی طرح نماز بھی تین ہی ابعاد پر مشتمل

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۷
[2] النساء ۴:۱۰۳
[3] نماز مسنون، ۶۷

ہے۔ قیام رکوع اور سجدہ یعنی نماز پوری کائنات میں نیاز مندی،عبودیت اور طاعت کا جو ہمہ گیر وصف پایا جاتا ہے، اس کی مکمل ترجمانی کرتی ہے۔ سجدہ کے معنی یہ ہیں۔ کہ آپ جمادات کے اسلوب اطاعت کا اظہار کررہے ہیں۔رکوع کا مطلب یہ ہے کہ عالم حیوانی کے آداب بندگی میں آپ شریک ہیں۔ اور قیام اس حقیقت کا غماز ہے کہ اطاعت و بندگی کے اس نہج کو آپ نے پالیا ہے۔جو حضرت انسان کا خاصہ ہے۔ [۱]

مولانا سید ابوالحسن علیؒ کائنات میں انسان کے عظیم مرتبہ ومقام کی بناء پر نماز کو، اس کے لئے سب سے موزوں طریقہ عبادت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''..........ان باتوں کے پیش نظر انسان کے لئے ایسے طرز عبادت یا نظام کی ضرورت تھی ۔ جو اس کی فطرت، اس کے فرائض منصبی، اس کائنات میں اس کے مرتبہ و مقام اور اس کی ذمہ داری اور فریضہ کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ جو خلافت الہٰی کی صورت میں اس کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔'' [۲]

تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان میں بھی نماز سے متعلقہ موضوع پر کتاب وسنت سے استدلال کرتے ہوئے وسیع مواد پیش کیا گیا ہے۔اور راجح قول کو دلائل سے مزین کیا گیا ہے۔ مثلاً آپ نماز کے متعلق فرماتے ہیں۔

''۔۔۔۔ پس خلاصہ یہ کہ عقائد کا جاننا قرآن پاک سے اور وہ مطابق تمام صحابہؓ اور تابعینؒ وان کے بعد والوں کے ہے۔ جو اہل سنت والجماعۃ کا مذہب ہے۔تو یہ صحیح ضرور ہے۔ اور اس کے بعد عبادات ہیں۔اور ان میں نماز مقدم ہے۔ کما قال تعالیٰ:''﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴾ (طٰہٰ۲۰:۱۴) اور قائم کر نماز واسطے میری یاد کے، یعنی تا کہ تو مجھ کو یاد کرے۔ یعنی یہ اس علت کا بیان ہے۔ کہ نماز میرے ذکر کیلئے قائم کرو، پھر اللہ رب العزت نے نماز کو بطور خاص ذکر کیا، حالانکہ عبادت کے عموم میں نماز بھی شامل ہے، علیحدہ ذکر کرنے کا مقصد نماز کی اہمیت بیان کرنا ہے۔ [۳]

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے کہ

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ [۴]

معاصر مفسرین کے نقطہ ہائے نظر

مختلف تفاسیر کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

☆ سید امیر علی ملیح آبادی نے اس ضمن میں احادیث اور اقوال صحابہ و تابعین سے استشہاد کرتے ہوئے تین اقوال

---

۱ اساسیات اسلام، ۹۰،۹۱ — ۲ ارکان اربعہ، ۳۸

۳ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳۲۵/۸ — ۴ البقرہ ۲: ۲۳۸

تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

"..........اب رہا کلام اس میں کہ نماز ہائے پنجگانہ میں سے یہ کون سی نماز ہے۔ پس ایک قول یہ ہے کہ وہ صبح ہے۔ چنانچہ مالک نے موطا میں کہا کہ ہم کو یہ خبر حضرت علیؓ وابن عباسؓ سے پہنچی ہے۔ اور ابن جریرؒ نے اس کو ابن عباسؓ سے اور ابن عمرؓ سے اور جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا۔ اور ابن ابی حاتم نے اس کو ابو العالیہ وعبید بن عمیرؓ وعطاءؓ ومجاہدؓ وجابر بن زیدؓ وعکرمہؓ وربیع بن انسؓ سے حکایت کیا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے اسی پر نص کی اور کہا وہ نماز صبح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ" یعنی کھڑے رہو، اللہ تعالیٰ کے واسطے قنوت پڑھتے ہوئے اور قنوت امام شافعیؒ کے نزدیک نماز صبح میں ہے۔ [1]

آپؒ فرماتے ہیں:

قول دوم آنکہ وہ ظہر ہے۔ چنانچہ عروہؓ اور زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم ظہر کو اول وقت پڑھتے جو نہایت تیزی وگرمی کا وقت ہوتا تھا۔ اور کوئی نماز ایسی نہیں پڑھتے جو آنحضرت صلعم کے یاروں پر پڑھتے جو نہایت تیزی وگرمی کا وقت ہوتا تھا۔ اور کوئی نماز ایسی نہیں پڑھتے جو آنحضرت صلعم کے یاروں پر اس سے زیادہ سخت گزرتی۔ پس نازل ہوا۔

﴿حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ﴾

اس کو امام احمد نے روایت کیا۔ اور ابن کثیر نے ذکر کیا کہ جن لوگوں سے ایسا روایت کیا گیا کہ وہ نماز ظہر ہے۔ ان میں سے ابن عمرؓ ابوسعید خدریؓ و عائشہؓ ہیں۔ اور یہ قول عروہ بن زبیرؓ وعبداللہ بن شدادؒ کا ہے۔ اور یہی ایک روایت ابو حنیفہؒ سے مروی ہے۔" [2]

آپؒ فرماتے ہیں:

قول سوم یہ ہے کہ وہ عصر ہے۔ ترمذیؒ و بغویؒ نے کہا کہ یہی قول علمائے صحابہؓ و تابعینؒ کا ہے۔ اور ماوردیؒ نے کہا کہ یہی جمہور تابعینؒ کا قول ہے۔ اور ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ یہی اکثر اہل اثر کا قول ہے۔ اور ابن عطیہؒ نے کہا کہ یہ جمہور کا

---

[1] تفسیر مواہب الرحمان، ۲/۳۴۲

[2] تفسیر مواہب الرحمان، ۲/۳۴۲

قول ہے۔ اور حافظ ابو محمد عبدالمؤمن الدمیاطیؒ نے کہا کہ اس بارے میں صریح نص ہے۔ کہ وہ عصر ہے۔اور کہا کہ یہی حضرت عمر بن الخطابؓ وحضرت علیؓ وابن مسعودؓ وابوایوبؓ وعبداللہ بن عمرؓ وادر سمرہ بن جندبؓ وابوھریرہؓ وابوسعید خدریؓ و حفصہؓ و ام حبیبہؓ و عائشہؓ وام عائشہؓ وام سلمہؓ وابن عباسؓ کا قول صحیح روایتوں سے ہے۔ اور یہی قول عبیدہؓ وابراہیم نخعی وزربن حبیشؓ وسعید بن جبیرؓ وابن سیرینؒ و حسنؒ وقتادہؒ وضحاکؒ وکلبیؒ ومقاتلؒ وعبید بن مریمؒ وغیرہ کا ہے۔اور یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ ومحمد بن الحسنؒ کا ہے اور اسی کو ابن حبیب مالکیؒ نے اختیار کیا ہے۔ اور بخاری ومسلم واصحاب سنن وغیرہ کے نزدیک متعدد طرق سے حضرت علیؓ سے ثابت کہ ہم جانتے تھے۔ کہ وہ نماز عصر ہے۔ یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے یوم الاحزاب کے روز سنا کہ فرماتے تھے۔

"شغلونا عن صلوة الوسطیٰ صلوٰة العصر ملاء الله قبورهم و اجوفهم نارا ."[1]

راجح موقف

آپ یعنی راجح قول کے متعلق ابن کثیرؒ کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں:

"......اور اسی کا مؤکد ہے جو حدیث صحیح میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ جس شخص نے فوت کیا نماز عصر کو، گویا اس کا مال اہل سب جدا ہوئے اور نیز صحیح میں ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ بدلی کے دن عصر کی نماز میں سویرے جاؤ، کیونکہ جس نے نماز عصر چھوڑی اس کے اعمال ضبط ہوئے۔ اور امام احمدؒ نے ابونضرۃ الغفاریؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلعم نے ہمارے ساتھ وادی غمیص میں عصر کی نماز پڑھی۔ پھر فرمایا کہ یہ نماز تم سے اگلے لوگوں پر پیش کی گئی تھی۔ پس انہوں نے اس کو ضائع کر دیا۔ خبردار رہو کہ جو شخص اس کو پڑھے گا۔ اس کو دوگنا ثواب ہوگا۔ اور اس کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک شاہد نظر آوے۔ ھکذا رواہ مسلم ونسائی وایضاً۔ پس روایات مذکورہ اصح واصرح ہیں۔ اور باقی جو روایتیں آئی ہیں۔ وہ یا تو اسی کی طرف راجع ہیں۔ یا اقوال غیر ثابتہ ہیں"[2]

---

[1] تفسیر مواہب الرحمان، ۲/۳۴۳
[2] ایضاً ۲/۳۵۱

☆ تفسیر عثمانی میں صلوۃِ وسطی کے متعلق پوری بحث کو ان دو جملوں میں بیان کیا گیا ہے۔" بیچ والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے کہ دن رات کے بیچ میں ہے۔ اس کی تاکید زیادہ فرمائی کہ اس وقت دنیا کا مشغلہ زیادہ ہوتا ہے۔"[۱]

مولانا عبدالحق حقانیؒ نے مختصراً تین اقوال مذکورہ کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

"صلوۃِ وسطی کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض ظہر، بعض نماز صبح کہتے ہیں۔ مگر احادیث قویہ سے عصر کی نماز معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ مشرکوں نے ہم کو صلوۃ وسطی سے روک دیا۔ خدا تعالیٰ ان کی قبریں آگ سے بھر دے۔ اور یہ واقعہ جنگ احزاب میں نماز عصر کا ہے۔[۲]

☆ مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔

"۔۔۔ کثرت سے علماء کا قول بعض احادیث کی دلیل سے یہ ہے کہ بیچ والی نماز عصر ہے۔ کیونکہ اس کے ایک طرف دو نمازیں دن کی ہیں فجر اور ظہر اور ایک طرف دو نمازیں مغرب اور عشاء اس کی تاکید خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی کہ اکثر لوگوں کے لیے یہ وقت کام کی بھیڑ کا ہوتا ہے۔"[۳]

☆ مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں:

" (اور دیکھو) اپنی نمازوں کی حفاظت میں کوشاں رہو۔ خصوصاً ایسی نماز کی جو (اپنے ظاہر و باطن میں) بہترین نماز ہو۔"[۴]

حاشیہ میں آپ لکھتے ہیں۔

"صلوۃ وسطی کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو ہم نے اختیار کی ہے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں وسطی سے مقصود درمیانی چیز ہے۔ اور اس لئے پانچ وقت کی نمازوں میں سے کسی خاص درمیانی نماز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن مفسروں نے یہ تفسیر اختیار کی ہے۔ وہ بخاریؒ و مسلمؒ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب جنگ احزاب میں عصر کا وقت نکل گیا، تو آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "شغلونا عن الصلوۃ وسطی حتی غابت الشمس" دشمنوں نے ہمیں صلوۃ وسطی سے باز رکھا، یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ پس صلوۃ وسطی سے مقصود عصر کی نماز ہے۔"[۵]

نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر

مندرجہ بالا مباحث سے بخوبی یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ اگر چہ ان تمام مفسرین کرامؒ نے راجح قول کے مطابق "الصلوۃ

---

۱ تفسیر عثمانی، ۴۹
۲ تفسیر حقانی، ۱/۵۹۴
۳ تکمیل بیان القرآن، ۱۳۷
۴ ترجمان القرآن، ۲/۲۱۱
۵ ایضاً ۸۴۵، ۸۴۶

الوسطی'' سے عصر کی نماز ہی مراد لی ہے ۔ تا ہم نواب صدیق حسن خان نے اس کے متعلق تینوں تفسیری اقوال تفصیل سے بیان کئے ہیں ۔ اور حضور اکرم صلعم کی احادیث، صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال اور آئمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں راجح قول کا تعین کیا ہے۔''

حکمت ترتیب قرآن

نواب صاحب نے قرآن کریم کی حکمت بیان کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ طلاق اور دیگر معاملات کے تذکرہ میں نماز کی اہمیت اس لیے اجاگر کی تا کہ لوگ متنبہ رہیں کہ عبادت (بندگی) کو بھول جانا کسی حالت میں بھی اسلام میں جائز نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''طلاق وغیرہ کے معاملات کے درمیان نماز کا ذکر کیا ہے تا کہ لوگ متنبہ ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ ان معاملات میں پڑ کر بندگی بھول جائیں اسی لیے نماز عصر کی قید لگائی ہے کہ اس وقت امور دنیا میں زیادہ مشغولیت ہوتی ہے۔''[1]

اول وقت میں نماز کی ادائیگی:

معاصر مفسرین سے اس تفسیر کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ نواب صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں بر وقت نماز کی ادائیگی کو افضل ترین عمل قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ابن مسعودؓ کی حدیث جو کہ صحیحین میں موجود ہے۔ کا حوالہ دیا ہے فرماتے ہیں:

> ''اس آیت میں اللہ کریم نے محافظت صلوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ ان کو وقت پر بجا لاؤ اس کی حفاظت کرو، جیسا کہ صحیحین میں ابن مسعودؓ سے آیا ہے کہ میں نے آنخضرت سے پوچھا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا بروقت نماز پڑھنا۔ میں نے کہا پھر کونسا عمل؟ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ کرنا، میں نے کہا پھر کونسا کام افضل ہے؟ فرمایاماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اگر میں کچھ اور پوچھتا تو وہ اور زیادہ بتا دیتے ۔ ام فروہ کہتی ہیں کہ آنخضرت نے اعمال کا ذکر کیا پھر فرمایا کہ اللہ کو اعمال میں زیادہ محبوب وقت پر نماز پڑھنا ہے۔''[2]

نماز عصر کی تاریخی حیثیت

نواب صاحب نے نماز عصر کی فرضیت سابقہ امتوں میں بھی ثابت کی ہے۔ ''ابونضر غفاری نے کہا کہ آنخضرتؐ نے وادی حمص میں ہمیں نماز پڑھائی پھر فرمایا کہ یہ نماز تم سے پہلوں پر پیش کی گئی تھی انہوں نے اس کو ضائع کیا سنو جو اس نماز کو پڑھے گا دوہرا اجر پائے گا اس کے بعد اور کوئی نماز نہ پڑھے جب تک کہ تم (شاہد) ستارہ کو دیکھو''[3]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۸۹
[2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۸۹
[3] ایضا، ۱/۱۹۰

مصحف عائشہؓ کا تذکرہ

نواب صاحب نے اس آیت کی شرح میں مصحف عائشہؓ پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے رقمطراز ہیں:

حضرت عائشہؓ کے غلام ابو یونس نے کہا کہ حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ ایک مصحف لکھوں اور فرمایا کہ جب تو آیت ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾[۱]

پر آئے تو مجھے خبر دینا۔ جب میں اس مقام پر پہنچا تو میں نے ان کو خبر دی تو انہوں نے لفظ وسطی پر فرمایا لکھو صلوۃ العصر، پھر کہا کہ میں نے یہ آنحضرتؐ سے سنا ہے۔[۲]

نسخ تلاوت آیت

نواب صاحب نے ''صلوۃ العصر'' کے الفاظ کو منسوخ قرار دیا۔ کہ اس کی تلاوت گو منسوخ ہوئی لیکن حکم باقی ہے۔ پھر اس لفظ کی تلاوت منسوخ ہوگئی جیسا کہ مسلم میں براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔

مختلف اقوال کا ذکر کرتے ہیں

ترجمان القرآن بلطائف البیان میں باقی مفسرین کی طرح صرف اقوال ہی نقل نہیں کیے گئے ہیں بلکہ ان کے دلائل اور ان پر جرح وتعدیل بھی کرتے ہیں۔

امام شوکانیؒ بھی اسی طرف گئے ہیں کہ نماز وسطی سے نماز عصر مراد ہے۔ اور اپنے بیان میں اسی موقف کی پرزور تائید کی ہے۔ قبیصہ بن ذویب نے کہا کہ اس سے نماز مغرب مراد ہے۔ کیونکہ یہ ثنائی و رباعی کے درمیان میں ہے۔ وتر مفروضات سے ہے۔ اس کی فضیلت مذکور ہے۔ بعض نے کہا نماز عشاء مراد ہے۔ واحدی نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض نے کہا وہ کوئی سی نماز ہے اس کی تعیین نہ ہے۔ جیسا کہ شب قدر مبہم ہوتی ہے کہ کس سال؟ کس مہینے؟ اور کس عشرے میں ہوتی ہے؟ اسی طرح یہ نماز بھی مبہم ہے۔ ابن المسیبؒ قاضی شریحؒ نافعؒ مولی ابن عمرؓ وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔ جوینی نے ''کتاب نہایہ'' میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہ قول امام ماوراء النحر ابن عبدالبر کا مختار ہے۔ مگر ایسا اختیار کرنا نا مناسب ہے۔ کیونکہ اطلاع وحفظ کے بعد ایسی بات کو اختیار کرنا جس پر کوئی سنت واثر دلیل نہ ہو انہوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے۔ کسی نے کہا کہ نماز فجر اور نماز عشاء مراد ہے۔ کسی نے کہا کہ جماعت کی نماز مراد ہے۔[۳]

۱۔ البقرہ۲: ۲۳۸ ۲۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان ۱/ ۱۹۰

۳۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/ ۱۹۰

صلوۃ الوسطیٰ سے نفلی نماز مراد ہے

اس تفسیر میں ''صلوۃ الوسطیٰ'' سے مراد فرضی نمازوں کے علاوہ نفلی نماز مراد ہونے کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

''کسی کے نزدیک نماز خوف مراد ہے، کسی نے کہا نماز عیدین مراد ہے۔ کسی نے کہا نماز وتر کسی نے کہا نماز چاشت مراد ہے۔''[1]

نوٹ: نواب صاحب نے نفلی نمازوں کے متعلق اقوال تو ذکر کیے ہیں لیکن ان اقوال کی نسبت کسی کی طرف نہیں کی۔

آئمہ اربعہ کے بارے میں مثبت رائے

نواب صاحبؒ نے امام شافعیؒ اور دوسرے آئمہ کے اس قول کو ''حدیث کے خلاف میری بات کو تسلیم نہ کرو'' کو بنیاد بناتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ چونکہ حدیث جمہور فقہا محدثین کے نزدیک صلوۃ الوسطیٰ سے مراد نماز عصر ہی ہے لکھا ہے کہ آئمہ اربعہ کا بھی یہی موقف ہے۔

ابن ابی حاتم نے کتاب فضائل شافعیؒ میں امام صاحب سے نقل کیا ہے کہ

کل مقت فكان عن النبى صلى الله عليه وسلم بخلاف قولى مما
يصح فحديث النبى صلى الله عليه وسلم اولىٰ ولا تقلد وانى الربيع

زعفرانیؒ اور امام احمدؒ بھی شافعیؒ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ شافعیؒ سے ابن ابی لاجارود کا لفظ یہ ہے کہ فصح الحدیث وقلت قولا فانا راجع عن قولی وفضل بذالک ابن کثیرؒ نے فرمایا: فحذا من سیازه اؤلئک وهذا نفس اخونه من آئمة رحمہم اللہ تعالیٰ اسی مقام سے ماوردی نے قطعی طور پر یہ بات کہی ہے کہ شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ نماز وسطیٰ نماز عصر ہے۔ اگر چہ قول جدید وغیرہ میں انہوں نے صلوۃ فجر کی دلیل پر نص کی ہے کیونکہ احادیث میں اس کا نماز عصر ہونا ثابت ہے محدثین کی ایک جماعت ان کے مذہب کے موافق ہے۔ والحمد اللہ المنہ بعض فقہاء نے امام شافعیؒ کی بابت یہ انکار کیا کہ ان کا موقف نماز عصر کی جانب ہو بلکہ انہوں نے نماز صبح پر بات ثابت کی ہے۔ کہ ان کا قول صرف یہی ہے ماوردی نے کہا کہ بعض نے اس مسئلے میں دو اقوال بیان کیے ہیں۔ باہم مخالف اقوال کے ذکر اور ان کے جواب کا اور مقام ہے یہاں ان کو لکھنا مناسب نہ ہے۔ ہم نے اس کو علیحدہ ذکر کر دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ حدیث کے خلاف میری بات کو تسلیم نہ کرو اسی طرح ائمہ ثلاثہ سے مروی ہے کہ ائمہ مجتہدین کے خصوصی رسالہ ''جلب المنفعه'' میں لکھے گئے ہیں۔ اسی بنیاد پر کتاب وسنت کے موافق موقف کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا یہی موقف ہے۔ [2]

لفظ وسطیٰ کی لغوی تفسیر:

نواب صاحبؒ نے لغوی طور پر بھی لفظ وسطیٰ پر بحث کی ہے۔

فتح البیان میں یہ ہے کہ صلوات سے پانچوں نمازیں مراد ہیں۔ اور محافظت سے مراد یہ ہے کہ ان کو تمام ارکان و

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۹۱

[2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۹۲

حدود کے ساتھ بجالایا جائے۔ اور ''وسطیٰ'' اوسط کی ''تانیث'' ہے۔ اوسط اور وسط عمدہ چیز کو کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ [۱]

کہ اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنا دیا۔ یہ اس وسط سے مشتق نہ ہے جس کے معنی ہیں متوسط ہونا دو چیزوں کے درمیان۔ بلکہ وسط بمعنی عدل و خیار ہے۔ اگرچہ نماز پنجگانہ میں یہ بھی داخل ہے مگر اس کی اہمیت وشرافت کے سبب اس کا الگ ذکر کیا ہے۔ [۲]

جمع بین الصلاتین کے متعلق معاصر مفسرین کی آراء

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ [۳]

کے تحت تفسیر مواہب الرحمٰن میں نماز کی پابندی وقت کے ساتھ فرضیت کے متعلق بحث کریں گے پھر تفسیر حقانی، عثمانی مکمل بیان القرآن اور آخر میں ترجمان القرآن بلطائف کے حوالے سے بحث کی جائے گی۔

☆ سید امیر علی لکھتے ہیں:

> لہٰذا ان کے نزدیک سوائے مزدلفہ کے ایام حج میں کہ وہاں البتہ ظہر وعصر کا جمع کرنا اور مغرب وعشاء میں جمع کرنا مروی ہوا ہے، اور کسی وقت میں دو نمازوں کا ایک جگہ میں جمع کرنا نہیں جائز ہے۔ بخلاف شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک سفر میں چلنے کی حالت میں یا جبکہ چلنے میں جلدی ہو، تو جمع کر لینا ظہر وعصر کا ایک وقت میں اور مغرب وعشاء کا ایک وقت میں روا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ حضر میں بھی اگر بیمار ہو تو جمع کر سکتا ہے۔ اور دلیل امام شافعیؒ کی چند احادیث صحیح ہیں۔ جن میں جمع حالت حضر میں مروی ہے۔ اور جواب یہ ہے کہ مراد جمع سے یہ ہے کہ مثلاً ظہر وعصر کے ادا کرنے کے بیچ میں ایسا کم وقفہ ہوتا ہے جیسے دونوں کو جمع کر دیا، اس طرح کہ ظہر کے آخر وقت ظہر پڑھی کہ پس ذرا دیر وقت نکل گیا، پس عصر کے اول وقت عصر پڑھی۔ تو ظاہراً یہ معلوم ہوا کہ دونوں ایک وقت میں جمع کر دیں، حالانکہ حقیقت میں اپنے اپنے وقت پر ہوئیں، موافق آیت کے کہ صلوٰۃ مفروض و موقوف ہے۔ اور جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ [۴]

ایک اور جگہ پر جمع بین صلواتیں کے استدلال پر بحث کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

> ''............ مزدلفہ میں جو حاجیوں کا جمع کرنا مروی ہے۔ وہ خلاف قیاس اپنے مورد پر رہے گا۔ اور اس پر اعتراض کیا گیا کہ اصول کے موافق جب آیت کریمہ

---

[۱] البقرہ۲:۱۴۳
[۲] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۱/۱۹۲
[۳] النساء۴:۱۰۳
[۴] مواہب الرحمان،۱/۱۷۹

میں ایک مرتبہ تخصیص ہو چکی، تو دلیل ظنی سے بھی تخصیص روا ہے۔ پس احادیث
سے سفر میں جمع کرنا جائز ہونا چاہیے۔ اور جواب اس کا بعض نے یہ دیا ہے کہ
اصل یہ ہے کہ احادیث اس امر پر نص نہیں ہیں۔ کہ جمع کرنا حقیقی مراد ہے بلکہ
ان میں وہی احتمال ہے۔ جو مذکور ہوا کہ ظاہر صورت جمع کرنے کی ہو گی، در
حقیقت جمع نہیں ہے۔ پس جب تک آیت و حدیث میں توفیق ممکن ہے، تب بھی
تخصیص کا قائل نہ ہونا چاہیے۔۔۔ مترجم کہتا ہے کہ مسئلہ اختلافی مشہور ہے۔ اور
اس میں خلاف نہیں کہ اگر اپنے اپنے وقت پر ہر حال حضر و سفر نماز ادا کی
جاوے۔ تو افضل احوط ہے۔ اور جمع اگر ثابت تو مباح پس احوط یہ ہے کہ جمع نہ کی
جاوے۔''[1]

☆ معاصر اردو تفاسیر مثلاً تفسیر حقانی، بیان القرآن، تفسیر عثمانی اور ترجمان القرآن وغیرہ جمع بین صلواتین کے متعلق اس اہم بحث سے تقریباً خاموش ہیں۔ البتہ تفاسیر کے متعلق مقامات پر صلوٰۃ الخوف کی بحث میں ضمناً تذکرہ ضرور کیا گیا ہے۔ کہ نماز پابندی وقت کے ساتھ لازم ہے۔ اور کسی حال میں بھی معاف نہیں ہے۔[2]

نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر

اس بارے میں نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر یہ ہے۔

دوسرے مفسرین کے برعکس نواب صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں جمع بین الصلواتین کی بحث کو نہیں چھیڑا بلکہ ''موقوتا'' کے لفظ پر صحابہؓ اور تابعین کے اقوال سے اسی بات پر زور دیا ہے کہ جیسے حج صرف ایام حج میں ہی ہو سکتا ہے اسی طرح نماز بھی صرف مقررہ وقت میں ادا ہو گی۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ موقوف بمعنی مفروض ہے یہ بھی کہا کہ نماز کا ایک وقت ہوتا ہے مثل وقت حج کے یہی بات مجاہدؒ و رسالم بن عبداللہؒ وعلی بن حسینؒ و محمد بن علیؒ ما مقاتل وسدیؒ وعطیہ عوفیؒ سے یہی مروی ہے ابن مسعودؓ نے کہا ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ زید بن اسلمؒ نے کہا موقوت بمعنی ''منجم'' ہے جب ایک نجم گیا دوسرا آیا مراد نجم سے وقت ہے۔[3]

نشے کی حالت میں نماز پر معاصر مفسرین کی آراء

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾[4]

اس آیت کی تفسیر میں بحث طلب بات یہ ہے کہ آیا حالت نشہ میں فقط نماز پڑھنے سے روکا گیا، یا اس مواضع صلوٰۃ

---

[1] مواہب الرحمان، ۲/۱۸۰ [2] تفسیر حقانی، ۲/۱۹۹۔۱۹۷
[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳/۲۴۰ [4] النساء۴: ۴۳

کے قرب سے بھی منع کیا گیا ہے۔

☆ سید امیر علی ملیح آبادیؒ فرماتے ہیں:

۔۔۔۔ بالجملہ خطاب کے معنی یہ ہیں کہ اے ایمان والوتم جب نشہ شراب میں ہو، تو نماز مت پڑھو اور یہ اس بناء پر ہے کہ آیت میں مراد نماز ہے، نہ جائے نماز۔ حالانکہ یہ دونوں قول ہیں اور صاحب فتح البیان نے ذکر کیا کہ اہل لغت کہتے ہیں کہ جب ''لاتقرب'' بفتح الراء ہو۔ تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فعل سے متلبس مت ہو۔ اور جب بضم الراء ہو۔ تو مراد یہ ہوتی ہے کہ اس سے قریب مت ہو۔ اور مراد یہاں یہ ہے کہ نماز سے تبلس نہ ہو۔ اور یہی قول ایک جماعت مفسرین کا ہے۔ اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے۔ اور دوسروں نے کہا کہ مراد مواضع نماز ہے۔ اور یہی قول امام شافعی کا ہے۔ اور اس بنا پر مضاف کا مقدر ہونا ضرور ہے۔ اور قولہ ''الا عابری سبیل '' اس کی تقویت کرتا ہے۔ اور ایک گروہ نے کہا کہ نماز اور مواضع نماز دونوں معاً مراد ہیں۔ کیونکہ اس وقت وہ لوگ نماز ہی کیلئے مسجد میں آتے ہیں۔ اور مجتمع ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ پس دونوں چیزیں متلازم تھیں۔''[1]

مندرجہ بالا دونوں اقوال میں سے راجح قول یعنی قول اول کی تائید میں آپ مزید فرماتے ہیں:

''.......... مترجم کہتا ہے کہ اوپر مذکور ہوا کہ ''صلوٰۃ'' کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ اول آنکہ مراد صلوۃ بمعنی حقیقی ہے۔ اور دوم آنکہ مواضع صلوۃ مراد ہیں۔ بہر حال عبور سبیل بمعنی گذر جانا بے تکلف ہے۔ لیکن صلوۃ سے مواضع مراد لینا اور نیز سبب نزول کی راہ سے اس میں ضعف ظاہر ہے۔ علاوہ بریں قولہ ''وانتم سکاری'' اس کے بہ نسبت الیق بہ اول ہے۔ پس قول دوم میں تقویت واحد اور وجہ ضعف کئی ہیں۔ اسی واسطے مفسر نے بلفظ ''قیل'' کہا۔ جو صیغہ تمریض مشعر ضعف ہے۔ اور وجہ اول میں تقویت ظاہر ہے کہ صلوۃ اپنے معنی حقیقی پر باقی ہے۔ اور ''انتم سکاری' ' اس کے ساتھ الیق ہے۔۔۔۔ پس وجہ دوم کے بہ نفس جہ اول میں وجہ تقویت زائد ہیں۔ ہاں وجہ ضعف ایک یہی کہ ''عابری سبیل'' سے مسافر مراد لیا گیا ہے۔ تو یہ کچھ مستبعد نہیں، وقد قال علیه السلام ،''کن فی الدنیا

---

[1] مواہب الرحمان، ۶۰/۵

کانک غریب او کعابری سبیل "[1]

آخر میں آپ فیصلہ کن انداز میں راجح قول کے متعلق لکھتے ہیں:

"............ اگر دنیا کا معاملہ ہوتا تو بسر و چشم ، مگر اس معاملہ میں تو عرض کروں گا۔ کہ میں اوپر متعدد بار لکھ چکا ہوں کہ "الصلوۃ" سے معنی حقیقی لینا اقوی ہے۔ اور مواضع صلواۃ کے معنی لینا، جس پر "عابر سبیل" بمعنی راہ روگذررنے والا بنتا ہے، اضعف ہے۔ رہا یہ امر کہ مابعد میں بیان حکم مسافر سے تکرار لازم آتی ہے۔ تو یہ میرے نزدیک کسی طرح مسلم نہیں، بلکہ یہ تو اضعف الاضعف ہے۔"

☆ مولانا عبدالحق حقانی، اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"..... لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ جمہور مفسرین اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک "الصلوۃ" سے مراد نماز ہے اور ابن عباسؓ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ نماز کی جگہ یعنی مسجد کے اندر جانے کی بھی حالت نشہ میں ممانعت ہے"۔ [2]

آگے آپ فرماتے ہیں۔

جو لوگ "الصلوۃ" سے مسجد مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ نشہ کی حالت میں مسجد میں نہ تو جنابت کی حالت میں، مگر بطریق گزر جانے کے کچھ مضائقہ نہیں یعنی ٹھہرو نہیں نہ وہاں جا کر کچھ عبادت کرو، ہاں کسی طرف جاتے ہو اور وہاں سے رستہ ہو تو نکل جانے کا مضائقہ نہیں۔" [3]

نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر

اس بارے میں نواب صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی﴾ [4]

نواب صاحب نے سورۃ النساء کی آیت ۴۳ کی تفسیر میں "حرمت خمر" کے تدریجی احکام کی بھی وضاحت کی ہے۔

لکھتے ہیں:

"حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کو

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ......﴾ [5]

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا اللھم بین لنا بیانا شا فیا پھر جب آیت باب اتری اور آنحضرتؐ نے پڑھ کر سنائی تو عمرؓ نے پھر وہی کہا اے اللہ بیان کر ہمارے لیے بیان شافی لوگ اوقات نماز میں شراب نہ پیتے یہاں تک کہ

---

[1] مواہب الرحمان، ۶۱ [2] تفسیر حقانی، ۲/ ۱۵۸ [3] ایضاً، ۲/ ۱۵۸

[4] النساء ۴: ۴۳ [5] البقرہ ۲: ۲۱۹

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ ......ای قوله تعالىٰ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [۱]

اتری اس وقت حضرت عمرؓ نے کہا

انتهينا انتهينا

شان نزول بیان کرتے ہیں

دوسرے مفسرین کے برعکس نواب صاحبؒ نے اس آیت کے نزول کا سبب بننے والا واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

یہ ماجرا قبل تحریم خمر کے ہوا اس پر آیت باب اتری اس کو مسلم و اہل سنن نے روایت کیا ہے علی ابن ابی طالبؓ کہتے ہیں عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کھانا پکایا ہم کو بلایا شراب پلائی نماز کا وقت آیا فلاں شخص کو امام بنایا اس نے یوں پڑھا (یا ایها الکافرون ما اعبد ما تعبدون و نحن نعبد ماتعبدون اس پر یہ آیت اتری۔ [۲]

نماز قصر کے بارے میں معاصر مفسرین کی آراء

نماز قصر کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ [۳]

☆ صاحب مواہب الرحمان سید امیر علیؒ شرائط سفر کے متعلق تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"............ صفت سفر میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ سفر طاعت ہونا ضرور ہے۔ جیسے حج یا جہاد یا عمرہ یا طلب علم وغیرہ کا قصد ہو۔ اور یہ ابن عمرؓ و عطاء اور ایک روایت مالک سے ہے۔ دوسرا قول یہ سفر مباح ہو، شرط آنکہ مسافر اس میں عاصی نہ ہو۔ اور یہ امام شافعیؒ و احمدؒ وغیرہ ہم کا قول ہے۔ اور سوم یہ کہ مطلق سفر ہو، خواہ مباح ہو یا محظور ہو۔ اور یہ قول امام ابو حنیفہؒ و ثوریؒ و داؤدؒ کا ہے۔ بسبب عموم آیت کے مگر جمہور نے ان سے اختلاف کیا ہے۔"

حالت سفر میں قصر نہ کرنے کے جواز کے متعلق دو قول ہیں۔

"................ پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا تمام کرنا یعنی چار رکعت والی نماز کو چاروں رکعت سفر میں تمام کرنا جائز ہے یا نہیں تو اکثر اہل علم کے نزدیک قصر کرنا واجب ہے۔ اور یہی قول حضرت عمرؓ و علیؓ و ابن جابرؓ و ابن عباس اللہ عنہم کا اور حسن بصریؒ و عمر بن عبدالعزیزؒ اور قتادہ وغیرہ رحمہم اللہ تابعینؒ کا اور یہی مذہب امام

---

[۱] المائدہ۵: ۹۰۔۹۱ [۲] ترجمان القرآن بلطائف البیان ۲/۶۶۰

[۳] النساء۴: ۱۰۱

مالک ؒ وابوحنیفہ ؒ وغیرہم کا ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نماز اول میں دو رکعت فرض ہوئی، پھر نماز سفر اسی پر برقرار رہی اور نماز حضر پوری کی گئی۔ اور ایک قوم کے نزدیک سفر میں تمام کرنا جائز ہے۔ اور یہی حضرت عثمان ؓ وسعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے اور یہی شافعی ؒ کا مذہب ہے کہ چاہے قصر کرے اور چاہے تمام کرے مگر قصر کرنا افضل ہے۔ چنانچہ شافعی ؒ نے خود حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ان دونوں میں ہر ایک بات کی، نماز میں قصر بھی کیا اور تمام بھی کی، رواہ من طرق الخطیب" [۱]

راجح قول کی تائید میں صاحب تفسیر نے یعلی بن امیہ ؓ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ۔۔۔

میں نے حضرت عمر ؓ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ [۲]

اور اب تو یہ حال ہے کہ بے خوف ہو گئے ہیں، تو عمر ؓ نے مجھ سے فرمایا کہ یہی مجھے بھی تعجب ہوا تھا، جو تجھے پیش آیا۔ پس میں نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا۔ تو آپ صلعم نے فرمایا کہ یہ ایک صدقہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ دیا۔ پس تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ رواہ احمد ومسلم واہل سنن وقال الترمذی حسن صحیح۔ اور ابن عمر نے جواب دیا کہ یہ سنت رسول اللہ صلعم ہے کما رواہ ابی بکر بن ابی شیبہ۔ اور ایک روایت میں کہا کہ یہ رخصت آسمان سے اتری، اگر تم چاہو تو پھیر دو، رواہ ابن مردویہ" [۳]

مسافت سفر کے متعلق آئمہ مجتہدین کے اقوال تفصیل سے بیان کرنے کے بعد آپ نے امام ابوحنیفہ ؒ کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ مسلک مقدار سفر اور نوعیت سفر دونوں لحاظ سے ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"۔۔۔۔۔۔ اہل علم نے مسافت قصر میں اختلاف کیا ہے۔ یعنی کتنی مسافت کا سفر ہو۔ تب تو قصر جائز ہو گی۔ پس ایک گروہ نے کہا کہ سفر چاہے طویل ہو یا قصر ہو، نماز کا قصر جائز ہوگا۔ یہ حضرت انس ؓ سے مروی ہے۔ اور عمرو بن دینار ؒ نے کہا کہ مجھ سے جابر بن زید ؓ نے کہا کہ تو عرفہ میں قصر کر۔ لیکن آئمہ فقہا اور ایک کے نزدیک سفر قصر میں نماز کا قصر نہیں جائز ہے۔ پھر سفر طویل کی مقدار میں اختلاف

---

۱ مواہب الرحمان، ۱۷/۵ ۲ النساء۴:۱۰۱

۳ مواہب الرحمان، ۱۷/۵

ہے۔ پس اوزاعیؒ کے نزدیک ایک روز کی راہ ہے۔ اور ابن عمرو ابن عباسؓ سولہ فرسخ پر نماز کو قصر کرتے اور روزہ افطار کرتے اور یہی مالکؒ و احمدؒ و اسحٰقؒ کا مذہب ہے۔ اور حسنؒ و زہریؒ کے نزدیک روز کی راہ ہو، اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ اور سفیان ثوریؒ و ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین روز کی راہ اوسط چال سے ہو۔ موافق مذہب ابی حنیفہؒ کے تفسیر کلام یوں ہے "اذا ضربتم" یعنی کہ تم سفر کرو، خواہ سفر واجب ہو، یا مستحب یا مباح یا حرام لیکن ضرور سفر طویل یعنی تین روز کی مسافت ہو"۔[1]

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور اختلاف مسلک واضح کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"............قصر کے معنی لغت میں کم کرنے کے ہیں اور تخفیف کے، خواہ کمیت میں خواہ کیفیت میں، اس لیے اس مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک طاؤسؒ کا اور عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اس میں روایت ہے کہ قصر سے مراد بوقت جنگ اشارہ سے نماز پڑھ لینا ہے۔ اور کوع و سجود کی جگہ صرف اشارہ کر دینا اور نماز میں ہتھیار چلانا اور چلنا اور خون آلود کپڑوں میں نماز پڑھ لینا درست ہے۔ کیونکہ رکوع و سجود میں دشمن کے غلبہ کا خوف ہے۔ اور صحابہ نے عین مقابلہ میں ایسا کیا ہے مگر یہ قول قوی نہیں، اس لیے کہ قصر بمعنی تغیر اس کے بعد دوسری آیت مذکور ہے۔ اور وہ ایک جدا حکم ہے دوسرا جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کا قول ہے۔ وہ یہ سفر کے وقت نماز کی تعداد رکعت میں کمی کی جائے ظہر و عصر و عشاء میں چار رکعت کی جگہ دو پڑھی جاویں مگر جابر بن عبداللہؓ اور ایک جماعت کے نزدیک سفر میں دو رکعت خوف کے وقت ایک رکعت پڑھی جاوے۔ جمہور کے قول پر یعلی بن امیہؓ وغیرہ کی بہت سے احادیث صحیح دلیل قوی ہیں۔ دوم قصر کے معنی عرف صحابہ میں یہی تھے۔ اور نیز "من الصلوة" سے بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔ پھر جمہور آئمہ تابعینؒ کے نزدیک مسافر کو رخصت ہے کہ وہ چار رکعت کی جگہ دو پڑھے، خواہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو"۔[2]

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"............شعبیؒ اور نخعیؒ اور سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ اول مرتبہ تین روز کا راستہ ہونا

---

[1] مواہب الرحمان، ۵/۳۷

[2] تفسیر حقانی، ۲/۱۹۶

چاہیے۔ اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ کیونکہ مسلمؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ مسافر کیلئے مسح خفین میں تین رات دن کا حکم ہے۔ جس سے سفر کی اول حد تین رات دن سمجھی گئی۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اول مرتبہ سفر چار برد تک ہونا چاہیے۔ ہر ایک برد چار فرسخ کا اور ہر ایک فرسخ تین میل، ان میلوں سے جو ہاشم جد رسول اللہ صلعم نے قدم سے قائم کیے ہیں۔ وہ میل بارہ ہزار قدم کا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قصر رخصت ہے۔ خواہ مسافر چار پڑھے خواہ دو۔ امام ابوحنفیہؒ فرماتے ہیں کہ قصر کرنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ اگر مسافر چار رکعت پڑھے اور دو رکعت کے بعد بقدر تشہد نہ بیٹھے گا۔ تو نماز فاسد ہو گی۔"[1]

☆ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فقہی مذاہب بیان کیے، بغیر امام حنیفہؒ کے مسلک کی روشنی میں آیت کی تفسیر مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کی ہے۔

"اور جب تم زمین میں سفر کرو (جس کی مقدار تین منزل ہو) تو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا (بلکہ ضروری ہوگا) کہ تم (ظہر وعصر وعشاء کے فرض) نماز (کی رکعات) کو کم کرو (یعنی چار کی جگہ دو پڑھا کرو) ...."

آگے مسائل بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"جو سفر تین منزل سے کم ہو، اس سفر میں پوری نماز پڑھی جاتی ہے۔ یہ آیت مجمل ہے، حدیث سے مفسر ہوگئی۔ اور جب سفر ختم کر کے منزل پر پہنچے تو اگر وہاں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو، تب تو وہ حکم سفر میں ہے۔ فرض نماز چہار گانہ آدھی پڑھی جاوے گی۔ اور اس کو قصر کہتے ہیں۔ اور اگر پندرہ روز یا زیادہ کا قصد قیام ہو، تو وہ وطن اقامت ہو جاوے گی۔ اور نیز وطن اصلی میں قصر نہیں ہوگا۔ قصر صرف تین وقت کے فرض میں ہے۔ اور مغرب اور فجر میں سنن و وتر میں نہیں ہے۔ اگر سفر میں خوف نہ ہو تب بھی قصر مشروع ہے بالا جماع۔"[2]

☆ تفسیر عثمانی میں یہی مفہوم ایک اور انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

"................ ہمارے یہاں سفر تین منزل کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم ہوگا تو قصر جائز نہ ہوگا۔ اور کافروں سے ستانے کا ڈر اس وقت موجود تھا۔ جب یہ حکم نازل ہوا۔ جب یہ ڈر جاتا رہا تو اس کے بعد بھی آپؐ سفر میں دو رکعت ہی پڑھتے رہے۔ اور صحابہؓ کو بھی اس کی تاکید فرمائی۔ اب ہمیشہ سفر میں قصر کرنے کا حکم ہے۔ خوف مذکور ہو یا نہ ہو۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، شکریہ کے ساتھ قبول کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے"۔[3]

---

1. تفسیر حقانی، ۲/ ۱۹۸
2. مکمل بیان القرآن، ۲۔ ۱۵۱
3. تفسیر عثمانی، ۱۲۳

نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر

نواب صاحبؒ نے نماز قصر کے مسائل ذکر کرتے ہوئے باقی مفسرین کی طرح مختلف اقوال نقل کیے ہیں لیکن قصر نماز میں نوافل اور سنتوں کی قید نہیں لگائی۔ [۱]

مسافت قصر: باقی مفسرین کے برعکس نواب صاحب نے مسافت قصر کی وضاحت تفصیل سے نہیں صرف ایسی بات پر اکتفاء کیا ہے کہ صرف تین منزل پر نماز قصر کی جائے۔

جبکہ تفسیر عثمانی میں لفظ "تنبیہ" کے تحت "بیان القرآن" کی تقریبا یہی عبارت بغیر حوالہ کے نقل کی گئی ہے۔[۲]

یہ تھا نماز کے بارے میں، نواب صاحبؒ کی تفسیر، باقی تفاسیر سے موازنہ وار تقابل، جس میں بڑی مہارت اور خوبصورتی کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

ب۔ روزہ

ضرورت واہمیت

نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسرا عملی رکن "روزہ" ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں روحانیت اور ملوکیت کا جو حصہ رکھا ہے۔روزہ اس کو ترقی دینے اور نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا خاص ذریعہ ہے۔علاوہ اس کے روزہ میں انسان پیٹ کے اور شہوت نفس کے خالص مادی اور بہیمی تقاضوں سے بے تعلق ہوکر ملاء اعلیٰ اور عالم ملکوت سے خاص ربط اور مناسبت پیدا کرلیتا ہے۔اس طرح روزہ انسان کی روحانی پاکیزگی کا باعث بنتا ہے۔روزہ کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [۳]

سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے حضورؐ کی احادیث، اقوال صحابہ وتابعین کی روشنی میں ان آیات کے تحت محققانہ بحث کی ہے۔اور دلائل کے ساتھ مسئلہ کے تقریبا ہر پہلو کو واضح کیا ہے۔جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

> "صوم کے معنی روک رکھنا، اپنے آپ کو طعام وشراب وجماع سے خالص اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق روزے کی نیت کے ساتھ طلوع آفتاب سے غروب ہونے تک، کیونکہ اس میں نفس سے طہارت وتنقیح ہے اخلاط ردیہ اور اخلاق رذیلہ سے۔اور فرمایا کہ جیسے تم پر فرض کیا گیا، ویسا ہی تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔قال المترجم یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے تا آئندم انبیاء صالحین سب پر روزہ فرض تھا۔تم پر اکیلے فرض نہیں ہوا۔پس اس میں تاکید حکم وترغیب فعل وتطیب نفس ہے۔" [۴]

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۴۳۳ ‏ [۲] تفسیر عثمانی، ۴۳۴، ۴۳۵

[۳] البقرہ۲: ۱۸۳؛ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۵۶

[۴] مواہب الرحمان، ۲/۱۰۱، ۱۰۰

روزے کے مسائل

☆ سید امیر علیؒ روزے کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مفسرین نے اس میں اختلاف کیا کہ ﴿کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ﴾ تشبیہ سے کیا مراد ہے۔ اس نے کہا فقط روزہ فرض ہونے میں اور بعض نے کہا کہ مقدار وقت میں، اے رمضان بھر کے روزے یا اور بعض نے کہا صفت صوم میں یعنی کھانا پینا چھوڑنے میں ہے۔ اور یہی اظہر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روزے کی مقدار بیان فرمائی ہے۔ اور یہ ظاہر فرمایا کہ وہ ہر روز نہیں ہے۔ تاکہ نفوس پر شاق نہ گزرے۔ کہ اس کے اٹھانے سے پست نہ ہوجاویں۔ بلکہ 'ایام معدودات'' ہیں۔ اقوال ''ایاما'' کی تنوین سے تقلیل کی۔ پھر ''معدودات'' سے تقلیل کی تاکید کی۔ پس یہ کمال تسہیل نفس کے واسطے ظاہر کردی۔ پھر ابتدائے اسلام میں تھا کہ ہر مہینہ سے تین روز صوم میں گزراتے تھے۔ پھر رمضان کے روزے فرض ہونے سے یہ منسوخ ہوگیا۔ اور اگلی امتوں پر تین روز، ہر مہینہ سے روزے مفروض ہونا مروی ہے، معاذ بن جبلؓ وابن عباسؓ وابن مسعودؓ وعطاءؒ وقتادہؒ وضحاکؒ سے۔ اور ضحاکؒ نے کہا کہ یہ شرع حضرت نوحؑ سے اس وقت تک کہ صوم رمضان فرض ہوا، برابر چلی آئی پھر رمضان سے منسوخ ہوئی۔'' [۱]

اسی طرح ﴿وَ عَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ......﴾ [۲]

کی تفسیر میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اور رہا وہ شخص جو تندرست مقیم تھا۔ اور روزے کی طاقت رکھتا تھا، وہ مخیّر تھا کہ وہ چاہے روزہ رکھے یا چاہے افطار کرے۔ اور ہر یوم کے عوض مسکین کو کھانا کھلا دے۔ پس اگر اس نے ایک روز سے زیادہ مقدار مسکین کو دی۔ تو یہ اسکے واسطے بہتر تھا اور اگر روزہ رکھ لیا، تو یہ سب سے افضل تھا۔ کما قال تعالیٰ، وَ عَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ '' یہ قول ابن مسعود وابن عباس ومجاہد وطاؤس ومقاتل بن حیان وغیرہم علمائے سلف کا ہے۔ پھر طعام مسکین، فقہائے عراق کے نزدیک نصف صاع گیہوں سے اور ایک صاع سوائے گیہوں کے اور طعام سے فقہائے حجاز کے نزدیک ایک مد ہے اور اول حال میں ان لوگوں کو یہ رخصت دی تھی۔ اس لئے کہ

---

۱ مواہب الرحمان، ۲/۱۰۱

۲ البقرہ ۲:۱۸۴

جب وہ روزے کا حکم دیے گئے ۔تو ان پر بہت سخت گزرا، کیونکہ وہ اس کے عادی نہ تھے ۔اور کبھی ان کی آزمائش میں نہ آیا تھا ۔پھر منسوخ ہوگیا ۔"[۱]

اس بارے میں بخاری ومسلم کی متعدد روایات بھی نقل کی گئی ہیں ۔اور آخر میں سید امیر علیؒ نے اس تمام بحث کا ماحاصل ابن کثیر کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ

پس حاصل یہ ہے کہ تندرست مقیم کے حق میں قولہ تعالیٰ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" سے ثابت ہے ۔پھر جو شخص بوڑھا پھوس ہے کہ وہ روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے ۔تو اس کو اختیار ہے کہ افطار کرے اور اس پر قضا واجب نہیں ہے ۔کیونکہ اس میں ایسی حالت نہیں آنے والی ہے کہ اس حال قضا کرنے پر قادر ہوگا ،لیکن یہ رہا کہ جب اس نے افطار کیا تو بھلا اس پر ہر روزہ کی جگہ ایک مسکین کو کھانا دینا واجب ہے یا نہیں ۔جبکہ وہ ایسا مالدار ہو کہ دے سکتا ہو ۔تو اس میں علماء کے دو قول ہیں ۔ایک اس پر کہ کھانا دینا واجب نہیں ۔کیونکہ اپنے سن سے اس قدر ضعیف ہے کہ وہ روزہ نہیں رکھ سکتا ،پس اس پر یہ نہیں واجب ہوگا ،جیسے نابالغ بچہ پر واجب نہیں ہے ۔اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[۲]

اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے ۔اور دوسرا قول اکثر علماء کا ہے کہ اس پر فدیہ واجب ہے ۔یعنی ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا ،جیسا کہ ابن عباسؓ وغیرہ نے تفسیر میں بیان کیا ہے ۔[۳]

سید امیر علیؒ مزید فرماتے ہیں:

"جو شخص بیمار ہو جائے اور اس پر روزہ مشقت ہو یا شدت مرض کا خوف ہو ،یا مسافر ہو کہ حالت سفر ہو یعنی مقیم کے حکم میں بھی نہ ہو ،تو اس کو اجازت ہے کہ روزہ افطار کرے اور جتنے دن افطار کرے ،اسی قدر گنتی اور دنوں میں قضا کر لے ۔اور یہ قضا واجب ہے اور یہ رخصت بمقتضائے رحمت ہے قال ابن کثیرؒ سلف سے ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ جو شخص اول ماہ میں مقیم ہو ۔پھر اس نے درمیان میں سفر کیا تو اس کو عذر سفر کی وجہ سے افطار کا اختیار نہیں ہے ۔اور افطار کا اختیار اسی مسافر کو ہے ۔جس نے چاند دیکھا اس حالت میں کہ وہ مسافر

---

۱ مواہب الرحمن، ۲/۱۰۲   ۲ البقرہ۲:۲۸۶
۳ مواہب الرحمن، ۲/۱۰۳

تھا۔ اور یہ قول غریب ہے ۔ اگرچہ ابن حزم نے اس کو محلی میں صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے ۔ لیکن اس نقل میں نظر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا کہ آپؐ ماہ رمضان میں، غزوہ فتح کے واسطے نکلے اور چلتے چلتے مقام کدید میں پہنچے پھر افطار کی اور لوگوں کو افطار کرنے کا حکم دیا۔ اخرجہ الشیخان ۔ مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ سفر میں روزہ واجب نہیں ہوتا ہے، ورنہ لازم آتا ہے کہ آپؐ نے عمداً واجب روزہ توڑ ا دیا ۔ حالانکہ اس پر کفارہ لازم آتا ہے پس وہ از قبیل نفل ہوتا ہے ۔ اور یہ قول علمائے حنفیہ کے مؤید ہے ۔''[1]

اسی سلسلہ میں مزید لکھا ہے:

اور علماء میں سے ایک گروہ جن میں سے امام شافعیؒ بھی ہیں ، یہ قول ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا افطار سے افضل ہے ۔ کیونکہ نبی کریمؐ نے سفر میں روزہ رکھا۔ اور ایک گروہ نے کہا کہ نہیں، بلکہ افطار کرنا افضل ہے۔ اس میں ایک تو رخصت الٰہی کو قبول کرنا پایا گیا ہے اور دوسرا اس حدیث سے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی ہے کہ آپؐ سے سفر کا روزہ رکھنا پوچھا گیا، تو فرمایا کہ اگر افطار کر لیا تو اچھا ہے اور اگر روزہ رکھ لیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اس رخصت کو جو تمہارے واسطے رخصت دی ہے قبول کرو اور ایک گروہ علماء نے کہا کہ روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں مساوی ہیں ۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ حمزہ بن عمرو الاسلمی نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت روزہ دار آدمی ہوں ، بھلا میں سفر میں روزہ رکھا کروں تو فرمایا کہ اگر تیرا جی چاہے تو روزہ رکھ اور اگر تیرا جی چاہے افطار کر لے ۔ اور حدیث صحیحین میں ہے ۔''[2]

اور جاننا چاہیے کہ اصح حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر سفر میں روزہ رکھ لیا تو اس کی فرض کی ادائیگی ہو جائے گی ۔ اب رہی یہ بات کہ قضا کرنے میں پے در پے رکھنا چاہیے یا تفریق جائز ہے بعض علما کے نزدیک تتابع واجب ہے اور یہ قول ضعیف ہے ۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ تتابع واجب نہیں، چاہے پے در پے رکھے اور چاہے

---

۱ مواہب الرحمٰن، ۲/ ۱۰۸

۲ مواہب الرحمٰن، ۹/ ۱۰۸

متفرق قضا کرے۔اور یہی علمائے حنفیہ کا قول ہے قال ابن کثیرؒ۔
اور یہ قول جمہور سلف وخلف کا ہے اور دلائل شرعیہ اسی کے مثبت ہیں۔"[۱]

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے ان آیت کے متعلق بحث کرتے ہوئے جہاں ائمہ کرام کے اقوال اور اختلاف قراءت سے استدلال کیا ہے۔وہاں روزہ کی فرضیت کے متعلق دیگر آسمانی کتب یعنی بائبل وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً:

"اس میں شک نہیں کہ اہل کتاب کے ہاں بھی روزے واجب تھے۔چنانچہ تو رات کی تیسری کتاب کے ۱۶ویں باب درس ۲۹اور باب ۲۳درس ۲۹،۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا روزہ رکھنا واجب تھا۔کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس روز روزہ نہ رکھے گا اپنی قوم سے منقطع ہو جائے گا۔اور اعمال حواریاں کے ۹ویں باب درس ۹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی بھی یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔علاوہ اس کے چالیس روز تک کوہ طور پر حضرت موسیٰ نے روزے رکھے۔جیسا کہ کتاب خروج کے ۳۴باب سے معلوم ہوتا ہے انجیل کے ۴باب اور انجیل لوقا کے ۴باب درس ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بھی جب کہ وہ بیابان میں تھے۔چالیس دن رات کے روزے رکھے۔"[۲]

مولانا عبدالحق حقانیؒ مزید فرماتے ہیں:

"جس مرض سے روزہ کا افطار کرنا درست ہے۔جمہور محققین کے نزدیک وہ ہے جس میں روزہ رکھنے سے ضرر جان یا زیادتی مرض متصور ہو۔نہ کہ ہر مرض کیونکہ اس مقام پر جو لفظ مریض بولا گیا ہے۔تو اہل زبان اپنے قرائن سے اسے وہی مرض سمجھتے ہیں کہ جس کا ہم نے ذکر کیا نہ کہ تمام مرض۔سفر کے معنی لغت میں کشف کے ہیں۔یعنی کھل جانا اور چونکہ سفر سے لوگوں اور ملکوں اور زمین کا حال کھلتا ہے اس لئے اس کو سفر کہتے ہیں مگر شرع میں اس جگہ سفر سے مراد اقل مرتبہ تین منزل کا سفر ہے،کس لیے کہ نبیؐ نے مسح کے بارے میں فرمایا ہے کہ مقیم ایک رات دن مسح کرے اور مسافر تین رات دن،اس سے معلوم ہوا کہ سفر اقل تین مرتبہ رات دن کے فاصلہ سے ہوتا ہے۔اس لئے کہ آنحضرتؐ نے سفر کو علت مسح

۱۔ مواہب الرحمٰن، ۱۰۹/۹
۲۔ تفسیر حقانی، ۵۴۲،۴۴۲/۱

قرار دیا اور مسح کو معلول بنایا اور معلول علت سے زیادہ نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ سولہ فرسخ کا فاصلہ ضروری ہے۔اور ہر فرسخ تین میل کا اور ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہے۔کیونکہ ہاشم جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگل ناپا تو میل کو بارہ ہزار قدم قرار دیا۔اور امام مالکؒ واحمدؒ واسحٰقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔داؤد ظاہریؒ نے مطلق سفر مراد رکھا ہے۔اور اس کی تقلید سے قاضی شوکانیؒ نے الدرر البہیہ میں یہی میں دیا ہے۔پس ان کے مذہب میں تو کوس کیا آدھے کوس تک جانے میں بھی روزہ نہ رکھے اور یہ بالکل غلط ہے۔''[1]

☆ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تفسیر میں روزہ کے متعلق متعدد فقہی مسائل بیان کیے ہیں جیسا کہ آپ ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ﴾ کے تحت فرماتے ہیں:

''شروع اسلام میں جب لوگوں کو بتدریج روزہ کا خوگر کرنا منظور تھا یہ حکم ہو گیا تھا کہ باوجود استطاعت روزہ کے فدیہ کی اجازت تھی اب یہ منسوخ ہے۔البتہ جو شخص بہت بوڑھا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہیں،ایسے لوگوں کے لئے یہ حکم اب بھی ہے کہ فی روزہ یا تو مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں یا خشک جنس دینا چاہیں تو فی روزہ اسی کے سیر سے ایک مسکین کو پونے دو سیر گیہوں دے دیا کریں۔اگر اتنے گیہوں دو مسکین کو دیں گے درست نہیں،یا ایک تاریخ میں ایک مسکین کو دو دن کا فدیہ دے دیں تب بھی درست نہیں۔اور اگر فدیہ دینے کے بعد اس شخص میں طاقت آگئی یا وہ مرض جاتا رہا تو پھر ان روزوں کو بھی قضا کرنا ہوگا۔اور اس فدیہ کا ثواب الگ ملے گا۔مگر یہ فدیہ بجائے روزوں کے نہ ہوگا۔ اور اگر کسی کو فدیہ دینے کی بھی وسعت نہ ہو تو بجائے فدیہ کے وہ صرف استغفار کرے۔اور نیت رکھے کہ ہو سکے گا تو ادا کروں گا۔''[2]

مولانا اشرف علی تھانویؒ مزید فرماتے ہیں:

''سفر شرعی حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اپنی جائے قیام سے تین منزل کے قصد سے سفر کرے تو یہ مسافر ہو گیا۔اب منزل مقصود پر پہنچ کر اگر پندرہ روز یا زیادہ قیام کا ارادہ کر لیا تو مسافر نہ رہا اور اگر پندرہ روز سے کم کے قیام کا ارادہ کیا تو تو بھی مسافر ہے۔غرض جو شخص شرعی مسافر ہو،اس کو جائز ہے کہ جو روزہ رکھ سکنے کے

---

[1] تفسیر حقانی، ۱؍۵۴۳

[2] مکمل بیان القرآن، ۱؍۱۰۰

باوجود روزہ نہ رکھے۔لیکن ایسی حالت میں زیادہ افضل یہی ہے کہ رکھے۔مسئلہ،یہ مریض اور مسافر جن کا ذکر کیا گیا اگر اس روز کے روزے کی نیت نہ کر چکے تھے تو روزہ نہ رکھنا درست ہے اور اگر نیت کر چکے ہوں تو تو بلا تکلیف شدید روزہ توڑنا جائز نہیں ۔یہ مریض اور مسافر اس دن روزہ نہ رکھیں یا دنوں کا شمار رکھیں اور جب مرض اور سفر ختم ہوجاوے ،بعد رمضان گزر جانے کے اتنے دنوں کا روزہ نیت قضا رکھیں ۔اور یہ قضا کے روزے خواہ ایک دم سے رکھیں اور خواہ ایک ایک دودو کر کے ہر طرح رکھیں اور بعد ختم ہونے سفر اور مرض کے اگر کچھ رمضان بھی باقی ہے۔تو بقیہ رمضان کا روزہ دار کر کے اس کے گزرنے کے بعد یہ قضا روزے رکھ سکتے ہیں۔''[1]

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی تو طاقت رکھتے ہیں۔مگر ابتدا میں چونکہ روزہ کی بالکل عادت نہ تھی۔اس لئے کامل پے در پے روزے رکھنا ان کو نہایت شاق تھا۔تو ان کے لئے یہ سہولت فرمادی تھی۔کہ اگر چہ تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو۔مگر صرف عادت نہ ہونے کے سبب روزہ رکھنا تم کو دشوار ہو۔ تو اب تم کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھو چاہے روزہ کا بدلا دو۔ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دووقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو۔کیونکہ جب اس نے ایک دن کا کھانا دوسرے کو دے دیا۔تو گویا اپنے نفس کو ایک روز کے کھانے سے روک لیا۔اور فی الجملہ روزہ کی مشابہت ہوگئی۔پھر جب وہ لوگ روزہ کے عادی ہو گئے۔تو یہ اجازت باقی نہ رہی۔جس کا بیان اس سے اگلی آیت میں آتا ہے۔اور بعض اکابر نے طعام مسکین سے صدقۃ الفطر بھی مراد لیا ہے معنی یہ ہونگے کہ جو لوگ فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔وہ ایک مسکین کے کھانے کی مقدار اس کو دے دیں۔جس کی مقدار شرع میں گیہوں کا آدھا اور جو کا پورا صاع ہے۔تو اب یہ آیت منسوخ ہوگئی۔اور جو لوگ اب بھی یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے روزہ رمضان میں رکھ لے۔اور جسکا جی چاہے فدیہ پر قناعت کرے،خاص روزہ ہی ضرور رکھے یہ حکم نہیں ،وہ جاہل ہیں یا بے دین۔''[2]

---

[1] تکمل بیان القرآن،۲،ر۱۰۰ [2] تفسیر عثمانی،۳۶،۵۵

تفسیر عثمانی میں نہایت مختصر الفاظ میں مزید لکھا ہے:

''پھر اس مدت قلیل میں بھی اتنی سہولت اور فرما دی گئی کہ جو بیمار ایسا ہو کہ روزہ رکھنا دشوار ہو مسافر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ روزے نہ رکھے اور جتنے روزے کھائے اتنے ہی رمضان کے سوا اور دنوں میں روزے رکھ لے۔ خواہ ایک ساتھ خواہ متفرق کرکے۔''[1]

اس تمام بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ آیت کریمہ ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ البقرہ۲:۱۸۴ کو ان مفسرین کرام نے جمہور کے قول کے مطابق اگلی آیت سے منسوخ قرار دیا ہے۔ ورنہ بصورت دیگر یہ حکم ان ضعیف افراد کے لئے ہے جو بدقت تمام ہی روزہ رکھنے کی سکت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان افراد کے لئے حکم ہے کہ وہ روزہ رکھنے کی بجائے اس کا فدیہ دے دیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات میں روزوں کے مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے ہر مفسر نے ان مسائل کو اپنی تفسیر میں جگہ دی ہے اس بارے میں نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر کیا ہے۔ آیئے ذیل کی سطور میں دیکھتے ہیں:

نواب صاحبؒ کا روزوں کے مسائل کے بارے نقطہ نظر

تاریخ وکیفیت روزہ

نواب صاحبؒ نے سابقہ امتوں پر روزے کی فرضیت کے ساتھ ساتھ فرضیت کی کیفیت اور تعداد پر بھی بحث کی ہے۔

''روزہ ایک قدیم عبادت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک فرض رہی ہے اللہ کریم نے کسی امت کو روزے کی فرضیت سے فارغ نہ رکھا۔ یہ بات نہ ہے کہ صرف مسلمانوں پر فرض ہوئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ روزے کی مقدار اور وقت میں فرق رہا ہو۔ اہل کتاب پر تو یہی رمضان کا روزہ فرض تھا۔ مگر انہوں نے اس کو بدل دیا۔ ابن حنظلہؓ مرفوعا بیان فرماتے ہیں کہ نصاریٰ پر رمضان کا روزہ فرض تھا۔ اتفاقاً ان کا بادشاہ بیمار ہو گیا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دے گا تو ہم دس روزے رکھیں گے۔ پھر دوسرا شخص بادشاہ ہوا تو اس نے گوشت کھایا اس پر اس کا منہ دکھنے لگا اس نے کہا اگر مجھے شفاء ہو گئی تو ہم سات روزے اور رکھا کریں گے۔ پھر تیسرا بادشاہ آیا اس نے کہا ان باقی تین دنوں

---

[1] تفسیر عثمانی، ۳۵

کو بھی پورا کیا جانا چاہیے۔ ہم ربیع میں روزہ رکھیں گے۔ سو ایسا ہی کیا اور پچاس
روزے ہو گئے۔ حضرت ابن عمرؓ نے یہ بھی فرمایا ان کی پر یہ بھی فرض تھا کہ شام کو
جب نماز پڑھ کر سو جائیں تو ان پر کھانا پینا اور بیوی سے ملنا آئندہ رات تک
حرام ہو جاتا تھا۔"[۱]

ترغیب نکاح

دوسرے مفسرین نے صرف فرضیت روزہ اور روزہ کے مسائل ذکر کیے ہیں جبکہ نواب صاحب نے صحیحین کی احادیث استدلال کرتے ہوئے ترغیب نکاح والی حدیث بھی نقل کی ہے۔

"صحیحین میں آیا ہے کہ اے نو جوانوں کے گروہ! جو تم میں سے نکاح کی طاقت
رکھتا ہو وہ نکاح کر لے اور جو نہیں طاقت رکھتا وہ روزے رکھے یہ اس کے لیے
خصی ہونا ہے۔"[۲]

نماز اور روزہ کی تین حالتیں

امام احمدؒ نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے کہ نماز روزے نے تین حال تبدیل کیے ہیں جب نبی کریمؐ مدینہ آئے۔ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ کا حکم دے دیا۔ یہ ایک حال تبدیل ہوا، پھر دوسری دفعہ نماز کے لیے لوگ ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے حتیٰ کہ ناقوس وغیرہ بجانے کی بات طے ہونا چاہتی تھی کہ عبداللہ بن زیدؓ نے خواب میں اذان سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جاری کر دیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے خواب دیکھا تھا۔ تیسری حالت یہ تبدیل کی کہ جب اس حال میں نماز تک آتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ رکعات پڑھ چکے ہوتے وہ اشارے سے کسی نمازی سے پوچھتے کہ کتنی رکعت گزر چکی ہیں پھر وہ اشارے سے بتاتا تو اتنی نماز پوری کر کے پھر جماعت کے ساتھ ملتے تھے۔ حضرت معاذؓ آئے انہوں نے کہا کچھ نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہوں گے وہی رکن ہم ادا کریں گے پھر جو ہم سے چھوٹ گئی ہوگی وہ بعد میں پوری کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ تمہارے لیے معاذؓ نے یہ طریقہ نکالا ہے اسی کو اختیار کرو۔ یہ نماز کی تین حالتیں ہوئیں۔ روزے کا حال تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے ایک مہینے میں تین روزے اور عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر اللہ کریم نے آیت باب نازل کی اس پر یہ حکم ثابت ہوا کہ جس کسی کا دل چاہے وہ روزہ رکھ لے اور جس کا نہ چاہے وہ ایک روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اس کے بعد آیت: (شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ) البقرہ۲:۱۸۵' کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے' نازل

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف لبیان، ۱/۶۰

۲ ترجمان القرآن بلطائف البیان ۱/۵۷

ہوئی تو صرف بیمار اور مسافر کے لیے ہی رخصت رہی ہر تندرست پر روزے رکھنا فرض ہوا، اور جو اتنا بوڑھا ہو جو روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ ہر روزے کے بدلے ایک فقیر کو کھانا کھلادے۔ پھر تیسری حالت یہ تبدیل ہوئی کہ جب تک رات کو نہ سوتے تب تک کھاتے پیتے اور عورتوں سے جماع کرتے لیکن جب سوجاتے تو ہر کام سے رک جاتے ۔ایک انصاری صدمہ نامی، روزے رکھتا، سارادن مزدوری کرتا، رات کو گھر آیا عشاء کی نماز پڑھ کر سوگیا۔ نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا اور صبح بھی روزے کی حالت میں اٹھا۔ آنحضرتؐ نے اس کو سخت تکلیف میں دیکھ کر حال پوچھا اس نے یہ ساری بات بتائی ۔اور دوسری طرف حضرت عمرؓ سو کر اٹھے کے بعد جماع کر بیٹھے، پھر آنحضرتؐ سے یہ حال ذکر کیا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ﴾[1]

تمہارے لیے روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں کی طرف جانا حلال کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے سنن میں حاکمؒ نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ عاشورہ کا روزہ فرض تھا لیکن رمضان کی فرضیت سے اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ جس کا دل چاہتا وہ رکھتا جس کا دل نہ چاہتا وہ نہ رکھتا اس کو بخاریؒ نے ابن عمرؓ اور ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے۔

﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ﴾

اختلاف قراءت پر نادر فقہی بحث

اس آیت کی تفسیر میں نواب صاحب دوسرے مفسرین کی طرح فرضیت، رخصت، مسافت، مرض، حیض، نفاس، فدیہ اور قضاء پر خوب روشنی ڈالی لیکن اس آیت کی قراءت کے اختلاف پر ایک صورت میں اس آیت کو محکم قرار دیا جبکہ دوسری قراءت کی صورت میں اس آیت کو منسوخ ٹھہرایا ہے لکھتے ہیں:

> ’’لفظ ’یطیقو نہ‘ کو مخفف اور مشدد دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ مخفف کی بنیاد پر آیت منسوخ ہوئی ہے جبکہ واؤ مشدد کی صورت میں محکم ہے۔ تشدید کا معنی تکلیف ومشقت ہے اگر باب افعال کا ہمزہ اس جگہ ٹھہرایا جائے تو بھی ممکن ہے پھر اس وقت لا نفی کی تقدیر کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ آیت بھی محکم رہے گی ورنہ منسوخ ٹھہرائے گی۔[2]

نواب صاحبؒ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ایک پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے یعنی روزے کی قضا کی ادائیگی کا کیا طریقہ کار ہے۔

---

[1] البقرہ۲: ۱۸۷   [2] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۲۰۶

ج۔ حج

فرضیت حج کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد الٰہی ہے۔

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾[۱]

وجوب حج پر معاصر مفسرین کی آراء

☆ سید امیر علی رقمطراز ہیں:

حج کا وجوب بفور ہے یا بتراخی، یعنی جب واجب ہو تو اسی سال میں ادا کرے یا روا ہے کہ آخر عمر تک دیر کر سکتا ہے اس میں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا خلاف میں مذکور ہے اور تعجیل کو قوی کہا گیا کیونکہ ابن عباسؓ نے مرفوعاً روایت کی کہ جلدی کرو حج کرنے میں یعنی حج فریضہ میں۔ کیونکہ تم میں سے کسی کو نہیں معلوم کہ اس کو کیا پیش آوے رواہ احمد۔ اور نیز ابن عباسؓ نے مرفوعاً روایت کی کہ جو حج کا ارادہ کرے وہ جلدی کرے رواہ احمد و ابوداؤد، سید امیر علی کہتے ہیں کہ تأمل کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ دلیل مفید قول دوم ہے اس واسطے کہ آیت سے جلدی ثابت نہ تھی۔ اس کی تاکید کر دی کہ معلوم نہیں کیا پیش آوے۔ لہٰذا جلدی کرنا چاہیے۔ پس ظاہر ہے کہ فرضیت تو 'بتراخی' ہے اور جلدی کرنے کا حکم الگ ہے فتأمل''[۲]

حج اور عمرہ کا فرق واضح کرتے ہوئے آپ نے بڑے اختصار سے لکھا ہے کہ

''حج دراصل بمعنی قصد کرنا ہے اور شرع میں قصد کرنا خانہ کعبہ کا زمانہ خاص یعنی ماھہائے حج میں واسطے ادائے مناسک کے اور عمرہ بمعنی زیارت خانہ کعبہ بطریق خاص اور عمرہ کے واسطے کسی زمانہ کی خصوصیت نہیں، سال میں جب چاہے اور جتنی مرتبہ چاہے ادا کرے۔

پھر حج میں احرام کے ساتھ منیٰ جا کر صبح کو عرفات پہنچ کر بعد ظہر و عصر ملا کر پڑھنے کے بعد عرفات میں وقوف کرے پھر بعد غروب کے واپس ہو کر مزدلفہ میں پہنچ کر مغرب و عشاء ملا کر پڑھے صبح کو جبل مزدلفہ کے قریب وقوف کرے۔ پھر طلوع کے بعد روانہ ہو کر جمرۃ العقبہ کی کنکریاں مار کر سر منڈا کر حلال ہو۔ پھر روانہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف وسعی کر کے پورا حلال ہو جاوے۔ پھر منیٰ جا کر تین بار الجمرات کر کے اب مناسک پورے کرے۔ اور عمرہ صرف احرام کے ساتھ طواف وسعی

---

۱ آل عمران ۳:۹۷

۲ مواہب الرحمان ۱۹/۴

ہے۔ ان چیزوں کے تمام کرنے سے حج وعمرہ پورا ہوجاتا ہے" لے

اس سوال کے متعلق کہ کیا صاحب استطاعت آدمی پر حج کی طرح عمرہ بھی واجب ہے یا نہیں؟ سید امیر علی آبادیؒ نے آئمہ اربعہ کے مسالک پر روشنی ڈالتے ہوئے وجوب اور عدم کے متعلق دلائل تفصیل سے بیان کیے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ سے عدم وجوب کا قول نقل کیا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (البقرة ۲:۱۹۶) تفسیر میں فرماتے ہیں۔

پس جاننا چاہیے کہ حج کے بشرط استطاعت فرض ہونے میں تو امت کا اتفاق ہے۔ مگر عمرہ کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ واجب ہے۔ اور استدلال اس پر آیت و احادیث سے ہے کیونکہ ہے تمام عمرہ کا۔ اور امر واسطے وجوب کے ہے۔ اور منجملہ احادیث کے صحیح میں ثابت ہوا کہ حضرت صلعم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ جس کے ساتھ شکرانہ قرآن وتمتع کی ھدی ہو وہ احلال کرے حج عمرہ کے ساتھ اور اور نیز میں صحیح ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ داخل ہوا عمرہ حج میں قیامت تک۔ اور زید بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ حج وعمرہ دونوں فریضہ ہیں۔ تجھے مضر نہیں جس سے کر، اخرجہ الدار قطنی و الحاکم، مترجم کہتا ہے۔ کہ عمرہ واجب ہونے کا قول ایک جماعت صحابہ و تابعین سے مروی ہے۔ اور یہی مذہب ہے امام شافعیؒ واحمدؒ و اسحٰقؒ کا۔۔۔۔۔اور ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید نے جابر سے روایت کی کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ کیا عمرہ واجب ہے۔ آپ صلعم نے فرمایا کہ نہیں لیکن اگر تم عمرہ ادا کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس کو ترمذی نے بھی جابر سے مرفوعاً روایت کیا۔ اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ پس یہ احادیث صریح ہیں کہ عمرہ واجب نہیں ہے۔ اور یہی قول ہے بعض صحابہ مثل عبداللہ بن مسعودؓ جابر بن عبداللہؓ اور بعض تابعین، اور یہی مذہب امام مالکؒ و ابوحنیفہؒ وغیرہم کا ہے۔ لیکن کتب حنفیہ کی کتاب الجوھرہ میں وجوب کو اصح کہا ہے۔" ۲

☆ عبدالحقؒ حقانی فرماتے ہیں:

"تاریخ اور ایام تشریق میں مکروہ ہے۔ "اتموا" کے معنی یہ ہیں کہ جس نے حج وعمرہ شروع کیا ہو تو اس کو پورا کرنا چاہیے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابتدا حج وعمرہ کرنا

لے مواہب الرحمان ،۲/۱۳۳،۱۳۲ ۲ ایضاً ۲/۱۳۶،۱۳۵

مراد ہے۔ دلائل فریقین ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ثمرہ اختلاف یہ ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک حج وعمرہ دونوں واجب ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک حج واجب ہے۔(وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ، الآیۃ اور عمرہ سنت ہے)۔"[1]

☆ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

"جس شخص کو استطاعت ہو اس پر تو حج ابتداً ہی فرض ہے۔ اور جس شخص کو استطاعت نہ ہو وہ شروع کردے، یعنی احرام باندھ لے، اس پر پورا کرنا فرض ہوجاتا ہے اور عمرہ کرنا فرض و واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے۔ البتہ شروع کرنے سے اس کا بھی پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ اسی واسطے احقر نے آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔ کہ (جب حج یا عمرہ کرنا ہو) تاکہ فرض و واجب نہ ہونے کی صورت بھی اس میں آجاوے۔" [2]

نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر

نواب صاحبؒ اس آیت کے متعلق تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"........."للہ" کالام یہی لام ایجاب والزام کہلاتا ہے۔ اور اس پر "علیٰ" کے ساتھ جو وجوب کے لئے ہے تاکید فرمائی۔ پس جمہور کے نزدیک حج فرض ہونے کی یہی آیت ہے اور بعض نے کہا بلکہ قولہ "واتموالحج" سے حج فرض ہوا۔" [3]

سبیل کی تفسیر زادوراحلہ سے ترمذی، ابن ابی حاتم و ابن مردویہ وحاکم و ابن جریر وعبدالرزاق نے ایک جماعت صحابہ و تابعین سے مرفوعاً یعنی کلام حضرت صلعم سے اور موقوفاً روایت کیا۔ اور ان کی تفسیر میں اگرچہ کلام ہے۔ لیکن حدیث حجت اور اسی حدیث کی اتباع پر بھی قول امام ابوحنیفہؒ و امام کا یہی ہے اور یہی مذہب اکثر اہل علم از صحابہؓ و تابعینؒ کا ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے کہا ہے اور ہے اور امام مالک نے فرمایا کہ آدمی کو جس وقت اپنی قوت کا بھروسہ ہو اور راہ میں کمائی کرنے کا تحفظ "الناس" عام ہے، خواہ مرد ہوں یا عورتیں سب پر واجب ہے جبکہ استطاعت ہو۔ سوائے ان کے جو کسی دلیل سے خاص کئے گئے مانند عورت بے محرم وطفل نابالغ وغلام ومجنون وغیرہ کے جن کا ذکر کتب فقہ میں مفصل ہے۔"۔ [4]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ......﴾ [5]

فرضیت حج

حج کی فرضیت کے بارے میں نواب صاحب نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس میں آپؐ نے فرضیت حج کا حکم سنایا اس واقعہ کو باقی معاصر مفسرین نے اس قدر تفصیل سے بیان نہیں کیا حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث کے

---

[1] تفسیر حقانی ا/۵۵۹ [2] تکمیل بیان القرآن، ا/۱۰۸ [3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۳/۴۷۳
[4] ایضاً، ۳/۴۷۳، ۴۷۴ [5] آل عمران ۳: ۹۷

حوالے سے لکھتے ہیں۔

''آنحضرتؐ نے ہم کو خطبہ سنایا اس میں یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے۔ سو تم حج کرو ایک آدمی نے کہا کہ ہر سال آپؐ خاموش رہے۔ جب اس نے تین بار یہی کہا آپؐ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا اور تم سے ہرگز نہ پورا ہوتا پھر فرمایا تم چھوڑو مجھ کو جب تک کہ میں چھوڑوں تم کو نہیں ہلاک ہوئے وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے مگر سبب اس کثرت سوال و اختلاف کے اپنے انبیاء پر میں تم کو کسی بات کا حکم کروں جو جہاں تک تم سے بنے اس کو کرو جب تم کو کسی بات سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ ابن عباسؓ کا لفظ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج کرنا لکھا ہے اقرع بن حابس بولے کیا ہر سال؟ فرمایا اگر میں کہہ دوں ہاں تو جب ہو جائے گا۔ سراقہ بن مالکؓ نے کہا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمارا متعہ یعنی تمتع اسی سال کے لیے ہے فرمایا نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے دوسری روایت میں ہے آنحضرتؐ نے اپنی بیویوں سے حج میں کہا'' تم بعد اس حج کے بوریوں کی پشت کو پکڑے رہو گھر سے باہر نہ نکلو''اس سے معلوم ہوا کہ حج ایک بار ہی تمام عمر میں فرض ہے۔[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ......﴾[2]

حج کے مہینوں کے بارے میں معاصر مفسرین کی آراء

☆ سید امیر علیؒ فرماتے ہیں:

''پھر جاننا چاہیے کہ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ میں یا تو تقدیر یہ ہے کہ ''وقت اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ '' یا حج اشہر معلومات'' پس بالا اتفاق ادائے حج تو ان مہینوں کے سوا اور مہینوں میں درست نہیں ہے۔ احرام حج میں خلاف ہے۔ پس شافعی کے نزدیک حج کا احرام بھی اور مہینوں میں سوائے ان ماھہائے معلوم کے درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں کو باقی سال کے مہینوں سے مخصوص کر دیا ہے۔ اور قول ابن عباسؓ و جابرؓ و عطاءؒ و طاؤسؒ و مجاہدؒ سے مروی ہے۔ اور

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان،۲/۲۷۳،۲۷۴ [2] البقرۃ ۲:۱۹۷

شافعیؒ نے مسلم بن خالدؒ کی روایت سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ کسی کونہیں چاہیے، کہ حج کا احرام باندھے مگر ان ماھہائے حج میں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ " (البقرہ۲:۱۹۷) باوجود اس طول استدلال کے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سوائے ماھہائے حج کے اور مہینوں میں احرام صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ شافعیؒ کا مذہب ہے۔

آیت یہ کہ خلاف سنت ہے جس کا مال یہ کہ مکروہ ہوگا۔ اور برتقدیر ثانی یعنی الحج حج اشھر معلومات نکلتا ہے کہ حج کا احرام بھی ان مہینوں میں بہ نسبت اور مہینوں کے اکمل ہے ۔ اگر چہ اور مہینوں میں بھی صحیح ہے اور سال کے تمام مہینوں میں حج کا احرام صحیح ہونے کا قول ابراہیم نخعیؒ وغیرہ سے مروی ہے ۔ اور مذہب ابوحنیفہؒ و مالکؒ و احمدؒ و اسحٰقؒ و ثوریؒ ولیث بن سعدؒ کا ہے۔ مگر آنکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، جنہوں میں احرام حج کراہت کے ساتھ درست قرار دیا ہے ۔ اور امام مالکؒ سے مشہور یہ ہے کہ بلا کراہت درست ہے۔"[۱]

آخر میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو راجح قرار دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

ابوحنیفہؒ کا قول اصح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ﴾[۲]

یہ معلوم ہوا کہ سب چاند احرام حج کے میقات ہیں۔ اور نیز دو نسک میں سے ایک حج اور دوسرا عمرہ ہے۔ اور احرام عمرہ تمام سال میں درست ہے ۔ پس ایسا ہی احرام حج بھی ہے ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ احرام درست ہے۔ اور مکروہ ہونا بدلیل ان روایات کے ہے ۔ جو مذہب شافعیؒ کے بیان میں گزریں ۔ پس ظاہر ہے کہ ابوحنیفہؒ کا مذہب سب دلائل کا جامع ہے۔ [۳]

اسی طرح "اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ " کی مدت کے تعین میں آئمہ مجتہدین کے اقوال کا جائزہ آپ نے اس طرح لیا ہے۔

بخاریؒ نے فرمایا کہ ابن عمرؓ نے کہا وہ شوال و ذوالقعد اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں اور اس کو انہوں نے بالا سناد روایت کیا۔ اور شیخ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور حاکم کے نزدیک بھی روایت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دسویں رات کے بعد حج کرنا بھی صحیح ہے"۔ [۴]

☆ تفسیر حقانی میں یہ دونوں مضامین اپنی اصل ترتیب کے مطابق اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

"اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ " اس آیت کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ حج کے لئے چند

---

۱ مواہب الرحمان، ۲/۱۳۶ ۲ البقرہ۲:۱۸۹

۳ مواہب الرحمان، ۲/۱۴۲ ۴ ایضاً ۲/۱۴۳، ۱۴۲

مہینے معلوم ہیں مگر اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ان مہینوں میں جب چاہے حج کے تمام ارکان ادا کر کے خواہ شوال میں خواہ ذی القعدہ میں چوتھی پانچویں ذی الحجہ ہی کو فارغ ہو جاوے بلکہ یہ مراد ہے کہ جن مہینوں میں کہ حج شروع کیا ہے اور پھر تمام کیا جاوے اس کے لئے ایک موسم اور وقت مقرر ہے۔ کہ اس سے پہلے اور پیچھے کوئی کام حج کا نہ کیا جاوے............ "اشھر معلومات" میں باتفاق جمہور مفسرین شوال اور ذی القعدہ تو داخل ہیں۔ مگر ذی الحجہ میں اختلاف ہے عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں۔ کہ سارا مہینہ اشہر حج میں شمار ہے۔ وہ بھی امام مالکؒ کا مذہب ہے ان کے قول پر اگر کوئی طواف زیارت کو اخیر مہینے ذی الحجہ میں بھی کرے گا درست ہوگا۔ اور دلیل ان کی یہ ہے کہ لفظ اشھر جمع ہے۔ اور عرب کی زبان میں جمع کے لئے کم از کم تین ہونے چاہیں ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور نخعیؒ اور شعبیؒ اول عشرہ یعنی دس روز لیتے ہیں۔ اور یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ کس لئے کہ تمام ارکان حج طواف وغیرہ آج ہی تمام ہو چکے ہیں۔ اور عرب میں جز کو کل سے تعبیر کرتے ہیں۔۔ اس تقدیر پر دس روز کو مہینہ قرار دے کر لفظ جمع بولا گیا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ کہ نو دن اور دسویں تاریخ کی رات نہ کہ دسواں دن مراد ہے کس لئے کہ عرفات میں ٹھہرنا جو بڑا رکن اعظم ہے اسی دن ہوتا ہے۔[1]

اشھر حج میں حج کا احرام باندھنے کے متعلق امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے آپؒ فرماتے ہیں۔

''احرام تو صرف التزام حج ہے جیسا کہ نیت پس جس طرح نیت حج کی اشھر حج سے بیشتر کرنی درست ہے۔ اسی طرح احرام کا بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں جو امور مہتم بالشان حج کے ہیں وہ اشھر حج ہی میں ادا ہونے چاہیں۔'' [2]

☆ تفسیر بیان القرآن میں ہے۔

''(زمانہ افعال) حج (کا) چند مہینے ہیں۔ جو (مشہور، و) معلوم ہیں (ایک شوال دوسرا ذی قعدہ تیسرا دس تاریخیں ذی الحجہ کی) سو جو شخص ان (ایام) میں (اپنے ذمہ) حج مقرر کرے۔ (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو پھر (اس شخص) نہ کوئی فحش بات (جائز ہے) اور نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے............''

---

[1] تفسیر حقانی، ۱/۵۶۳-۵۶۴ [2] ایضاً، ۱/۵۶۵

مزید آگے فرماتے ہیں۔

''افعال حج شروع ہوتے ہیں احرام سے، سوشوال کے مہینے سے احرام باندھ لینا بلا کر درست ہے۔ اور اس سے پہلے مکروہ ہے۔ اسی لئے شوال سے حج کے مہینے شروع سمجھے گا۔''[۱]

☆ تفسیر عثمانی میں مرقوم ہے۔

شوال کے غرہ سے لے کر بقرہ عید کی صبح یعنی ذی الحجہ کی دسویں رات تک ان کا نام اشہر حج ہے اس لئے کہ احرام حج ان کے اندر ہوتا ہے۔ اگر اس سے پہلے کوئی احرام حج کا باندھے گا۔ تو وہ ناجائز و مکروہ ہوگا۔ یعنی حج کے لئے چند مہینے مقرر ہیں اور سب کو معلوم ہیں یہ مشرکین عرب جو اپنی ضرورت میں ان میں تغیر و تبدل کرتے تھے۔ جس کو دوسری آیت میں ''انما النسیء زیادۃ فی الکفر'' فرمایا گیا ہے یہ بالکل بے اصل اور باطل ہے''۔[۲]

نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر

نواب صاحبؒ نے حج اور عمرہ کا حکم اور اشہر حج کی تفصیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں عمروں کا بھی بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح رمضان میں کیے گئے عمرے کو افضل بھی قرار دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے۔ کہ آپؐ نے چار عمرے کیے اور چاروں ہی ذیقعد میں کیے ایک عمرہ حدیبیہ سنہ ۶ ھ، دوسرے عمرہ قضاء سنہ ۷ ھ، عمرہ جعرانہ سنہ ۸ ھ، اس کے بعد لیکن آپؐ نے ام ہانیؓ سے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔ اور میرے ساتھ اس لیے فرمایا تھا۔ کہ انہوں آپ علیہ السلام کے ساتھ حج پر جانے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن سواری نہ ملنے کی وجہ سے رہ گئیں۔ یہ قصہ بخاری شریف میں مفصل مذکور ہے مگر حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ ان کے خصائص میں تھا سعدیؒ کا قول ہے کہ جس نے حج یا عمرے کا احرام باندھا ہو اس کے لیے یہ لائق نہ ہے کہ حج اور عمرے کو پورا کیے بغیر احرام کھول دے۔ نحرؒ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَۃَ الی البیت' کے دن حج کا پورا ہونا یہ ہے کہ جمرے کو کنکر مارے پھر طواف کر کے صفا مروہ کی سعی کرے اب احرام اتار دے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے۔ کہ حج عرفہ ہے اور عمرہ طواف ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے آیت کو اس طرح پڑھا ہے۔ ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَۃَ الی البیت﴾ یعنی عمرہ میں بیت اللہ سے آگے نہ بڑھے علقمہ نے ﴿اَتِمُّوا﴾ کی جگہ "اقیموا'' پڑھا ہے شعبیؒ نے والعمرۃ کو مرفوع پڑھا ہے یعنی عمرہ واجب نہ ہے بہت سی احادیث میں کئی طریق سے صحابہ کی ایک جماعت سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آنحضرتؐ نے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا تھا۔ صحیح میں آیا ہے۔ کہ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا جو قربانی ساتھ لایا ہو وہ دونوں احرام باندھے صحیح میں یہ

---

[۱] مکمل بیان القرآن، ۱/ ۱۰۹ [۲] تفسیر عثمانی، ۳۸

بھی ہے کہ عمرہ قیامت تک حج میں داخل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کی اقسام میں سب سے افضل قسم حج تمتع ہے۔ گوکہ کسی نے قران اور کسی نے افراد کو افضل کہا ہے۔ ۱

ایام معلومات کے بارے میں معاصر مفسرین کی آراء

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ ۲

☆ سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے تفسیر مواہب الرحمان میں اس حوالے سے بلیغ بحث کی ہے۔ اور اکابرین سلف اور مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں ان کے باہمی فرق کو واضح کیا ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔

> ''شیخ ابن کثیرؒ نے ذکر کیا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ'' ایام معدودات'' تو ایام تشریق ہیں اور ایام معلومات دس دن ذی الحجہ کے ہیں۔ اس پر ابن عبدالبرؒ وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے۔
>
> مقسم نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ'' ایام معدودات'' ایام تشریق چار روز ہیں۔ ایک تو قربانی تین دن اس کے بعد اور ایسا ہی عمرو ابن الزبیرؓ و ابو موسیٰؓ و عطاءؒ و مجاہدؒ و عکرمہؒ و سعید بن جبیرؒ و ابو مالکؒ ابراہیم نخعیؒ و حسنؒ وقتادہؒ و زھریؒ و ربیع بن انسؒ و مالک بن انسؒ و غیرھم سے مروی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ وہ تین روز ہیں۔ ایک روز قربانی اور دوروز اس کے بعد، ان میں سے جس دن چاہے ذبح کرے، مگر افضل ان میں سے اول روز ہے۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ مشہور قول اول ہے۔ ۳

مزید فرماتے ہیں:

> مفسرین نے کہا کہ'' ایام معلومات'' دس روز ذی الحجہ کے ہیں۔ اور یہی امام ابوحنیفہؒ و شافعیؒ کا قول ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے ذکر کیا کہ سعید بن جبیرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ'' ایام معلومات'' عشر ہیں۔ بخاری نے اس کو تعلیقا بصیغہ جزم لکھا ہے۔ اور ایسا ہی قول ابو موسیٰ اشعریؒ و مجاہدؒ وقتادہؒ و عطا سعید بن جبیرؒ و حسن بصریؒ و عطاء خراسانیؒ و ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے۔ اور یہی مذہب ابوحنیفہؒ و شافعیؒ اور مشہور احمد بن حنبلؒ کا ہے.......... امام احمدؒ نے جابر سے مرفوع روایت کی قولہ تعالیٰ، وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ'' میں اللہ تعالیٰ نے جن'' لَيَالٍ عَشْرٍ'' کی

---

۱ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۹۱ ۲ الحج ۲۲:۲۸

۳ مواہب الرحمان ۲/۱۵۹

قسم کھائی ہے۔ وہ یہی دس روز ذی الحجہ کے ہیں۔ اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول صلعم ان دس ایام میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور بخاری نے کہا کہ ابن عمر ابو ھریرہ ان دس ایام میں بازار کو نکلتے تھے۔ اور تکبیر کہتے تھے۔ تو لوگ ان کی تکبیر پر تکبیر کہتے تھے..........''[1]

''ایام معلومات'' کے متعلق مختلف اقوال بیان کرتے ہوئے اگرچہ آپ نے ائمہ اربعہ کے مذاہب تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ تاہم عشرہ ذی الحجہ کو آپ نے قول مختار قرار دیا ہے۔

☆ مولانا عبدالحقؒ نے تفسیر حقانی میں اس موضوع پر بڑے اختصار سے لکھا ہے۔ کہ

''اکثر علماء کہتے ہیں۔'' ایام معلومات'' سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے۔ اور ''معدودات'' سے ایام تفریق اور یہ مجاہدؒ و عطاءؒ و حسنؒ و سعید بن جبیرؒ و ابن عباسؓ کا قول ہے۔۔ اور اسی کو شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایام عرب کو زیادہ معلوم رہا کرتے تھے۔ اور اب بھی معلوم رہا کرتے ہیں۔ اس لئے کی نہیں کے اخر میں حج کا وقت ہے۔ اور اسی طرح قربانی بھی انہیں ایام میں سے یوم النحر کو ہوتی ہے۔ یعنی دسویں تاریخ۔ خلاصہ یہ کہ'' ایام معلومات'' سے عشرہ ذی الحجہ کا مراد ہے۔ عطاء کی روایت ہیں ابن عباسؓ سے یوں منقول ہے کہ'' ایام معلومات'' سے یوم النحر اور اس کے بعد کے تین روز مراد ہیں۔ کیوں یہ قربانی کے لئے عرب میں معلوم و معین تھے۔ اور یہی قول صاحبین کا ہے۔ اور اسی کو ابو مسلمؒ نے پسند کیا ہے۔''[2]

☆ تفسیر بیان القرآن میں'' ایام معلومات'' کا ترجمہ کئی روز کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ اور اس کے آگے تفسیری عبارت میں لکھا ہے کہ

''(منٰی میں خاص طریقہ سے بھی) اللہ تعالی کا ذکر کرو کئی روز تک (وہ خاص طریقہ کنکریوں) کا خاص تین پتھروں پر مارنا ہے۔ اور وہ کئی روز دسویں گیارھویں بارھویں تاریخیں ذی الحجہ کی ہیں یا تیرھویں بھی کہ ان میں کنکریاں ماری جاتی ہیں..........''[3]

ایک اور مقام پر'' ایام معلومات'' کا ترجمہ ''ایام مقررہ'' کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ اور اس کے آگے تفسیری عبارت میں لکھا ہے۔ کہ

---

۱ مواہب الرحمٰن، ۱۸۶/۱۷ ۲ تفسیر حقانی، ۳۲۴/۳

۳ تکمیل بیان القرآن، ۱۱۱/۱

"تا کہ ایام مقررہ (یعنی ایام قربانی) میں (کہ دسویں گیارھویں بارھویں ذی الحجہ کی ہے) ان مخصوص چوپاؤں پر (یعنی گائے، اونٹ، بکری، بھیڑ پر ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو خدا تعالیٰ نے تجھ کو عطا کئے ہیں..........."[1]

☆ تفسیر عثمانی میں "ایام معدودات" کے متعلق لکھا ہے۔ کہ

"ایام معدودات" سے مراد ذی الحجہ کی گیارھویں، بارھویں، تیرھویں تاریخیں ہیں۔ جن میں حج سے فارغ ہونے کے بعد قیام کا حکم ہے۔ ان دنوں میں رمی جمار یعنی کنکریوں کے مارنے کے وقت اور ہر نماز کے بعد تکبیر کہنے کا حکم ہے۔ اور دیگر اوقات میں بھی ان دنوں میں چاہیے کہ تکبیر اور ذکر الٰہی کثرت سے پڑھے"۔[2]

دوسری جگہ "ایام معلومات" کے متعلق لکھا ہے۔ کہ

"ایام معلومات" سے بعض کے نزدیک ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور بعض کے نزدیک تین دن قربانی کے ہیں۔"[3]

نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر

اس بارے میں نواب صاحبؒ خاموش نظر آتے ہیں تاہم انہوں نے حج کے بارے میں مزید احکامات کا تذکرہ کیا ہے، جو حسب ذیل ہیں۔

دوسرے ہم عصر مفسرین نے حج اور عمرے کا طریقہ تو ذکر کیا ہے لیکن حج کی مختلف اقسام، قربانی نہ ہونے کی وجہ سے دس روزے رکھنے کا طریقہ، بحالت احرام حجامت کروانے کے متعلق شرعی حکم کی بھی وضاحت کی ہے اور اسی طرح حج اور عمرے میں قربانی ضروری نہیں مگر کچھ اسباب کے ساتھ تو حج اور عمرے میں قربانی ضروری نہ ہے مگر ہاں کسی سبب سے۔ یہاں اللہ کریم نے تین سبب بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ سبب کہ وہ احرام باندھ کر حج یا عمرہ کی غرض سے نکلے لیکن رستے میں بیماری یا دشمن کی وجہ سے روکا جائے تو وہ کسی کے ہاتھ قربانی بھیج دے جبکہ مکہ میں وہ قربانی ذبح ہو تب احرام سے آزاد ہو۔ اس سے پہلے حلق یا قصر نہ کروائے۔ دوسرا یہ کہ سر درد یا بالوں کی تکلیف سے بحالت احرام حجامت کروالے تو اس کا بدلہ دے یا قربانی پہنچائے یا تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ تیسرا سبب یہ بتایا کہ حج اور عمرہ اکٹھا کرے جسے حج قرآن کہا جاتا ہے تو اس میں قربانی ضروری ہے اگر قربانی نہ ہو تو دس روزے رکھے تین دوران حج اور سات وطن واپسی پر۔ اور قربانی کم از کم ایک بکری ایک شخص سے کفایت کرے گی۔ اور گائے، اونٹ سات شخصوں سے، اور حج قرآن میں جو قربانی لازم ہے وہ مکہ کے رہنے والوں کے لیے لازم نہ ہے یہ موضوع قرآن کا فائدہ ہے۔ حج وعمرہ کے فضائل اور باقی احکام رسالہ طراز الخمرہ للحجة والعمرة میں لکھے گئے ہیں۔[4]

---

[1] مکمل بیان القرآن، ۷۲/۷، ۱۷
[2] تفسیر عثمانی، ۳۹
[3] ایضاً، ۴۳۶
[4] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۹۰/۱

سیاق وسباق حکمت ربط آیات

باقی مفسرین سے ہٹ کرنواب نے احکام صیام کے بعد جہاد اور اس کے بعد حج کے احکام بیان کرنے کی حکمت بھی ذکر کی ہے فرماتے ہیں۔

''اللہ کریم نے احکام صیام کے بعد جہاد کا ذکر کیا اس کے بعد اب احکام حج بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ سیاق کا ظاہر یہ ہے کہ جب حج یا عمرہ کی ادائیگی شروع کرو تو پھر اس کو پورا کرو اور ادھورا نہ چھوڑو اسی لیے اگر رکنے کی صورت پیدا ہو جائے تو اس کا حل بھی بتادیا کہ اگر تم اس کو تمام نہ کرسکو و پھر اس طرح کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حج وعمرہ شروع کرلیا تو وہ لازم ہو گیا خواہ عمرے کو واجب کہیں یا مستحب کہیں۔''

'للہ' سے مراد حلال کمائی ہے۔

نواب صاحب نے اس آیت مبارکہ میں 'للہ' سے مراد حلال کمائی لیا ہے۔ یعنی صرف حلال کمائی کے ساتھ بھی حج اور عمرہ ہوگا۔ لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا آدمی کی شرافت اس میں ہے کہ اس کا رزق حلال ہو ان کے ساتھ کوئی ہوتا تو اس سے یہ شرط رکھ لیتے اگر پاک مال حج کے لیے لائے ہو تو میرے ساتھ چلو۔[1]

اکیلی عورت کا حج سفر

کسی بھی ہم عصر مفسر نے اس نازک موضوع کو نہیں چھیڑا لیکن نواب صاحب نے اکیلی عورت کا ذی رحم محرم کے بغیر حج پر جانے کو منع قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

''آنحضرتؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے عورت کو سفر سے بغیر ذی رحم محرم کے منع فرمایا ہے اور قدر مدت میں اختلاف سے ایک لفظ میں تین دن دوسرے میں ایک دن رات تیسرے میں ایک برید آیا ہے۔ برید کہتے ہیں چوکی ڈاک کو''[2]

تارک حج کا حکم

نواب صاحب نے حضرت عمرؓ کے قول پر فتویٰ دیا جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں وہ کافر ہے لکھتے ہیں۔

پھر اللہ پاک نے فرمایا:

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/ ۱۰۴ [2] ایضا ۲/ ۴۷۶

''کہ جس نے کفر کیا اور نماز فرضیت حج کو تو اللہ سارے جہان سے بے پروا ہے
یہی ہے ابن عباس، مجاہد وغیرہما کا عکرمہ نے کہا جب یہ آیت اتری ﴿ومن یبتغ
غیر الاسلام ......﴾ یہود نے کہا کہ ہم ہیں۔ اللہ نے کہا تم ان سے کہو اللہ نے
مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے جس کو مقدور ہو حج کرے کہنے لگے ہم پر فرض نہیں
ہے اس پر اللہ نے فرمایا: ومن کفر فان اللہ یہی مقولہ مجاہد کا یہی ہے حدیث علی میں
آیا ہے۔ کہ جو کوئی مالک ہو زاد راہ کا اور اس نے بیت اللہ کا حج نہ کیا اس کو کچھ
پرواہ نہیں، یہودی مرے یا نصرانی یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿وَ لِلّٰهِ
عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اوس کو نہیں
پہنچانتے مگر اسی وجہ سے اس کی اسناد میں گفتگو ہے ہلال واوی مجہول ہے حارث
حدیث میں ضعیف ہے بخاری نے کہا ہلال منکر الحدیث ہے ابن عدیؒ نے کہا یہ
حدیث محفوظ نہیں ہے میں کہتا ہوں حدیث گو ضعیف ہے مگر معنے اس کے صحیح ہیں
کیونکہ جس طرح نماز روزہ فرض ہے اس طرح حج بھی فرض ہے سو جس طرح
ترک نماز عمداً کفر ہے۔ اسی طرح ترک حج باوجود استطاعت کے کفر ہے جب کفر
ہو تو اس کی آپ ہی مثال کفار کی ہوگی یہود و نصاریٰ کافر ہیں حج نہیں کرتے
اس نے بھی حج نہ کیا یہ مثل انکے عمر ابن خطابؓ سے بسند صحیح مروی ہے کہ جس کو
طاقت حج کی ہے اور اس نے جواب نہ کیا اب اس پر برابر ہے کہ یہودی مرے
یا نصرانی سعید بن منصورؒ نے حسنؒ سے روایت کیا ہے۔ کہ عمر بن خطابؓ نے کہا
میرا ارادہ ہے کہ میں کچھ لوگ شہروں بھیجوں وہ جا کر دیکھیں کہ جس کے پاس مال
ہے اور اس نے حج نہیں کیا تو اس پر جزیہ لگائیں وہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔''[1]

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر کا نواب صدیق حسن خانؒ کی تفسیر سے موازنہ پیش کیا گیا جو کہ، اس کی علمی مہارت اور اچھوتے ومنفرد اسلوب بیان کا واضح ثبوت ہے۔

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۴۷۶، ۴۷۷

مبحث سوم

معاملات

معاملات، عربی لفظ ''عمل'' سے مشتق ہے۔لسان العرب میں ہے۔

"عاملت الرجل، عاملة والمعاملة فی کلام اھل العراق: ھی المساقاة فی کلام الحجاز بین، العملة: القوم یعملون بایدیھم ضروبا من العمل فی الطین أوحفر وغیره." [۱]

جبکہ عربی لغت المنجد میں اس لفظ کی جامع تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"المعاملات:الأحکام الشرعیه المتعلقة بأمر الدنیا باعتبار بقاء الشخص کالبیع والشراء نحوھما." [۲]

یعنی معاملات سے مراد شخص انسانی کی بقاء سے وہ شرعی احکام ہیں جن کا تعلق امور دنیا سے ہے۔ مثلاً خرید وفروخت وغیرہ

اردو لغت فرہنگ آصفیہ میں بھی یہ لفظ کاروبار کے معنوں میں لیا گیا ہے۔[۳]

جبکہ جامع اللغات میں ہے۔

معاملات، ع، مذکر، معاملہ کی جمع، امور، کاروبار، معاملات ملکی، امور ملکی، سلطنت کے احکام، شاہی کاروبار، پولیٹیکل امور [۴]

جبکہ علامہ سید سلیمان ندوی، اعمال صالحہ کا جامع انداز میں احاطہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اسلام میں اعمال صالحہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اسکے اندرا نسانی زندگی کے تمام جزئیات داخل ہیں۔ تاہم ان کی جلی تقسیمات عبادات ،معاملات اوراخلاق پر مشتمل ہے۔ اعمال صالحہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جسکا تعلق خاص خدا سے ہے۔ اس کو عبادت کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جس کا تعلق بندوں سے ہے۔اس کی پھر مزید دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کی حیثیت صرف انسانی فرض کی ہوتی ہے دوسری وہ جس کی قانونی ذمہ داری کی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے۔ پہلے کا نام اخلاق ہے۔ دوسرے کا نام معاملات۔[۵]

زیر نظر مقالہ میں معاملات کو اس کے اسی مفہوم میں لیا گیا ہے ۔جس کی طرف تفسیر ترجمان القرآن میں بھی رہنمائی ملتی ہے۔آئندہ صفحات میں قصاص سے متعلقہ مسائل پر مختلف تفاسیر کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

۱ لسان العرب، ۳۰۱/۹ ۲ المنجد فی اللغۃ، ۵۳۱ ۳ فرہنگ آصفیہ، ۳۹۹/۴

۴ جامع اللغات، ۱۸۴۳/۲ ۵ سیرت النبیؐ، ۱۵۰

الف۔ مناکحات

معنی ومفہوم

مناکح کے معنی لغت میں وطی کے ہیں، اور شرع میں نکاح وہ عقد ہے، جس سے اجنبیہ عورت سے جو محل ہو، وطی حلال ہوتی ہے۔ اور زجاج نے زعم کیا کہ قرآن مجید میں نکاح سوائے معنی شرعی کے بمعنی لغوی میں نہیں آیا۔ اور یہ زعم باطل ہے بلکہ کتاب الٰہی میں نکاح بمعنی وطی وارد ہے۔ لقولہ تعالیٰ:

﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (البقرہ۲: ۲۳۰)[1]

ضرورت واہمیت

زمانہ جاہلیت میں اسلام لانے سے پہلے جبکہ خدائے تعالیٰ کی راہ شریعت سے جاہل تھے۔ ان لوگوں کا دستور تھا کہ اپنے اقرباء یعنی ناتے داروں کی عورتوں کے وارث ہو جاتے، یعنی میراث میں لے لیتے، پھر چاہتے تو اس سے بدون، مہر کے خود نکاح کر لیتے تھے۔ یا دوسرے سے اس کا نکاح کر دیتے پھر اس کا مہر خود لے لیتے یا اس کو روک کر بند رکھتے، یہاں تک کہ تنگ ہو کر جو اس نے میراث پائی تھی وہ دے کر اپنی جان چھڑاتی یا مر جاتی تو اس کے وارث ہو جاتے۔ پس اللہ عزوجل نے ان کو اس سے منع کر دیا۔[2]

نواب صاحب رقم طراز ہیں:

> ''حرام کاری جس سے نسب میں خلل ہوتا ہے۔ اس کی مذمت کے بعد نکاح کی ترغیب دی گئی۔ جس سے نسل صالح وکثرت اسلام وایمان ہے۔ اور حکمت الٰہیہ اس دنیا کے باقی رکھنے میں جس طرح ہو۔ تناسل بھی جاری ہے۔ لہٰذا فرمایا۔
> ''وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى'' یہ حکم ہے نکاح کر دینے کا۔۔۔۔''[3]

مسئلہ حق مہر اور معاصر مفسرین

حق مہر کے متعلق احناف اور شوافع کا موقف بیان کرتے ہوئے سید امیر علیؒ فرماتے ہیں۔

> ﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (النساء۴:۵) یہ جمع صدقہ کی ہے، یعنی مہوران کے، واضح ہو کہ ''صداق وامین'' میں فرق یہ ہے کہ کابین سردست دینا ہوتا ہے اور وہ آخری زندگی تک ادا کر سکتا ہے۔ اور نحلہ یعنی عطیہ بطیب نفس یعنی نحلہ بخوشی خاطر دینا۔ اور علیؓ بن ابی طالب نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ، نحلہ مہر ہے۔ اور عن عائشہؓ ہی الفیضہ ونحوہ عن قتادہ ومقاتل وابن جریج۔ ابن کثیرؒ نے ذکر کیا کہ ابن زید نے کہا کہ نحلہ کلام عرب میں واجب ہے۔ اور مراد یہ ہے

---

[1] مواہب الرحمٰن، ۱۸/۹۷ [2] ایضاً ۴/۹۳-۱۹۲

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۵۶۷

کہ عورت سے نکاح نہ کرے مگر بعوض کسی چیز کے اور سوائے نبیؐ کے کوئی کسی
عورت سے بلا مہر نکاح نہیں کر سکتا۔ اور حاصل یہ کہ مرد پر واجب ہے کہ جورو کو
اس کا مہر ضرور دے، اور خوشی خاطر سے دے، جیسے نحلہ دیتے ہیں۔

مترجم کہتا ہے کہ آئمہ حنفیہ کے نزدیک نکاح اگرچہ لفظ ہبہ جائز ہے۔ مگر مہر مثل واجب ہوگا۔ اور تفصیل اس کی ترجمہ فتاویٰ عالمگیری سے تلاش کرو، اور قرطبیؒ نے ذکر کیا کہ علماء کا اجماع ہے کہ شوہر پر جورو کا مہر واجب ہوتا ہے۔ خواہ مہر مسمیٰ یا مہر مثل اور نیز کہا کہ علماء کا اجماع ہے کہ مہر کے زیادہ ہونے کی کوئی حد نہیں ہے اور کم کی جانب اختلاف ہے۔ قال المترجم، چنانچہ شافعیؒ سے روایت ہے کہ بیع میں جو مول ہو سکتا ہے وہ نکاح میں مہر ہو سکتا ہے۔ اور آئمہ حنفیہ کے نزدیک دس درہم سے کم نہیں ہو سکتا ہے۔ اور واضح ہو کہ جو اس حیثیت سے زائد مہر مقرر کرتے ہیں کہ اس کو ادا نہیں کر سکتے تو عاقبت میں ان پر وبال ہوگا۔ اگر دنیا میں نہ ہوا۔ پس اس سے احتراز واجب ہے۔ اور مہر میں جبراً لینا حرام وقبیح ہے[1]

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے اپنی تفسیر میں مسائل نکاح کے متعلق بڑی جامع گفتگو کی ہے۔ آپ حق مہر کے متعلق حاشیے میں لکھتے ہیں:

مسئلہ تعدادازواج اور معاصر مفسرین

☆ مولانا عبدالحق حقانی فرماتے ہیں:

عرب میں دستور تھا کہ عورت کو نکاح کے وقت کچھ حدیہ اس کی خوشنودی کے لئے دیا کرتے تھے اس کو مہر اور صداق اور صدقہ کہتے تھے۔ اس رسم کو اسلام نے بھی قائم رکھا اور نکاح میں یہ ضروری ہوگیا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مہر پیسہ دو پیسے یعنی بہت کم چیز بھی ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقل مرتبہ دس درہم ہونے ضروری ہیں۔ جن کے تخمیناً ساڑھے تین روپے ہوتے ہیں۔[2]

عرب میں ایک یہ بھی دستور تھا کہ جہاں تک چاہتے تھے، نکاح کرتے چلے جاتے تھے۔ پھر اس میں کھانے پینے کے ساتھ سونے میں برابری نہ کرتے تھے۔ جس سے دل چاہا عیش منایا، اوروں کو اس میں ڈال کر جلایا۔ اسلام نے اس خرابی کی اصلاح کر دی، اور گھٹا کر صرف چار عورتوں تک کی اجازت دی اور اس میں بھی شرط کی کہ اگر انصاف وعدل کر سکو تو کرو ورنہ نہیں۔ کیونکہ بیویوں کے حقوق نان و نفقہ باشی برابر ہونی چاہیں۔ اور اجماع امت سے چار عورتوں سے زیادہ سے ایک وقت میں نکاح حرام ہے۔ ہاں مرتی جاویں یا طلاق دیدی جاویں تو کہیں تک

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱۵۹
[2] تفسیر حقانی، ۱۲۷

نوبت کیوں نہ پہنچے۔[۱]

آپ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسلام میں چار تک شادیاں کرنے کی جو رخصت دی گئی ہے۔ وہ سراسر مصلحت پر مبنی ہے اور انسان کی پاک دامنی کی ضامن ہے۔ اس کے برعکس جن مذاہب میں ایک سے زیادہ شادیوں پر پابندی ہے۔ اس کے بڑے خطرناک نتائج نکلتے ہیں۔[۲]

☆ مولانا اشرف تھانویؒ فرماتے ہیں۔

''اگر عدل نہ ہو سکنے کا غالب احتمال ہو، تو کئی بیویوں سے نکاح کرنا بایں معنی ممنوع ہے کہ یہ شخص گناہگار ہوگا، بایں معنی کہ نکاح صحیح نہ ہوگا، نکاح یقیناً ہو جائے گا۔۔۔تنبیہ: بعض ہوا پرستوں نے دنیوی غرض سے آیات الٰہیہ کے مضمون میں تحریف کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ آیت بالکل کثرت ازدواج کی نفی کر رہی ہے۔ اس طرح سے کہ یہاں فرمایا کہ جب عدل نہ ہو سکے تو ایک پر اکتفا کرو۔ اور دوسری آیت میں فرمادیا کہ تم سے عدل ہو ہی گا نہیں۔

﴿وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء۴: ۱۲۹)

دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ جائز نہیں۔ اور یہ محض مغالطہ باطلہ ہے۔ کیونکہ دونوں آیتوں میں عدل جدا جدا معنوں میں ہے۔ اس آیت میں تو عدل فی الحقوق الواجبہ ہے۔ جیسا کہ احقر نے تصریح بھی کر دی اور یہ قدرت میں ہے۔ اور اس کے اعتبار سے واحد اور کثیر کے اختیار کرنے میں تفصیل فرمائی ہے۔ اور اس آیت میں عدل فی المحبۃ ہے۔ اور وہ عادتہ قدرت میں نہیں اس لئے اس کی نفی فرمائی۔''[۳]

☆ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ تم یتیم لڑکیوں کی بابت انصاف نہ کر سکو گے، اور ان کے مہر اور ان کے ساتھ حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہوگی۔ تو تم ان سے نکاح مت کرو، بلکہ اور عورتیں جو تم کو مرغوب ہوں، ان سے ایک چھوڑ چار تک کی تم کو اجازت ہے۔ جاننا چاہئے کہ مسلمان آزاد کے لئے زیادہ سے زیادہ چار نکاح تک اور غلام کے لئے دو تک کی اجازت ہے اور حدیثوں میں بھی اس کی تصریح ہے اور آئمہ دین کا بھی اسی پر اجماع ہے۔[۴]

بغیر ولی کے نکاح اور معاصر مفسرین

نکاح کے متعلق ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک بالغ عورت، اپنے سر پرست کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کر لے

---

۱ تفسیر حقانی، ۲/۱۲۵ ۲ ایضاً، ۱۲۷، ۱۲۶

۳ تکمیل بیان القرآن، ۲/۹۲ ۴ تفسیر عثمانی، ۹۹

تو اس کا یہ امر جائز ہوگا یا نہیں۔ سید امیر علیؒ نے اس بارے میں حضور اکرمؐ کی احادیث اور آئمہ مجتہدین کے اقوال کے حوالہ سے بڑی معرکتہ الآرا بحث کی گئی ہے۔ اور آئمہ حنفیہ کے متعلق جواز کا قول نقل کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی آیت مبارکہ

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرہ۲: ۲۳۴)

کے تحت لکھا ہے کہ۔

"قال المترجم آئمہ حنیفہ نے اسی آیت سے بدون ولی کے خود نکاح کر لینے کو جائز کہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صریح فعل کی نسبت عورتوں کی طرف کی ہے۔ یعنی اپنے واسطے وہ نکاح کریں۔ اور ایسی ہی، "حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" میں بھی نکاح کر لینے کی نسبت عورت کی طرف کی۔ اور ایسے قولہ: ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ میں نکاح کر لینے کی نسبت عورتوں کی طرف کی ہے۔ اور جو لوگ اس طرف گئے ہیں کہ بدون ولی کے نکاح نہیں جائز ہے۔ وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ، "فلا جناح علیکم" میں خطاب اولیاء کو ہے۔ پس اگر بدون ولی کے نکاح جائز ہوتا، تو وہ مخاطب نہ ہوتا۔ اقوال یہ جواب کچھ نہیں ہے، اس واسطے کہ اس قضیہ کی ملازمت ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی لزوم نہیں کہ اگر ولی کے بغیر نکاح روا ہوتا تو وہ مخاطب کیوں ہوتا۔۔۔ اور وجہ یہ ہے کہ اس کی تزئین و آرائش کو اور خطبہ کرنے والوں کے واسطے معترض ہونے کو بسا اوقات ولی مانع ہوتے ہیں۔ لہٰذا ولی کو خطاب کیا کہ اپنے ہم کفو سے جب وہ ایسا کریں تو تم مت مانع ہو۔ اور آئمہ حنفیہ اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ ولی کو اپنے حق کی اور عورت کی بہتری کے خیال سے حق ہے۔ پس ان حقوق کے واسطے ولی کی ولایت لینا اور نفس نکاح کے جواس میں عورت کا خود مستقل ہونا، ایسا قول ہے کہ آیات و احادیث میں اس سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔"[1]

اسی طرح

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ ......﴾ (النور۲۴: ۳۲)

کے تحت لکھا ہے کہ

یہ حکم ہے نکاح کر دینے کا یعنی اجازت دینے کا۔۔۔ بعض معاصرین نے کہا کہ اس میں دلیل ہے کہ عورت آزاد اپنا نکاح نہیں کر سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ

---

[1] مواہب الرحمٰن، ۲/۲۳۶، ۲۳۵

((ایما امرأة نکحت بغیر اذن و لیها فنکا حها باطل باطل باطل))

یعنی جو کوئی عورت کہ نکاح کر لے بدون اجازت اپنے ولی کے تو اس کا نکاح

باطل ہے۔ تین مرتبہ کہا۔

اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت میں ہے کہ نہیں نکاح مگر ولی کی اجازت سے، رواہ ابو داؤد و الترمذی۔ اسی سے امام شافعیؒ وغیرہ نے کہا کہ بدون ولی کے نکاح ہی نہیں ہوسکتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ عورت آزادہ بالغہ مختار ہے کہ خود نکاح کرے، لیکن ولی سے اجازت نہ لی تو درصورتیکہ غیر کفو میں ہو، یا ولی کو اس سے عار لاحق ہوتا ہو، تو ولی نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔[1]

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے اس موضوع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مختصراً امام شافعی کے مسلک کے متعلق لکھا ہے کہ

لفظ ''وانکحوا'' سے شافعیہ نے یہ بات نکالی ہے کہ نکاح بغیر ولی کے درست

نہیں، وفیہ، ومافیہ۔[2]

☆ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس موضوع کے متعلق حنفی مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

یہ جو فرمایا کہ رضامندی قاعدہ کے موافق ہو، اس قاعدہ کی تفصیل ان مسائل سے ہوگی۔ جس شخص سے عورت نے نکاح تجویز کیا ہے، وہ غیر کفو نہ ہو، مہر مثل سے کم مہر مقرر نہ ہو، ورنہ عورت کے ولی کو روکنے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر عورت نے اس طرح نکاح کر لیا، تو ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ قاضی یعنی سلطان حاکم سے رجوع کرے۔ اور وہ حاکم اس نکاح کو توڑ دے۔ اور یہی ظاہر روایت ہے۔ لیکن متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا۔[3]

جبکہ سورۃ النور کی مذکورہ آیت کے تحت آپ فرماتے ہیں۔

''وانکحوا'' عام ہے معاونت و توسط و تمکین سب کو۔ جیسا جہاں موقع ہو۔ اور اس

میں خطاب عام ہے اولیاء، یعنی اقارب و سادات یعنی آقاؤں کو، اور ولی کا شرط

ہونا اور اذن سید کا شرط ہونا یہ دوسرے دلائل سے ہے۔[4]

☆ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس موضوع کے متعلق براہ راست بحث نہیں کی ہے۔ البتہ طلاق کے مباحث میں ولی وغیرہ کے متعلق ضمناً یہ لکھا ہے۔۔۔۔۔ہاں اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو، مثلاً غیر کفو میں عورت نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بے شک اسے نکاح سے روکنے کا حق ہے۔[5]

اس بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ ترجمان القرآن بلطائف البیان میں دینی مسائل کو حضور اکرمؐ کی احادیث اور صحابہ و

---

۱ مواہب الرحمٰن، ۱۶۸/۱۸، ۲ تفسیر حقانی، ۳۸۴/۳، ۳ تکمیل بیان القرآن، ۱۳۱/۱
۴ ایضاً، ۱۸/۸، ۵ تفسیر عثمانی، ۳۶

تابعین اور آئمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اور یہی اس کا باعث امتیاز بھی ہے۔

محرمات شرعی اور معاصر مفسرین

محرمات شرعی یعنی وہ عورتیں جن سے ہماری شریعت میں نکاح کرنا حرام ہے۔

☆ سید امیر علی رقمطراز ہیں:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْأَخِ وَ بَنٰتُ الْأُخْتِ......﴾[1]

اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے وہ عورتیں بیان کر دیں، جو حرام ہیں۔ پس ناتے کی وجہ سے سات حرام ہوئیں۔ اور دودھ کی وجہ سے دو اور صہر کے رشتہ سے چار حرام ہوئیں پس ناتے کی وجہ سے سات یہ ہیں۔ مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں۔ اور دودھ کی وجہ سے یہ ہیں، رضاعی مائیں اور رضاعی بہنیں۔ اور صہر کے رشتہ سے یہ ہیں، جورو کی بہنیں اور جن جوروں سے دخول کیا، ان کے پہلے خاوند سے بیٹیاں اور اپنی پشت کے بیٹوں کی جوروں اور ایک وقت میں دو بہنوں کا جمع کرنا۔ یہ سب تیرہ عورتیں ہیں اور چودھویں جو باپ کی منکوحہ ہوں۔ جیسا کہ اوپر والی آیت میں بیان ہوا۔ اور سنت متواترہ سے دو اور ثابت ہوئیں۔ ایک تو اپنی جورو و اس کی پھوپھی کو بیک وقت جمع کرنا حرام ہے۔ دوم اپنی جورو و اس کی خالہ کو ایک وقت میں جمع کرنا حرام ہے۔ پس یہ سب سولہ ہوئیں۔ اور سترھویں ایسی عورت جو کسی مرد کے نکاح میں ہو۔ امام طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ سب متفق علیہا حرام ہیں۔ ان میں سے کسی کا نکاح میں لانا نہیں جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔ سوائے اپنی غیر مدخولہ کی ماں کے کہ اس میں جمہور کا تو یہی قول ہے کہ اس سے نکاح حرام ہے۔ اور بعض نے اس کو روا کہا ہے۔ لیکن روایت اختلاف کے ثبوت میں تامل ہے۔[2]

آپ مزید لکھتے ہیں:

ان محرمات میں اقسام ہیں۔ بعض تو دائمی حرام نہیں۔ یعنی بعض احوال میں جائز ہو جاتی ہیں۔ اور وہ ایسی عورتیں ہیں، جو غیر کے نکاح میں ہیں۔ پس اس حیثیت سے کہ غیر کے نکاح میں ہوں، دائمی حرام ہیں۔ اور اگر غیر نے اس کو طلاق

---

[1] النساء۴:۲۳ [2] مواہب الرحمٰن، ۴ر۲۰۱

دیدی اور عدت گذار کر بائنہ ہوگئی تو اس سے نکاح روا ہے۔ یا مثلاً شوہر مر جاوے، تو بعد عدت کے اس سے نکاح روا ہے، بشرطیکہ وہ نکاح کا ارادہ کرنے والے کی اسی ناتے دار نہ ہو، جس سے کبھی نکاح نہیں ہے۔ نیز دو بہنوں کا جمع کرنا حرام ہے اور اگر ایک مرگئی تو دوسری بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔ اور یہی حال جورو اور اس کی پھوپھی یا خالہ کے جمع کرنے میں ہے۔ اور بعض دائمی حرام ہیں، کسی حال میں حلال نہیں ہوتی ہیں۔ جیسے ماں و بہنیں وغیرہ۔ جو ان سے نکاح کرے، اگر جانے حالانکہ شرع کا حکم ظاہر ہو چکا، تو وہ مرتد ہے قتل کیا جاوے گا۔[1]

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے محرمات شرعی بیان کرتے ہوئے بڑے جامع انداز میں لکھا ہے کہ

''اس جگہ خدا تعالیٰ نے چودہ قسم کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام فرمایا۔ سات تو ان میں سے نسب کی جہت سے ہیں۔ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی۔ اور سات بغیر نسب کے ہیں۔ دودھ کے سبب ماں، دودھ شریک بہن، ساس، بیوی کے روبرو اس کی بہن یعنی سالی۔۔۔۔ ''بناتکم'' بنت ہے جس کے معنی بیٹی کے ہیں۔ اس میں بھی ہر عورت شریک ہے، جس کا نسب انسان کی طرف خواہ بواسطہ یا بغیر واسطہ منتہی ہو۔ جیسا کہ بیٹی یا پوتی یا نواسی یہ سب بنات میں داخل ہیں۔ اسی طریق سے جو مذکور ہوا۔ پس جو بیٹی زنا سے پیدا ہو، امام ابو حنیفہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں، امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ بیٹی نہیں۔ دلائل فریقین کی کتابوں میں مذکور ہیں۔۔۔۔ ﴿وَ اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیۡۤ اَرۡضَعۡنَکُمۡ﴾ جس نے اس کو بچپن میں دودھ پلایا، وہ بھی بمنزلہ ماں کے ہے۔ پھر اس کی ماں کی ماں اور نانی دادی بھی بحکم اجماع ماں شمار ہوتی ہے۔ رضاع، دودھ پلانا اگرچہ قرآن میں اس کی کوئی مدت معین نہیں کہ اس زمانہ تک پلانا ماں بنا دیتا ہے۔ اور کس قدر پلانے سے ماں ہو جاتی ہے۔ مقدار کے بار میں امام ابو حنیفہ نص قرانی کو مطلق قرار دے کر ایک گھونٹ دودھ کو بھی جو بچے کے شکم میں اتر جاوے، باعث حرمت نکاح فرماتے ہیں۔ اور امام شافعی نص کو احادیث سے خاص کر کے اقل مرتبہ پانچ گھونٹون سے رضاعت ثابت کرتے ہیں اور اس کے کم کو معدوم سمجھتے ہیں۔ اور زمانہ کے بارہ میں سب آئمہ آیت میں قید لگاتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ ڈھائی برس کی عمر کے اندر اگر بچہ کسی کا دودھ پیے گا تو رضاعت ثابت ہوگی۔ امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک دو برس کی مدت معتبر ہے۔[2]

---

[1] مواہب الرحمٰن، ۲۰۱/۴
[2] تفسیر حقانی، ۱۴۰،۱۴۱/۲

☆ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس موضوع کے متعلق بڑی مختصراً اور جامع گفتگو کی ہے۔ [1]

☆ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس مقام پر جو اسلوب اختیار کیا ہے۔وہ نہایت ہی بلیغ اور سہل الفہم ہے۔ [2]

البتہ اختصار کی بنا پر ان دونوں تفاسیر میں موضوع کی مناسبت سے آئمہ مجتہدین کے اقوال سے استناد نہیں کیا گیا۔جبکہ تفسیر مواہب الرحمٰن میں سلف صالحین کا طرز اختیار کرتے ہوئے مسئلہ کے تقریباً ہر پہلو پر دلائل و براہین کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

مذکورہ بالا سطور میں معاصر مفسرین کی مسائل نکاح کے بارے میں آراء درج کردی گئی ہیں مسائل نکاح کے بارے میں نواب صاحب کا نقطہ نظر حسب ذیل سطور میں درج کیا جارہا ہے۔

مسائل نکاح اور نواب صاحب کا نقطہ نظر

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ ......﴾

تمام ہم عمر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں نہایت ہی اختصار سے کام لیا جبکہ قرآن و سنت کے مخالفین کے اعتراض اور ان کے جواب دینا ضروری تھا۔ اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے نواب صاحب نے صرف چار عورتوں سے ایک وقت میں نکاح پر قرآن وسنت سے مضبوط دلائل دیے ہیں۔

☆ یہ فرمایا کہ سوائے ان تیامی کے جن سے چاہو نکاح کرو خواہ وہ دو خواتین خواہ چار

﴿جَاعِلِ الْمَلَٰٓئِكَةِ رُسُلًا أُولِيٓ أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ﴾ [3]

یعنی بعض فرشتوں کے دو پر ہیں اور بعض کے تین اور بعض کے چار یہ کچھ نفی ماعدا کی ملائکہ میں نہیں ہے۔اسلئے کہ دلیل دال ہے اس عدد سے زیادہ پر بخلاف نصر رجال کے چار پر اس آیت میں ابن عباس و جمہور علما نے کہا ہے کہ یہ مقام امتنان و اباحت کا ہے اگر چار سے زیادہ کا جمع کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا شافعیؒ نے کہا سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو جمع کرنا زیادہ چار زن سے روا نہیں ہے۔ابن کثیرؒ کہتے ہیں یہ قول شافعیؒ کا مجموع علیہ ہے درمیان علماء کے ہاں ایک گروہ شیعہ سے حکی ہے کہ چار سے زیادہ نو تک ہی جمع کرنا درست ہے اور بعض نے کہا بلا حصر بعض نے کیا۔آپ نے چار سے نو تک کو جمع فرمایا جس طرح صحیح میں آیا ہے اور بعض الفاظ بخاری میں گیارہ ہی بیان ہوئی ہیں مگر بطور تعلیق اور انس سے مروی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ عورتوں سے نکاح کیا تیرہ پر داخل ہوئے گیارہ نزدیک آپ کی فراہم رہیں جب وفات فرمائی تو نو موجود تھیں۔سو علماء کے نزدیک خصائص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے امت میں شریک نہیں چنانچہ احادیث والہ حصر پر چار میں آویں گی حدیث سالم میں آیا ہے کہ

---

[1] تکمیل بیان القرآن، ۲/۷،۱۰۷،۱۰۶ [2] تفسیر عثمانی، ۱۰۴

[3] الفاطر ۳۵:۱

غیلان ؓ بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوا اس کے نیچے دس عورتیں تھیں حضرت نے فرمایا اختیار کر انھیں جب عہد عمر کا ہوا اس نے اپنی عورتوں کو طلاق دی مال اپنا اپنے بیٹوں میں بانٹ دیا جب یہ خبر عمر کو پہنچی تو میں گمان کرتا ہوں کہ شیطان نے درمیان استراق سمع کے تیرے مرنے کی خبر سنی وہ خبر تیرے جی میں ڈال دی تو نہ ٹھہرے گا مگر تھوڑا قسم ہے اللہ کی تو مراجعت کر اپنی عورتوں سے اور یہ لے مال اپنا روئے زمین ان عورتوں کو کر دونگا، اور حکم دونگا کی تیری قبر کو مثل قبر ابی رغال سنگسار کریں ۔ اسکو عبدالرزاق نے معمر سے معمر نے زہری سی مرسلاً روایت کیا ہے۔

☆ وجہ دلالت یوں ہے کہ اگر چار سے زیادہ جمع کرنا ہوتو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیلان ؓ کے لئے ساری عورتیں دس عدد جائز فرمادیتے اسلئے کہ وہ سب مسلمان ہوگئی تھیں ۔ جب چار کے روکنے کا باقی کے چھوڑنے جدا کرنے کا حکم دیا تو یہ دلیل ہے اس بات پر کہ چار سے زیادہ کا جمع کرنا کسی حال میں درست نہیں ہے اور جب یہ حکم دوام میں ٹھہرا تو ستیناف میں بطریق اولی ہے و اللہ تعالیٰ اعلم الصواب حدیث ابو داؤد، و ابن ماجہ نے طریق محمد ابن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ؓ سے اس نے خمیعہ بن شمرول ؓ سے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ بنت شمرول ہے ابو داؤد ؒ نے کہا بعض شمرول کہتے ہیں۔ [۱]

☆ اسی طرح نواب صاحب نے مثنیٰ وثلاثہ اور رباع میں قیاس اور عقلی دلائل سے بھی ثابت کیا ہے کہ اس آیت سے بیک وقت چار سے زائد بیویوں کے رکھنے کی نہیں لی جاسکتی۔

☆ نواب صاحب نے آزاد مسلمان مرد کے علاوہ اس مسئلہ میں غلاموں کے لئے بیک وقت دو بیویوں سے زائد رکھنے کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔اور امام شوکانیؒ کے حوالے سے صحابہ کے اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً......﴾ [۲]

☆ باقی مفسرین کی طرح نواب صاحب بھی حق مہر کے جواب کے دلائل تفصیل سے دیے ہیں اور اسی طرح حق مہر عورت اگر خاوند کو ہبہ کرنا چاہے تو اس پر باقی مفسرین نے بحث نہیں کی جبکہ نواب صاحب نے اسی موضوع پر بھی تفصیلاً روشنی ڈالتے ہیں۔

☆ اگر وہ عورت اپنی خوشی سے بعد تسمیہ کے بعض مہر ھبہ کر دے تو اس کو خوشی سے کہہ دے کہ یہ حلال طیبہ ہے اس لئے یوں فرمایا ہے۔

﴿فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا......﴾ [۳]

سو لفظ طبن دلیل ہے اس بات پر کہ حلت مہر اسوقت ہے کہ خوشی خاطر طیب نفس سے دین، نہ مجرد ان الفاظ سے جنکے ساتھ طیب نفس متحقق نہیں ہوتی ہے سو جب عدم طیب نفس پر کوئی دلالت ظاہر ہوگی تو وہ مہر شوہر کو حلال نہ ہوگا گو منہ سے یہ لفظ ہبہ یا نذر کیوں نہ کہے شوکانیؒ نے فرمایا ہے دلالت اس آیت کی کس قدر قوی تر ہے عدم اعتبار پر ان الفاظ کے جو

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۱۵۷   [۲] النساء۴:۴

[۳] النساء۴:۴

عورتوں سے صادر ہوتے ہیں اور افادہ تملیک کرتے ہیں بسبب نقصان معقول وضعف ادراک وسرعت انخداع نسوان کے یہ طائفہ ذرا سی ترغیب ترہیب میں من جذب طرف مراد مرید کی ہوجاتا ہے۔غرضیکہ جب کوئی عورت کچھ اپنے مہر سے شوہر کو دیوے اور جی کی خوشی سے دیوے تو شوہر کو اسکا کھانا اور ہر طرح کا انتفاع اس مال سے اٹھانا جائز ہے یعنی حلال ہے خالص ہے شوائب سے علی مرتضیٰؓ نے کہا تم میں جب کوئی بیمار ہو تو اپنی عورت سے تین درہم مانگ کر شہد مول لے پھر آسمان کا پانی ملا دے یہ ھنیا مریا شفا مبارک کے ہے۔حق مہر کے اولیاء کا حق ہے[1]

☆ موجودہ دور میں بھی بعض علاقوں میں خاوند بیوی کے اولیاء کو کچھ رقم دیتا ہے اور اسے مہر ہی شمار کیا جاتا ہے نواب صاحب نے اس رسم بد پر بھی لکھا ہے فرماتے ہیں۔

ابو صالحؒ نے فرمایا کوئی شخص اپنی بیٹی کا بیاہ کرتا تو اس کہ مہر خود لے لیتا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا۔ عورتوں کا حق مہران عورتوں کو دے دو تم نہ لو۔

مہر کی کم از کم مقدار

﴿فَلا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ اَنْفُسِهِنَّ﴾ [2]

اس آیت کی تفسیر میں ہم عصر مفسرین نے امام ابوحنیفہ کے مؤقف کے لئے اس آیت کو بطور دلیل پیش کیا جبکہ نواب صاحب نے صرف ایک جملہ میں ان تمام دلائل کا جواب دیتے ہوئے 'ولی' کو نکاح کے لئے شرط قرار دیا ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

☆ "ابوحنیفہؒ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بغیر ولی نکاح جائز ہے کیونکہ فعل کی فاعل کی طرف نسبت کرنا مباشرت پر محمول ہوتا لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اولیاء کو خطاب ہے اگر بغیر ولی کے نکاح ہوسکتا تو اللہ تعالیٰ خطاب کی نسبت اولیاء کی طرف نہ کرتے اولیاء کی طرف خطاب کی نسبت ولی کے شرط ہونے پر بین دلیل ہے"۔[3]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۲/۵۷۵ [2] البقرہ۲:۲۳۴

[3] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۸۱

طلاق

معنی و مفہوم

شرع میں طلاق بمعنی عقد نکاح کھول دینا، پس مطلقہ وہ عورت ہے جس کو اس کے شوہر نے طلاق دی ہو، عام اس سے کہ وہ منکوحہ خواہ بالغہ ہو یا کہ نابالغہ، خواہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، جوان ہو کہ اس کو حیض آتا ہو۔ یا حاملہ ہو یا کہ بسبب عارض حمل کے حیض سے بند ہو، یا بوڑھی ہو کہ بڑھیا ہو جانے سے وہ حیض وغیرہ سے مایوس ہو، عام اس سے کہ آزاد عورت ہو یا کسی کی باندی سے نکاح ہو۔[1]

طلاق کے مضمرات

چونکہ طلاق دینے سے محض دو افراد ہی نہیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان بھی نفرتوں کی ایک دیوار کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور انسانی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے اسلامی شریعت میں اس کو ناگزیر حالات میں ہی روا رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضور اکرمؐ سے اس ضمن میں سخت ترین ارشادات مروی ہیں جو ذیل کی سطور میں آ رہے ہیں:

☆ تفسیر مواہب الرحمٰن میں مرقوم ہے کہ

حضرت ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال فرمائی ہیں، ان سب میں سے زیادہ مبغوض اس کے نزدیک طلاق ہے۔ حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ سے روایت کی کہ تم لوگ نکاح کرو طلاق مت دو، کیونکہ طلاق سے عرش الٰہی جنبش میں آجاتا ہے۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذؓ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز عتاق سے زیادہ محبوب پیدا نہیں کی اور طلاق سے زیادہ مبغوض پیدا نہیں کی۔[2]

مسائل طلاق اور معاصر مفسرین کی آراء

۱۔ طلاق کی عدت کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ......﴾[3]

آیت کریمہ میں لفظ ''قروء'' کے معنی متعین کرنے میں اکابرین سلف کا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ یعنی اس لفظ سے حالت 'طہر' مراد ہے یا حالت 'حیض' سید امیر علیؒ تفسیر مواہب الرحمٰن میں اس عنوان سے صحابہ کرامؓ و تابعین عظام اور آئمہ مجتہدین کے اقوال سے استدلال کر کے مسئلہ کے تقریباً ہر پہلو پر کماحقہ روشنی ڈالی گی ہے۔ جیسا کہ آپ قرء سے 'طہر' کے معنی اختیار کرنے والے اکابرین کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مالکؒ نے موطا میں عائشہؓ سے روایت کی کہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن جب تیسرا حیض شروع ہو تو عائشہؓ نے اس کا دوسرا نکاح کر دیا۔ زہریؒ نے کہا کہ میں نے

۱۔ مواہب الرحمٰن، ۲۸، ۲۱۴ ۲۔ ایضاً

۳۔ البقرہ۲: ۲۲۸

اس کو عمرو بنت عبدالرحمٰن سے بیان کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ عروہؓ سے سچ بیان کیا۔ عائشہؓ سے اس بارہ میں لوگوں نے مجادلہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ ''ثلثۃ قروء'' پس عائشہؓ نے جواب دیا کہ تم نے سچ کہا، لیکن جانتے ہو کہ ''قروء'' سے کیا مراد ہے۔ اس سے مراد اطہار ہیں۔ مالکؒ نے ابن نافع کے طریق سے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کو مرد نے جب جورو کو طلاق دی، پھر مطلقہ مذکورہ کو تیسرا حیض شرع ہوا تو مطلقہ اپنے مرد سے بالکل بری ہوگی اور مرد مذکورہ اس عورت سے بالکل بری ہوگیا۔''[۱]

''حضرت ثوریؒ نے عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ روایت کی ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس تھے کہ ایک عورت آئی اور کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق یا کہا کہ دو طلاق دیں۔ پھر میرے پاس آیا اس حال میں کہ میں نے کپڑے اتارے اور دروازہ بند کرلیا تھا۔ (یعنی تیسرے حیض سے پاک ہوکر نہانے کے لیے)۔ پس عمر نے عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ میری رائے میں یہ اس کی جورو ہے قبل اس کے کہ اس کو نماز حلال ہو۔ تو عبداللہ نے کہا کہ میں بھی ایسا ہی جانتا ہوں۔ قال المترجم اس سے ثابت ہوا کہ تیسرے حیض تک تو اس کی عدت اس قول پر متعین ہے۔ قال ابن کثیر اور یہ قول حضرت ابوبکر صدیقؓ وعلیؓ وابوداؤد وعبادہ بن صامتؓ وانس بن مالکؓ وعبداللہ بن مسعودؓ ومعاذ بن جبلؓ وابی بن کعبؓ ابوموسیٰ اشعریؓ وعبداللہ بن عباسؓ وسعید بن المسیبؓ وعلقمہ...... سے مروی ہے ان سب نے فرمایا کہ یہاں ''قروء'' سے مراد حیض ہے۔ اور یہی مذہب ابو حنیفہؒ وان کے اصحاب کا، اور یہی دو روایتوں میں سے اصح روایت امام احمد بن حنبلؒ سے ہے۔''[۲]

☆ اشرف علی تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس مقام پر کسی بحث میں پڑنے کی بجائے لفظ ''قروء'' کے فقط احناف کے اختیار کردہ معنی ''حیض'' نقل کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔[۳]

۲۔ اس طرح طلاق کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ......﴾[۴]

☆ سید امیر علیؒ ملیح آبادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ

۱	مواہب الرحمٰن، ۲/۲۱۵	۲	ایضاً، ۲۱۶۔۲۱۵
۳	تفسیر عثمانی، ۴۵	۴	البقرہ ۲:۲۲۹

''اس آیت کریمہ سے وہ مضرت دور ہوگئی جو زمانہ جاہلیت سے عورتوں پر چلی آتی تھی کہ مرد کو اپنی طرف رجوع کر لینے کا اختیار تھا۔ اگر اس کو سو بار طلاق دے، جب تک کہ وہ عدت میں ہو۔ پس چونکہ اس میں عورتوں کے حق میں مضرت تھی تو اللہ عزوجل نے شوہروں کا اختیار بند کر کے تین طلاق تک رکھا۔ اور ایک اور دو بار کی طلاق تک ان کو رجعت کا اختیار رہا۔ پھر تیسری بار کی طلاق میں بالکلیہ بائن ہو جانے کا حکم دیا۔''[۱]

مزید لکھتے ہیں کہ

مرد کو ہر نکاح میں عورت پر فقط تین طلاق کا اختیار ہے۔ پس اگر اس نے ایک طلاق دی یا دو طلاق دیں تو عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے۔ اور اگر عدت گزر گئی اور وہ بائنہ ہوگئی تو پھر دونوں راضی ہوئے تو نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک اب وہ ایک ہی طلاق کا مالک ہوگا۔ اگر پہلے اس نے دو طلاق دی تھی۔ اور اگر پہلے ایک طلاق دی تو اب اس نکاح میں دو طلاق کا مالک ہوگا۔ اور مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک اسی قدر کا ملاک ہوگا، جو اول میں تین سے باقی رہی تھی۔ اور ایسا چند صحابہ سے بھی مروی ہے۔ لیکن کلام ابن کثیر اس طرف مائل ہے کہ قول ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا قوی ہے۔ بنظر حجت کہ شوہر دوم نے جب تین طلاق کو میٹ دیا۔ اور اول شوہر کے واسطے نکاح جدید میں پورے تین طلاق کا مالک کر دیا۔ تو تین سے کم کو بدرجہ اولیٰ میٹ دے گا...... شوہر نے دو طلاق کے بعد کسی وقت میں اس عورت کو تیسری طلاق دیدی، خواہ اس طرح کہ دو طلاق کے بعد عدت گزر گئی اور بائنہ ہوگئی جدید نکاح کر کے بدون اس کے کہ کسی شوہر نے نکاح کیا، اپنے پاس رکھا پھر ناراض ہو کر ایک طلاق دیدی۔ ان سب صورتوں میں عورت مذکورہ پر تین طلاق پوری ہوگئیں۔ اور یہ آزاد عورت ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسکا حکم فرمایا کہ ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْم بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ یعنی پھر ان تین طلاق کے بعد اس پر عورت حلال نہیں، یہاں تک کہ نکاح کرے کسی اور شوہر سے، سوائے ان تین طلاق دینے والے۔

۳۔ طلاق کے مباحث میں ایک اہم ترین مسئلہ ''بیک وقت یا ایک ہی طہر میں تین طلاق دینے کا معاملہ ہے''۔ امام ابن تیمیہؒ وغیرہ کے نزدیک اگرچہ ایسا کرنا حرام ہے تاہم اس صورت میں فقط ایک ہی طلاق ہوگی۔[۲]

۱۔ مواہب الرحمٰن، ۲/۲۱۸ ۲۔ ایضاً، ۲۲۳

☆ سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے خلاف توقع اس موضوع کے متعلق مختصر گفتگو کی ہے۔ اور ایک لطیف انداز میں امام ابو حنیفہؒ اور جمہور آئمہ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے اس کو اختیار کرنے کا درس دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

''اگر کسی نے اپنی جورو کو یکبارگی تین طلاقیں دے دیں، تو آیا واقع ہوں گی یا ایک ہی واقع ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک واقع ہو جاویں گی مگر بدعت ہے، ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ بعض علماء کے نزدیک ایک ہی واقع ہو گی اور یہ بحث دراز ہے۔ اور مترجم کے نزدیک یہاں جدید استدلال لطیفیہ کافی ہے۔ کہ جمہور صحابہ و تابعین و فقہاء نے کہا کہ تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور دوسرا فرقہ قلیل کہتا ہے کہ نہیں بلکہ ایک ہی واقع ہوگی۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ شبہ پیدا ہوگیا۔ اور حدیث میں شبہہ سے بچنے کی تاکید بروایت صحاح موجود ہے۔ اور یہاں یہ شبہ حرام و حلال میں دائر ہے تو حرام کے شبہ سے بچنا واجب ہے لہٰذا ہم پر یہی اختیار کرنا واجب ہے۔''[۱]

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ بھی جمہور کے قول کے مطابق اس طرح دی گئی تین طلاقوں کو طلاق ثلثہ قرار دیتے ہیں ایسی عورت کو مرد سے آزاد قرار دیتے ہیں۔ آپ کے الفاظ ہیں۔

''داؤدؒ، ابن حزمؒ، ظاہریؒ وغیرہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر دو یا تین طلاق ایک بار دے گا، تو ایک ہی واقع ہوگی، کیونکہ اس سے شارع علیہ السلام نے منع کیا ہے۔ اور ممنوع کا وجود شرعاً معتبر نہیں مگر آئمہ اربعہ و جمہور اہل سنت و جماعت اس کے برخلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ممنوع فعل کے وجود کا انکار کرنا محسوس کا انکار کرنا ہے۔ زنا چوری ہر چند ممنوع مگر جوان کو عمل میں لائے گا اس پر زنا اور چوری کی ضرور سزا شرعاً واقع ہوگی۔ احادیث صحیحہ سے پایا گیا ہے کہ تین طلاق ایک بار دینے سے وہ تین ہی سمجھی گئیں اور حلالہ بغیر چارہ نہ ہوا۔''[۲]

☆ مولانا اشرف تھانویؒ نے بھی دلائل کی بحث میں پڑے بغیر طلاق ثلثہ کی جملہ صورتوں کا یہی ایک حکم بیان کیا ہے کہ ایسی صورت میں عورت اپنے شوہر سے آزاد ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''جب کوئی شخص اپنی بی بی کو تین طلاق دے گا۔ پھر دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے یہی حلالہ کا طریق شرط ہے۔ اور جن دو طلاق کے ساتھ یہ تیسری طلاق ہوگی، خواہ وہ دونوں طلاق واقع ہوں یا بائن یا ایک رجعی ایک بائن۔ پھر یہ تیسری بھی خواہ صریح لفظ سے ہو، یا غیر صریح لفظ سے جس کو کنایہ کہتے ہیں۔ اور اس میں عنداللہ نیت کی ضرورت ہے۔

۱۔ مواہب الرحمان، ۲/۲۱۹ ۲۔ تفسیر حقانی، ۱/۵۸۶، ۵۸۵

پھر یہ تینوں طلاق، خواہ بدفعات ہوں یا دفعتہً ہوں اور ایک ہی کلمہ سے ہوں، یا متعدد کلمات سے سب کا حکم یہی ہے۔''[۱]

مولانا شبیر احمد عثمانی نے تفسیر عثمانی میں بھی یک مشت طلاق ثلثہ کے متعلق جمہور کا یہ حکم نقل کیا ہے۔ کہ اس صورت میں طلاق واقع ہو کر مذکورہ عورت اس مرد کے لئے دائماً حرام ہو جاتی ہے۔ الّا یہ کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کر کے اس سے بھی طلاق ثلثہ حاصل کرے۔ پھر جس طرح اور مرد اس عورت سے نکاح کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اس کا یہ شوہر اوّل بھی حسب قاعدہ اس سے نکاح کر سکے گا۔ [۲]

مذکورہ بالا سطور میں مسائل طلاق کے بارے میں معاصر مفسرین کی مختصر طور پر آراء کو درج کر دی گئی ہیں نواب صاحب نے بھی مسئلہ طلاق پر سیر حاصل بحث کی ہے جو حسب ذیل ہے

مسائل طلاق، نواب صاحبؒ کا نقطہ نظر

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ [۳]

نواب صاحبؒ نے زمانہ جاہلیت کا دستور طلاق بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس سے طلاق کے پیچیدہ مسائل کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اسی طرح نواب صاحب یکبارگی دو یا تین طلاقیں دینے کو دستور اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت نے دستور جاہلیت کو ختم کر دیا۔ وہ دستور یہ تھا کہ مرد اگر سو دفعہ بھی طلاق دے دیتا مگر عدت میں رجوع کا حق رکھتا تھا۔ اس میں عورتوں پر بڑی پریشانی ہوتی۔ اسلام نے طلاق کی گنتی تین تک مقرر کر دی ہے۔ ایک یا دوسری طلاق میں رجوع ہو سکتا ہے جبکہ تیسری طلاق کے بعد بالکل جدا کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے (بروایت ابو داؤد و نسائی) عروہؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نہ تجھے طلاق دوں گا نہ تیرے پاس رہوں گا۔ اس عورت نے کہا وہ کیسے ہوگا؟ کہا: تجھے طلاق دوں گا جب مدت مکمل ہونے کے قریب ہوگی تو تجھ سے رجوع کر لوں گا۔ اس نے آنحضرتؐ کو اس بات کی اطلاع دی، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ طلاق (رجعی) دو دفعہ ہے۔ (بروایت ابن ابی حاتم) اس کو ابن جریر اور عبد بن حمید نے بھی روایت کیا ہے۔ اس آیت کے اترنے پر لوگوں نے طلاق دی تھی یا نہ دی تھی اس کے متعلق معاملہ درست کر لیا۔ یہ حدیث کئی طریق سے ابن مردویہ، ترمذی اور حاتم میں آئی ہے حاکم نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے طلاق کا وقت مقرر نہ تھا لیکن اب یہ مقرر ہوا کہ تیسری طلاق کے بعد حق رجوع ختم ہے۔ جب تک کہ اور نکاح نہ کرے۔ قتادہؒ، سدیؒ اور ابن زیدؒ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ طلاق رجعی کی تعداد دو ہے۔ مرتان سے یہ معلوم ہوا کہ طلاق مرۃً بعد مرۃً ہونی چاہئے۔ ایک ہی دفعہ دو طلاقیں معتبر نہ ہیں۔ ایک جماعتِ مفسرین اسی طرف گئی ہے۔ پھر جب ایک طلاق دی یا دو دفعہ میں دو طلاق دیں تو عدت کے مکمل ہونے تک اختیار ہے چاہے نیت احسان رجوع کر لے یا چھوڑ دے۔ عدت مکمل ہونے پر

---

[۱] مکمل بیان القرآن، ۱/ ۱۲۹ [۲] تفسیر عثمانی، ۴۶

[۳] البقرہ ۲: ۲۲۸

وہ جدا ہو جائے گا۔"[1]

ایک ہی دفعہ دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے کے بارے میں۔ نواب صاحبؒ نے اس مسئلہ کو بڑا وسیع اختلافی مسئلہ قرار دیا اور اس کے بعد حافظ ابن قیمؒ امام شوکانیؒ رہا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور بعض حنفیہ کے مؤقف کی طرف میلان کرتے ہوئے یکبارگی دی گئی تین طلاقوں کو ایک شمار کیا ہے۔

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ......﴾ البقرہ ۲: ۲۳۰)

پھر اگر وہ اس کو طلاق دے دے تو اس کے لئے حلال نہ لے۔۔۔اس میں اختلاف ہے کہ ایک ہی دفعہ میں دی گئی تین طلاقیں تین ہوں گی یا ایک جمہور کے مذہب کے مطابق دو تین ہوں گی، جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگر حافظ ابن القیمؒ اور قاضی محمد بن علی الشوکانیؒ اور محققین کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے کہ وہ ایک طلاق ہو گی۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کسی مصلحت کے تحت اس کو تین طلاق ٹھہرا دیا تھا ورنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں ایسی طلاق ایک ہی شمار ہوتی تھی۔ یہ بڑا وسیع اختلافی مسئلہ ہے اس باب میں بہت سی کتب اور رسالے لکھے گئے ہیں۔ بڑی لمبی بحث ہے۔ ائمہ اربعہ کا مذہب جمہور کے موافق ہے مگر بعض محققین اس طرف گئے ہیں جس موقف پر شیخ الاسلام ہیں۔ حتیٰ کہ بعض حنفیہ بھی اسی طرف گئے ہیں جیسے "اعلام الموقعین" میں بیان کیا ہے۔ سو جب اللہ کی لہر آئی تو عقول کی لہر کی کیا ضرورت رہی۔ یہ آیت اس بات پر بھی دلیل ہے کہ طلاق دینے پر عورت کو تنگ کر کے اس سے کچھ واپس نہ لے وہ زیادہ ہو یا کم ہو بس جو دیا سو دے دیا۔ لفظ کی تنکیر یہی فائدہ دیتی ہے کہ کچھ بھی نہ لے جب تھوڑا لینا جائز نہیں تو زیادہ لینا بالاولیٰ جائز نہ ہو گا۔ پھر جبکہ مہر کی واپسی جائز نہ ہے تو جو مال عورت کی ملکیت ہے وہ لینا کیسے جائز ہو گا؟ یہ خطاب ازواج کو ہے جبکہ بعض نے کہا کہ یہ حکام کو خطاب ہے۔ پہلا قول زیادہ درست ہے۔ یہ آیت اس آیت کی طرح جو فرمایا ﴿وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ﴾ اور نہ روکو ان کو تا کہ تم کچھ لے لو جو تم نے ان کو دیا ہے مگر یہ کہ وہ ظاہری بے حیائی کریں۔ ہاں اگر عورت خوش دلی سے کچھ دے دے تو لینا جائز ہے۔ جیسے فرمایا۔

﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓئًا مَّرِیْٓئًا﴾

کہ پھر اگر وہ اس میں سے تمہیں دلی خوشی سے کچھ دیں تو اس کو رچتا پچتا کھاؤ۔[2]

1۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۳۱ 2۔ ایضاً، ۱/۲۶۲

عدت

امام جرجانیؒ کے مطابق عدت اس انتظام کا نام ہے، جو زوال نکاح کے وقت عورت پر لازم قرار دیا جاتا ہے۔ تاکیدی طور پر یا شبہ سے بچنے کے لیے[1]

طلاق کی عدت کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ......﴾[2]

یعنی طلاق یافتہ عورتیں کل ''تین قروء'' تک انتظار کریں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ ''قرء'' حیض اور طہر دونوں معنی کے لیے ایک مشترک لفظ ہے۔ آئمہ احناف نے پہلے معنی اختیار کیے ہیں۔ اور شوافع نے دوسرے معنی لیے ہیں۔ جبکہ اس ضمن میں ہر ایک کے اپنے اپنے دلائل ہیں۔ سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے اس عنوان سے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''پھر اسی انتظار کرنے کا نام عدت ہے، یہ عدت فقط ان عورتوں میں ہے، جو مدخولہ ہوں، جن سے شوہر نے وطی کر لی ہو، خواہ حقیقۃً وطی کی ہو یا خلوت میں رہا ہو، تو احتیاطاً عدت ہے۔ اگر زفاف سے پہلے ہی طلاق دے دی تو کچھ عدت نہیں ہے، لقولہ تعالیٰ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ، فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ﴾ (النساء۴:۲۳؛ الاحزاب۳۳:۴۹) مدخولہ کی عدت قروء جب بھی ممکن ہے کہ اسکو حیض آتا ہو، اور اگر بوڑھی آئسہ ہو، جو اولاد کی آس نہیں رکھتی یعنی حیض منقطع ہو چکا ہو، تو وہ تین ماہ تک انتظار کرے، یعنی عدت بیٹھے...... اسی طرح اگر گیارہ برس کی غیر بالغہ سے نکاح کیا، مگر وطی کے قابل ہے، پھر وطی کر کے طلاق دی، تو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ اور اگر حاملہ کو طلاق دی، تو اس کی عدت یہ کہ بچہ جنے۔''[3]

ایلاء سے رجوع کرنے کی صورت میں مرد مذکور پر آئمہ کے نزدیک قسم توڑنے کا کفارہ بھی لازم آئے گا۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ رجوع لازماً چار ماہ کے اندر اندر ہونی چاہیے۔ ورنہ بصورت دیگر عملاً طلاق واقع ہو جائے گی۔ سید امیر علی، اس سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اور ہم نے پہلے ذکر کیا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رجوع کرنے کا اختیار اسی مدت مذکوہ کے اندر ہے، اس کے بعد نہیں، بلکہ مدت گزرنے پر اطلاق واقع ہو جائے گی۔ کوئی حاجت طلاق دینے کی ہوگی۔ پھر اس میں سلف و خلف کے دو قول ہیں

---

[1] التعریفات، ۱۰۶ [2] البقرہ۲:۲۲۸

[3] مواہب الرحمٰن، ۲/۲۱۳

کہ چار مہینہ گزرنے پر طلاق رجعی واقع ہوگی یا طلاق بائن واقع ہوگی۔ پس ایک قول یہ ہے کہ طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور یہی قول سعید بن المسیبؒ وابوبن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشامؒ ومکحولؒ اور بیعہؒ وزہریؒ ومروان بن الحکم کا ہے۔ اوردوسرا قول کہ طلاق بائن واقع ہوگی، اور یہی حضرت علیؓ وابن مسعودؓ وعثمانؓ وابن عباسؓ وابن عمرؓ وزید بن ثابتؓ سے مروی ہے۔ اوریہی قول عطاء وجابر بن زید ومسروق وعکرمہ وحسن وابن سیرین ومحمد بن الحنفیہ وابراہیم وقبصہ بن ذویب وابوحنیفہ وثوری وحسن بن صالح رحمہم اللہ عنہم کا ہے۔ ان سب سلف وخلف نے جوچار ماہ گزرنے پر طلاق خواہ بائنہ یارجعیہ ہواقع ہونے کے قائل ہیں، عورت پر عدت واجب کہتے ہیں۔'' [۱]

عدت کے مسائل میں نواب صاحب نے اختصار سے کام لیتے ہوئے آزادعورت کے ساتھ ساتھ لونڈی کی عدت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اوراس آیت کا شان نزول بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت نے دور جاہلیت کوختم کردیا وہ دستور یہ تھا کہ مرد اگر سودفعہ بھی طلاق دیتا مگر عدت میں رجوع کا حق رکھتا تھا اس میں عورتوں پر بڑی پریشانی ہوتی اسلام نے طلاق کی گنتی تین تک مقرر کردی ہے۔ ایک یادوسری طلاق میں رجوع کرسکتا ہے۔ جبکہ تیسری طلاق کے بعد بالکل جدا کردیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے عروہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نہ تجھے طلاق دونگا نہ تیرے پاس رہونگا اس عورت نے کہاوہ کیسے ہوگا کہا! تجھے طلاق دونگا جب مدت مکمل ہونے کے قریب ہوگی تو تجھ سے رجوع کرلونگا اس پر آنحضرتؐ کواس بات کی اطلاع دی تب یہ آیت نازل ہوئی۔ [۲]

لفظ قروء کی بحث میں نواب صاحب نے تمام مسالک کے دلائل کا ذکر کیا اور تطبیق دی ہے۔

لفظ قروء میں سلف وخلف آئمہ کا اختلاف ہے کہ کیا اس سے حیض مراد ہے یا طہر مراد ہے۔ مالکؒ نے موطا میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ اس سے طہر مراد ہے۔ پھر ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا میں نے اپنے فقہاء میں سے کسی کونہیں پایا مگر وہ کہتا تھا کہ قروء بمعنی اظہار ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کی کثیر جماعت بھی اسی طرف گئی ہے۔ فقہائے سبعہ شافعیؒ اور داؤدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اورامام

---

[۱] مواہب الرحمٰن، ۲/۲۱۳ [۲] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۶۱

احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کریم نے فرمایا ﴿فطلقوھن لعدتھن﴾ اس جگہ عدت سے طہر مراد ہے۔ اور وہ طہر جس میں طلاق ہوئی، جب وہ بھی شمار ہوگا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ان تین قروء میں سے ایک قرء ہے جن کے متعلق حکم ہے۔ اسی لیے ان لوگوں نے کہا کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو عدت تمام ہوگئی۔ بیوی شوہر سے الگ ہوگئی۔ کم از کم وہ مدت جس پر تمام عدت کا لفظ صادق آئے وہ بتیس ۳۲ دن اور دو لحظے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قروء سے حیض مراد ہے۔ اس صورت میں جب تین حیض سے فارغ نہ ہو تب تک عدت مکمل نہ ہوگی۔ کسی نے یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ حتی کہ وہ نہا بھی لے۔ اس عدت کی کم تر مدت تینتیس ۳۳ دن ایک لحظہ ہوتی ہے۔ علقمہ نے کہا کہ ہم حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس تھے کہ ایک عورت نے آکر کہا کہ میرے شوہر نے مجھے ایک یا دو طلاق دے کر جدا کر دیا تھا۔ پھر میرے پاس آیا اور میں نے دروازہ بند کر یا اور نہانے کے لیے کپڑے اتارے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ سے کہا میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کی بیوی ہے جب تک کہ اس کے لیے نماز پڑھنا درست نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ خلفائے اربعہ اور صحابہؓ وتابعینؒ کی ایک جماعت سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ سے صحیح روایت ہے امام احمدؒ نے کہا کہ اکابر صحابہؓ یہی کہتے تھے کہ قروء حیض ہے۔ حضرت فاطمہ بنت جحشؓ کی حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ آنحضرتؐ نے ان سے کہا تھا کہ ((دعی الصلوة ایام اقراء ک))

یعنی زمانہ حیض میں تو نماز نہ پڑھ۔

پس اگر درجہ صحت کو پہنچ جائے تو اس بات پر واضح دلیل ہے کہ قرءٔ سے حیض مراد ہے۔ لیکن اس کی سند میں منذر کو ابو حاتمؒ نے مجہول غیر مشہور کہا ہے۔ مگر ابن حبانؒ نے ثقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن جریرؒ نے کہا کہ کلام عرب میں قرءٔ کا اصل معنی کسی مروجہ چیز کا متعین وقت میں آمد ورفت کرنا ہے۔ یہ عبارت اس امر کی مقتضی ہے کہ یہ لفظ ان دونوں معنوں کے درمیان ہے۔ اس لیے بعض اہل اصول اسی طرف گئے ہیں۔ اصمعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ کہ قرءٔ بمعنی وقت ہے۔ ابوعمرو بن العلی نے کہا کہ عرب حیض کو بھی قروء کہتے ہیں اور طہر کو بھی قرءٔ کہتے ہیں۔ اور بیک وقت دونوں کو قروء کہتے ہیں۔ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ عربی لغت اور فقہاء کو اس میں کوئی اختلاف نہ ہے کہ قروء سے حیض وطہر مراد ہوتے ہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ اس آیت میں قروء سے کیا مراد ہے۔ سو اس میں دو قول ہیں۔ فتح البیان میں دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ اہل کوفہ قروء کو حیض کہتے ہیں۔ اہل حجاز طہر بتاتے ہیں۔ اس میں شک نہ ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے۔ پھر فریقین کی دلیلوں میں تنقید کر کے یہ کہا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ انقضائے عدت تین حیض یا تین طہر سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس لفظ کو دو معانی میں مشترک رکھا ہے۔ اس صورت میں جمع بین الادلہ ہو جائے گا۔ اور اختلاف ختم ہو جائے گا۔[1]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۵۶، ۱۵۷

نواب صاحب کے امتیازات میں ایک بات یہ بھی شامل ہے کہ تقریباً ہر مفسر نے لفظ "قروء" کی وضاحت میں اپنےمذہب کے مطابق نقطہ نظر اپنایا ہے مگر نواب صاحب نے مفسرین کے نقطہ ہائے نظر کو جمع و تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نواب صاحب تقلید جامد کے قائل نہیں تھے۔

ایلاء

ایلاء کا معنی ومفہوم:

اصطلاحی طور پر "ایلاء" سے مراد، مرد کا اپنی زوجہ سے ہم بستری نہ کرنے کی قسم کھانا ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک جاہلی شعار تھا۔ شریعت اسلامی میں اسکی اصلاح کی گئی۔ اور قرار پایا کہ چار ماہ کا عرصہ اس معاملہ میں غوروفکر کے لیے کافی ہے۔ اس دوران مرد چاہے تو اپنی زوجہ سے رجوع کرسکتا ہے ورنہ بصورت دیگر ان کے درمیان طلاق واقع ہوجائے گی۔[1]

ایلاء کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[2]

ایلاء کے بارے میں معاصر مفسرین کا نقطۂ نظر

تفسیر مواہب الرحمٰن میں اس آیت کے تحت بحث کرتے ہوئے آئمہ اربعہ کا مسلک اس طرح تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

"جس نے قسم کھائی کہ اپنی جورو وطی نہ کرے گا، اس کو چار مہینے کی مدت دی گئی، اس میں انتظار کیا جائے گا۔ پس اگر اس نے اس مدت میں رجوع کیا، یعنی وطی کرلی، تو قسم ٹوٹ گئی، اس کا کفارہ بدلے اور جورو مرد میں میل رہا۔ اور اگر اس مدت میں رجوع بطور مذکور نہ کیا، تو طلاق پڑگئی، پھر رجوع نہیں کرسکتا ہے۔ اور یہ طلاق بائن ہوگی۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور امام مالکؒ وشافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک اس کو چار مہینہ گزرنے کے بعد بھی رجوع کا اختیار ہے۔ اور مدت مذکورہ گزرنے پر طلاق نہ ہوگی۔ بلکہ وہ قید کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یا تو رجوع کرے یا طلاق دے دے اور اسی بنا پر ایلاء کی تعریف میں اختلاف ہے۔ پس ابوحنیفہؒ وسفیان ثوریؒ وکوفیوں کے نزدیک ایلاء یہ ہے کہ قسم کھائے کہ عورت سے چار مہینہ سے زائد تک وطی نہ کرے گا۔ اور یہ عطاءؒ کا قول ہے۔ اور مالکؒ واحمدؒ نے کہا کہ ایلاء یہ ہے کہ چار مہینہ سے زائد تک وطی نہ کرنے کی قسم کھاوے پس

---

[1] تفسیر ماجدی، ۹۰ [2] البقرہ۲:۲۲۶

چار مہینہ تک وطی نہ کرنے پر ان کے نزدیک ایلاء نہ ہوگی۔" [۱]

ایلاء کے بارے میں نواب صاحب کا نقطہ نظر

نواب صاحب نے معاصر مفسرین سے ہٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کی وضاحت بھی کی ہے۔ جو آپؐ نے اپنی بیویوں سے کیا تھا۔

"صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی بیویوں سے ایک ماہ کا ایلاء کیا پھر انتیسویں ۲۹ تاریخ کو واپس آگئے، اور فرمایا کہ مہینہ کبھی ۲۹ دنوں کا بھی ہوتا ہے۔" [۲]

نواب صاحب نے ایلاء میں ایک انوکھی بات کا بھی اضافہ کیا کہ عورت ایلاء کی مدت میں صبر کرے گی رجوع کی درخواست نہیں کرے گی ہاں البتہ مدت گزرنے کے بعد خاوند پر جبر کرے طلاق یا رجوع کی طرف اس کو مجبور کرے اور اسکے بعد نواب صاحب نے ایلاء کے ہر پہلو پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

شیخین نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے بھی رویت کی ہے۔ اگر چار ماہ سے زائد مدت ایلاء ہو تو چار ماہ گزرنے پر بیوی خاوند سے یہ کہہ سکتی ہے کہ مل جاؤ۔ اس کو ترک کردو۔ اور اس متعلق حاکم بھی اس پر جبر کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ عورت کو ضرر نہ پہنچے اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایلاء بیویوں سے ساتھ خاص ہے لونڈیوں کے ساتھ نہ ہے۔ کیونکہ نساء کا لفظ بولا ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ چار ماہ کی فرصت حلف کے وقت سے شمار ہوتی ہے۔ پھر اسکے گزرنے پر واپسی یا طلاق کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ فئی سے جماع مراد ہے۔ ابن عباسؓ، مسروقؒ، شعبیؒ اور سعید بن جبیرؒ وغرہم نے بھی ایسا ہی کہا۔ اللہ کریم ایسی غلطی کو جو اس قسم کی وجہ سے ازواج کے حق میں ہوئی معاف فردیتا ہے۔ شافعیؒ نے فرمایا کہ معاف کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جب ایلاء کرنے ولا چار ماہ کے بعد رجوع کرے تو اس پر کچھ گناہ نہ ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث کا مرفوع لفظ یہ ہے کہ جس نے کسی کام پر قسم کھائی مگر اس نے اس کے غیر کو مناسب خیال کیا تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ اس مقسوم علیہ کام کو چھوڑ دے۔

بروایت احمد، ابوداؤد

ترمذی جمہور کا مذہب اور شافعی کا نیا قول یہ ہے کہ اس پر کفارہ لازم ہے۔ اس

---

[۱] مواہب الرحمٰن، ۲/۲۱۱ [۲] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۱۵۳

لیے کہ حالف پر وجوب کفارہ عام ہے۔ جس طرح کہ اوپر احادیث صحاح میں مذکور ہو چکا ہے۔ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ فقط چار ماہ کی مدت گزرنے پر طلاق نہیں واقع ہوتی۔ جمہور متاخرین کا یہی قول ہے۔ دوسرے گروہ کا قول یہ کہ ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ یہ قول صحیح اسناد کے ساتھ خلفائے اربعہ اور صحابہؓ وتابعینؒ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ پھر ایک جماعت نے کہا کہ یہ طلاق رجعی ہے جبکہ دوسری جماعت نے کہا کہ بلکہ وہ بائن ہے۔ ایک جماعت سلف اور حنفیہ کہتے ہیں کہ جب ایک طلاق واقع ہوئی تو عدت بھی واجب ہوئی۔ مگر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر اسے تین حیض آ چکے ہیں تو اب عدت نہ رہی شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ جمہور متاخرین کہتے ہیں کہ اس کو روکا جائے کہ یا لوٹ آئے یا چھوڑ دے۔ فقط مدت پوری ہونے پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ مالک نے ابن عمرؓ سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے۔ سلیمان بن یسارؒ نے کہا کہ میں دس سے زائد صحابہؓ کو پایا سب کا یہی قول تھا کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائیگا۔ شافعیؒ نے کہا کہ کم از کم تیرہ صحابیؓ ہوں گے۔ اور وہ خود شافعی بھی اس کے قائل ہیں کہ اس کو روکا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہکذا نقول۔

یہی بات حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ کے مذہب کے موافق ہے۔ ابو صالح ؒ کہتے ہیں کہ میں نے بارہ ۱۲ اصحابہ کرامؓ سے پوچھا سب نے یہی کہا کہ خاوند پر چار ماہ گزرنے تک کچھ نہیں پھر اس مدت کے گزرنے پر ان کو ٹھہرایا جائے گا۔ کہ رجوع کرے یا طلاق دے۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ

> ''حضرت عمرؓ، عثمانؓ علی، ابو الدرداء عائشہؓ ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب اور جماعت تابعینؒ مالک، شافعی، احمد اور ان کے اصحاب کا بھی یہی موقف ہے۔ ابن جریرؒ نے بھی اسی کو ختیار کیا ہے۔ لیث بن راہویہ، ابوعبید، ابوثور اور ابوداؤد کا بھی یہی قول ہے۔ سب نے کہا کہ اگر مرد رجوع نہ کرے تو اس صورت میں طلاق لازم آ گے گی۔ اگر مرد پھر بھی طلاق نہ دے تو حاکم طلاق دے دے۔ اور یہ طلاق رجعی ہوگی۔ اگر چاہے تو عدت میں رجوع کرسکتا ہے۔ مگر امام مالکؒ اس رجعت کو ناجائز سمجھتے ہیں حتی کہ اس عدت کے اندر جماع کر لے۔ ان کا یہ قول سخت ضعیف ہے۔ فقہاء وغیرہم نے اس کے متعلق امام مالکؒ کا ایک اثر موطا

میں عبداللہ بن دینار سے نقل کیا ہے۔ کہ ایک رات حضرت عمرؓ بن خطاب باہر
نکلے تو ایک عورت کوسنا وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

تطاول هذا الليل واسود جانبه وارقني الاخليل الاعبه
فوالله لولا الله انى اراقبه لحرك من هذاالسرير جوانبه

حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے پوچھا کہ عورت کتنی مدت صبر کر سکتی ہے؟ کہا: چھ ماہ یا چار ماہ۔ فرمایا: میں اس سے زیادہ کسی لشکر کو باہر نہ روکوں گا۔ یہ اثر کئی طریق سے مروی ہے اور مشہور ہے۔[۱]

نواب صاحب نے ایلاء کے بارے تاریخی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے جمہور مفسرین اور جمہور محدثین کے موقف کو اپنایا ہے علاوہ ازیں ایلاء کے مفہوم میں مذاہب کو بیان کرتے ہوئے صحیح مذہب کو ترجیح دی ہے جبکہ معاصر مفسرین کا طرزِ عمل اسکے برعکس ہے۔

دیت

معنی ومفہوم

علامہ شریف جرجانیؒ، لفظ ''دیت'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''الدیته: المال الذی هو بدل النفس'' [۲]

یعنی شرعی طور پر دیت سے مراد وہ مال ہے۔ جو انسانی جان کا بدل ہے۔ بالفاظ دیگر دیت یا ''خون بہا'' وہ مال ہے جو قتل خطا کی صورت میں قاتل وغیرہ کی طرف سے مقتول کے ورثاء کو اس کی جان کے بدلہ میں دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی اس آیت میں حکم الٰہی ہے۔

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ ﴾ [۳]

یعنی کسی مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے، اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے ایک مسلمان کی گردن اور خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو، مگر یہ کہ وہ معاف کردیں۔۔۔

اقسام دیت

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے دیت کے متعلق بحث میں، اس کے لغوی معنی، اس کی اقسام اور پھر اس ضمن میں اکابر آیمہ کرام کے مذہب پر مختصراً لکھا ہے کہ

دیت، ودی سے مشتق ہے جیسا کہ شیۃ وشی سے واؤ حذف ہو گیا، اس کے معنی معاوضہ کے ہیں مگر عرب میں صرف خون کے معاوضہ کو دیت کہا جاتا ہے، یعنی

۱۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان ۱/۲، ۱۵۴، ۱۵۵ ۲۔ التعریفات، ۷۷
۳۔ النساء ۴: ۹۲

خون بہا اس کی دو قسم ہیں، مغلظہ یعنی سخت سو وہ شبہ عمد میں آتی ہے۔ اس میں سو اونٹ چار قسم کے ہیں۔ ۲۵ بنت مخاض، ۲۵ بنت لبون، ۲۵ حقہ، ۲۵ جذعہ، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تین قسم کے لینے چاہئے۔ ۳۰ جذعہ، ۳۰ حقہ، ۴۰ ثنیہ حاملہ۔ دوسری مخففہ وہ قتل خطاء میں آتی ہے، اس میں سو اونٹ پانچ قسم کے ہیں، ۲۰ بنت مخاض، ۲۰ بنت لبون، ۲۰ ابن مخاض، ۲۰ حقہ، ۲۰ جذعہ۔ یا ہزار دینار اور یہ نہ ہوں تو دس ہزار درہم، امام شافعی بارہ ہزار درہم کہتے ہیں ذمی اور مسلمان کی برابر ہے۔ خلافاً للشافعی۔ یہ دیت تین سال میں بتدریج قاتل کے کنبہ اور قوم سے وصول کی جاتی ہے کہ جس کو عاقلہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ اس کے ہر ایک نفع ونقصان کے شریک ہیں اس ناگہانی حادثہ میں بھی ان کو شریک ہونا چاہئے تاکہ آئندہ اس کو احتیاط پر مجبور کیا کریں۔ یہ مذہب جمہور کا ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ مگر ابو براصم کے نزدیک خاص قاتل سے لینی چاہئے۔[1]

مسائل دیت اور معاصر مفسرین کی تحقیق:

☆ سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے آئمہ مجتہدین کے مذاہب کو اس طرح تفصیل سے بیان کیا ہے۔

> "اور مترجم اس میں اختلاف آئمہ خصوص مذہب امام ابوحنیفہ بھی بیان کرتا جائے گا، پس سنت اس دیت کو جو آیت میں مجمل مذکور ہے۔ یوں بیان فرمایا کہ دیت وہ سو اونٹ ہیں، یعنی اونٹ جو ایک جانور کی ہے۔ یہ سو عدد ہیں، نر و مادہ اور اس میں کچھ خلاف نہیں۔ پھر ان سو عدد کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں یعنی دو دہائی تو بنت مخاض اور اسی قدر بنت لبون اور اسی قدر ابن لبون اور اسی قدر حقہ اور اسی قدر جزعہ، بڑے چھوٹے سو ہوئے۔ یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔ اور قول امام ابو حنیفہؒ و امام احمدؒ کا بھی یہی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ بیس ابن لبون کے بدلے بیس ابن مخاض دیوے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت خطا میں حکم دیا کہ بیس بنت مخاض، اور بیس ابن مخاض نر اور بیس لبون اور بیس جذعہ اور بیس حقہ دیوے، رواہ النسائی و احمد و الترمذی وغیرہ ہم من اہل السنن۔ وقد روی من عبداللہ موقوفاً کما روی عن علی و طائفتہ۔ اور

---

[1] تفسیر حقانی، ۱۹۱/۲

نیز سنت پاکیزہ نے بیان فرمایا کہ یہ دیت ادا کرنا اس قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے۔ خود قاتل کے مال پر نہیں ہوتی۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ میں تو اس بات میں کوئی مخالف نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت ادا کرنے کا حکم عاقلہ پر دیا ہے۔ اور یہ جو امام شافعی نے فرمایا یہی اصح ہے۔"[۱]

جبکہ عاقلہ یعنی قاتل کی برادری وغیرہ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

عاقلہ وہ لوگ ہیں، جو عصبہ ہوں، سوائے اصل وفروع کے، یعنی سوائے بھائی باپ اور سگے دادا پردادا کے جہاں تک اوپر ہوں۔ اور سوائے بیٹے و سگے پوتے و پروتے وغیرہ کے جہاں تک نیچے ہوں پس اصل وفرع کے سوائے بھائی، چچا وان کی اولاد وغیرہ جو عصبات رہے وہ عاقلہ ہیں۔ اور یہی امام مالک و امام احمد کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک عاقلہ وہ لوگ ہیں، جن کے ناموں کے ساتھ دیوان میں اس کا نام درج ہے۔ اور یہ مفصل عالمگیری سے معلوم ہوسکتا ہے اور مترجم نے بلفظ مددگار برادری اس کا ترجمہ اختیار کیا ہے۔[۲]

پھر قاتل کے عاقلہ کو یہ دیت جو کل تین سال کے عرصہ میں ادا کرنی ہوتی ہے، اس کی ادائیگی کی تفصیلات اس طرح بیان کی گئی ہیں۔

جو مالدار تونگر ہے وہ آدھا دینار اور جو اوسط درجہ کا ہے، وہ چوتھائی دینار ہر سال ادا کرے، اور مجموعہ اس کا تعداد دیت کو پورا کرنے والا ہونا چاہئے۔ پھر اگر عاقلہ اس کو وفا نہ کریں مثلاً تھوڑے لوگ ہیں کہ اس مقدار سالانہ سے پوری دیت نہیں ہوسکتی ہے۔ تو مقدار بڑھائی نہ جائے گی۔ مثلاً یہ نہ ہوگا ہر شخص پانچ پانچ دینار یا کم وبیش، سالانہ دیوے بلکہ باقی کو بیت المال سے دیا جاوے گا۔ اور اگر بیت المال سے ادا کرنا بھی کسی عذر شرعی سے متعذر ہو تو پھر خود قاتل کے مال سے ادا کی جائے گی۔۔۔ کہ کس وقت سے تین برس میں ادا کریں، امام مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک تو شروع اس کا قتل کے وقت سے ہوگا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک شروع اس کا اس وقت سے ہوگا۔ جس وقت کہ مقدمہ میں عالم نے دیت مذکورہ کا عاقلہ پر حکم دیا ہے۔ پس اس تاریخ سے تین برس میں ادا کریں۔[۳]

جبکہ عورت کی دیت کے متعلق آپ نے معالم التنزیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

عورت کی دیت مرد سے آدھی ہے اور مجوسی کی دیت پانچواں حصہ ہے۔ پھر کہا کہ عمر سے روایت ہے کہ مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہیں۔ اور یہی قول سعید بن المسیبؒ اور حسن بصریؒ کا اور یہ مذہب شافعیؒ کا ہے۔[۴]

☆ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے اس موضوع پر بحث کے دوران جہاں ان لفاظ کے لغوی معنی پر روشنی ڈالی ہے، وہاں اس ضمن میں اکابر آئمہ کرام مذاہب بھی مختصراً بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ قصاص کے متعلق آپ لکھتے ہیں۔

قصاص کے معنی پورا پورا بدلہ لینا، یعنی جیسا کہ اس نے کیا، ویسا ہی اسکے ساتھ کیا

---

۱ مواہب الرحمٰن ۱۵۴/۵ ۲ ایضاً
۳ ایضاً ۱۵۵/۵ ۴ ایضاً ۱۵۶/۵

جاوے، عرب بولتے ہیں، ''اقتص فلان اثر فلان اذا فعل مثل فعل''، قال تعالیٰ، ﴿فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِھِمَا قَصَصًا ،وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ﴾ اے اثرہ۔ اور قصہ کو بھی اسی لئے قصہ کہتے ہیں کہ حکایت محکی عنہ کے مساوی ہوتی ہے۔ یہاں مراد مساوات ہے۔ پھر اس مماثلت اور مساوات میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جہت قتل میں بھی مساوات کرنی چاہئے۔ پس اگر کسی نے پانی میں ڈبو کر مارا ہے، تو اس کو بھی ڈبو کر مارنا چاہئے۔ اور جس نے جلا کر مارا ہے، تو اس کو بھی اسی طرح مارنا چاہئے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مساوات سے مراد دم نکالنا ہے۔ جس سے عادتاً جلدی سے دم نکلتا ہوا، اور وہ خالص تلوار سے مارنا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ ''لا قود الا السیف ، اخرجہ ابن ماجہ فی سننہ''[1]

﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ (البقرہ۲:۱۷۸) سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حر، حر کے بدلے میں مارا جاوے نہ کہ غلام کے بدلے میں، اور اسی طرح ظاہر آیت یہ چاہتی ہے کہ غلام کو خاص غلام کے بدلہ میں قتل کرنا چاہئے نہ کہ حر کے اور عورت کو بھی خاص عورت کے مقابلہ میں قتل کرنا چاہئے نہ کہ مرد کے۔ یعنی عورت اگر مرد کو قتل کرے یا مرد عورت کو قتل کرے تو باہم قصاص جاری نہ ہو، لیکن ان سب صورتوں میں قصاص جاری ہوگا، اور اس پر امت کا اتفاق ہے، کس لئے کہ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾ (البقرہ۲:۱۷۸) ایک مستقل جملہ ہے۔

واضح ہو کہ یہ قصاص لینا حاکم کے اختیار میں ہے نہ کہ ہر شخص بطور خود آپ اس پر عمل کرے، جس سے فتنہ اور فساد زیادہ قائم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور یہ قصاص اس صورت میں ہے جب کہ قاتل نے عمداً قتل کیا ہو اور جو خطا یا شبہ بالعمد وغیرہ سے گولی شکار پر لگاتا تھا، اتفاقاً کسی آدمی کو جا لگی یہ قتل عمداً نہیں بلکہ خطأً ہے، اس صورت میں قصاص نہیں مگر خون بہا ہے کہ جس کو دیت کہتے ہیں ضرور دینی پڑتی ہے۔[2]

☆ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے قصاص و دیت کے متعلق مباحث کی صرف حنفی مسلک کے مطابق تفسیر بیان کی ہے۔ جیسا کہ آپ سورۃ البقرہ کی متعلقہ آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

''اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے، مقتولین (بقتل عمد) کے بارہ میں) (یعنی ہر) آزاد آدمی (قتل کیا جاوے ہر دوسرے) آزاد آدمی کے عوض میں اور (اسی طرح ہر) غلام (دوسرے ہر) غلام کے عوض میں اور (اسی طرح ہر) عورت (دوسری عورت) کے عوض میں (گو یہ قاتلین بڑے درجہ کے اور مقتولین چھوٹے درجہ کے ہوں، جب بھی سب کو برابر سمجھ کر قصاص لیا جاوے گا یعنی قاتل کو سزا میں قتل کیا جاوے گا) ہاں جس (قاتل) کو اس کے فریق

---

[1] تفسیر حقانی ۱/۵۳۸، ۵۳۷ [2] ایضاً ۱/۵۳۸

(مقدمہ) کی طرف سے معافی ہو جاوے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو (اس سزائے قتل سے تو بری ہو گیا لیکن دیت یعنی خون بہا کے طور پر ایک معین مقدار سے مال بذمہ قاتل واجب ہو جاوے گا۔۔۔۔)''[1]

جبکہ قتل عمد کے ضمن میں دیت کے مسائل بیان کرے ہوئے لکھا ہے کہ

اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دے دی جاوے، مثلاً مقتول کے وارث صرف اس کے دو بیٹے تھے، اور دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا، تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا، اور اگر پوری معافی نہ ہو، مثلاً صورت مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کیا، دوسرے نے معاف نہیں کیا، تو سزائے قصاص سے تو قاتل بری ہو گیا، لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت یعنی خون بہا دلایا جاوے گا، اور خون بہا شرع میں یہ کہ سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم، ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے اور درہم کی مقدار مروجہ حال سے سوا چار آنے اور ساڑھے چار آنے کے درمیان میں ہے۔ اور ان اونٹوں کی عمریں وغیرہ کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہیں۔ مسئلہ جس طرح نا تمام معافی سے مال واجب ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر ہم کسی مقدار مال پر مصالحت ہو جاوے، تب بھی قصاص ساقط ہو کر مال واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اگر اونٹ یا اشرفیوں یا روپیوں پر صلح ٹھہرے، تو ان اشیاء کی جو مقدار اوپر مذکور ہوئی، اس سے زیادہ پر معاملہ نہ ہو، البتہ اگر کسی جنس پر صلح ہو جاوے مثلاً کوئی غلہ یا کپڑا یا گھوڑا تو جس قدر قیمت کی بھی ہوں صلح جائز ہے۔۔۔۔۔ مسئلہ قتل عمد میں جو دیت یا صلح سے مال واجب ہو، وہ صرف قاتل کے لیے واجب ہوتا ہے۔ مسئلہ مقتول کے جتنے وارث شرعی ہوں گے، ان ہی سہاموں پر قصاص اور اسی طرح دیت سب میں مشترک ہوگا۔[2]

☆ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر عثمانی میں بھی قصاص وغیرہ کے متعلق امام ابو حنیفہ کے مسلک کو پیش نظر رکھ کر بحث کی گئی ہے۔ جیسا کو سورۃ البقرہ کی متعلقہ آیت کے تحت لکھا ہے۔

''زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا، کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا کہ اے ایمان والو ہم نے تم پر مقتولین میں برابری اور مساوات کو فرض کر

---

[1] مکمل بیان القرآن، ۱/۹۷۔۹۳ [2] ایضاً ۱/۹۸، ۹۷

دیا۔قصاص کے معنی لغت میں برابری اور مساوات کے ہیں۔تم نے جو یہ دستور
نکالا ہے کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے ہو، یہ لغو ہے، جانیں سب کی برابر
ہیں۔غریب ہو یا امیر، شریف ہو یا رذیل، عالم و فاضل ہو یا جاہل، جوان ہو یا
بوڑھا اور بچہ، تندرست ہو یا بیمار قریب المرگ، صحیح الاعضاء ہو یا اندھا لنگڑا وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہر آزاد دوسرے آزاد کے اور ہر غلام دوسرے غلام کے برابر ہے۔ سو حکم قصاص میں مساوات چاہئے اور تعدی جو اہل کتاب اور جہال عرب کرتے تھے ممنوع ہے، فائدہ، اب باقی رہا یہ کہ آزاد کسی غلام کو یا مرد کسی عورت کو قتل کردے تو قصاص لیا جائے گا یا نہیں سو یہ آیت کریمہ اس سے ساکت ہے اور آئمہ کا اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ آیت، ﴿أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ اور حدیث، "المسلمون تتکا فو دمائهم" سے اس کے قائل ہیں کہ ہر دو صورت مذکورہ میں قصاص ہوگا اور جیسے قوی اور صحیح اور مریض، معذور اور غیر معذور وغیرہ حکم قصاص میں برابر ہیں، ایسے ہی آزاد اور غلام، مرد اور عورت کو امام ابوحنیفہ قصاص میں برابر فرماتے ہیں بشرطیکہ غلام مقتول قاتل کا غلام نہ ہو کہ وہ حکم قصاص سے ان کے نزدیک مستثنٰی ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان کا فر ذمی کو قتل کرڈالے تو اس پر بھی قصاص ہوگا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک البتہ مسلمان اور کافر حربی میں کوئی قصاص کا قائل نہیں۔"[1]

دیت اور مسائل دیت کے متعلق نواب صاحب کی تحقیق

☆ نواب صاحب دیت کے مسائل ذکر کرنے سے قبل اسلام میں انسان کے قتل کی حرمت اور اس کے قتل کی جائز صورتیں اور قلت کی مختلف اقسام کا تذکرہ کیا ہے۔ جو کہ ہم عصر تفاسیر میں اس قدر تفصیل سے نہیں ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بھائی کو معاف کردینا یہ ہے کہ قتل عمد میں جبکہ وہ
قصاص لینے کا حق دار ہے اس صورت میں دیت لے لے۔ تابعین کی ایک
جماعت کا یہ بھی قول ہے اور دینے والا پوری دیت ادا کرے۔ حضرت ابن عباسؓ کا
لفظ یہ ہے کہ دیت احسان سے دی جائے یعنی قصاص سے درگزر کو احسان سمجھے
تابعین کے ایک گروہ کا یہی قول ہے۔ آئمہ اربعہ کہتے ہیں کہ قصاص کے ولی کو یہ
حق نہیں کہ قاتل کی رضا کے بغیر دیت کے لیے اور خون بہا معاف کرے جبکہ
باقی اہل علم کہتے ہیں کہ یہ عفو جائز ہے۔ اگرچہ قاتل راضی نہ بھی ہو۔ ایک گروہ
خلف کا یہ مذہب ہے کہ عورت کو حق عفو حاصل نہیں جبکہ دوسرے نے کہا کہ اسے
معاف کردینے کا حق حاصل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو ہم نے قتل عمد میں
دیت کا حکم رکھا ہے یہ تمہارے لیے تخفیف ورحمت ہے۔ ورنہ پہلی امتوں پر قتل
بالکل عفو واجب تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے بنی اسرائیل

---

[1] تفسیر عثمانی، ۳۵، ۳۴

پر قصاص فرض کیا تھا اور ان میں عفو نہ تھا۔ اس امت پر قتل عمد میں دیت قبول
کرنے کی آسانی فرمادی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے اس امت پر
رحم کیا انہیں دیت کا مال لینا جائز کیا۔ ان سے پہلے لوگوں میں سے یہ کسی کے
لیے حلال نہ تھا تورات والوں کو قصاص یا عفو کا حکم تھا۔ دیت کا حکم نہ تھا۔ انجیل
والوں میں صرف عفو تھا انہیں صرف اسی کا حکم دیا گیا تھا۔ جبکہ اس امت پر قصاص،
عفو، دیت سب کچھ جائز رکھا۔ تابعین کی جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ پھر جس
نے دیت لینے کے بعد قتل کیا وہ عذاب کا مستحق ٹھہرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ،
مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن، ربعی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ مرفوع حدیث میں آیا
ہے کہ جو مارا گیا یا زخمی ہوا اس کو تین امور کا اختیار ہے۔ قصاص لے، دیت لے
یا معاف کردے۔ اگر کئی چوتھا کام کرنے لگے تو اس کے ہاتھ روک لو۔ یعنی وہ کام
نہ کرنے دو۔ پھر جس نے اس بات کے بعد زیادتی کی وہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی
آگ میں گیا۔ (بروایت احمد) سمرہ سے حضرت حسن کا لفظ یہ ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دیت لینے کے بعد قتل بھی کردیا تو میں اس کو
معاف نہ کروں گا یعنی اس سے دیت قبول نہ کروں گا بلکہ قتل ہی کروں گا۔[1]

☆ دیت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے سورۃ النساء کے تحت بڑے جامع انداز میں لکھا ہے کہ

''اس آیت میں قتل خطا کے دو حکم بتلائے گئے، ایک تو آزاد کرنا بردہ مسلمان کا اور
اس کا مقدور نہ ہوتو دو مفصل روزے کھنا، یہ کفارہ ہے خدا تعالیٰ کی جناب میں اپنی
خطا کا، دوسرے اس مقتول کے وارثوں کا خون بہا دینا یہ ان کا حق ہے، ان کے
معاف کرنے سے معاف بھی ہوسکتا ہے اور کفارہ کسی کے معاف کرنے سے
معاف نہیں ہوسکتا، اسکے متعلق تین صورتیں ہوسکتی ہیں، کیونکہ جس مسلمان کو غلطی
سے قتل کیا، اس کے وارث مسلمان ہونگے یا کافر، اگر کافر ہیں تو ان سے مصالحت
ہے یا دشمنی۔ اوّل دونوں صورتوں میں مقتول کے وارثوں کو خون دینا پڑے گا،
تیسری صورت میں خون بہالازم نہ ہوگا اور کفارہ سب صورتوں میں ادا کرنا ہوگا۔
فائدہ خون بہا مذہب حنفی میں تخمیناً دو ہزار سات سو چالیس روپے ہوتے ہیں۔ یہ
روپیہ قاتل کی برادری کو تین برس میں متفرق طور پر دینا ہوگا مقتول کے وارثوں
کو۔''[2]

---

1. ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱؍۱۲۱ 2. ایضاً، ۱۲۱

قصاص

معنی ومفہوم

علامہ سید شریف الجرجانی، لفظ "قصاص" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"القصاص: هوا ان یفعل بالفاعل مثل مافعل"۔[1]

شرعی طور پر قصاص سے مراد یہ ہے کہ فاعل نے کسی آدمی کے متعلق جس قسم کی حرکت کا ارتکاب کیا ہو، اس کے طور پر اس کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظلم وتشدد کی اس اندھیر نگری میں صرف قصاص ہی ایک ایسا عمل ہے جو انسانی جان کی سلامتی کا ضامن ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [2]

قصاص بمعنی مساوات اور مماثلت ہے یعنی قاتل کو مقتول سے مماثل ومساوی کرنا، خواہ یقیناً یا حکماً، اور اسی سے کہا گیا ہے کہ قتل و دیت و جراحت سب میں قصاص ہونا چاہیے۔ اس قاتل کو کل اسی طرح قتل کیا جاوے۔ جس طرح اس نے قتل کیا، یعنی وصف وفعل میں مساوات ہو۔ اور یہی قول مالک وشافعی کا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک بحکم حدیث نہیں قصاص، مگر تلوار سے، یعنی قاتل کو قصاص میں فقط تلوار سے قتل کریں گے۔ اگرچہ اس نے کسی چیز سے قتل کیا ہو۔ [3]

مسائل قصاص اور معاصر مفسرین

قرآن کریم میں قصاص کے متعلق حکم الٰہی ہے کہ:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ [4]

اس آیت سے استنباط مسائل کرتے ہوئے ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا آزاد بمقابلہ غلام کے اور مقابلہ عورت کے قصاص میں قتل کیا جائے گا یا نہیں۔

☆ سید امیر علی اس بارے لکھتے ہیں

"چونکہ اللہ تعالیٰ نے "حرٌ" بمقابلہ 'حر' بیان فرمایا، تو مفہوم ہوا کہ بمقابلہ عبد نہیں قصاص ہوگا۔ اور یہی مفہوم مخالف ہے، جس کو شافعیہ اختیار کرتے ہیں۔ مگر جب کہ قیاس اس کے خلاف نہ ہو۔ یعنی قیاس مقدم مفہوم مخالف ہے۔ اور اسی سے دفع ہوا کہ قولہ، "اَلْعَبْدُ بِالْعَبْدِ" میں مفہوم مخالف یہ تھا کہ غلام بمقابلہ آزاد مقتول کے نہ مارا جائے۔ حالانکہ یہ خلاف ہے۔ اور وجہ دفع ہونے کی ظاہر ہے کہ قیاس صریح دلالت کرتا ہے کہ جب غلام بمقابلہ غلام کے قصاص میں قتل کیا جائے گا، تو آزاد کو قتل کرنے کی صورت میں بطریق اولیٰ قتل کیا جائے گا۔ اور اسی طرح "اَلْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى" میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ یعنی عورت بمقابلہ مرد کے قتل نہ کی جاوے۔ اس وجہ سے کہ اجماع منعقد ہے کہ عورت اگر مرد کو قتل کرے تو قصاص میں

---

[1] التعریفات: ۱۴۴
[2] البقرہ۲: ۱۷۹
[3] مواہب الرحمان ۲/ ۸۸
[4] البقرہ۲: ۱۷۸

قتل کیا جاوے۔ پس اس بیان سے ظاہر ہوا کہ قولہ، ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی﴾ ہر سہ خدمات میں مفہوم مخالف سے استدلال شافعیہ فقط ''اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ'' میں ہے کہ حر نہ قتل کیا جاوے بمقابلہ عبد کے اور باقی میں بسبب مخالفت قیاس و اجماع کے مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ آزاد مقابلہ غلام کے قتل نہ کیا جاوے تو فقط مفہوم مخالف سے ہے۔ پس جس نے مفہوم مخالف کو حجت ہی نہیں قرار دیا، اس کے نزدیک یہ حکم ثابت نہ ہوگا۔ اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ آقا سوائے اپنے غلام کے بھی غلام کو قتل کرے تو عمد میں قصاص ہے۔''[1]

واضح ہے کہ صاحب التفسیر نے باوجود حنفی المسلک ہونے کے یہاں امام ابو حنیفہؒ کے قول کی بجائے ان کے قول کی ان الفاظ میں ترجمانی کی ہے۔

''حضرت علیؓ سے روایت کی گئی ہے کہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ قتل نہ کیا جاوے مسلمان قصاص میں کسی ذمی کو قتل کرنے سے اور نہ قتل کیا جاوے آزاد بمقابلہ غلام کے، اور اس دلیل سے کہ ابوبکر و قصاص لیتے آزاد سے بمقابلہ غلام کے اور یہ صحابہ کے روبرو تھا اور کسی سے اس کا انکار منقول نہیں ہے اور اس دلیل سے کہ آقا نے اگر اپنے غلام کا مثلاً ہاتھ توڑ دیا، تو آقا سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ پس قصاص میں جب قصاص نہیں تو اسی قصاص پر قتل نفس میں بھی بدرجہ اولیٰ قصاص نہیں ہے قال المترجم یہی مذہب جمہور کا ہے کہ آزاد سے بمقابلہ غلام کے قصاص نہیں''۔[2]

آپ مزید لکھتے ہیں۔

بالجملہ مجھے کوئی قوی دلیل نہیں معلوم ہوتی، الا آنکہ دار قطنی نے روایت کی، کہ ''لایقتل العبدُ ''یعنی کوئی آزاد بمقابلہ غلام کے قتل نہ کیا جاوے، اور اس حدیث کے ثبوت میں کلام ہے۔ اور حضرت علی سے خود یہی مذہب مروی ہے۔ کہ جیسا قول ابو حنیفہؒ کا ہے۔[3]

اسی طرح کافر بمقابلہ مسلم کے قصاص کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔

''جمہور کے نزدیک مسلمان نہ قتل کیا جاوے بمقابلہ کافر کے، کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ، ''لایقتل مسلم بکافر'' امام ابن کثیرؒ نے کہا کوئی حدیث اور کوئی تاویل اس کے مخالف نہیں صحیح ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ 'اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْس' عام ہے، شامل ہے کافر کو بھی، مگر ایسے کافر کو جس کا خون معصوم ہو۔ یعنی شرع نے اس کو محفوظ کر دیا ہو، اور وہ ذمی ہے جو مسلمانوں کے عہد میں ہے پس اگر ذمی کو عمداً ناحق قتل کیا، تو قصاص میں قتل کیا جائے گا''۔[4]

اس آیت سے حسن و عطاء نے استدلال کیا کہ مرد بمقابلہ عورت کے قتل نہ کیا جائے گا۔ اور اس نے کہا کہ اگر مرد نے اپنی جورو کو قتل کیا، تو خالصۃً جورو کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے گا، میں کہتا ہوں کہ یہ ہے کہ مرد سے بمقابلہ عورت کے قصاص لیا جائے گا، جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔ ابن کثیر نے یہ کہا کہ چاروں مشہور اماموں اور جمہور آئمہ کا مذہب یہ ہے کہ

---

1. مواہب الرحمان، ۸۹/۲
2. ایضاً
3. ایضاً ۹۰/۲
4. ایضاً ۹۰/۲

اگر جماعت نے ایک شخص کو قتل کیا، تو اس کے بدلے سب قتل کئے جاویں گے اور حضرت عمر نے جبکہ ایک طفل کو سات آدمیوں نے قتل کیا تھا قصاص میں آپ نے ساتوں کو قتل کیا تو فرمایا کہ اگر تمام اہل صنعا اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں انہیں قتل کر دیتا''۔[1]

اس طرح سورۃ المائدہ کی آیت

﴿عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ [2]

اس کے تحت آپ فرماتے ہیں کہ

سب آئمہ نے اسی آیت سے حجت پکڑی کہ مرد نے اگر عورت کو قتل کیا، تو قصاص میں قتل کیا جاوے، بسبب عموم اس آیت کے، اور روایت نسائی وغیرہ میں بھی حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے عمرو بن حزم کے خط میں لکھا کہ مرد بعوض عورت کے قتل کیا جاوے، وہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، اور نیز مسلمانوں کے خون مساوی ہونے کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، کیونکہ عموم حجت ہے اور ایسے ہی امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے عموم سے حجت پکڑی کہ ذمی کافر کے عوض مسلمان قتل کیا جاوے، اسی طرح غیر کے غلام کو قتل کرنے کے عوض قتل کیا جاوے، لیکن جمہور علماء نے امام حنیفہؒ سے اس میں خلاف کیا، چنانچہ حضرت علی سے روایت ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ کافر کے عوض مسلمان قتل نہ کیا جاوے، راوہ البخاری ومسلم۔ ابوحنیفہ نے کہا کہ یعنی حربی کافر کے عوض مسلمان قتل نہ کیا جائے''۔[3]

مقتول کے ورثاء یعنی وہ لوگ جنہیں قاتل کو معاف کرنے کا شرعاً اختیار حاصل ہے، کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ عفو کرنے والے فقط مقتول کے وارث و ولی ہوں گے۔ پس جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر وارث خواہ مرد ہو یا عورت عفو کر سکتا ہے۔ اور حسن بصری وقتادہ وزہری وابن شبرمہ ولیث واوزاعی ایک جماعت اس طرف گئے ہیں کہ عورت نہیں عفو کر سکتی ہے''۔[4]

قاتل کو مقتول کے ورثاء کی جانب سے دیت لے کر، یا ویسے ہی معاف کر دیئے جانے کے باوجود بعد میں نہ لینے کے متعلق حضور اکرم صلعم کی جانب سے شدید وعید ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔

اور عبدالرزاقؒ وابن شیبہؒ وامام احمدؒ وابن ابی حاتمؒ وبیہقیؒ نے ابوشریح خزاعیؒ سے روایت کی کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جس سے قتل سرزد ہو گیا، یعنی عمد تو ولی مقتول کو اختیار ہے کہ تین باتوں میں سے ایک اختیار کرے، یا تو قاتل سے قصاص لے، اس کو عفو کرے، اور یا اس سے دیت لے اور اگر یہ چوتھی بات کا قصد کرے، تو اس کے دونوں ہاتھ پکڑو۔ اور جس شخص نے اس کے بعد عدوان وظلم کیا، اس کے واسطے دوزخ کی آگ ہے کہ اس میں مدتوں رہے۔ اور قتادہ نے حسن بصری کے واسطہ سے سمرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دیت لینے کے بعد قاتل کو قتل کیا، میں اس کو عفو میں کروں گا، یعنی اس سے دیت قبول نہ کروں گا، بلکہ اس کو قتل ہی کرونگا۔[5]

---

[1] مواہب الرحمان، ۹۰/۲ [2] المائدہ ۴۵:۵ [3] مواہب الرحمٰن ۱۲۲/۴
[4] ایضاً ۹۲/۲ [5] ایضاً

مسائل قصاص کے متعلق نواب صاحب کا مؤقف

نواب صاحب نے قصاص کے مسائل کی وضاحت سے پہلے مساوات انسانیت، عفوودرگذر اور صلح کے بارے میں وضاحت کی ہے۔ اور اسی طرح اس آیت کا شان نزول بھی بیان کیا ہے۔

یعنی ہر شخص کی قدر وحرمت دوسرے کے برابر ہے اونچی ذات اور کم ذات والے اور دولت مند اور فقیر کا کچھ فرق نہ ہے۔ جیسا کہ کفر میں معمول رہا ہے۔ اگر مقتول کے وارث قصاص موقوف کر کے مال پر راضی ہوں تو قاتل کو چاہئے کہ انہیں راضی کرلے اور ان کا احسان ان کر خون بہا ادا کردے پہلی امتوں پر قصاص ہی مقرر تھا اس امت کے لئے معاف کرنا اور مال دے کر صلح کرنا بھی جائز ہوا۔ پھر جو دیت دے کر صلح کرنے کے بعد پھر قتل کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ پھر فرمایا کہ تمھارے لئے قصاص میں زندگی ہے تا کہ تم اس سے بچو۔ یعنی حاکموں کو چاہئے کہ قصاص دلانے میں قصور نہ کریں تا کہ آئندہ خون بہنا ختم ہو۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ آیت بنی قریظہ و بنی نضیر کے متعلق نازل ہوئی۔ بنو نظیر جاہلیت میں بنو قریظہ سے جھگڑتے تھے۔ جب کسی نضری کے ہاتھ سے کوئی قرظی کسی نضیر کو ماردیتا تو وہ اس کے بدلے قتل نہ کیا جاتا بلکہ سو وسق کھجور دے کر بچ جاتا تھا۔ اور جب کوئی قرظی کسی نضیر کو ماردیتا تو وہ اس ے بدلے قتل کر دیا جاتا تھا لیکن اگر خون بہا پر راضی ہوتا تو دو سو وسق ادا کرتا۔ یعنی قرظی کو دوگنا دیت ادا کرنا پڑتی تھی۔ اللہ کریم نے حکم دیا کہ قصاص میں برابری کرو۔ جاہلیت کا یہ طریقہ آج کل اکثر جگہ پر رائج ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا اسلام سے کچھ پہلے جاہلیت میں عرب کے دو قبائل بڑی طویل لڑائی میں پھنسے رہے۔ آپس میں کسی کو قتل کیا کوئی زخمی ہوا حتیٰ کہ غلاموں اور عورتوں کو بھی قتل کیا گیا اور بعض نے بعض سے بدلہ نہ لیا تھا کہ اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر مال ومتاع میں دست درازی کرتا، اس پر قسم کھائی کہ جب تک ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل نہ کیا جائے گا ہم راضی نہ ہوں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت کو قتل کیا جائے گا۔[1]

اگر چہ نواب صاحب نے ''وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى'' میں پیدا ہونے والے اشکال کو ''القرآن یفسر بعضہ بعضا'' کے اصول کے تحت بڑے ہی لطیف انداز سے حل کیا ہے۔ اور ان النفس بالنفس کو وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى سے ناسخ قرار دیا ہے اور امام مالکؒ کے قول کی تائید کی ہے۔

پھر آیت (اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ) نے اس کو منسوخ کر دیا۔ یعنی نفس، نفس کے بدلے میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے (وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى) کہ عورت کے بدلے عورت۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ عورت کے عوض میں مرد کو قتل نہ کرتے تھے بلکہ مرد کو مرد کے بدلے اور عورت کو عورت کے بدلے قتل کرتے تھے۔ اللہ کریم نے یہ آیت نازل کی (اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ) کہ بے شبہ نفس نفس کے بدلے اور آنکھ آنکھ کے بدلے۔ قصاص عہد میں آزاد لوگوں کو برابر کر دیا مرد ہوں یا عورتیں، اسی طرح غلاموں کو بھی۔ امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت (اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ) سے منسوخ ہے۔[2]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۳۹، ۴۸   [2] ایضا، ۱/۳۹

اسی طرح نواب صاحبؒ نے قاتل کو غلام کے بدلے اور مسلمانوں کو کافر کے عوض قتل کرنے کے بارے میں احادیث سے استدلال کرتے ہوئے خوب وضاحت کی ہے۔

"ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ قاتل کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا اس لئے کہ آیت مائدہ عام ہے۔ ثوریؒ، ابن ابی لیلیؒ، داوٗدؒ، علیؓ، ابن مسعودؓ، سعید بن میسبؓ، ابراہیم نخعیؒ، قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ امام بخاریؒ اور علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ سید غلام کے عوض قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت حسنؓ کی حدیث میں جو سمرہ سے آئی ہے وہ عام ہے۔ کہ ((ومن قتل عبده قتلناه ومن جدع دجعناه ومن خصاه خصيناه)) جمہور کہتے ہیں کہ آزاد غلام کے عوض قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ وہ ایک سامان ہے۔ اگر خطا سے قتل ہوگیا تو اس میں دیت واجب نہ ہے اگر واجب ہے تو اس کی قیمت ہی واجب ہے۔

اسی طرح جمہور کا قول یہ بھی ہے کہ مسلمان کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ بخاری شریف میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے مرفوعا آیا ہے کہ: ((لا يقتل مسلم بكافر))، اب اس کے خلاف کوئی حدیث یا تاویل صحیح نہ ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ اس طرف گئے ہیں کہ مسلمان کافر کے عوض قتل کیا جائے گا کیونکہ سورۃ المائدہ کی آیت عام ہے۔ گویا وہ عام ہے مگر صحیح حدیث سے اس عام کی تخصیص ہوسکتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ بلاشک ایک حدیث کو بے معنی چھوڑ دیا جائے۔ غالبًا امام صاحب کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی ورنہ وہ ہرگز اسکے خلاف نہ کہتے۔[۱]

☆ ایک مقتول کے بدلے میں جماعت کا قتل:

نواب صاحب نے اس مسئلہ میں آئمہ اربعہ اور جمہور کے مؤقف کی تائید کرتے ہوئے اس مسئلہ میں اجماع ثابت کیا ہے۔ آئمہ اربعہ اور جمہور کے مذہب کے موافق ایک شخص کے عوض ایک جماعت کو بھی قتل کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سات اشخاص نے ایک لڑکی کو قتل کیا۔ (ان قصاصا قتل کیا گیا) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر پورے صفاء والے بھی اس قتل کی واردات میں ملوث ہوتے تو میں سب کو قتل کروادیتا۔ اور انکے زمانہ میں کسی صحابی نے اس سے مخالفت نہ کی۔ گویا یہ حکم بمنزلہ اجماع ہے۔ امام احمدؒ سے ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص کے بدلے ایک جماعت کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ ایک نفس کے بدلے ایک نفس ہی قتل ہوگا۔ ان منذرؒ نے معاذؓ، ابن زبیر، عبدالملک بن مروان، زہریؒ، ابن سیرینؒ، حبیب بن ابن ثابتؒ سے بیان کرکے لکھا ہے کہ یہی بات درست ہے اور جس نے ایک شخص کے عوض ایک جماعت کو قتل کرنا جائز کہا۔ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہے۔ اور جب ابن زبیرؓ سے یہ قول ثابت ہوا تو صحابہ کرامؓ کی رائے کا اختلاف محل غور ہوگا۔ قصاص، برابری ویکسانیت کو کہتے ہیں۔ یعنی قتل و دیت وزخم وغیرہ ہیں۔ سوشافعیؒ اور مالکؒ کے نزدیک قتل کو اسی چیز سے قصاصا قتل کیا جائے جس سے اس نے مقتول کو قتل کیا۔ ابوحنیفہؒ واحمدؒ کے نزدیک ایک روایت میں یوں ہے کہ صرف تلوار سے قتل کیا جائے کسی اور چیز سے نہیں اور یہی مذہب قوی ہے۔[۲]

---

[۱] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۴۹　　[۲] ایضا، ۱/۵۰

حکمتِ قصاص

نواب صاحب نظام قصاص کی حکمت ذکر کرتے ہوئے توراۃ اور انجیل کے حوالوں سے اسلامی نظام قصاص کی جامع آسان اور باعث رحمت قرار دیا ہے۔ اور نظام قصاص کے ساتھ ساتھ عفواور درگزرکو رحمت الٰہی گردانا ہے۔

> قصاص کے مقرر ہونے میں جو بڑی حکمت ذکر فرمائی وہ حکمت یہ ہے کہ اس سے ناحق جانوں کا نقصان نہ ہوگا۔ جب قاتل کو یہ علم ہو کہ ضرور وہ اس کے بدلے میں قتل ہو گا تو ضرور وہ حتی الامکان قتل سے باز رہیگا۔ جب وہ اس عمل سے باز رہے گا تو جانیں بچ گئیں۔ پہلی کتابوں میں لکھا ہے (القتل انفی للقتل) کہ قتل کرنا (قصاصا) قتل کے رواج کو خوب ختم کرتا ہے۔ کلام پاک کیوں نہ معجزہ ہواس میں حکیم حقیقی نے اسی مضمون کواس قدر فصاحت وخوبصورت سے ادا کیا ہے۔ فرمایا:
>
> ﴿وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ کہ قصاص کے ارادے سے اس لیے رک جاتے ہیں کہ بدلے میں انہیں بھی قتل ہونا پڑے گا۔ سلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اہل عقل کو اس لیے مخاطب کیا کہ عقل کے بغیر یہ حکمت سمجھ نہیں آسکتی۔ عقل ہی گناہوں کے ترک اور محارم سے باز رکھتی ہے۔ اسی لیے تو عقل کو حجر کہتے ہیں۔ تقویٰ ایسا لفظ ہے جو طاعات کی بجا آوری اور منکرات کے ترک جامع ہے۔[1]

---

[1] ترجمان القرآن بلطائف البیان، ۱/۵۰

ملخص

(ABSTRACT)

ملخص (ABSTRACT)

برصغیر کے نامور مفسر، ادیب، عربی، اردو اور فارسی میں تین صد سے زائد مختلف کتب کے مصنف نواب صدیق حسن خانؒ کی تفسیر ''ترجمان القرآن بلطائف البیان،'' کی تحقیق کو پی ایچ ڈی کے لیے منتخب کیا گیا۔ ''نواب صدیق حسن خانؒ کا تفسیری منہج اور ترجمان القرآن بلطائف البیان تفسیری ادب میں مقام'' کے عنوان سے مقالہ ہذا میں اس کے منہج، اسلوب اور تفسیری ادب میں مقام، واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مقالہ کے باب اول میں نواب صاحبؒ کے عہد کے فکری پس منظر، احوال وآثار، علمی ودینی خدمات'' کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں انیسویں صدی عیسوی میں برصغیر کے مسلمانوں پر عیسائی مناد کی یلغار اور ان کے تبشیری طریق کار کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ نیز ہندومت کے احیاء کی کاوشوں، مسلمانوں پر عجمی تصوف کے اثرات اور فکری جمود نے جو اثرات مرتب کئے ان کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس سے عہد متذکرہ میں ہندوستان کے مسلمانوں کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مغلوبیت کی تصویر کشی کی گئی ہے مسلمانوں کی بیداری کے لیے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی چلائی گئی تحریک کے احیاء کے سلسلہ کو آگے بڑھانے میں نواب صدیق حسن خانؒ کی کاوشوں کا تذکرہ شامل ہے۔ نواب صدیق حسن خانؒ کے احوال وآثار اور ان کی علمی ودینی خدمات بھی اسی باب میں بیان کی گئی ہیں۔ نواب صدیق حسن خانؒ کی تصنیف کردہ کتب کثیرہ کو مضامین کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہوئے ان کا ترتیب وار مختصر تعارف کروایا گیا ہے۔ نواب صدیق حسن خانؒ کے علمی مقام ومرتبہ کے بارے میں معاصرین کی آراء بھی پیش کی گئی ہیں۔

باب دوم میں تفسیری عہد کا عمومی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ تفسیر کا داخلی وخارجی جائزہ، طباعت، تفسیر، اور عمومی اسلوب تفسیر پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

باب سوم میں تفسیری مآخذ جن میں قرآن، حدیث اقوال صحابہؓ وتابعینؒ کلام عرب اور لغت سے استشہاد اور دیگر کتب تفسیر سے اخذ واستفادہ کا اسلوب بیان کیا گیا ہے۔ بعد ازاں تفسیری روایات سے اخذ واستفادہ میں نواب صاحبؒ کے منہج کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ جس میں اصول روایت ودرایت کا التزام، نقد روایت ودرایت اور اسرائیلیات کے بارے میں ان کے مؤقف کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مزید یہ کہ تفسیر ہذا کے فقہی واجتہادی منہج واسلوب کو تفسیر کے ساتھ ساتھ مؤلف کی اجتہادی بصیرت، آئمہ اربعہ کے اقوال وفتاویٰ سے اخذ واستفادہ کا انداز بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں مصنف کے اپنے مسلکی یعنی سلفی آراء کی ترجمانی کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

فصل چہارم میں چند اعتقادی مسائل، جن میں بعض صفاتِ باری تعالیٰ، رویتِ باری تعالیٰ، افعال العباد افعال اللہ، ایمان میں کمی وبیشی اور مسئلہ قضا وقدر اور عصمتِ انبیاء کے بارے میں مفسر کے مؤقف کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مقالہ ہذا کے آخری باب میں تفسیر ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کا برصغیر کے تفسیری ادب میں مقام ومرتبہ تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور برصغیر کی چار اردو نمایاں تفاسیر کے ساتھ ایمان، عبادات اور معاملات کے ذیل میں بعض پہلوؤں پر ایک تقابلی جائزہ بھی شامل ہے۔ بعد ازاں تفسیر ہذا کی خصوصیات کی روشنی میں اس کے علمی مقام ومرتبہ کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نتائجِ تحقیق

دورانِ تحقیق تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان سے درج ذیل نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔

۱۔ تفسیر ''ترجمان القرآن بلطائف البیان،'' اردو زبان میں تفسیر بالماثور کی نمائندہ تفسیر ہے۔ جو سلف کے طریقۂ تفسیر کی مکمل ترجمانی کرتی ہے۔ عمومی طور پر تفسیر قرآن بالقرآن اور تفسیر بالحدیث کا رجحان غالب ہے، اس کے آثار واقوال کا ذکر کرنے میں بعض اوقات طوالت سے کام لیا گیا ہے۔ اس اسلوب سے قاری کی ہر آیت کے صحیح مفہوم تک بآسانی رسائی ممکن ہوجاتی ہے۔

۲۔ یہ برصغیر کی پہلی باقاعدہ اردو تفسیر بالماثور ہے عہدِ مذکورہ کے اعتبار سے تفسیر کی زبان انتہائی شائستہ، سلیس اور رواں ہے۔ اگرچہ عصر حاضر کے اعتبار سے بہت سے الفاظ متروک ہوچکے ہیں۔ فریق مخالف سے کہیں کہیں مناظرانہ اسلوب میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ نکتہ اہم ہے کہ شخصی احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عقائد ونظریات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

۳۔ محدثین کے اسلوب کے مطابق اصول روایت ودرایت کا التزام کیا گیا ہے اور ان روایات پر نقد بھی کیا گیا ہے جو محدثین کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں صحت کے معیار پر پورا نہیں اترتی۔

۴۔ عقائد میں اہل سنت والجماعت کے طریقہ کار کی پیروی کی گئی ہے اور فرق باطلہ مثلاً جہمیہ، معتزلہ، خوارج وغیرہ کا دلائل عقلی ونقلی سے رد کرتے ہوئے مسلک اہل سنت کی تائید کی گئی ہے۔

۵۔ صاحب تفسیر سلفی المسلک ہیں اور فقہی مسائل میں نہ تو کسی خاص مسلک کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ہی تقلید کو مستحسن گردانتے ہیں۔ بلکہ اجتہاد کو امت کی ضرورت سمجھتے ہوئے اس پر زور دیتے ہیں۔ آیات واحادیث سے براہ راست استنباط واستخراج کا رجحان غالب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی اس تفسیر کا غالب رجحان تطبیق اور اعتدال پسندی ہے۔ اس وجہ سے اسے تمام مسالک میں یکساں قدر ومنزلت حاصل ہے۔

۶۔ تفسیر ہذا میں اکثر طویل اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ نقل عبارت میں انتہائی حزم واحتیاط سے کام لیا گیا ہے۔

۷۔ ہر آیت کی تفسیر لکھنے کے بعد مفسرؒ اپنی دوسری تفسیر ''فتح البیان'' کے حوالے سے خلاصہ تفسیر کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جس میں بعض اوقات تکرار کا پہلو بھی سامنے آتا ہے۔

۸۔ علوم کے ساتھ ساتھ دیگر علم متداولہ مثلاً علمِ طب، جغرافیہ، فلکیات، علمِ حیوانات، علمِ نجوم، علمِ تاریخ، علمِ سحر پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۹۔ اخلاقیات پند ونصائح، دعوت وتبلیغ اور تزکیہ وتربیت پر ارتکاز کیا گیا ہے۔

۱۰۔ ترجمان القرآن کے تفسیری ماخذ، زیادہ تفسیر ابن کثیرؒ، تفسیر ابن جریرؒ، شوکانیؒ اور تفسیر رازیؒ ہیں تاہم دیگر بھی بہت سی کتب ورسائل کا حوالہ دیا گیا ہے یا مطالعہ کی سفارش کی گئی ہے۔

سفارشات

۱۔ ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کو زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے ایک دہائی کم ایک صدی کا طویل عرصہ بیت چکا ہے۔ بیان کردہ فوائد واہمیت کی بنا پر اگر یہ تفسیر عامۃ الناس میں رواج پا جاتی تو اردودان طبقہ آج ابن کثیرؒ اور فتح القدیر وغیرہ کے اردو ترجمہ کا محتاج نہ رہتا۔ اور ہماری تین نسلیں عدم ستیابی کی بنا پر ایک گراں مایہ دولت، سے محروم رہی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ برصغیر کے اس علمی ورثہ کی از سرِ نو اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ اشاعتِ نو میں تسہیل، تخریج اور حواشی کے اہتمام کی سفارش کی جاتی ہے۔

۳۔ مسلم دنیا کی غالب آبادی کا حصہ عرب پر مشتمل ہے۔ عربی دان طبقہ کے استفادہ کی غرض سے اس دقیق علمی تفسیر کی تخریج کر کے اشاعت کی سفارش کی جاتی ہے۔

۴۔ اعتدال پسندی اور تطبیق کی روش کو رواج دینے والی اس تفسیر کے مخصوص حصے کو پاکستان کی جامعات میں شاملِ نصاب کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔

۵۔ عام آدمی کی رسائی کے لیے اسے انٹرنیٹ پر دینے کی سفارش کی جاتی ہے۔

اشاریہ

آیات

احادیث

اعلام

اماکن

مصادر و مراجع

مصادرومراجع

☆ القرآن الکریم

☆ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری، مطبع انتظامی حیدر آباد، ہند، س۔ن

☆ آزاد، محمد حسین، رسول رحمت، مرتبہ غلام رسول مہر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، س۔ن

☆ آزاد، ابوالکلام، محی الدین، احمد، ترجمان القرآن، ساھتیہ اکادمی رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ نئی دہلی، ۱۹۸۹ء

☆ آزاد، ابو الکلام، محی الدین، احمد، ترجمان القرآن، باقیات، مرتبہ مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور اشاعت دوم، ۱۹۷۶ء

☆ آزاد، ابو الکلام، محی الدین، احمد، رسول رحمت، ترتیب و اضافہ مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۰ء

☆ آغا اشرف، پاکستان میں اسلامی پس منظر، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۳ء

☆ آفندی، سلیم فارس، قرۃ الأعیان ومسرۃ الاذھان، مطبعۃ الجوائب، قسطنطنیہ، ۱۳۹۸ھ

☆ آل شیخ، عبدالرحمٰن بن حسن، شیخ، فتح المجید شرح کتاب التوحید، نشر وتوزیع ادارہ البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ، س۔ن

☆ آلوسی، محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی، دارالکتب العلمیہ بیروت، س۔ن

☆ آلوسی، نعمان خیر الدین، جلا العینین فی محاکمۃ الاحمدین، مطبعۃ المدنی مصر، ۱۳۸۱ھ

☆ ابن تیمیہ، ابوالعباس، تقی الدین، مقدمہ فی اصول تفسیر، دمشق ۱۳۵۵ء

☆ ابن حجر، شہاب الدین ابوالفضل، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الامام، فتح الباری، بشرح صحیح البخاری، دارالریان للتراث القاہرہ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

☆ ابن حجر، شہاب الدین ابوالفضل، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الامام، تقریب التھذیب، دراسۃ وتحقیق مصطفیٰ عبدالقادر عطاء، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س۔ن

☆ ابن خلدون، عبدالرحمٰن علامہ، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۷ء

☆ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، الامام، مقدمہ ابن خلدون، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان، س۔ن

☆ ابن خلکان، ابوالعباس، شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر، الامام، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، منشورات الرضی، قم ایران، ۱۳۶۲ھ

☆ ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، مصر، ۱۳۷۱ھ

☆ ابن سعد، محمد بن سعد الہاشمی، طبقات الکبریٰ، دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

☆ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، دائرة المعارف عثمانیہ حیدر آباد، ۱۳۳۰ھ
☆ ابن قیم، محمد بن بکر، زادالمعادفی ھدی خیر العباد، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۲ء
☆ ابن کثیر اسماعیل بن عمر ابوالفداء، تفسیر القرآن العظیم، نفیس اکیڈمی کراچی، س۔ن
☆ ابن القیم الجوزی، محمد بن ابی بکر، الامام، مدارج السالکین بین المنازل ایاک نعبد وایاک نستعین، دارالکتب العربی بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء
☆ ابن کثیر اسماعیل بن عمر ابوالفداء، البدایة و النهایة، مطبعۃ السعادة مصر، س۔ن
☆ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، دارالسلام الریاض، ۱۹۹۹ء
☆ ابن عربی، محی الدین الشیخ الکبیر، فصوص الحکم، (مترجم محمد برکت اللہ لکھنوی فرنگی محلی)، تصور فاؤنڈیشن، المعروف گنج بخش روڈ لاہور، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء
☆ ابن عربی، محی الدین، الشیخ الاکبر، الامام، تفسیر القرآن الکریم، تحقیق وتقدیم مصطفیٰ غالب، انتشارات ناصر خسرو، تہران ایران، س۔ن
☆ ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد، امام، اسد الغابه فی معرفة الصحابه، دارالفکر للطباعہ والنشر والتوزیع، ۱۹۹۵ء
☆ ابن الصلاح، ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن الشہر زوری، الامام، مقدمه ابن الصلاح فی علوم الحدیث، فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان، س۔ن
☆ ابن العماد الحنبلی، ابوالفلاح عبدالحی، شذرات الذهب فی اخبار من ذهب، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، مکۃ المکرمہ، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء
☆ ابن ہشام، عبدالملک، الحمیری، السیرة النبویه، تعلیق استاد دکتور عمر عبدالسلام تدمری، دارالریان للتراث القاہرہ، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء
☆ اثری، ارشادالحق، پاک وہند میں علمائے اہلحدیث کی خدمات، فیصل آباد، ۱۹۹۰ء
☆ احمد خان، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۷ء
☆ احمد امین، المصری، فجر الاسلام، المباحثۃ العلمیہ دائرة معارف اسلامیہ حیدرآباد دکن، س۔ن
☆ احمد بن حنبل، المسند، المکتبہ الاسلامی بیروت، ۱۹۸۷ء
☆ احمد حسن، سید، مولانا، احسن التفاسیر، المکتبۃ السلفیہ لاہور، ۱۹۹۶ء
☆ احسان حقی، باکستان ماضیها وحاضرها، دارالنفائس، طبع اول، ۱۳۹۳ھ
☆ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الامام، الاصابه فی تمییز الصحابه، دارالجید بیروت، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء
☆ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الامام، لسان المیزان، داراحیاء التراث العربی، مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت،

طبع اول، ۱۴۱٦ھ/۱۹۹٦ء

☆ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الامام، نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر ، فاروقی کتب خانہ بیرون گیٹ، ملتان، س۔ن

☆ احمد شاہ، مراۃ القرآن، زمانہ پریس کانپور، 1915ء

☆ اسماعیل شہیدؒ، شاہ، مولانا، تقویة الایمان، مع کتاب التوحید، لامام محمد بن عبدالوہابؒ...... دارالسلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

☆ اشعری، ابوالحسن علی، الامام، مقالات الاسلامیین، مترجم مولانا محمد حنیف، ندوی، علم وعرفان پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء

☆ اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷٦ء

☆ افغانی، شمس الحق، علوم القرآن، امجد اکیڈمی، لاہور، س۔ن

☆ ایوب قادری، تذکرہ علمائے ہند، مشہور آفسٹ پریس کراچی، س۔ن

☆ الازہری، عبدالصمد صارم، تاریخ التفسیر، مکتبہ معین الادن، اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۹ء

☆ الاعظمی، محمد مصطفیٰ، ڈاکٹر، منہج النقد عند المحدثین، سعودی عرب، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

☆ ابو یحییٰ، امام خان نوشہروی، تراجم علمائے حدیث، ہند کراچی، ۱۹۷۳ء

☆ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، دارالسلام الریاض، ۲۰۰۰ء

☆ ابوطاہر، محمد بن یعقوب، تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس، المکتبة الفاروقیہ ملتان، س۔ن

☆ ابوحیان، تفسیر البحر المحیط، مکتبہ النضر الحدیثیة الریاض، س۔ن

☆ ابوشہبہ، محمد بن محمد، الدکتور، الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر ، مکتبہ السنہ دارالثقافة للنشر والتوزیع والبحث العلمی مصر، س۔ن

☆ ابوالفضل، ابن المبارک الناگوری، آئین اکبری، مترجم مولوی محمد فدا علی خان، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، س۔ن

☆ البغوی، حسین بن مسعود، معالم التنزیل، المکتبة الاسلامی بیروت طبع ثانی، ۱۹۸۳ء

☆ البغوی، محی السنة ابومحمد الحسین بن مسعود، الفراء، الام، تفسیر البغوی المسمیٰ معالم التنزیل، اعداد وتحقیق خالد عبدالرحمٰن العک، مروان سوار، ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیروت بوہڑ گیٹ ملتان، س۔ن

☆ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، انساب الاشراف، دارالتعارف للمطبوعات بیروت، لبنان، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

☆ التفتازانی، سعدالدین، عمر، شرح المقاصد، مطبعہ دار الطباعة العامرہ، ۱۲۷۷ھ

☆ الذھبی، شمس الدین، محمد، تذکرة الحفاظ ، قاہرہ ۱۳۹۴ھ

☆ الذہبی، محمد حسین ، التفسیر والمفسرون، مکتبہ دارالاحیاء التراث العربی، مصر

☆ الزرقانی،محمد عبدالعظیم،الاستاذ،مناھل العرفان فی علوم القرآن ،داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان الطبعة الثانیہ س۔ن

☆ الزرکشی ، بدرالدین محمد بن عبداللہ، البرھان فی علوم القرآن،داراحیاء الکتب العربیۃ مصر طبع اول ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء

☆ السیوطی ، الامام والمحلی ،جلال الدین، محمد بن احمد،الامام، تفسیر جلالین، دار الکتب العلمیہ ، بیروت لبنان،س۔ن

☆ السیوطی ، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، دارالندوہ الجدیدة بیروت ۔س۔ن

☆ السیوطی ، جلال الدین، الدر المنثور فی التفسیر الماثور ، دارالفکر بیروت،۱۴۰۴ھ/۱۹۹۲ء

☆ الشہر ستانی،ابوالفتح محمد بن عبدالکریم، امام،الملل والنحل ، مکتبہ الانجلو یہ المصر یہ،۱۶۵ شارع محمد فرید القاہرہ، س۔ن

☆ الطبری ، ابوجعفر محمد بن جریر الامام الکبیر،جامع البیان فی تفسیر القرآن، دارالمعرفۃ بیروت لبنان، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

☆ الغزالی، ابوحامد محمد بن محمد ، الامام، أحیاء علوم الدین وبذیلہ کتاب المغنی عن حمل الأسفار فی الاسفا ، دارالمعرفۃ بیروت لبنان، س۔ن

☆ الغزالی، ابوحامد محمد بن محمد ، الامام، المنقذمن الضلال والموصل الی ذی العزة والجلال ، تحقیق الدکتور جمیل صلیبا، الدکتور کامل عیاد، دار الکتب العربیہ، بشار پاکستان، س۔ن

☆ الفلاح، محمد عبدہ، تحریک اہلحدیث کے چند اوراق، ادارہ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، فیصل آباد،۱۹۹۱ء

☆ القشیری ، مسلم بن حجاج،الصحیح، دارالسلام الریاض طبع اول ۲۰۰۰ھ

☆ المجددی، عمیم الاحسان، محمد، قواعد الفقہ، الصدف پبلشرز ناظم آباد، کراتشی، س۔ن

☆ المزی ، جمال الدین ابوالحجاج، یوسف، الحافظ، الامام، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ، دارالفکر بیروت، لبنان، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

☆ امداد صابری، آثار رحمت، یونین پرنٹنگ پریس دہلی، س۔ن

☆ امرتسری، ثناء اللہ، تفسیر القرآن بکلام الرحمن، دارالسلام الریاض،۲۰۰۲ء

☆ امیر علی سید، تفسیر مواھب الرحمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور، س۔ن

☆ امینی، محمد تقی، حدیث کا درایتی معیار، قدیمی کتب خانہ کراچی،۱۹۸۶ء

☆ انور سدید، ڈاکٹر،اردو ادب کی تحریکیں،انجمن ترقی ادب، لاہور، س۔ن

☆ بخاری ، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، درالسلام ریاض طبع اول ۱۹۹۹ء

☆ بشیر انصاری، تحریک اہل حدیث افکار وخدمات، مرکزی جمیعت اہل حدیث، پاکستان ،۱۰۶ راوی روڈ، لاہور،۱۹۹۹ء

☆ بلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر، انساب الاشراف، دارالمعارف مصر، س۔ن

☆ بلوچ، عبدالعزیز، مفسرین عظام اوران کی تفسیری خدمات، النور اکیڈمی سرگودھا ۱۹۹۴ء

☆ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش، لاہور، ۱۹۹۰ء

☆ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر کے اہل حدیث خدام القرآن، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء

☆ بھٹی، محمد اسحاق، فقہائے پاک وہند، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۲ء

☆ بھٹی، محمد اسحاق، بزم ارجمنداں، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، س۔ن

☆ بھوجیانی، محمد ادریس، حاجی، ارباب علم وفضل، مکتبہ رحمانیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ، اکتوبر ۱۹۸۷ء

☆ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع، دارالسلام ریاض طبع اول، ۱۹۹۹ء

☆ تھانوی، اشرف علی، مولانا، بیان القرآن، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی، انڈیا ۱۳۵۳ء

☆ تھانوی، اشرف علی، مولانا، بیان القرآن، شیخ غلام اینڈ سنز مالکان علمی پریس لاہور، بندر روڈ کراچی، ۱۳۷۴ھ

☆ ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۳ء

☆ ثریا ڈار، ڈاکٹر، شاہ عبدالعزیز اوران کی علمی خدمات، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ لاہور، ۱۹۹۱ء

☆ جار اللہ، زہدی حسین، معتزلہ کی تاریخ، مترجم سید امتیاز احمد، مثال پبلشنگ، ۲۲، اے حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور، ۲۰۰۳ء

☆ جصاص، ابوبکر احمد بن علی رازی، احکام القرآن، دارالکتب العلمیہ بیروت، س۔ن

☆ چشتی، یوسف سلیم، تاریخ تصوف، دار الکتب، اردو بازار، لاہور، س۔ن

☆ حالی، الطاف حسین، مولانا، حیات جاوید، نیشنل بک ہاؤس ایبک روڈ انارکلی لاہور، ۱۹۸۶ء

☆ حسن ریاض، سید، پاکستان ناگزیر تھا، شعبہ تصنیف وتالیف کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء

☆ حسن نظامی، خواجہ، اسلام اور آریہ سماج کی ترازو، بجنور، روہڑی پریس، دہلی، س۔ن

☆ حقانی، عبدالحق، مولانا، فتح المنان، (تفسیر حقانی) مجتبائی پریس دہلی، ۱۹۰۰ء

☆ خان، ایچ بی، برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق وثقافت اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

☆ خلیفہ حاجی، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون عن أسامی الکتب الفنون، نور محمد کتب خانہ کراچی، س۔ن

☆ دریا آبادی، عبدالماجد مولانا، ترجمہ وتفسیر القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہو، س۔ن

☆ دریا آبادی، عبدالماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۵ء

☆ دریا آبادی، عبدالماجد، مولانا، یاد ایام، مطبوعہ انسٹیٹیوٹ پریس، علی گڑھ، س۔ن

☆ دیانند سراسوتی، ستھ یارتھ، پرکاش، (مترجم رادھا کشن مہتہ)، کشن چند، کمپنی، لاہور، ۱۹۹۵ء

☆ رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر، مطبعہ حسینیہ مصر ۱۳۵۲ء

☆ راہی، اختر، تذکرہ علمائے پنجاب، مکتبہ رحمانیہ ۱۹۸۱ء

☆ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، مشہور آفسٹ پریس کراچی، س۔ن

☆ رزاقی، شاہد حسین، سرسید اور اصلاح معاشرہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۳ء

☆ رضیہ حامد، ڈاکٹر، نواب صدیق حسن خان، بدھوارہ بھوپال ہندوستان ۱۹۸۳ء

☆ رفیع الدین، محمد، ڈاکٹر، قرآن اور علم جدید، اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۶ء

☆ زمخشری، محمود بن عمر ابو القاسم، أساس البلاغة، دار الکتب مصر مطبع اول ۱۹۵۳ء

☆ زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، مصر طبع اول، ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء

☆ سرسید احمد خان، اسباب بغاوت ہند، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۵۷ء

☆ سلفی، محمد اسماعیل، مولانا، تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی، گلدستہ محمدی چیچہ وطنی، س۔ن

☆ سواتی، عبدالحمید، مولانا، نماز مسنون، مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ، ۱۹۹۳ء

☆ سیال، واحد بخش، کپتان، شرح کشف المحجوب، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۹ء

☆ سید احمد خان، سر، اسباب بغاوت ہند، (تین غیر مطبوعہ مضامین)، تالیف وتدوین سلیم الدین قریشی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء

☆ سید احمد خان، سر، تفسیر القرآن مع تحریر فی اصول التفسیر، دوست ایسوسی ایٹس پرنٹر، سپائرز، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۶ء

☆ سیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی، دار النشر الکتب الاسلامیہ س۔ن

☆ سوہدروی، عبدالمجید، مولانا، استاذ پنجاب، مسلم پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء

☆ شاہ عبدالعزیز محدث، بستان المحدثین، اصح المطابع کراچی، ۱۹۷۶ء

☆ شبلی نعمانی، علامہ، علم الکلام اور کلام، نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی، ۱۹۷۹ء

☆ شبلی نعمانی، ندوی، سلیمان سید، سیرت النبیؐ، مکتبہ مدینہ، ۱۷، اردو بازار لاہور، ۱۴۰۸

☆ شبلی، نعمانی، احمد، شعر العجم، مطبع معارف اعظم گڑھ (ہند) س۔ن

☆ شرف الدین، صالحہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، س۔ن

☆ شطاری، سید حمید، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم وتفاسیر کا تنقیدی مطالعہ (۱۹۱۴ء تک)، ایچ ای ایچ نظامس اردو ٹرسٹ حمایت نگر حیدر آباد، ۱۹۸۲ء

☆ شمس تبریز خان، تاریخ ندوة العلماء، دفتر نظامت ندوة العلماء لکھنؤ، ۱۹۵۹ء

☆ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر، طبع اول، ۱۳۵۰ھ

☆ شیخ اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع چہارم، ۱۹۹۰ء

☆ شیخ اکرام، موج کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع چہارم، ۱۹۹۰ء
☆ شیخ محمد اکرم، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۰ء
☆ صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم الحدیث، (اردو ترجمہ غلام احمد حریری) ملک برادرز پبلشرز لائل پور، ۱۹۶۸ء
☆ صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، ملک پبلشرز کارخانہ بازار لائل پور نومبر ۱۹۶۸ء
☆ صدیق حسن خان، ابجد العلوم، مطبعہ صدیقی بھوپال ۱۲۹۲ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، تقصار جیود الأحرار من تذکار الأبرار، طبع اول ۱۲۹۸ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، الاذاعة لما کان ومایکون بین یدی الساعة، مطبع دار الکتب العلمیة بیروت، ۱۳۹۹ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، تذکیر الکل بتفسیر الفاتحه واربع قل، طبع بھوپال، ۱۳۰۵ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، ابقاء المنن بالقاء المحن، دار الدعوة السلفیہ، لاہور، ۱۹۸۶
☆ صدیق حسن خان، نواب، افادة الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، مطبع محمدی لاہور، ۱۳۱۸ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، اکسیر فی اصول التفسیر، مطبع نظامی کانپور، ۱۲۹۰ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، الحطة فی ذکر الصحاح الستة، دار الکتب العلمیة بیروت طبع اول، ۱۹۸۵ء
☆ صدیق حسن خان، نواب، الدین الخالص، مطبع انصاری دہلی، س۔ن
☆ صدیق حسن خان، نواب، ابقاء المنن، مطبعہ صدیقی بھوپال، ۱۳۰۵ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، ترجمان القرآن بلطائف البیان، مکتبہ اصحاب الحدیث، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۳ء
☆ صدیق حسن خان، نواب، روض الخضیب، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۳۰۵ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، فصل الخطاب فی فضل الکتاب، مطبع فاروقی دہلی، ۱۳۰۵ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام، مکتبہ سلفیہ، لاہور، س۔ن
☆ صدیق حسن خان، نواب، فتح البیان فی مقاصد القرآن، مطبعة الکبری المیریه، بولاق مصر، طبع اول، ۱۳۰۱ھ
☆ صدیق حسن خان، نواب، التاج المکلل، مطبعہ صدیقی بھوپال ۱۲۹۹ھ
☆ صدیقی ریحانہ ضیاء، ڈاکٹر، مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القرآن کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، نازیہ پرنٹرز روڈ گراں لال کنواں، دہلی، ۱۹۹۱ء
☆ طارق، غلام نبی، پروفیسر، القرآن شیء عجیب، نعمانی کتب خانہ لاہور، ۲۰۰۵ء
☆ طاش، کبری زادہ، مفتاح السعادة ومصباح السیادة، دائرۃ المعارف انتظامیہ حیدرآباد دکن طبع اول ۳۲۸ھ
☆ طالب الہاشمی، تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین، چین اسلامک پبلشرز اردو بازار، لاہور، بار دوم، ۱۹۹۲ء
☆ طاہر، علی حسن، مآثر صدیقی، ماسوم بہ، سیرت والا جاہی، جمعیت اہل سنت لاہور، ۱۹۹۱ء
☆ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل أی القرآن، مکتبہ الفاروقیہ ملتان، س۔ن

☆ طحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ، الامام، العقیدہ الطحاویہ المسماۃ بیان السنۃ والجماعۃ، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی س۔ن
☆ ظفر، عبدالرؤف، ڈاکٹر، تفسیر قرآن کا مفہوم، مجلس تحقیق الاثری، جہلم، ۱۹۹۱ء
☆ عباداللہ اختر، مشاہیر اسلام، تخلیقات علی پلازہ ۳ مزنگ روڈ لاہور، س۔ن
☆ عبدالجبار، قاضی، شرح الاصول الخمسہ، مطبعۃ الاستقلال القاہرہ، ۱۳۸۴ھ
☆ عبدالحق، شیخ، أخبار الاخیار، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، س۔ن
☆ عبدالحیٔ الکتانی، فہرس الفہارس، المطبعۃ الجدیدۃ، فارس، ۱۳۴۷ھ
☆ عبدالحی حسنی، حکیم، لکھنوی، سید، دہلی اور اسکے اطراف اردو اکادمی دہلی، ۱۹۸۸ء
☆ عبدالحی حسنی، لکھنوی، سید، الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند، دمشق، ۱۹۸۳ء
☆ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ، فتح المجید شرح کتاب التوحید، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ، ۱۳۸۸ھ
☆ عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور، ۱۹۸۳ء
☆ عبدالرزاق، حلیۃ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر، تحقیق محمد بہیت البیطار، المجمع العلمی دمشق، ۱۳۸۲ھ
☆ عبدالقادر محدث دہلویؒ، شاہ، موضح قرآن، تصحیح وتشریح مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی س۔ن
☆ عبداللہ ملک، بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد، مجلس ترقی ادب لاہور، س۔ن
☆ عثمانی، شبیر احمد، مولانا، تفسیر عثمانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۳۲ھ
☆ عثمانی، شبیر احمد، علامہ، فضل الباری، شرح اردو صحیح البخاری، ترتیب ومراجعت قاضی عبدالرحمٰن، فاضل دیوبند، ادارہ علوم شرقیہ، شرقیہ نشتر روڈ، کراچی، س۔ن
☆ عراقی، عبدالرشید، برصغیر پاک وہند میں علماے اہل حدیث کی تفسیری خدمات، صادق خلیل، اسلامک لائبریری فیصل آباد، ۲۰۰۰ء
☆ عراقی، عبدالرشید، تذکار نواب صدیق حسن خان، ادارہ احیاء التراث اہل السنہ، الہ آباد وزیرآبا گوجرانوالہ، ۲۰۰۷ء
☆ عراقی، عبدالرشید، حدیث کی نشر واشاعت میں علمائے اہل حدیث کی خدمات، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور ۲۰۰۳ء
☆ عزیز احمد پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۹ء
☆ عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی شہاب الدین، تہذیب التہذیب، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت طبعہ ثانیہ ۱۴۱۳ھ
☆ علی القاری بن سلطان محمد، ملا، شرح علی الفقہ الکبر، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س۔ن
☆ علی حسن طاہر، مآثر صدیقی، جمیعت اہل سنت لاہور، ۱۹۹۱ء
☆ عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین، دمشق، ۱۹۶۰ء

☆ فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، مترجم عبدالحی خواجہ، ایم اے، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س۔ن

☆ فقیر محمد، مولوی، حدائق الحنفیہ، منشی نول کشور، لکھنؤ، س۔ن

☆ فیوض الرحمان قاری، مشاہیر علماء، فرنٹیئر پبلشنگ کمپنی اردو بازار لاہور، س۔ن

☆ قادری، محمد ایوب، تذکرہ علمائے ہند، مشہور آفسٹ پریس، کراچی، س۔ن

☆ قادری، محمد ایوب، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، لاہور س۔ن

☆ قادری، حقانی میاں، حافظ، ڈاکٹر، دینی مدارس، نصاب و نظام تعلیم اور عصری تقاضے، فضلی سنز لیٹڈ، ٹیمپل روڈ کراچی، ۲۰۰۲ء

☆ قاسمی، محمد سالم، جائزہ تراجم قرآن، دیوبند، ۱۹۶۸ء

☆ قاسمی، اخلاق حسین، دہلوی، ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ، مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی، ۱۹۹۳ء

☆ قاضی ثناء اللہ، پانی پتی، تفسیر مظہری، ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی جنوری، ۱۹۸۱ء

☆ قدوائی سالم، ڈاکٹر، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۹۳ء

☆ قرآن پاک کی تفسیریں چودہ سو برس میں، خدا بخش لائبریری پٹنہ، ۱۹۸۹ء

☆ قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن، مدینہ میزان مارکیٹ کوئٹہ، س۔ن

☆ قشیری، ابوالقاسم، الامام، رسالہ قشیریۃ، مترجم ڈاکٹر محمد حسین ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

☆ کاتب چلپی، کشف الظنون، مکتبہ البہیہ مصر، ۱۳۹۰ھ

☆ کاشمیری، محمد انور شاہ، علامہ، فیض الباری علی صحیح البخاری، مطبعہ حجازی قاہرہ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۳۸ء

☆ کاندھلوی، محمد مالک، التحریر فی اصول التفسیر، قرآن محل کراچی، س۔ن

☆ کیلانی، عتیق الرحمٰن، تیسیرا لقرآن، دارالسلام وسن پورہ لاہور، س۔ن

☆ گیلانی، مناظر احسن، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ رحمانیہ لاہور، س۔ن

☆ لالہ لاجپت رائے، آریہ سماج کی تاریخ، (ترجم کشور سلطان)، ترقی اردو بورڈ نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

☆ لکھنوی، عبدالحئی، علامہ، نزھۃ الخواطر، مطبوعہ انسٹیٹیوٹ پریس، علی گڑھ، س۔ن

☆ مالک بن انس، المؤطا، دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

☆ مبارک پوری، قاضی اطہر، رجال السند والھند، مطبعہ اجازیہ بمبئی، ۱۳۷۷ھ

☆ محمد زاہد الحسینی، تذکرۃ المفسرین، دارالارشاد اٹک، س۔ن

☆ مصطفیٰ، محمد طاہر، تفسیری رجحانات کا ارتقاء، شکیل سنز اردو بازار راولپنڈی، ۱۹۹۳ء

☆ محمد سلیم، سید، پروفیسر، تاریخ نظریہ پاکستان، ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور، ۱۹۸۷ء

☆ محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۶۵ء

☆ محمود الطحان، الدکتور، اصول التخریج و دراسة الاسانید، کلیة اصول فی الدین سعودی عرب، س۔ن

☆ مدنی، حسین احمد، نقش حیات، دارالاشاعت، کراچی، س۔ن

☆ مسعود احمد، (بی ایس سی) کتاب عزیز جماعت المسلمین، ناظم آباد کراچی، س۔ن

☆ مفتی محمد شفیع، مولانا، معارف القرآن، ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی، س۔ن

☆ ملاجیون، التفسیرات الاحمدیه، مطبعۃ اخوان الصفا کلکتہ، س۔ن

☆ منگوری، طفیل احمد، علیگ، مسلمانوں کا روشن مستقبل، حماد الکتبی، شیش محل روڈ، لاہور، س۔ن

☆ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ادارۃ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۱ء

☆ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تنقیحات، اسلامی پبلی کیشنز لاہور چھبیسواں ایڈیشن، ۱۹۹۲ء

☆ ندوی محمد حنیف، مولانا، عقلیات ابن تیمیہؒ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۱ء

☆ ندوی، ابوالحسن علی، سید، ہندوستانی مسلمان، مجلس نشریات اسلام، کراچی، پانچواں ایڈیشن، ۱۹۸۵ء

☆ ندوی، ابوالحسن علی، سید، حیات عبدالحی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۵ء

☆ ندوی، ابوظفر، سعید، تاریخ سندھ، اعظم گڑھ، ۱۳۶۶ھ

☆ ندوی، ابوالحسن، سید، ارکان اربعہ مجلس نشریات اسلام کراچی، س۔ن

☆ ندوی، ابوالحسن، سید، سیرت سید احمد شہید، سعید ایم ایچ کمپنی ادب منزل، پاکستان، کراچی، ۱۹۸۷ء

☆ ندوی، مسعود عالم، مولانا، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ادارہ المعارف اسلامی، منصورہ، لاہور، ۱۹۹۲ء

☆ نسائی، احمد بن شعیب، السنن، دارالسلام الریاض، ۱۹۹۹ء

☆ نقوی، جمیل، اردو تفاسیر، کتابیات، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

☆ نقوی، ذوالفقار احمد، قضاء الادب فی علماء النحو، والادب، مطبع فیض عام آگرہ، ۱۳۱۶ھ

☆ نادر صدیقی، محمد، ڈاکٹر، پاکستان میں مسیحیت، مسلم اکیڈمی، محمد نگر علامہ اقبال روڈ، لاہور، ۱۹۷۹ء

☆ نورالدین، عطر، منہج النقد فی علوم الحدیث، دارالفکر، س۔ن

☆ نور اللہ، سید، تاریخ تعلیم ہند (اردو ترجمہ مسعود الحق) ساؤتھ ایشین پبلشر کراچی صدر، س۔ن

☆ نوشہروی، امام خان، ابویحییٰ، ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، مکتبہ نذیریہ چیچہ وطنی، ۱۳۹۱ھ

☆ نوشہروی، امام خان، ابویحییٰ، تراجم علمائے حدیث ہند، دہلی، ۱۹۳۸ء

☆ وجدی، عابد علی، تاریخ ریاست بھوپال، بدھوارہ بھوپال، س۔ن

☆ ولی اللہ دہلوی، شاہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س۔ن

☆ ولی اللہ، شاہ، تفسیر فتح الرحمان، تاج کمپنی کراچی، س۔ن

☆ ولی اللہ، شاہ، قطب الدین احمد، دہلوی، الامام، حجة الله البالغه، راجعہ وعلق علیہ الشیخ محمد شریف سکر،

دار احیاء العلوم بیروت، طبع اول، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

☆ ولیم ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان (ترجمہ صادق حسین ڈاکٹر)، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۵۳ء

☆ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، نوائے وقت پرنٹرز لاہور، س۔ن

☆ ہراس، محمد خلیل الشیخ، شرح العقیدہ الواسطیہ لشیخ الاسلام ابن تیمیۃ، دار النشر الکتب الاسلامیہ، شیش محل روڈ، لاہور، س۔ن

☆ ہنٹر ڈبلیو، ڈبلیو، ہمارے ہندوستانی مسلمان، مترجم ڈاکٹر صادق حسین، دفتر اقبال اکیڈمی، ظفر منزل تاجپورہ لاہور، ۱۹۴۴ء

☆ یاقوت الحموی، شہاب الدین ابی عبداللہ، معجم البلدان، مطبعۃ سعادۃ مصر، س۔ن

لغات

☆ احمد قاری، اللغات الفرقان، محمد سعید اینڈ سنز کراچی، س۔ن

☆ اصفہانی، امام راغب، معجم المفردات لالفاظ القرآن الکریم، مکتبہ المرتضویہ لأحیاء الاثار الجعفریہ، تہران، س۔ن

☆ الافریقی، محمد بن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، س۔ن

☆ الزبیدی، محمد مرتضی، تاج العروس من جواھر القاموس، دار الفکر بیروت، س۔ن

☆ قاسم محمود سید، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران لاہور، طبع ۔۸، س۔ن

☆ عبدالمجید، خواجہ، بی، اے، جامع اللغات، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۸۹ء

☆ عزیزی، ابوالفتح، مفتاح اللغات، محمد سعید اینڈ سنز کراچی، س۔ن

☆ فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، الرسالہ بیروت، طبع دوم، ۱۴۰۷ھ/۱۹۹۷ء

☆ فیروز سرہندی، علمی اردو لغت جامع، فیروز سنز لاہور، س۔ن

☆ لوئیس معلوف، المنجد فی اللغۃ، دار المشرق بیروت، طبع تیکسواں، ۱۹۹۴ء

☆ نیر، نور الحسن، مولوی، نور اللغات، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، س۔ن

رسائل و جرائد

☆ احمدون ڈنفر، علوم القرآن "انگریزی" برطانیہ، ۱۹۸۳ء

☆ صحیفہ اہل حدیث کراچی، پندرہ روزہ، جلد ۸۷، شمارہ ۲۱، دسمبر ۲۰۰۵ء

☆ ماہنامہ الحسن، حضرت تھانوی نمبر شمارہ اکتوبر ۱۹۸۷ء

☆ ماہنامہ ضیاء الامت نمبر، مئی ۱۹۹۹ء

☆ ماہنامہ محدث، بنارس، شمارہ نمبر ۵،۶ جلد ۲۴، مئی، جون ۲۰۰۶ء

☆ محدث (ماہنامہ)، اسلامک ریسرچ کونسل، جلد۲۶، عدد۱، ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور، اکتوبر۱۹۹۴ء
☆ ماہنامہ نقوش رسول، رسول نمبر شمارہ نمبر۱۳ دسمبر۱۹۸۲ء، ادارہ فروغ اردو لاہور
☆ ماہنامہ، الرشید، لاہور، شمارہ فروری، مارچ،۱۹۷۶ء، دار العلوم دیوبند نمبر

دائرہ ہائے معارف

☆ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، لاہور
☆ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور،۱۹۸۲ء
☆ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، استنبول، ترکی
☆ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، حیدرآباد، دکن
☆ ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، تیسری بین الاقوامی کانفرنس، بہاولپور یونیورسٹی، اپریل ۲۰۰۷ء
☆ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر ریواز گارڈن لاہور، ۱۹۸۸ء
☆ شاہکار اسلامی انسائیکلوپڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، س۔ن

English Books

☆ The life and works of Muhammad Siddiq Hansan Khan Nawab, by Saeed ulllah, Kashmiri bazar Lahore, 1973.
☆ Ubaidur Rahmadn, Contribution of Muhammad Siddiq Hansan Khan Nawab, to the Arabic Literature An analytical study Jawaharlal Nehru University, New Delhi, 2005.
☆ History of the freedom movement in India